هُدًى لِّلنَّاسِ وَالْفُرْقَانِ

انوار الفرقان

تفسیر فی اسرار القران

جلد چہارم

ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد

ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد محفوظ ہیں۔ کسی ادارہ ے یا ادارہ کو مصنف سے تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے یا الیکٹرانک طریقہ سے منتقل کرنے کی اجازت نہیں۔

کتاب: انوار الفرقان، تفسیر اسرار القران۔ جلد چہارم

مصنف: ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد۔

پبلشر: ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد۔ الحفیظ ویلفئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔

پہلا ایڈیشن: فروری 2025ء

پرنٹر:

ایڈریس: ہاؤس نمبر ۲، لین نمبر ۱۷، سیکٹر ایچ۔ ڈی۔ ایچ، اے، فیز ۲، اسلام آباد۔

ای میل: drmharshad@gmail.com

ویب سائٹ: www.anwaarulfurqaan.org

آئی ایس بی این نمبر: ISBN: 978-969-8478-09-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم النبیین۔رحمت اللعالمین

صاحب کتاب۔سرورکائنات

کے نام

جن پر کروڑوں اربوں درود اور سلام

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

اے اللہ مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور اس کی اتباع عطا فرما
اے اللہ مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور اس سے مجھے بچنا عطا فرما

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	انیسواں پارہ		
1	**27-سورۃ نمل**		11
2	اعمال میں خوشنمائی کا دھوکہ	4	14
3	حضرت داؤدؑ	15	18
4	حضرت سلیمانؑ	16	19
5	شکر	16	22
6	چیونٹی	18	24
7	امن کی اہمیت	31	27
8	مشورہ کی اہمیت	32	28
9	قوت کا نشہ اور نتیجہ	34	29
10	علاقہ سبا اور ملکہ سبا	35	29
11	نبوت اور بادشاہت	36	30
12	اسلامی اصول دفاع		31
13	شکر کی ضرورت واہمیت	39	33
14	قبول حق	44	35
15	بدشگونی کے اثرات	47	37
	بیسواں پارہ		
16	دآبۃ الارض	82	47
17	رات اور دن	86	49
18	**28-سورۃ القصص**		53
19	تعارف		53
20	طبقاتیت	4	55
21	اخلاص سے عمل میں برکت	12	60
22	ظلم سے نفرت	17	63
23	ہدایت کی طلب	25	65
24	مسلمان کی خصوصیات	54	77
25	برائی کا بدلہ اچھائی سے		78
26	کلام/انداز گفتگو	55	78
27	تباہی کے اسباب	59	80
28	دنیا کے اعمال کا بدلہ کیوں اور کیسے؟	61	82
29	عذاب کا دیکھنا	64	84
30	اللہ کے انعامات	73	86
31	زندگی گذارنے کے اصول	77	90
32	**29-سورۃ العنکبوت**		94
33	تعارف		94
34	اللہ بے نیاز ہے	6	96
35	کفار کی نیکی کی جزا	6	97
36	جرم کا سبب انسانی سوچ	38	110
37	مکڑی	41	111
38	اہل علم کی ذمہ داری	43	113
	اکیسواں پارہ		
39	نماز کے اثرات	45	114
40	طبّی اثرات		114
41	روحانی اور نفسیاتی اثرات		115
42	برائی سے روکنا		116
43	اللہ کا ذکر	45	118
44	مباحثہ	46	120
45	اہل کتاب	46	120

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
46	ہجرت	56	123
47	رزق کی تنگی اور فراخی	62	126
48	مخلوق اور خالق	61	127
49	**30-سورۃ الروم**		132
50	تعارف		132
51	شانِ نزول		133
52	وعدہ کی اہمیت	3	135
53	دنیا کا علم	7	135
54	انسانی وجود (میڈیکل سائنس)	8	136
55	اوقات نماز	17	140
56	نظام حیات و معاشرت و خالق کائنات	19	142
57	خود پسندی اور گمراہی	28	147
58	دین فطرت	32	148
59	انسانی جسم میں تبدیلی اور بناوٹ	32	149
60	احترام خنثیٰ انسان	32	149
61	تبدیلی جنس	32	150
62	فرقہ بندی اور اس کا حل	32	151
63	تکالیف و آرام میں انسانی کردار	36	154
64	سماجی فلاح	38	155
65	سزا کے اسباب		157
66	دوبارہ زندگی	50	160
67	زندگی کا سفر	54	162
68	**31-سورۃ لقمان**		166
69	تعارف		166
70	نماز	4	168
71	زکوٰۃ	4	169
72	آخرت	4	170
73	ساز و آواز	6	172
74	پہاڑ	10	176
75	جانور	10	177
76	بارش	10	177
77	نباتات		178
78	حضرت لقمانؑ	12	179
79	حکمت	12	179
80	شکر		180
81	فوائد شکر		180
82	اعمال اور معلومات کا ریکارڈ	16	183
83	نیکی کا پھیلانا اور برائی کو مٹانا	17	184
84	صبر	17	184
85	تکبر اور علامات	17	185
86	میانہ روی	18	186
87	انداز گفتگو	19	186
88	اندھی تقلید	20	188
89	دنیا کی زندگی میں دھوکے	33	194
90	**32-سورۃ السجدہ**		196
91	تعارف		196
92	تخلیق کائنات	4	198
93	نظام کائنات	5	199
94	وجود انسانی	7	202
95	روح انسانی	9	202
96	انسانی اختیار و عمل	13	205
97	سجدہ تلاوت	15	206
98	فرمانبردار انسان	16	206
99	مومن و فاسق	18	208

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
100	غیر مسلم حربی اور غیر مسلم ذمی	18	208
101	برے اعمال پر وارننگ	21	209
102	اختلافات میں فیصلہ	25	211
103	33- **سورۃ الاحزاب (خندق)**		213
104	تعارف		213
105	اسباب غزوہ خندق (احزاب)		214
106	غزوۃ احزاب		214
107	غزوۃ بنو قریظہ		215
108	خندق/احزاب کے دوران معجزات		216
109	لباس ظاہری کی مشابہت	1	219
110	بیوی کو ماں کہنا	4	220
111	منہ بولے بیٹے؛ متبنیٰ	4	221
112	نبی کا مرتبہ	6	223
113	فلاحی ریاست	6	223
114	ازواج نبی کا درجہ	6	224
115	جنگ ایک چال ہے	11	226
116	غائبانہ امداد	9	227
117	ذکر الٰہی	21	232
118	غزوہ بنی قریظہ	26	235
119	اختلاف رائے میں احترام	27	236
120	نبی ﷺ کی عظمت	28	239
121	گھر کا ماحول (اختیارِ طلاق احترامِ نسواں)	29	240
122	مرتبہ کی اہمیت وذمہ داری		241
123	**بائیسواں پارہ**		
124	اختلاط اور معاملات میں احتیاط	32	242

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
125	گھر کی اہمیت	32	243
126	جاہلیت کی سج دھج سے نکلنا		244
127	عبادات و معاملات	33	245
128	مقام پاکیزگی		246
129	محبت میں غلو	34	247
130	مساوات جنس	35	248
131	صفات عالیہ	35	248
132	انسانی مساوات	36	251
133	شادی میں ترجیح	36	251
134	حضرت زینب بنت جحشؓ	37	254
135	خاتم النبیین ﷺ	40	256
136	فتنہ جدید		257
137	ذکر کے درجات		258
138	انعامات کا ذکر		259
139	نبی کی گواہی	45	261
140	غیاب اور حضور	45	261
141	ازواج میں مساوات	52	268
142	جنگی قیدی	52	269
143	درود کی فضیلت		275
144	ملازمت اور پردہ	59	279
145	اللہ کے طریقے (سنت)	62	281
146	صحیح معلومات		284
147	امانت الٰہی	72	285
148	**34-سورۃ سبأ**		287
149	تعارف		287
150	زمین و آسمان	1	288
151	قیامت کیوں اور کیسے؟	3	290

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
152	دوبارہ زندگی کیسے	8	293
153	نیک اعمال بھی شکر ہیں	13	297
154	اعمال بد کا محرک	20	301
155	رہنمائے انسانیت		304
156	اسباب گمراہی	34	307
157	رزق کی کمی وبیشی	36	308
158	**35-سورۃ فاطر**		314
159	تعارف		314
160	فرشتے	1	315
161	کمی وبیشی	1	316
162	جزاوسزا	5	318
163	اعمال کا دھوکہ	6	319
164	دوبارہ زندگی	9	321
165	روح اور جسم کا دوبارہ ملاپ	9	322
166	عمل کی اہمیت	10	323
167	تخلیق انسان	11	324
168	اعمال کا ریکاڈ	11	325
169	حساب وکتاب کا اصول	18	329
170	انسانی کردار کے فرق کی اہمیت	20	329
171	پہاڑوں میں رنگ	27	331
172	علمائے حق	28	332
173	امت مسلمہ کا اعزاز	32	334
174	نصیحت حاصل کرنا ضروری ہے		337
175	دھوکہ کا نتیجہ	43	340
176	**36-سورۃ یٰسین**		342
177	تعارف		342
178	اصحاب قریہ	13	348
179	فال اور نحوست	19	348
	تیئیسواں پارہ		
180	جوڑے	36	353
181	سورج کا مستقر	38	355
182	چاند کی منازل (مدار)		359
183	شیطانی افکار	48	363
184	قسمت اور حکم الٰہی	48	363
185	وقوع قیامت	48	364
186	دوبارہ زندگی	51	366
187	حساب وکتاب	54	367
188	جنت کی زندگی	55	368
189	شیطان کی عبادت (گمراہی)	60	371
190	انسانی نطفہ	77	379
191	**37-سورۃ الصّٰفّٰت**		382
192	تعارف		382
193	ستارے	6	385
194	شہاب ثاقب	10	385
195	خلائی معلومات اور قرآنی اشارات	10	386
196	جنت کی زندگی	30	393
197	اعمال اور دوستی		395
198	دوزخ کی زندگی	36	397
199	حضرت اسماعیلؑ	106	403
200	حضرت الیاسؑ	37	407
201	حضرت یونسؑ	137	410
202	ارادہ وعمل	160	413
203	**38-سورۃ صٓ**		418
204	تعارف		418

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
205	آواز کا سحر/تاثیر	17	423
206	حکمت	20	424
207	عدل وحق	20	424
208	شراکت کے مسائل اور عدل	22	426
209	مقابلہ اور ارتکاز دولت	23	427
210	حکومت، اسلامی طرز	26	428
211	فیصلہ حق	26	430
212	حضرت سلیمانؑ	30	433
213	تخت سلیمانیؑ	30	435
214	جنات	30	436
215	حضرت ایوبؑ	41	437
216	حیلہ کی حدود	44	438
217	وجود انسانی		446
218	تکبر	77	446
219	اسوۃ النبی	77	447
220	شیطان کا عمل اور اس کی سزا	82	448
221	سزا کیوں؟		449
222	**39-سورۃ الزمر**		452
223	تعارف		452
224	اخلاص کا معیار	2	454
225	نظام کائنات	5	456
226	اطاعت	7	458
227	تقدیر اور تابعداری	7	459
228	علم	9	460
229	ہجرت	10	461
230	صبر		461
231	نورِ ہدایت	21	466

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	چوبیسواں پارہ		
232	اللہ پر جھوٹ باندھنا	32	470
233	اہل حق کا صلہ	33	471
234	حق کا فائدہ	41	474
235	نیند، موت اور نفس	42	475
236	توبہ	53	479
237	اللہ کی قوت وقیامت	63	483
238	**40-سورۃ غافر (المومن)**		487
239	تعارف		487
240	بحث وجدال	4	489
241	عرش الٰہی	9	490
242	طریقہ دعا	10	492
243	تکبر	35	500
244	افکار کی کشش	37	501
245	اعمال وایمان		503
246	حق گوئی	38	503
247	دنیا کی زندگی	39	504
248	انسانی بے بسی کا منظر	50	505
249	نافرمانی کا سبب	56	507
250	انسانی وجود بمقابلہ کائنات	57	508
251	انسان کا بہک جانا	62	509
252	انسانی زندگی کے مراحل	68	511
253	**41-سورۃ حم سجدہ (فصلت)**		417
254	تعارف		417
255	تخلیق زمین وکائنات	9-10	524
256	دن کے بارے شگون	16	529
257	اعضاء کی گواہی	20	531

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
258	انسان کا گمان (اللہ کے بارے)	22	533
259	عمل کے اسباب اور علاج	25	534
	پچیسواں پارہ		
260	آرام اور تکلیف میں انسانی نفسیات	49	547
261	کائنات میں نشانیاں	53	549
262	انسانی جسم کے انکشافات (کامل)	53	549
263	**42-سورۃ الشوریٰ**		551
264	تعارف		551
265	وحی	3	552
266	اہل جنت واہل جہنم	7	554
267	تفرقہ بازی یا تشدد کا سبب	14	558
268	سزا میں مہلت		558
269	رزق کی تقسیم	27	556
270	گناہ کبائر	37	569
271	غصہ میں معاف کرنا	38	570
272	احکام کی پابندی	38	570
273	عبادت	38	570
274	باہمی مشورہ		571
275	مشاورت کیوں؟	38	571
276	خرچ کرنا	38	572
277	تولید میں مذکر و مونث	49	577
278	تولید میں مذکر و موشنت کیسے		577
279	اسباب راحت و مصیبت کیوں	49	578
280	الہامی ہدایت کی ضرورت	53	580
281	**43-سورۃ الزخرف**		582
282	تعارف		582
283	بارش سے دوبارہ نباتات کی پیدائش	11	584
284	کائنات میں جوڑے		585
285	سفر کی دعا	13	586
286	جانوروں کے حقوق	14	587
287	اولاد میں بیٹا اور بیٹی	16	589
288	تبدیلی اور انسانی نفسیات	24	591
289	آسائش دنیا اور آخرت	33	594
290	برائی کی ابتداء کیسے ہوتی ہے	36	595
291	نیت بد کے لئے کئی بہانے	47	598
292	**44-سورۃ الدخان**		610
293	تعارف		610
294	شب نصف شعبان	4	611
295	آسمان/فضاء میں دھواں	10	613
296	انعام اور امتحان	32	617
297	قوم تبع	37	618
298	نظام کائنات	389/	619
299	**45-سورۃ الجاثیہ**		623
300	تعارف		623
301	تخلیق آسمان، زمین و حیوانات	4/3	624
302	بارش اور نباتات	4	625
303	سمندر و زمین	12	628
304	جزا و سزا کا پیمانہ	14	628
305	اختلاف اور تشدد کیوں؟	17	629
306	دنیا اور آخرت میں برائی اور اچھائی	21	631
307	زمین و آسمان اور انسان کا عمل		632
308	خواہشات نفس کا فساد	23	633
309	عمل کی اہمیت	30	636

انیسواں پارا

27- سورۃالنمل

تعارف:۔

سورۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس کا وقتِ نزول مکہ کا دور وسطیٰ (درمیانی دور) تھا۔ یہ سورت الشعراء کے بعد اور سورت القصص سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی ترانوے (93) آیات اور سات (7) رکوع ہیں۔ اس کا ترتیب کے اعتبار سے ستائیسواں (27) نمبر ہے اور نزول کے اعتبار سے اڑتالیسواں (48) نمبر ہے۔ اس کی آیت نمبر 18 میں نَمْلَةٌ (چیونٹی) کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے اس کا نام النمل ہے۔ مضامین کے لحاظ سے سورۃ الشعراء سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔

سورت کی ابتداء، قرآن مجید کی حقانیت اور روشن ہدایت سے ہوئی، اور ان مومنین، جو نظام صلٰوۃ اور زکٰوۃ (فلاح) پر عمل کرتے ہیں، کے لئے خوشخبری ہے۔ جو لوگ قیامت یا موت کے بعد زندگی اور حساب و کتاب پر یقین نہیں کرتے اور اپنی خواہشات میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کے لئے عذاب اور نقصان کی وعید کی گئی۔

سابقہ انبیاء کے واقعات جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلمان علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات ذکر کئے، تاکہ ایک طرف مسلمانوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام الٰہی پہنچانے اور عمل کرنے کی مشکلات کا اندازہ ہو، تو دوسری طرف کفار مکہ جو احکام الٰہی کو، ان نافرمان اقوام کی طرح نظر انداز کر رہے ہیں اور انجام سے بے خبر ہیں، ان کو، ان کی تباہی کے بارے وارننگ دینی ہے۔ یہ انبیاء عرب کے ساتھ والے علاقوں میں گذرے ہیں اور ان کے واقعات مقامی لوگوں کو معلوم ہیں۔

انسانی تجزیہ کے لئے انسان کے تین طرح کے حالات کا تجزیہ کیا، ایک طرف فرعون، تکبر اور اپنے دعویٰ خدائی میں گم تھا۔ اقوام حضرت صالح اور لوط، اللہ تعالیٰ کے احکام سے منکر ہو گئے تھے۔ اپنے آباؤاجداد کی تقلید کو اہم سمجھا اور ان کی وجہ سے حق کو سمجھنے سے انکار کرتے رہے، جس کا انجام تباہی تھا۔

دوسری طرف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام، بادشاہت، دولت اور قوت ہونے کے باوجود اللہ کے احکام پر یقین اور عمل کرنے والے اور بت پرستی کے خلاف تھے۔ قیامت اور حیات، بعد از موت زندگی پر ایمان رکھتے، عادل اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ملکہ بلقیس، جو ایک زرخیز ملک کی بادشاہ اور طاقت رکھتی تھی اور اس کے ساتھ بڑی فوج بھی

تھی، وہ سورج کی عبادت کرتی تھی کیونکہ اس کے آباؤ اجداد اس طرح کرتے تھے۔ لیکن جب اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اسلام کی دعوت ملی، تو اپنے آباؤاجداد کے رواج ورسم کو چھوڑ دیااور نئے مذہب کو قبول کر لیا۔اس کو اسلام کے قبول کرنے میں آباؤاجداد کا طریقہ رکاوٹ نہ بنا، جس طرح کفار مکہ کو بن رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کے عقلی و علمی دلائل دیئے گئے، آسمانوں، زمین، سمندر، خشکی کو پیدا کرنااور انسان کو قوت وطاقت دینا، کہ وہ دنیامیں موجود اشیاء سے فائدہ اُٹھائے، رات ودن کا سلسلہ پیدا کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وقوت کی دلیل ہے۔ وہی قیامت کی ہولناکی اچانک پیدا کرے گا۔ قیامت کی ہولناکیوں میں ایک عجیب واقعہ زمین سے ایک جانور نکلے گااور پھر غائب ہو جائے گا۔ قیامت کی آمد پر ایک صور پھونکا جائے گا، جس کی ہولناکی سے لوگ ختم ہوں گے اور پہاڑ، بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔

نیک انسانوں کو ان کے اعمال کی اچھی جزااور برے لوگوں کو بری سزا ملے گی۔ مشرکین و کفار کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گذاریں۔ جو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذارے گا، اس میں اس کا اپنا فائدہ و بھلا ہے اور جو اس کے احکام کے خلاف عمل کرے گا اس کا اپنا نقصان ہو گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾

طا، سین یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیات ہیں۔

ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾

یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت (خوشخبری) ہے۔

الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾

جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

طا۔ سین۔ حروف مقطعات ہیں۔ جن کے معانی تو معلوم نہیں مگر اس کی تعبیرات حروف کی نسبت سے ،علماء نے کی ہیں، جیسے ط سے طیب، پاک اور س سے سِرّ، یعنی اسرار ہے۔ قرآن مجید کے بارے فرمایا، کہ یہ آیات قرآن اور واضح کتاب کی ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے لئے ہدایت ہے،۔ جو لوگ نماز (اللہ کی عبادت) اور زکوٰۃ یعنی غرباء اور فقراء پر خرچ کرتے ہیں اور اس دنیا کے بعد دوبارہ زندگی اور جزا و سزا پر یقین کرتے ہیں، ان کے لئے خوشخبری ہے۔ زکوٰۃ یعنی غرباء و فقراء محتاجوں پر خرچ کرنا، تمام انبیاء کا حکم رہا ہے۔ زکوٰۃ کی تفصیل یعنی مقدار کا تعین (نصاب) مدینہ شریف میں شروع (فرض) ہوا۔ اس لئے زکوٰۃ اور صلوٰۃ کا ذکر اکٹھا کیا جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ؕ﴿۴﴾

بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان (یقین) نہیں رکھتے، ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال پر کشش بنا دیئے ہیں، لہٰذا وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾

وہی لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہی زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۶﴾

اور (اے نبی) بلاشبہ آپ کو ایک کمال حکمت والے اور خوب جاننے والے کی طرف سے یہ قرآن سکھایا جاتا ہے۔

قرآن مجید، اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی، نیک اور گنہگار، کا موازنہ کرتا ہے تاکہ پڑھنے والا، دونوں کرداروں کے فرق کو جان لے اور دونوں کے اعمال کے نتیجے سے واقف ہو جائے۔ پچھلی آیت میں ایمان داروں، ان کے کردار، اللہ کی تابعداری، مخلوق خدا کی خدمت (زکوٰۃ) اور اس کے مقابل اللہ کے انعام واکرام کا ذکر تھا۔ ان آیات میں وہ جو اللہ

کے احکام سے منکر ہیں،اپنی خواہشات میں ڈوبے ہیں،دوسروں کے درداور احساس سے محروم ہیں اور صرف اپنی ذات کے مفادتک محدود ہیں ان کا مقابلہ کیاجارہاہے۔ان کے لئے عذابِ آخرت ہے اگرچہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

اعمال میں خوشنمائی کادھوکہ:۔

انسان کو معلوم ہے کہ دوسروں کا بھلا کرنے میں فائدہ ہے۔زندگی محدود ہے،انسان کے بس میں نہ پیدائش ہے نہ موت ہے۔اپنی مرضی سے نہ دنیامیں آناہے اور نہ اس دنیاسے جاناہے۔اتنے بڑے جہان کا کوئی توپیدا کرنے یا بنانے والا ہے۔اس کا حکم تومانناچاہیے۔اتنے بڑے دلائل کے بعد بھی انسان اپنی خواہشات میں ڈوب جاتاہے یہ کیوں ہوتاہے۔اس کی وجہ قرآن مجید نے بتائی ہے۔جب انسان عقل اور سمجھ کے باوجود اچھائی اور برائی میں امتیاز نہیں کرتااور اپنے اختیار سے اپنی جسمانی خواہش کی وجہ سے برائی کو اختیار کرلیتاہے،اس کا پکاارادہ،اوراس پر عمل کرتاہے،تواس میں احساس یااچھائی کی عظمت ومحبت ختم ہوجاتی ہے اور پھر وہ برائی میں کلی طورپر ڈوب جاتاہے۔اپنے اعمال کو ہی بہترین اور پسندیدہ عمل سمجھنے لگ جاتاہے۔اس وقت اس کے لئے برائی کااحساس ختم ہوکر سزااس کا مقدر بن جاتی اور وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہوتاہے۔اس کی عملی تصویر حدیث شریف میں اس طرح ہے کہ،دل ایک صاف آئینہ کی طرح ہے،جس میں ایک معمولی داغ بھی محسوس ہوتاہے۔لیکن جب آدمی برائی کرتاہے تودل کے آئینہ میں ایک داغ نظر آتا ہے۔اگرانسان توبہ کرلے تویہ داغ مٹ جاتاہے اور اگرایسانہ کرے بلکہ پھر مزید برائی کرے،تویہ داغ بڑھتے رہتے ہیں اور آخرکار دل سارا داغدار ہوجاتاہے۔اس وقت احساسِ برائی ختم ہوچکاہوتاہے۔انسان اپنے غلط اور برے اعمال پر بھی اسی طرح خوش ہوتاہے۔یہ ذہنی کیفیت ہے۔جب برے اعمال مزین یاخوشنما معلوم ہوں،اگرچہ دراصل بدنمااور نقصان دہ ہوتے ہیں اور احساسِ برائی ختم ہوجاتااور برے اعمال خوشنما بن جاتے ہیں،انتہائی برامقام ہے۔

قرآن مجید، جس کو اہل مکہ کبھی جادو کا یا شاعرانہ کلام کہتے تھے،کے بارے کہا کہ ایک بہت بڑے علیم وحکیم کی طرف سے آپ ﷺ کو سکھایا اور بتلایا جارہاہے۔کفار کے انکار کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی پریشانی کی ضرورت ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا،بے شک میں نے آگ دیکھی ہے،میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا،سلگتاانگارالاؤں گاتاکہ تم حرارت حاصل کرو۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ ۝٨

چنانچہ جب وہ (موسیٰ)،اس آگ کے پاس پہنچا،تو اسے آواز دی گئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ (نور) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور اللہ رب العالمین پاک ہے۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٩

اے موسیٰ! بلاشبہ، میں ہی وہ اللہ ہوں، بہت غالب اور بہت حکمت والا۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۖ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٠ۖ

اور اپنا عصا ڈال دے، چنانچہ جب (موسیٰ نے عصا ڈالا) اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے گویا کہ وہ سانپ ہے، تو پیٹھ پھیر کر پلٹا اور مڑ کر نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا) اے موسیٰ! مت ڈر، بلاشبہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١١

مگر جس نے ظلم کیا: پھر اس نے برائی کے بعد نیکی کی تو بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہوں۔

وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۖ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝١٢

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا (روشن) ہوا نکلے گا۔ یہ ان نو نشانیوں کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣

پھر جب ان کے پاس ہمارے واضح روشن معجزات (نشانیاں) پہنچے تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے۔

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝١٤

اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان (معجزات) کا انکار کر دیا، جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ پھر دیکھئے فسادیوں کا انجام کیسا ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ کیونکہ کفار مکہ کا رویہ فرعون کی طرح تکبر اور ضد کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدائن سے اپنی اہلیہ کے ساتھ واپس مصر آرہے تھے، تو صحراء سیناء کے شرقی حصہ میں جبل سیناء سے گذر رہے تھے۔ روایات کے مطابق سردی کا موسم تھا اور رات کو آگ کی ضرورت تھی۔ آپ علیہ السلام آگ کی تلاش میں نکلے اور دیکھا کہ ایک جھاڑی (چھوٹا سا درخت) سے آگ نکل رہی ہے۔ آپ وہاں آگ لینے کے لئے گئے، تا کہ واپس آکر اسے استعمال کریں اور سردی سے بچاؤ کر سکیں۔ جب آپ وہاں پہنچے تو عجیب منظر تھا۔ درخت سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے، لیکن کوئی چیز جل نہیں رہی تھی۔ پتے اور ٹہنیاں سبز تھیں اور گرمی جو آگ کی شدت سے پیدا ہوتی ہے، وہ بھی نہیں تھی۔ دھواں بھی نہیں تھا۔ جب آپ علیہ السلام نے خشک گھاس کو آگ لگا کر لانے کی کوشش کی تو اس دوران آپ علیہ السلام کو آگ کے شعلوں (چمک) سے آواز آئی، کہ شعلے (نور) بابرکت ہے اور اس کے ارد گرد کا ماحول بھی بابرکت ہے اور یہ آواز آپ کے رب العالمین کی طرف سے ہے۔ میں آپ کا رب العالمین، بڑے غلبہ اور حکمت والا ہوں اور حکم ہوا کہ اپنا عصا جو آپ کے ہاتھ میں تھا (جس کے ذریعہ خشک لکڑی کو آگ لگا کر آپ لے جانا چاہتے تھے)، اس کو زمین پر ڈال کر دیکھو۔ جب آپ علیہ السلام نے اسے زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن کر تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ یہ منظر آپ علیہ السلام کے لئے غیر متوقع تھا۔ ایک طرف آگ کی کیفیت بھی عام آگ سے بالکل مختلف تھی، پھر اس سے آواز کا آنا اور عصا کے پھینکنے کا حکم ہونا۔ عصا کا زمین پر ڈالنے کے بعد اس لکڑی کا ایک جاندار سانپ بن کر تیزی سے حرکت کرنا، انتہائی حیران کن اور پریشان کر دینے والا تھا۔ آپ علیہ السلام فوراً مڑے اور جونہی مڑے تو دوبارا آواز آئی کہ ڈریں مت۔ میرے رسول کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ علیہ السلام کو رسالت کی خوشخبری دی گئی۔ یہ واقعہ دوسری سورتوں میں بھی بیان ہوا ہے (طٰہٰ)۔ آپ علیہ السلام نے جب سانپ کو پکڑا تو دوبارہ وہ لاٹھی میں تبدیل ہو گیا۔ پھر حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالیں۔ جب آپ علیہ السلام نے یہ کیا، تو آپ کا ہاتھ انتہائی روشن اور چمکدار ہو گیا اور یہ چمک یا روشنی کسی مرض یعنی برص وغیرہ کی طرح نہیں تھی بلکہ ایک معجزہ تھا اور جب دوبارہ ڈالا تو پھر وہ ہاتھ عام ہاتھ کی طرح ہو گیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ہم اپنے انبیاء اور رسولوں کی حفاظت کرتے ہیں، اگر وہ کوئی غلطی یا ظلم کر دیں اور اس پر توبہ کریں اس کے بعد نیکی کا عمل کریں تو اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، معاف کر دیتا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مارنے کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ اس سے گھبرائیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ پر افسوس تھا، جو کہ غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں آٹھ دس سال گذارنے کے بعد واپس جارہے تھے۔ خانہ نبوت میں، کافی وقت گذارنے کے بعد اللہ کے وجود کا یقین تھا اور پھر اس سفر

میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اللہ تعالیٰ نے جو نو معجزات عطا کئے تھے ان میں سے دو نشانیاں یہ عظیم معجزات تھے۔ باقی معجزات میں (۳)فرعونیوں پر قحط کا مسلط ہونا(۴) پھلوں کا کم ہونا(۵)ٹڈیاں/جوئیں(۶)مینڈک اور خون نکلنا(۷)دریا/سمندر کا پھٹ جانا ہے۔

تورات میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اور خداوند کا فرشتہ ایک جھاڑی میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا۔ اس نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے۔ پر وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوتی۔ تب موسیٰ نے کہا میں اب ذرا ادھر کترا کر اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ جھاڑی کیوں نہیں جل جاتی۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو کترا کر آرہا ہے تو خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا: اے موسیٰ! اس نے کہا! میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا! ادھر پاس مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے۔ پھر اس نے کہا میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابراہیم کا خدا، اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ موسیٰ نے اپنا منہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا(پرانا عہد نامہ۔ خروج باب ۳)۔

نبی ﷺ نے نہ تو عبرانی پڑھی تھی، نہ تورات و یہودیت کا علم تھا، قرآن مجید اور توریت کے مضامین میں کس قدر مشابہت ہے۔ اس سے واضح ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور سابقہ کتابوں کی تصدیق بھی ہے اور وحی بھی ہے۔

آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کو جا کر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ آپ علیہ السلام نے وہاں دربار میں جا کر تبلیغ کی اور فرعون کو معجزات دکھائے۔ آپ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر ان کو آپ علیہ السلام کی نبوت کا یقین ہو گیا لیکن فرعون نے اس کا اقرار نہیں کیا بلکہ آپ کے معجزات کو جادو گر کا کرتب قرار دیا۔ اس کا تکبر اور بنی اسرائیل پر ظلم جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بالآخر بنی اسرائیل کے پیچھا کرنے پر دریا میں غرق کر کے ہلاک کر دیا۔

کفار مکہ کے لئے تنبیہ ہے، کہ اس قدر طاقت ور بادشاہ، اگر مخالفت رسول اور احکام الٰہی کی نافرمانی پر ہلاک ہو سکتا ہے، تو ان کی تو کوئی حیثیت نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو (خاص) علم دیا تھا اور ان دونوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔

وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

اور سلیمان، داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک کھلا ہوا فضل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ واقعات اس لئے تحریر ہیں کہ گذشتہ مذاہب اور انبیاء سے متعلق ہیں اور وحی الٰہی کی دلیل ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا نام داؤد بن ذکریا بن یشوی تھا۔ آپ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ آپ علیہ السلام نے بھی بکریاں چرائیں۔ آپ علیہ السلام چار بھائی تھے۔ آپ علیہ السلام کا قد چھوٹا، نیلی آنکھیں اور سر کے بال کم تھے۔ حضرت طالوت نے جالوت کو شکست دینے کے لئے لشکر تیار کیا اور مقابلے کے لئے چلے گئے۔ آپ نے اعلان کیا ، جس نے جالوت کو قتل کیا، اس کو آپ اپنی بیٹی بیاہ دیں گے اور نصف مال دیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پتھر مارنے اور نشانہ بازی میں بہت ماہر تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی لشکر میں شامل ہو گئے۔ دوران جنگ نعرہ لگایا اور جالوت پر پتھر سے حملہ کر دیا۔ پتھر نشانہ پر لگا اور جالوت مر گیا۔ جالوت کا لشکر اس کی موت کے ساتھ ہی تتر بتر ہو گیا اور ان کو شکست ہو گئی۔ بنی اسرائیل کو فتح ہوئی، حضرت طالوت فتح کے ساتھ واپس لوٹے اور حسب وعدہ اپنی بیٹی کی شادی حضرت داؤد علیہ السلام سے کر دی اور نصف مال بھی دے دیا۔ آپ حضرت جالوت کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے حکمران بن گئے (بدایہ والنہایہ)۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور بھی رمضان المبارک کو نازل ہوئی (تاریخ دمشق)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہترین روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں، وہ نصف دہر کے روزے رکھتے ہیں۔ (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرتے)۔ بہترین نماز حضرت داؤد کی ہے، وہ نصف اول رات سوتے اور رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھتے۔ حتّٰی کہ رات کا جب چھٹا حصہ رہ جاتا، تو سو جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ / حکمران ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ آپ نے

لوہے کی صنعت کو بہت ترقی دی اور زریں بناتے تھے۔

حضرت داؤدعلیہ السلام کی آواز بہت حسین تھی۔اس قدر میٹھی اور سریلی آواز کسی کو نہیں دی گئی۔حتٰی کہ پرندے اور جنگل کے جانور بھی، آپ کی عبادت اور ثناء خوانی کے دوران آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھ جاتے۔روایت کے مطابق، حضرت داؤدعلیہ السلام کی خوبصورت آواز کا اثر، سحر انگیز تھااور آپ علیہ السلام کی عبادت وثناء خوانی میں پرند وچرند و انسان شامل ہو جاتے اور جب ابلیس نے عبادت میں اس قدر انہماک دیکھا، تو اس نے سوچا کہ آپ کی آواز کا توڑ ،خوبصورت آواز سے کیا جائے اور اس طرح مختلف آلات موسیقی مزامیر (سارنگیاں، بانسریاں اور جھانچھی) ایجاد ہوئیں،تاکہ لوگوں کوان کی طرف متوجہ کیاجائے۔

حضرت داؤدعلیہ السلام کی دعائیں مشہور ہیں(زبور میں زیادہ تر دعائیں ہیں ''سام'')۔حضرت داؤدعلیہ السلام نماز کے بعد یہ دعا کرتے ''اے اللہ! میرے دین کو درست رکھ، جس کو تونے میری حفاظت بنایاہےاور میری دنیا کو درست رکھ جس کو تونے میرا روزگار بنایاہے۔اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری پناہ میں آتاہوں، تیری سزاسے تیری معافی کی پناہ میں آتاہوں۔اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی چھیننے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو واپس لے لے،اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور تیرے مقابلہ میں نہ کسی کی کوشش کامیاب ہوسکتی ہے نہ کسی کا بخت نہ کسی کا نسب(تاریخ دمشق)۔

جب حضرت داؤدعلیہ السلام فوت ہو گئے، تو ان کے ملک، ان کے علم اور نبوت کے وارث حضرت سلمان علیہ السلام ہوئے۔حضرت داؤدعلیہ السلام کے انیس(19) بیٹے تھے۔ان میں حضرت سلمان علیہ السلام علم و عقل میں دوسروں سے آگے تھے۔آپ علیہ السلام کی ذہانت وفقہاہت کے جوہر حضرت داؤدعلیہ السلام کے زمانے میں شروع ہو گئے تھےاور آپ علیہ السلام فیصلے کرتے تھے۔حضرت داؤدعلیہ السلام نے سوسال کی عمر پائی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:۔

حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤدعلیہ السلام کے نبوت وعلم کے وارث بنےاور ساتھ ہی حکومت بھی مل گئی کیونکہ حضرت داؤدعلیہ السلام کے زمانہ میں آپ امور حکومت میں فیصلے کرتے تھے اور آپ کے فیصلوں کو حضرت داؤدعلیہ السلام قبول کرتے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں کئی سورتوں میں آیاہے(البقرہ102/النساء 163/الانعام 84/الانبیاء 81/النمل 15 تا 24/السباء 12)۔آپ علیہ السلام اور حضرت داؤدعلیہ السلام کے بارے اسرائیلی لٹریچر میں بہت ساری روایات ہیں جو مختلف بھی ہیں۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کا شوق تھاتاکہ جہاد میں

استعمال ہوں۔اس وقت گھوڑے آرمڈ/کور، کا متبادل تھے۔ایک دفعہ آپ علیہ السلام کی نماز، گھوڑوں کو چیک کرنے میں قضا ہو گئی۔ نماز کے قضا ہونے کے غم کی وجہ سے آپ نے ان گھوڑوں کو تلوار سے ختم کر دیا۔ایک روایت میں صرف افسوس کیا۔آپ کی ازواج کے بارے بھی مختلف روایات ہیں۔ بعض نے ساٹھ (60) بعض نے ستر (70) اور بعض نے نوے (90) لکھا ہے۔ بعض نے کہا سات ازواج اور باقی باندیاں تھیں۔ان پر بھی ازواج کا اطلاق کیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام کی سلطنت بہت وسیع تھی۔آپ علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کو مکمل کیا۔اس کی تعمیر میں جن اور انسان کام کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس بنالیا تو اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ان میں سے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری چیز ہمیں مل جائے گی۔انہوں نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا فرمائے جو ان کے بعد کسی کو نہ ملے۔اللہ تعالیٰ نے یہ ان کو عطا فرمایا۔انہوں نے سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بھی عطا فرمایا اور انہوں نے سوال کیا کہ جو بھی اپنے گھر سے اس مسجد (بیت المقدس) میں نماز پڑھنے کے لئے آئے اور اس کا ارادہ صرف اس مسجد میں نماز پڑھنا ہو تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے ابھی پیدا ہو، ہمیں امید ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر دی ہے (سنن نسائی/ابن ماجہ/مسند احمد)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا فرمایا تو اس ملک اور سلطنت نے ان میں اللہ کے خوف کے سوا اور کسی چیز کو زیادہ نہیں کیا اور وہ اپنے رب عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اُٹھاتے تھے (حلیۃ الاولیاء)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال، ملک اور علم کے درمیان جب اختیار دیا گیا، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے علم کو اختیار کیا۔ علم کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا عمل سب سے افضل ہے۔آپ نے فرمایا اللہ کا علم، اس نے پھر دوبارہ سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو وہی جواب دیا۔ اس نے کہا یارسول اللہ! میں نے تو صرف عمل کے متعلق سوال کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمل کم ہو یا زیادہ اس کے ساتھ علم تمہیں نفع دے گا اور جہل تم کو نفع نہیں دے گا۔ خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ (الجامع الصغیر/کنزالعمال)۔انسان پر اللہ کی معرفت واجب ہے۔اللہ کی ذات کے دلائل کائنات میں بڑے واضح ہیں۔ کسی اعلیٰ علم کی

ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم، افضل العلم اور اشرف العمل ہے۔ حضرت داؤدعلیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے علم عطا کرنے اور سلطنت دینے پر شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اسلام میں انبیاء و علماء کی وراثت علم ہوتا ہے، مال نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے (بخاری)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیرات میں جدید چیزیں متعارف کرائیں اور مضبوط عمارات تعمیر کیں۔ انہوں نے نہانے کے لئے گرم حمام بنائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں پرندوں کی زبانوں کو جاننا، درختوں کی زبانوں کو جاننا تھا۔ درختوں کے فوائد آپ علیہ السلام کو معلوم تھے۔ جن کو آپ علیہ السلام نے تحریر کر کے لوگوں کو اطلاع دی۔ حیوانات کی زبانیں بھی آپ علیہ السلام کو معلوم تھیں۔ چونکہ ہر پرندہ کی قسم کی ایک زبان اور اسی طرح ہر حیوان کی قسم کی ایک ہی زبان ہوتی ہے۔ انسان اپنے ذہن کی عظمت کی وجہ سے مختلف زبانیں بنالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو آپ علیہ السلام کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ آپ جب چاہتے تو ہوا تیز ہو جاتی اور آپ علیہ السلام کے تخت کو جو بہت طویل و عریض تھا (روایات کے مطابق ہزاروں ستونوں پر کافی بلند تھا تقریباً 20 فٹ تک یا کسی پہاڑی پر ہوتا تھا۔) اس کو ہوا اُٹھا لیتی اور اسی طرح اس کو آرام سے اُتار دیتی۔ مہینوں کی مسافت دن میں طے کر لیتے۔ آپ علیہ السلام کے تخت پر آپ علیہ السلام کے درباری، حیوانات، پرندے، جنات اور آپ علیہ السلام کے فوجی دستے بھی ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو جنات جو کہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور مادی جسم نہیں رکھتے بلکہ ایک انرجی کی صورت میں ہوتے ہیں، ان پر کنٹرول دیا تھا۔ آپ علیہ السلام ان سے مختلف تعمیراتی کام لیتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی فوج میں بھی جنات شامل تھے اور دفاعی خدمات کرتے تھے۔ (اس کی ادنیٰ مثال انسان مصنوعی عقل یعنی سافٹ ویئر Software ہے جس کا مادی وجود نہیں ہوتا لیکن ہارڈ ویئر Hardware (مشین) پر کام کرتا ہے اور اس سے خلاء میں بھی کام لیا جاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور اس میں ایک نگینہ (پتھر) تھا۔ آپ علیہ السلام بہت عبادت گذار تھے۔ چالیس روز تک خصوصی عبادت کرتے اور کئی کئی روز اپنے حجرے (کمرہ) سے باہر نہیں آتے تھے۔ موٹے کپڑے پہنتے اور روزے رکھتے تھے، اپنی محراب میں قیام کرتے۔ بعد میں آپ نے عبادت کو چالیس کی بجائے اسی (80) روز تک کر

دیا۔جب آپ کی موت مقرر تھی، آپ اپنے محراب میں نماز کے قیام کے لئے کھڑے ہوئے۔ عصا سے ٹیک لگائی اور روح پرواز کر گئی۔ تقریباً اسی (80) دن آپ عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے رہے (مختلف روایات ہیں)۔لوگ سمجھ رہے تھے، آپ عبادت کر رہے ہیں، جب دیمک عصا کو کھا گئی آپ گر پڑے، تو لوگوں کو آپ کی وفات کا علم ہوا اور جنات نے کام چھوڑ دیا۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے ،اللہ تعالیٰ کی نعمتوں جو علم، سلطنت کی وسعت، انسانوں، جنوں، حیوانات، پرندوں پر اختیار، ہوا پر کنٹرول کی صورت میں عطا فرمائی اس کا شکر ادا کیا اور کرتے رہتے تھے۔

شکر:۔

کسی شخص کا اپنے دل یا اپنے عمل، قول سے نعمت دینے والے کی تعظیم کا اظہار کرنا شکر کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دل سے تعظیم وعبادت کی جائے۔اس کی تسبیح وتحمید اور نعمتوں کا ذکر کیا جائے۔اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔

ایک شکر کا یہ انداز ہے کہ نعمتوں کا صحیح اور مناسب استعمال کیا جائے جس مقصد کے لئے وہ عطا ہوئی ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو انسانوں کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔شکر ادا کرنا، نفسیاتی طور پر بہت اہم اور مفید ہے۔ شکر ادا کرنے والے اور جس کا شکر ادا کیا جائے، دونوں کے احساسات ،خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ طبّی طور پر شکر ادا کرنے یا شکریہ کا اظہار، الفاظ سننے سے انسان کے دماغ میں ایک خوشی کی حرکت/لہر سے ایک کیمیکل ''ڈوپومین Dopamine'' پیدا ہوتا ہے جو تسکین کا سبب بنتا ہے۔ بین الانسانی تعلقات خوبصورت ہوتے ہیں اور زندگی میں آرام و سکون محسوس ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے بھی اپنے حالات پر تسکین ظاہر ہوتی ہے، جو باعث سکون بنتی ہے۔

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور سلیمان کے لئے جنات، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور ہر ایک کو الگ الگ منقسم کیا گیا۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

حتّٰی کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں روند نہ ڈالے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے اور دعا کی اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، مجھے ان کا شکریہ ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔

سورت، کا نام النمل، چیونٹی کے اس واقعہ کی بناء پر ہے۔ روایات کے مطابق جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس کو تعمیر کر لیا، تو بیت اللہ کی زیارت کے لئے حجاز (عرب) کے علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ علاقہ طائف کے قریب تھا۔ اسی طرح آپ علیہ السلام نے مدینہ شریف کے مقام (علاقہ) سے گذرتے وقت نبی آخر الزماں کی آمد کی بھی اطلاع اور تصدیق کی تھی (روح المعانی)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنوں اور پرندوں کو بھی ان کے تابع کیا۔ آپ علیہ السلام ان کی زبان سمجھتے تھے اسی طرح حیوانات کی بھی زبان سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حیوانات کو ذہن عطا کیا ہے، جس کی وجہ سے حیوانات اور پرندوں کو سدھایا جاتا ہے اور ان سے وہ کام لئے جاتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے حیوانات اور پرندوں کو ان کے جسم، ان کی زندگی اور ضرورت کے مطابق خواص عطا فرمائے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی زبانیں اور حیوانات و حشرات کی زبانیں سمجھنے کا خصوصی علمی امتیاز عطا فرمایا تھا اور آپ علیہ السلام ان کے کلام کو سن کر سمجھ جاتے اور ان تک اپنا مفہوم یا کلام سمجھا سکتے تھے۔ ہوا بھی آپ علیہ السلام کے تابع تھی اس طرح ہوا کے ذریعے نہ صرف آپ کا تخت اُڑتا تھا، بلکہ ہوا کے ذریعے وہ تمام کام سرانجام پاتے تھے جن میں ہوا کا کردار ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان کا لشکر، تین اقسام پر مشتمل تھا، جو ایک دوسرے سے وجود، طرز زندگی، اور خصوصیات میں مختلف تھے۔ انسان۔ پرندے اور جن۔ اسلیئے آیت میں منقسم کا ذکر ہے۔ تنظیم کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

یہ چیونٹی کا کلام جو وہ اپنے ساتھیوں سے کر رہی تھی آپ نے سنا۔ ممکن ہے کہ آپ کا تخت ہوا پر اُڑ رہا ہو اور نیچے چیونٹیوں نے اس کے سایہ کے ذریعہ معلوم کر لیا ہو اور فوج پیچھے آرہی ہو تو اس سے بچنے کے لئے چیونٹیوں کو بلوں میں گھس جانے کا کہہ دیا ہو یا فوج اور گھوڑوں کی زمین پر چلنے کی دھمک سن لی ہو۔ چیونٹی بھی شہد کی مکھی کی طرح بہت منظم مخلوق ہے اور یہ پیغام بھی ان کی باہمی تنظیم اور بچاؤ کی تدبیر کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ بہت سارے حشرات

الارض اور حیوانات کو زلزلے سے پہلے علم ہو جاتا ہے اور وہ باہر نکل آتے ہیں اور اپنی جان بچاتے ہیں۔ زمین میں سیسمو گرافک(Susmographic)لہریں،ان کوانسانوں سے بہت پہلے پتہ چل جاتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب چیونٹی کی یہ احتیاطی تدبیر سنی، تو مسکرائے اور اپنے لشکر کی قوت کا احساس و خیال ہوا، اللہ کا شکر بجالائے۔ شکر میں تمام حمد و ثناء اور ان تمام امور کا احاطہ کیا، جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اس پر قائم رہنے کی تمنا کی اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں جن پر اس کا انعام و اکرام ہوتا ہے ان میں شمولیت کی درخواست کی جس سے مراد آپ علیہ السلام کے آباؤاجداد انبیاء کرام ہیں۔ اسی طرح کی متعدد دعائیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔

چیونٹی:۔

چیونٹی کا ذکر اہم ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں اس کا ذکر اس کی تنظیمی صلاحیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کس قدر اپنی کمیونٹی کا خیال رکھتے ہیں۔ چیونٹیوں کی تقریباً دس ہزار کے قریب اقسام ہیں ان کا سائز 0.08 سے 1.00 انچ تک ہوتا ہے۔ ان کا بیالوجی میں نام Formicidace ہے۔ ان کی عمر چند ہفتوں سے لے کر کئی سال تک ہوتی ہے۔ یہ بڑے منظم طریقہ سے زیرِ زمین یا درختوں میں ایک اکٹھے معاشرے میں ایک کالونی (گاؤں) کی صورت میں رہتی ہیں۔ ان کی ملکہ سب سے بڑی ہوتی ہے جس کا کام نر چیونٹیوں سے جنسی ملاپ کر کے بچے پیدا کرنا ہے۔ نر چیونٹے ملاپ کے بعد مر جاتے ہیں یا اکثر چیونٹیاں مادہ ہوتی ہیں جو کہ کارندے (ورکرز) ہوتے ہیں۔ غذا اکٹھا کرنا، ملکہ کی حفاظت، کالونی کی حفاظت کرنا ان کا کام ہوتا ہے۔ یہ نرم جانور کا گوشت اور سبزیاں کھاتی ہیں۔ ان کا معدہ نہیں ہوتا۔ ان کی عمر کے ساتھ ورکرز کے کام کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ بہت منظم طریقہ سے چلتے اور رہتے ہیں۔ کسی بھی ناگہانی صورت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اس کے مطابق اپنا دفاع یا عمل کرتے ہیں۔ آپس میں معلومات کے لئے ایک مادہ (لعاب) جسم سے نکالتے ہیں جس کے ذریعے دوسری چیونٹی کو خطرہ یا غذا کا پتہ چل جاتا ہے۔ کچھ فوجی (حفاظتی) چیونٹیاں بڑی سخت ہوتی ہے۔ چھوٹے جانوروں کو بھی کھاتی ہیں۔

جسمانی ساخت اس طرح ہے:۔

(۱): چھ ٹانگیں جن میں تین جوڑ ہوتے ہیں اور پاؤں میں جبڑے ہوتے تاکہ دیوار وغیرہ پر چڑھ سکیں۔ (۲): سر بڑا ہوتا اور گول آنکھیں ہوتی ہیں۔ (۳): بازو کا انٹینا (ایریئل Antenna) ہوتا ہے۔ (۴): پیٹ اور گلے کے درمیان بہت ہی پتلا حصہ ہوتا ہے۔ (۵): جسم پر سخت کوّر، یا تہہ ہوتی ہے۔ (۶): ایسے غدود ہیں جو کہ لعاب جسم سے نکالتے ہیں۔ (۷): سخت جبڑے (دانت) ہوتے ہیں جن سے پکڑتے اور کاٹتے ہیں۔ اس جبڑے کی قوت، چیونٹی کے

جسم سے تین سو گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ سارے کام اس کے ساتھ کرتی ہے۔(۸):اس کے پھیپھڑے نہیں ہوتے۔ یہ سارے جسم میں سوراخوں سے ہوا لیتے ہیں۔(۹):ان کے کان نہیں ہوتے۔(۱۰):اس کا دماغ بہت معمولی ہوتا ہے، جس میں 250000 نیوران، ہوتے ہیں جبکہ انسان میں کئی بلین نیوران ہوتے ہیں۔(گوگل)۔

اتنی سی معمولی جاندار میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر خصوصیات رکھی ہیں۔انہی خصوصیات کی وجہ سے آیت مبارکہ میں اس کا ذکر ہے۔پاک ہے وہ ذات جس نے اتنی ننھی مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور (اس (سلیمان) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا): کیا بات ہے میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا (کیا وہ موجود ہے؟) یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر دوں گا یا وہ میرے پاس واضح دلیل لائے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾

ابھی کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ ہدہد آ گیا اور اس نے کہا: میں نے وہ کچھ جان لیا ہے جس کے بارے میں آپ نہیں جانتے، اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

بلاشبہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکومت کرتی ہے اور اسے ضرورت کی ہر چیز عطا کی گئی ہے اور اس کا بڑا عظیم تخت ہے۔

وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا، سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لئے پر کشش بنا دیئے ہیں پھر انہیں راہ حق سے روک دیا ہے۔چنانچہ وہ ہدایت نہیں پاتے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

(سلیمان نے) کہا: جلد ہی دیکھیں گے۔ آیا تو نے سچ کہا یا جھوٹوں میں سے ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

میرا یہ مکتوب (خط) لے جاؤ اور اِسے ان کے پاس ڈال پھر ان سے ہٹ کر (بیٹھ جا) اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

ملکہ بلقیس کے واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں انسانوں، جنوں کے علاوہ پرندے بھی ہوتے۔ بحیثیت عادل اور بہترین منتظم حکمران آپ اپنے لشکر، رعایا کا خیال رکھتے تھے۔ ہدہد کے استفسار (معلومات لینے) کے بارے مختلف آراء ہیں۔ (۱): آپ کے سفر کے دوران پرندے سایہ کرتے اور ہدہد ان میں دائیں طرف ہوتا۔ (۲): ہدہد کو اللہ تعالیٰ نے پانی کا زیر زمین اندازہ لگانے کی صلاحیت دی تھی اور اس طرح آپ نے جہاں پڑاؤ کیا، وہاں پانی کی ضرورت پڑی۔ (۳): اسی بہانے سے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کے بارے اطلاع فراہم کرنی تھی۔ دوران سفر ہدہد کو ساتھ ہونا تھا، لیکن وہ بغیر اجازت لئے غائب ہو گیا۔ اس پر آپ علیہ السلام ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر بلا مقصد وہ غائب تھا تو اس کو سزا ملے گی۔ یہ ایک ڈسپلن (انتظامی) عمل کی اہمیت اور دوسری طرف اپنے لشکر کے مختلف اجزاء یا افراد کے بارے معلومات رکھنے کی بھی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ ان واقعات کو مختلف انداز میں تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے، جن میں مبالغہ نظر آتا ہے، کیونکہ ان کا مأخذ اسرائیلی (یہودی) لٹریچر ہے، اس لئے ان کا تفصیلی ذکر قرآن مجید کی تفسیر کے لحاظ سے اہم نہیں۔

اسی دوران ہدہد آ گیا اور جب اس سے اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھی گئی، تو اس نے بتایا کہ وہ دوران پرواز، یمن کے علاقہ سبا میں تھا اور وہاں ایک ملکہ جس کا نام سبا ہے، حکمرانی کرتی ہے۔ اس کے پاس عالی شان محل، خوبصورت قیمتی تخت اور فوج اور امراء ہیں۔ تخت کی بہت تعریف کی (عظیم) یعنی قیمتی، موتیوں سے مرصع، خوبصورت تخت ہے۔ یہ قوم اللہ کے بجائے سورج کو پوجتی اور شیطان کی پیروی کر رہی ہے۔ یہ خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اہم تھی کیونکہ بادشاہ ہونے کے ساتھ وہ نبی تھے اور اسلام کی تبلیغ ان کا فریضہ تھا۔ ایک قوم کو راہ حق دکھانا اہم تھا۔

آپ علیہ السلام نے جب یہ خبر سنی اور اس کی تصدیق کو اہم سمجھا یہ بھی انتظامی نقطہ نظر سے ضروری ہے کہ ہر خبر کو نہ مان لیا جائے بلکہ تصدیق و تحقیق کی جائے۔ تصدیق کی خاطر آپ نے ہدہد کو خط لکھ کر دیا جس میں ملکہ کو اسلام اور اطاعت کی دعوت دی گئی تھی اور حکم دیا کہ خط کے بعد اس کے رد عمل کے بارے معلوم کرے اور بتائے۔

روایت کے مطابق ہدہد خط لے کر اس کے محل میں گیا اور پھر اس کے کمرے میں روشندان سے داخل ہوا۔ ملکہ سو رہی تھی اور خط کو اس کے سینے (جسم) پر ڈال کر واپس آ گیا۔ خط کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

(ملکہ سبا نے) کہا: اے میرے سردارو! بے شک میری طرف ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾

بے شک وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

یہ کہ تم میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار (مسلمان) ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔

امن کی اہمیت:۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ایک نبی کے خط کا اظہار ہے، جس میں ملوکیت یا استبدادیت کا انداز نہیں تھا۔ خط کی ابتداء اپنے نام سے کی اور اللہ کا ذکر کیا، پھر خط کے ذریعہ آپ نے امن کو ترجیح دی۔ امن کی دعوت دی کہ لڑائی کے بجائے تم میری اطاعت کر لو۔ چونکہ خط کی ابتداء میں اللہ کا ذکر تھا، اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت، اللہ کی اطاعت تھی، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار انسان (بادشاہ) تھے۔ دعوت کا یہی انداز بہت خوبصورت ہے، جو کہ حکمت سے بھرا ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے بھی فتح مکہ کے بعد اپنے ارد گرد کے بادشاہوں کو اسلام اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعوت دی، جو دراصل امن اور انسانی بھائی چارہ کی طرف دعوت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خطوط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پہلے لکھنا شروع کر دیا اور اپنا نام بعد میں تحریر فرماتے۔ اللہ کے نام کو عرب پہلے بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی وجہ سے جانتے اور مانتے تھے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

ملکہ (بلقیس) نے کہا: اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو، کسی معاملہ کا قطعی

فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو(مجھے مشورہ نہ دو)۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَا ذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳

انہوں نے کہا: ہم قوت والے اور سخت جنگجو ہیں اور فیصلے کا تمام اختیار آپ کے پاس ہے۔آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴

اس نے کہا: بلاشبہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل (فتح کرتے) ہوتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ بھی اسی طرح کریں گے۔

وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵

اور بے شک میں ان کی طرف ہدیہ (تحفہ) بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ سفیر کیا، جواب لے کر لوٹتے ہیں۔

مشورہ کی اہمیت:۔

ملکہ سبا(بلقیس) نے خط کو جب پڑھا، عربی یا عبرانی زبان میں تھا اور بلقیس یہ زبان پڑھ سکتی تھی یا کوئی مترجم تھا۔اس نے خط کے مضمون سے اپنے درباری اور امراء کو آگاہ کیا اور ان سے رائے لی۔ان کا جواب تھا کہ وہ ایک بہادر قوم اور بڑی فوج رکھتے ہیں، جو بھی ملکہ فیصلہ کرے گی، وہ اس کے ساتھ ہوں گے۔مشورہ کرنا بہت اہم ہوتا ہے۔قرآن مجید میں مشورہ کرنے کا حکم ہے، مشورہ سے مختلف آراء ملتی ہیں، جن سے مسئلہ آسانی سے حل ہوتا ہے۔اس طرح دوسرے افراد کے علم سے فائدہ ملتا ہے پھر مشورہ دینے والوں کا تعاون بھی حاصل رہتا ہے۔

ملکہ کو حضرت سلیمان کے خط پہنچانے کے ذریعہ (بذریعہ پرندہ) معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بادشاہ زیادہ ٹیکنالوجی اور وسائل کا مالک ہے۔خط کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے تھی، جس میں مہربان اور رحم کا ذکر تھا۔اس بناء پر اس نے خط کو تکریم والا خط جانا اور اسی طرح ذکر کیا۔آپ فلسطین اور شام، عرب کے بادشاہ تھے، جو بڑی سلطنت تھی۔آپ نے ان سے تابعداری کا مطالبہ کیا تھا۔

قوت کا نشہ اور اس کا نتیجہ:۔

ملکہ نے انسانی نفسیات تکبر اور قوت کے نشہ کا ذکر کیا، جو تاریخ عالم کا حصہ ہے۔ جب بھی کوئی فاتح اپنے مقابل کو شکست دیتا ہے اور اس کے ملک پر قبضہ رکھنا چاہتا ہے تو وہ وہی کرتا ہے جو ملکہ سبا نے اپنے سرداروں کو بتایا۔ یہی ملک گیری کی ہوس کا نتیجہ ہے۔ اس کی انسانی تاریخ شروع سے گواہ ہے۔

(1) فاتح قوم اور بادشاہ، محکوم اور مغلوب قوم پر ظلم کرتے ہیں۔

(۲): فتح کا مقصد اصلاح نہیں، بلکہ اپنی قوت و طاقت دکھانا ہوتا ہے۔

(۳): مغلوب ملک کے وسائل پر قبضہ کرتے ہیں۔

(۴): مغلوب قوم کو بے بس کر دیتے ہیں ان کے ذرائع ختم اور ان کی خودی اور عزت نفس کو کچل دیتے ہیں۔

(۵): فاتح، مفتوح قوم کے غلام اور خوشامدی مزاج افراد کو پروان چڑھاتے ہیں۔ جو ان کی خوشامد، ان کی نقل، ان کے لیۓ جاسوسی اور ان کی قوم کی تعظیم کرتے ہیں۔

(۶): مفتوح قوم کے سرداروں اور اعلیٰ طبقہ یا قوم کی خودداری ختم کرنے کے لئے ان کو خصوصاً ذلیل کرتے ہیں اور ان کے مخالف طبقہ کو یا تو پیدا کرتے ہیں، اگر موجود ہوں تو اس کو پوری مدد فراہم کرتے ہیں تاکہ آپس میں لڑتے رہیں۔

(۷): اس خوشامدی طبقہ کو اس قدر خوگر بنا دیتے ہیں کہ ہر کام وہ ان کے لئے کرتا ہے۔ ہر مقدس عمل چھوڑ کر ہر ذلیل کام کرتا ہے۔

جدید دور میں صنعتی انقلاب کے بعد مغربی اقوام نے مشرقی اور افریقی ممالک اور اقوام پر یہی طریقہ استعمال کیا، جس کا نتیجہ آج یہ علاقے دیکھ رہے ہیں۔ غربت افلاس اور کرپشن نے ڈیرے جمالئے ہیں۔ ان نکات کی بناء پر بلقیس ایک سمجھدار حکمران تھی، اس نے بھی امن کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف عالی شان تحائف روانہ کئے، تاکہ وہ ان سے مال و دولت کی محبت کے بارے جان لے گی اور اس طرح کوئی خراج ادا کر کے صلح کرے گی تاکہ شکست اور ملک بدحالی سے بچ جائے۔

علاقہ سبا اور ملکہ سبا:۔

سبا یمن کے قبیلہ کا نام ہے۔ اس قبیلہ کے بڑے شخص کا نام سبا بن شحب بن یعرب بن قحطان تھا۔ پہلے سبا شہر

کا نام مأرب تھا۔ یہ صنعاء سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ ملکہ سبا کا نام بلقیس تھا۔ یہ عظیم الشان باپ کی بیٹی تھی۔ والد کی وفات کے بعد یہ تخت نشین ہوئی۔ غیر مصدقہ روایت کے مطابق اس کے ماں باپ میں ایک جن تھا۔ نبی ﷺ نے جنیہ یا جن سے نکاح سے منع کیا ہے۔ جن آگ سے بنے ہیں، وقتی طور پر مثالی انسان کی صورت بن سکتی ہے لیکن تولید کے لئے مادی بدن جنیہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جن سے حمل ہونا بھی جرم ہوگا، کیونکہ جن سے مادہ نکلنا ممکن نہیں، وہ تو آگ سے پیدا ہوئے ہیں پھر اس طرح کے حمل سے زنا کا دروازہ کھل جائے گا۔ اسلئے عقلاً اور عملاً یہ غیر ممکن امور سے ہے۔ اس کے جواز پر بحث بے فائدہ ہوگی۔

ملکہ سبا نے فیصلہ کیا کہ حضرت سلیمان کے ارادوں کو آزمایا جائے۔ ان کی طرف بیش قیمت تحائف کیساتھ ایک بڑا وفد جس میں دولت، جواہرات، لباس اور خدام شامل تھے، روانہ کیا۔ (تاریخ میں اس کے بارے مختلف روایات ہیں جو زیادہ قابل اعتبار نہیں ان کا مأخذ اسرائیلی لٹریچر ہے)۔ اس کے خیال میں اس دولت اور بیش قیمت تحائف والے وفد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دولت کی رغبت اور ملک گیری کے بارے پتہ چل جائے گا۔ تحائف قبول کرنے کی صورت میں صلح اور خراج سے معاملہ طے ہو سکے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا رویہ کیا تھا اس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

پھر جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: کیا تم مال و دولت کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو، پس جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ان کے پاس واپس جاؤ (ہدیہ کے ساتھ اور انہیں بتا دو) کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل و رسوا کر کے وہاں سے باہر نکال کریں گے۔

نبوت اور بادشاہت:۔

جب وفد تحائف لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا۔ وفد کے سربراہ اور ارکان نے

آپ علیہ السلام کے دربار کی شان و شوکت دیکھی۔انسان، جن، پرندے، سب آپ کے تابع تھے، عظیم محلات اور عظیم فوج، ہوا بھی آپ علیہ السلام کے تابع تھی۔آپ علیہ السلام نے تحائف کو دیکھا بھی نہیں اور تحائف کو فوری واپس کر دیا، بلکہ کہا کہ اللہ نے مجھے مال و دولت سب سے زیادہ دی ہے۔لہٰذا میں اس کو ردّ کرتا ہوں اور ان سے کہا کہ اپنے تحفوں کے ساتھ واپس جاؤ اور ہماری لشکر کشی کی اطلاع دے دو۔میرا خط دولت و دنیا کے تحائف کے لئے نہیں، بلکہ ہماری تابعداری اور اسلام کے لئے تھا۔

تحائف والا سارا وفد بمعہ تحائف و خدام واپس پہنچا۔سفیر نے ملکہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت، انسان، جن اور پرندوں پر حکومت کے ساتھ ہوا پر حکومت کی خبر دی۔آپ کے تحائف واپس کرنے سے واضح ہو گیا کہ آپ نے دنیا کی دولت و لشکر کشی کے لئے خط نہیں بھیجا۔آپ کی نبوت و دین کے بارے بھی ملکہ کو بتا دیا۔ملکہ نے فیصلہ کیا کہ وہ لڑائی نہیں کرے گی، بلکہ آپ علیہ السلام سے ملاقات کرے گی تا کہ آپ کے دین کے بارے بھی جان سکے۔ملکہ نے پیغام بھیجا کہ وہ ملاقات کے لئے آ رہی ہے۔ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ علیہ السلام نے مزید اسے مرعوب کرنے کے لئے اس کے تخت جو بہت عالی شان تھا کو لانے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ مزید مرعوب ہو۔

اسلامی اصول دفاع:

اسلام کے نظام دفاع، میں پہلے حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔دعوت اسلام اور امن، دینا ضروری ہے۔دفاع اس قدر مضبوط ہو کہ مخالف حملہ کرنے کا نہ سوچے۔غزوہ تبوک کے موقع پر، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کر لے کر گئے، لیکن حملہ نہیں کیا، بلکہ کچھ دن ٹھہرے رہے اور واپس آ گیے۔مسلمانوں کی ایرانی اور یونانی قوتوں کے ساتھ جنگیں، ان کی جنگ میں پہل کرنے کی وجہ سے ہوئیں۔وہ اسلام یا عربوں کو کمزور خیال کرتے تھے، لیکن مقابلے میں شکست کھا گئے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

اس (سلیمان) نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو، ان (ملکہ) کے اطاعت گذار ہو کر آنے سے پہلے، اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لے آئے۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

ایک بہت بڑے جن (دیو) نے کہا: میں آپ کی مجلس ختم کرنے سے پہلے اس (تخت) کو حاضر کو

دوں گا۔ اور بلاشبہ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ۝۴۰

جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا: میں آپ کو پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا۔ سو جب (سلیمان نے) اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کے فضل سے ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لئے شکر کرتا ہے اور ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ، نہایت فیاض ہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝۴۱

اس (سلیمان) نے کہا کہ اس تخت میں کچھ تبدیلی کر دو تاکہ ہم آزمائیں کہ آیا، وہ اس کو پہچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو پہچان نہیں پاتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ان کے ہاں ان کے امراء، مشیر، فوجی کمانڈر، جن، پرندے موجود ہوتے۔ آپ علیہ السلام نے جنوں اور انسانوں سے کہا کہ ملکہ بلقیس کا تخت بہت خوبصورت ہے (ہدہد نے اس کی تصویر کشی کی تھی)۔ آپ نے خواہش کی کہ کون اس کو وہاں سے یہاں لا سکتا ہے۔ تخت کی لمبائی، چوڑائی، خوبصورتی، سجاوٹ، ہیرے جواہرات کی تزئین بہت خوبصورت تھی۔ ایک عفریت (بڑا جن) نے کہا کہ وہ اس تخت کو وہاں سے اُٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس کے ختم ہونے سے پہلے تک، یہاں لا دے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے لے کر ظہر تک امور سلطنت کے مسائل حل کرتے تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تخت قیمتی جواہرات سے مرصع ہے اس لئے وہ انتہائی حفاظت اور امانت سے لائے گا۔

اس کے دعویٰ کے بعد ایک انسان، جس کو اللہ تعالیٰ نے قوت روحانی دی تھی (علم الکتاب / تکوینی امور پر آگاہی تھی)، نے کہا کہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھیں اور جب دوبارہ ان کی نظر لوٹ کر آئے گی، اس وقت تک وہ تخت ان کے سامنے پیش کر دے گا۔ اللہ کے حکم سے ایسے ہی ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے نگاہ بلند کی اور جب آپ کی نگاہ واپس محفل یا سامنے پڑی تو تخت بلقیس موجود تھا۔ اور آپ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی قوت کے اظہار اور ملکہ بلقیس / سبا کی آزمائش کے لئے اس میں کچھ تبدیلی کا حکم دیا، تاکہ وہ ملکہ کی ذہانت آزمائیں۔ کچھ روایات میں یہ تحریر ہے کہ ان کو اس کے پاؤں کی کیفیت کے بارے اطلاع

ہو گئی تھی اور وہ ان کو دیکھنا چاہتے تھے۔ تخت اور اس موقع کے بارے مختلف روایات ہیں، جن میں مبالغہ اور اختلاف ہے۔ لیکن اہم حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوتِ تبلیغ (نبوت)، کردار، (عدل) اللہ کی عبادت و شکر ہے۔

ملکہ بلقیس جب یمن (سبا) سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئیں تو بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت منگوانے کا فیصلہ کیا۔ اس عمل سے ملکہ سبا پر اپنی قوت و نبوت کا اظہار تھا تاکہ قبول اسلام میں اسے آسانی ہو۔ تخت کے بارے جو معلومات ملی تھیں، ان کی تصدیق اور ملکہ کی یاداشت اور اس کی ذات کے بارے معلومات کی تصدیق ہو۔

وہ شخص کون تھا جس نے تخت کو حاضر کیا۔ اس کے بارے اکثر مفسرین کی رائے آصف بن برخیا ہے، جو کہ صاحب علم اور بہت زاہد شخص اور آپ کے وزیر بھی تھے۔ کچھ مفسرین نے فرشتہ، بعض نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات کو کہا ہے، بعض نے دوسرے نام تجویز کئے ہیں۔

یہ ایک کرامت تھی۔ کچھ علماء نے کہا ہے کہ زمین کو وہاں سے اُٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مقام پڑاؤ پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ بعض نے کہا، اسے وہاں سے معدوم کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس وجود (بنا) دیا گیا۔ ایک رائے کے مطابق آپ کی نگاہ دوڑانے اور واپس آنے کی مدت لمبی ہو گئی (قرطبیؒ)، کیونکہ جب نگاہ اُٹھے تو جب تک کسی چیز سے نہ ٹکرائے، جس سے چیز نظر آتی ہے، واپس نہیں آتی، یا انسان آنکھ نیچے کر دے۔ تو یہ مدت طویل ہو گئی جس طرح ہم ایک ریڈیو ویو (لہر) بھیجتے ہیں اور اسے واپس آنے میں کافی وقت لگ سکتا ہے۔ دراصل یہ ایک کرامت تھی، جس کی تعبیر سائنسی علوم کے ذریعے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سائنسی امور کا تجزیہ مختلف اسباب و نتائج پر ہے اور معجزات و کرامات میں بھی اسباب و پھر نتائج ہیں لیکن ان کا دورانیہ یا طریقہ کار بہت جلد ہوتا ہے۔ جو عمومی حالات میں متعین نہیں کیا جا سکتا۔ ہالوپورٹیشن Heloporation ایک نئی ٹیکنالوجی دریافت ہوئی جس کے ذریعے تصویر کے بجائے پورے حجم کے ساتھ (3D) کسی جسم کو بذریعہ الیکٹرونک سگنلز اسی وقت (ورچل) کسی اور جگہ روشنی کی رفتار سے منتقل کیا جاتا ہے، مثلاً زمین کے ایک حصہ قطب شمالی سے قطب جنوبی یا مشرق سے مغرب کی حد تک یا خلاء میں کسی مصنوعی سیارے تک کیا بھیجا جاتا ہے۔ یہ انسانی کمال ہے۔ فرشتوں کی قوت اس سے بڑھ کر ہے۔

شکر کی ضرورت واہمیت:۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے اور ان پر جو انعام تھے اس کی وجہ سے ان میں کوئی تکبر نہیں آیا، بلکہ اللہ کے دربار میں مزید عاجزی کا اظہار کیا اور ہر لمحہ شکر کا اظہار کیا۔ اعلان کیا کہ اگر شکر کیا جائے تو اس کا فائدہ شکر ادا کرنے والے

کو ہو گا۔اس پر مزید انعامات ہوں گے اور اگر کوئی اپنی کم علمی کی وجہ سے انعامات کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اقرار نہیں کرتا اور شکر ادا نہیں کرتا، تو اس کا نقصان اسی فرد کو ہو گا۔اللہ تعالیٰ کی ذات انسانوں کی عبادت و نافرمانی سے بے نیاز ہے۔ ہمارے نبی ﷺ سے بھی جب یہ گذارش کی گئی کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور آپ اس قدر عبادت و استغفار کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں کیوں نہ شکر گذار بندہ بنوں۔اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری، دنیا و آخرت میں انسان کے لئے بہت ضروری ہی نہیں، بلکہ فائدہ مند بھی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ بھی حکمران اور سربراہ مملکت تھے، لیکن آپ کے گھر میں کوئی بستر نہ تھا، بلکہ چٹائی تھی اور کئی کئی دن فاقے رہتے تھے اور شکر کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت سراپا شکر تھے۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

پھر جب وہ (ملکہ سبا بلقیس) آئی تو کہا گیا! کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی گویا وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے علم ہو چکا تھا اور ہم تابعدار بن گئے تھے۔

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور اسے (عبادت الٰہی سے) اس چیز نے روک رکھا تھا جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی کیونکہ وہ کافر قوم سے تھی۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اس (ملکہ) سے کہا گیا تو محل میں داخل ہو جا، پھر جب اس نے اس کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے (کپڑا) اٹھالیا۔(سلیمان نے) کہا: بلاشبہ یہ تو شیشوں سے جڑا صاف محل ہے۔اس (ملکہ) نے کہا اے میرے رب! بے شک (اب تک سورج کی عبادت کر کے) میں اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرمانبردار ہو گئی ہوں۔

بلقیس (ملکہ سبا) اپنے وفد کے ہمراہ حاضر ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت و سلطنت کے بارے اسے علم ہو چکا تھا۔جب آئی تو اپنے تخت کی طرح ایک خوبصورت جواہرات سے مرصّع تخت دیکھا اور اپنی تابعداری کا اعلان

کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے محل میں داخل ہونے کی دعوت دی، تاکہ مزید آپ کی قوت وطاقت کا مظاہرہ دیکھ سکے۔ راستے میں شیشے کا فرش تھا، جس کے نیچے پانی رواں دواں تھا اور شیشہ نظر نہیں آتا تھا۔ اُس نے گذرتے وقت اسے اصلی پانی سمجھا اور اپنی شلوار کا کپڑا اُٹھالیا، جس سے اس کی پنڈلی اور پاؤں ظاہر ہوا۔ اسے بتایا گیا، پانی تو فرش کے نیچے ہے۔ اس لئے اس میں کپڑے گیلے نہیں ہوں گے۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اعلیٰ حکمرانی، عالیشان محل اور طرز تعمیر کا احساس ہوا۔ تخت بھی اپنے تخت کی طرح دیکھ کر حیرانی ہوگئی کہ کس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے تخت کا علم ہوا اور بالکل اسی طرح بنوایا ہوا ہے۔

قبول حق:۔

ان واقعات سے اسے اپنی کمزوری کا احساس ہوا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذہب اور خدا پر یقین آیا اور سورج کی پرستش کی غلطی کا احساس ہوا، جس کا اس نے برملا اظہار کیا۔ ایک بادشاہ ہونے کے باوجود اس نے کوئی تکبر اور اکڑ نہیں کی، بلکہ اپنی غلطی یا خطاء کو تسلیم کرتے ہوئے حق کا اقرار کیا اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسے قطعاً اس کا کوئی خوف نہیں ہوا کہ اس کے امراء اور وزراء، سبا میں اس کی مخالفت کریں گے اور اس کی قوت ختم ہو جائے گی یا ساتھ دیں گے۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ جب حق معلوم ہو جائے تو اسے قبول کر لیا جائے۔ اس موقعہ پر شیطان انسان کو مختلف وسوسوں مثلاً روایات کو قائم رکھنا، ذاتی تکبر اور دوسروں کے خوف کے بہانے سے حق سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ملکہ بلقیس کی شادی نہیں ہوئی تھی کچھ روایات میں ہے کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے شادی کر لی اور واپس سبا چلی گئی اور حکمرانی کرتی رہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یمن (سبا) جاتے رہتے تھے اور یمن آپ کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ علیہ السلام نے اسلام کے حکم کے مطابق اسے شادی کا حکم دیا، اس نے کہا کہ وہ اپنے امراء اور وزراء سے شادی نہیں کرے گی وہ اس کے تابع تھے، بلکہ اس کا نکاح ہمدان کے بادشاہ، دوتبع سے کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا نکاح، دوتبع سے کر کے اسے یمن بھیج دیا جہاں وہ حکمرانی کرتے رہے (روح المعانی)۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور بے شک ہم نے ثمود (قوم) کی طرف ان کے بھائی صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو، تو وہ فریق بن کر جھگڑنے لگے (مومن اور کافر ہو کر)۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

صالح نے کہا: اے میری قوم! تم بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب) کیوں جلدی طلب کرتے ہو۔ تم اللہ سے مغفرت کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

انہوں (کافروں) نے کہا: ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں۔ صالح نے کہا تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنہ (آزمائش) میں مبتلا ہو۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص (سرغنے) تھے جو زمین میں فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں کھا کر اللہ سے عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو اس (صالح) اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے۔ پھر ان کے وارث سے ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر موجود نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور انہوں نے خفیہ چال چلی اور ہم نے بھی تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

سو آپ دیکھئے ان کی سازش کا کیسے انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

پس یہ ہیں ان کے گھر (ویران) جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں۔ بے شک اس (واقعہ) میں اہل علم کے لئے نشانِ عبرت ہے۔

وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے انہیں نجاعت دی جو ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے تھے (متقی تھے)۔

قوم ثمود جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے ان کا واقعہ قریش کی ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کی عزیمت کے لئے بیان فرمایا۔ یہ قوم مدینہ سے شام کے راستے میں حجر کے مقام پر رہتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے برے کردار سے آگاہ کیا۔ اللہ کی عبادت اور لوگوں کی بھلائی کی دعوت دی۔ آپ کی دعوت تبلیغ، ایک بھائی کی پر خلوص تبلیغ تھی، لیکن یہ لوگ شیطان کے خیالات میں جکڑے جا چکے تھے۔ ایک طرف حضرت صالح علیہ السلام کے پیروکار اللہ پر ایمان اور انسانوں کی بھلائی کے لئے کھڑے تھے، تو دوسری طرف قوم ثمود کے سردار اور عام افراد، پرانے طریقہ پر چلنے کو ضروری سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ان کے برے اعمال کی وجہ سے سزا کی خبر دی، تو بجائے وہ توبہ کرتے زیادہ خودسر اور گستاخ ہو گئے اور مطالبہ کرنے لگے جو عذاب لا سکتے ہو تو لاؤ ہم دیکھیں گے۔

اگر ان کے کاموں میں کوئی کمی یا رکاوٹ ہوتی، تو اسے حضرت صالح علیہ السلام کے پیروکاروں کی نحوست قرار دیتے۔ یہ عربوں میں رواج تھا کہ محض توہم پرستی کرتے، کوئی چیز راستے میں مل جاتی جو ان کو پسند نہیں ہوتی اسے بری شگون کہہ کر شور مچاتے۔ اپنی اصلاح اور عمل کی طرف نہ دیکھتے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ بدشگونی ان کا ذاتی کردار ہے اور ان توہمات اور دوسروں کو الزام دینے کی وجہ سے تم اللہ کی طرف سے آزمائش میں آؤ گے اور تباہ ہو جاؤ گے۔

بدشگونی کے اثرات:۔

دراصل بدشگونی، انسان کے کمزور ارادہ یا اس کے تذبذب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک قوی الارادہ آدمی اپنے تمام وسائل کو استعمال کر کے مقابلہ خوب کرتا ہے اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتے۔ اس لئے بدشگونی سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے منع کیا۔ فرمایا: اگر اور مگر، کا دروازہ بہت برا ہے۔ اگر ناکامی بھی ہو جائے، تو مزید اصلاح اور تجزیہ کر کے مختلف طریقے کو، حصول مدعا کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

حضرت قطن بن قبیصہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمل (لکیریں کھینچ کر غیب کا حال معلوم کرنا) اور بدشگونی لینا اور فال کے لئے پرندے کو اُڑانا شیطانی اعمال سے ہیں (ابوداؤد)۔

قوم صالح، کے مطالبہ پر ایک حاملہ اونٹنی چٹان سے برآمد ہوئی۔ جس نے بچہ جنا۔ اس کا دودھ استعمال کرتے تھے اور اس کو پانی مہیا کرنے کے لئے ترتیب بنائی۔ چند، برے کردار کے افراد نے ایک فاحشہ عورت کی شہ پر اونٹنی کی

کونچیں(ٹخنوں سے اوپر حصہ)کاٹ ڈالیں اور اسے مار دیا۔ یہ ایک اللہ کا معجزہ یا نشانی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ تین دن کے اندر،ان پر عذاب آئے گا، کیونکہ انہوں نے انتہاء کی نافرمانی کی ہے۔ چند سردار، جو انتہائی مجرمانہ ذہن اور کردار رکھتے تھے ان کی تعداد نو(9) تھی۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور فیصلہ کیا کہ مل کر قتل کرنے کی وجہ سے وہ خون بہا سے بچ جائیں گے۔ یہ لوگ وہاں پہنچے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور مر گئے۔ ان کے قبیلہ کے لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے انہیں روک کہ دیا۔ عذاب کا انتظار کریں۔ حضرت صالح تیسرے روز رات کو نکل گئے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ مسلمان بھی نکل گئے، جن کی تعداد صحیح معلوم نہیں۔ ایک روایت چار ہزار ہے۔ تیسرے روز ایک سخت سپر سانک چنگھاڑ ہوئی، جس سے تمام دل دہل گئے۔ لوگوں کے ہارمون ختم ہو گئے، لوگ مر گئے، عمارات گر کر تباہ ہو گئیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان رات کو وہاں سے نکل گئے تھے اور یمن کے مشرق میں حضرموت چلے گئے اور بچ گئے۔ وہیں آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ سورۃ الاعراف(83-80)اور سورۃ ھود(68-61)میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان افراد کی ساری سازشیں، جتھے اور قوتیں ختم کر دیں۔ ساری قوم، مسلمانوں کے علاوہ تباہ ہو گئی۔ ان کے چھت گر گئے اور لاشیں اندر رہ گئیں۔ ان کے تباہ شدہ کھنڈرات آج بھی اہل تاریخ، علم و عقل کے لئے درس ہیں۔ قریش مکہ، جو ضد پر اڑے تھے اور مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے وہ ان واقعات سے واقف تھے۔ ان کے کردار کی تبدیلی کے لئے یہ واقعات دہرائے گئے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور لوط کو(یاد کریں)جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بدکاری(بے حیائی)کرتے ہو جب کہ تم دیکھتے ہو (کہ یہ بدکاری ہے)۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

کیا تم شہوت زنی کے لئے(اپنی)عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو؟ بلکہ تم تو نادان لوگ ہو۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر اس کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا: آل لوط کو بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ تو بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۸﴾

پھر ہم نے اسے اور اس کے اہل خانہ کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے، ہم نے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو گی۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۹﴾

اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش بر سائی اور جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ پہلے سورۃ الاعراف اور سورۃ ھود میں گذر چکا ہے۔ قوم لوط، اردن کے علاقے سدوم کے ارد گرد رہائش پذیر تھی۔ان کی برائی، نوخیز مردوں سے مردوں کا جنسی فعل تھا، جو کہ ایک غیر فطری طریقہ ہے، جس کی وجہ سے جدید تحقیق میں ایڈز AIDS کی بیماری لگ جاتی ہے اور ایڈز کی بیماری میں انسانی خون میں سفید خلیے (سیل) ختم ہو جاتے ہیں یا بہت کم ہو جاتے ہیں۔انسان کی قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے اور جس بیماری کا حملہ بھی اس پر ہو وہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو منع کیا تو انہوں نے مخالفت کی اور حضرت لوط علیہ السلام کو وہاں سے نکال دینے کا فیصلہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے نوخیز (بے ریش) نوجوانوں کی صورت میں فرشتے بھیجے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی مخالفین سے ملی ہوئی تھی۔ اُس نے ان لڑکوں کی آمد کی اطلاع دی اور لوگ ان خوبصورت لڑکوں پر بھیڑیوں کی طرح آپ علیہ السلام کے گھر کی طرف لپکے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی اور تنہا تھے۔ لڑکوں (فرشتوں) نے کہا آپ فکر نہ کریں یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جونہی لوگ زبردستی دروازہ کھول کر اندر آئے، تو فرشتوں نے چمک پیدا کی (پر مارا) جس سے وہ دیکھنے سے معذور ہو گئے، آنکھیں چندھیا گئیں اور چیخے کہ یہ تو بہت بڑے جادوگر ہیں اور خوف سے واپس چلے گئے۔ فرشتوں نے حکم سنایا کہ رات کو آپ نکل جائیں اور ہم اس بستی کو الٹ دیں گے۔ آپ علیہ السلام کی بیوی بھی چونکہ ان کے ساتھ ملی ہوئی تھی اس لئے تباہ ہو گی۔ سارے مسلمان رات کے آخری پہر وہاں بستی سے نکل گئے۔ فرشتوں نے زلزلہ کی صورت میں بستی کو ہلا دیا۔ مکان الٹ گئے اور گرم پتھروں کی بارش سے گھر کھنڈرات بن گئے اور قوم لوط اپنے برے عمل کی وجہ سے برے انجام کو پہنچی۔

بڑی بدقسمتی ہے کہ آج بھی مغربی ممالک اس برے عمل (لواطت) کے نقصان کے علم ہونے، کے باوجود

انسانی آزادی کے نام پر جنسی تسکین کو قانونی جواز فراہم کر رہے ہیں، جبکہ ایک نوجوان کو سگریٹ نوشی اور شراب سے منع کیا جاتا ہے۔ مختلف امراض کی صورت میں حفاظتی تدابیر لازمی ہیں، جس طرح کہ کویڈ COVID-19 کی وبا میں سفر پر پابندی تھی، ٹریفک کے قوانین ہیں، انسانی حفاظتی قوانین ہیں، لیکن اس لواطت کو انسانی آزادی کے نام پر اجازت دی گئی ہے، جبکہ اس کے صحت پر مضر اثرات کا علم ہے۔ آزادی کے نام پر یہ شیطانی خیال ہے، جس سے انسان گمراہ ہو چکا ہے اور تعلیمات الٰہی سے منکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی ملکوں کو محفوظ فرمائے۔ اسلامی فقہ میں اس کی سزا، رجم یا کوڑے ہیں۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

آپ کہیے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ (چُنے ہوئے) بندوں کو سلام ہو۔

کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت) جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں؟

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی مخلوق کو رزق اور سلامتی فراہم فرماتا ہے اور اس کے نیک اور چُنے ہوئے بندوں پر سلام ہو، جو اس کا پیغام پھیلاتے اور اس کے احکام بتاتے ہیں، جن کی وجہ سے انسانوں کو ہدایت ملتی ہے۔ کسی بھی کلام یا گفتگو سے پہلے اللہ کی تعریف یا بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ احادیث میں اس کی تاکید بھی آئی ہے۔ اس کے بعد انسانیت کے عظیم لیڈر نبی ﷺ پر درود پڑھنا چاہیے۔ افسوس ہے جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں یا ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں ان میں کیا بھلائی ہے کہ بت تو خود محتاج ہیں۔ ان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔

بیسواں پارہ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝

(بھلا بتاؤ تو سہی) آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمانوں سے پانی کس نے اتارا۔ تو، ہم نے اس سے ایسے پر رونق باغات اگائے جن کے درخت اگانے کی تمہیں قدرت نہیں تھی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (نہیں)، بلکہ وہ لوگ سیدھے راستے سے بھٹک رہے ہیں (جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں)۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

(بتاؤ) کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایااور اس کے درمیان دریا/نہریں بنائیں اور اس کے لئے اس نے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ رکھی۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی اللہ ہے؟(نہیں ہے!)بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آیات مبارکہ اللہ کے وجود کے سائنسی اور علمی دلائل بیان کر رہی ہیں۔ یہ دلائل اس وقت تو بہت واضح اور عمومی تھے، کیونکہ اتنی علوم میں تحقیق آگے نہیں بڑھی تھی، لیکن اب یہ دلائل زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ یہ زمین کیسے پیدا ہوئی۔ یہ آسمان جس میں مختلف سیارے گردش کر رہے ہیں، ہمارا نظام شمسی، سورج کی افادیت، چاند کی افادیت، فضاء میں بادلوں اور ہواؤں کا چلنا، زمین کے اندر زراعت کی صلاحیت، سمندر دریا، جھیلیں، پہاڑ، مختلف جنگلات جو خط استواء پر ہیں یا دوسرے علاقوں میں ہیں۔ رنگے برنگے پھول، بہار اور خزاں، گرمی اور سردی، برسات انسان کا وجود، مختلف فصلیں، درخت، پھل ان تمام امور پر تحقیق کے لئے کئی علوم پیدا ہو گئے۔ مثلاً زراعت، جغرافیہ، فلکیات، فنر کس، کیمسٹری، انجینئرنگ، معاشیات، انسانی نفسیات، طب، غرض انسان ہزاروں سال سے لگا ہے اور بہت سارے گوشے اب بھی چھپے ہیں۔ یہ ساری مخلوق اور پیدا کردہ اشیاء، اپنے خالق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ سمندر کے فوائد، سمندر میں پانی کا حجاب جو کہ بحیرہ روم اور بحیرہ اوقیانوس کے سنگھم پر جزیرہ جبرالٹر کے قریب ہے۔ اسی طرح زیر زمین پانی کہیں میٹھا ہے تو ساتھ ہی کڑوا اور کھارا بھی ہے۔ دریاؤں کا پانی میٹھا ہے لیکن سمندر کا کھارا ہے۔ سارے حقائق قرآن نے پیش کئے۔ ان اشیاء کا خالق ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور سب سے بڑا ہے اور یہ نظام لاکھوں سال سے منظم طریقہ سے چل رہا ہے۔ یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ پہلے کی طرح سائنسی علوم میں تحقیق کریں، آگے بڑھیں اور غیر مسلم سائنسدانوں کو جو لادینی، ابتدائی نظام تعلیم کی وجہ سے اللہ کے بجائے صرف فطرت یا نیچر کا سہارا لیتے ہیں ان کو راہ حق دکھائیں۔ لیکن ہم خود اس قدر پیچھے ہیں کہ بجائے راہنمائی کرنے کے بھٹک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

(بتاؤ) جب کوئی بے قرار اس (اللہ) کو پکارتا ہے تو کون اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اور وہ تمہیں زمین پر جانشین بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ

رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

(بتاؤ) کون ہے جو تمہیں اندھیروں میں، خشکی اور سمندر میں، راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوش خبری والی ہوائیں بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان سے بلند و بالا ہے جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

(بتاؤ) وہ کون ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ آپ کہہ دیجئے! اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجئے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی (از خود) غیب نہیں جانتا اور وہ (لوگ /معبود) تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اُٹھائے (زندہ کئے) جائیں گے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں)، بلکہ وہ اس کے بارے شک میں ہیں، بلکہ وہ آخرت کے متعلق بالکل اندھے (جاہل) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سائنسی اور علمی حقائق کے بعد انسان کے نفسیاتی کیفیت اور عمل کا ذکر کیا۔ ہر انسان جو کسی بھی حالت میں مجبور ہو جاتا ہے، اپنے سارے ذرائع استعمال کر لیتا ہے اور یہ سارے ذرائع اس کے مقاصد کو پورا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ سامنے ایک انتہائی خوفناک اور مایوس کن انجام نظر آرہا ہے۔ اس وقت انسان بہت مجبور ہوتا ہے، لیکن نفسیاتی طور پر کسی سہارے پر بھروسہ کئے ہوتا ہے اور وہ بھروسہ اس کے خالق، پیدا کرنے والے کا ہے۔ یہ مضطر (مجبور و بے کس) کی کیفیت ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "مظلوم کی بد عا سے بچو خواہ، وہ کافر ہو کیونکہ اس کی دعا کے (اور اللہ کے) درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا" ،(مسند احمد)۔ پھر انسان کی مشکل ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وہ ذات ہے جو نظر نہیں آتی، لیکن شہ رگ سے بھی قریب ہے، لیکن جب انسان پر مشکل یا تکلیف ختم ہو جاتی ہے وہ بھول جاتا ہے اور مختلف توہمات اور خیالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہی خالقِ کل ہی عبادت کے لائق ہے۔ دوسرے معبود

،جن کو خیالی ہی کہا جائے حقیقت کے برعکس ہیں۔

زمین پر زندگی کا تسلسل انتہائی پیچیدہ ہے۔ لاکھوں قسم کے جاندار اور لاکھوں قسم کے نباتات ہر ایک اپنی متعین اور مخصوص شکل میں ہزاروں سال سے چل رہا ہے یہ ایک حادثہ نہیں بلکہ منظم نظام کا حصہ ہے اور جس کا منتظم ایک ہے۔ رات اور دن، جو کہ زمین کی اپنے محور پر گردش سے پیدا ہوتے ہیں، کس قدر اہم ہیں۔ ہماری زمین اور ہزاروں سیارے فضاء میں معلق ہیں، نہ گرتے ہیں نہ اپنے محور سے دور بھاگتے ہیں۔ پھر یہ سورج کے ارد گرد گردش سے، موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کرہ فضاء قائم ہے، جو سورج کی نقصان دہ شعاعوں کو روکتا ہے۔ شہاب ثاقت کو زمین پر پہنچنے سے پہلے ختم کر دیتا ہے۔ لاکھوں شہاب ثاقب ہر روز گرتے ہیں۔ پھر ہوا، ایک خاص نظام کشش ثقل سے زمین سے مربوط ہے۔ انسان اور حیوان اور تمام موجودات اس کا حصہ ہیں۔ ہوا کے ذریعہ حرارت منتقل ہوتی ہے۔ رات دن سے انسان کا عمل اور آرام کا نظام چل رہا ہے۔ زمین سورج اور چاند کا فاصلہ اس قدر متعین اور مخصوص ہے کہ ذرا سی بھی تبدیلی زمین پر تباہی لاسکتی ہے۔ ستاروں کے ذریعے اندھیرے اور اجالے میں راستوں کا تعین ہوتا ہے۔ بادلوں اور ہواؤں کے ذریعے بارش ہوتی ہے، بارش سے نباتات اُگتے ہیں۔ زیرِ زمین پانی کے ذخائر ہیں، اسی طرح زمین کے اوپر بھی پانی ہے۔ پھر برفباری کے ذریعہ مزید ذخیرہ کر کے گرمیوں میں پگھلا کر پانی پہنچایا جاتا ہے۔ یہ نظام لاکھوں سالوں سے چل رہا ہے۔ اسی کی وجہ سے زمین کی رونق ہے۔ اس کو پیدا کرنے والا ایک ہی منتظم ہے ورنہ یہ تباہ ہو چکا ہوتا۔

زمین میں سے نباتات و زراعت کے ذریعہ بارش سے رزق پیدا ہو رہا ہے۔ زمین کی سطح اور اس کے اجزاء زراعت کے لئے انتہائی موزوں ہیں اور جہاں یہ موزونیت نہیں وہاں زراعت نہیں۔ بارشوں کا نظام، ہواؤں کا نظام، سب ایک منظم طریقے سے چل رہے ہیں۔ زندگی کیسے پیدا ہوتی ہے یہ بھی معمہ ہے۔ ہر مخلوق کا اپنا زندگی اور موت کا سلسلہ ہے، جو شروع سے آج تک چل رہا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کے ساتھ نہیں ملا اور اگر ملا بھی تو ختم ہو گیا۔ زندگی کے مختلف ادوار ایک خالق کا ثبوت ہیں۔ پودوں میں نسل کا چلنا، حیوانات میں نسل کا چلنا ہے اور ایک دوسرے کے بعد انسانوں کی نسل کا چلنا، ایک قوم کے بعد دوسری قوم کا آنا، سارے ایک نظام سے ہیں اور زمین سے سب کے لئے رزق پیدا ہو رہا ہے۔ توالد اور تناسل کا سلسلہ DNA ڈی این اے ایک معمولی چیز ہے جو دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔ اس کے اندر اس وجود کے سارے نظام اور ضروریات موجود ہیں، جو وقت آنے پر عملی صورت اختیار کر جاتے ہیں اور یہ سب حیوانات کا علیحدہ ہے، بلکہ ہر انسان کے لئے بھی علیحدہ ہے۔

ان نظاموں کا مالک ان سب نظاموں کو جانتا ہے۔ اس کو تمام علوم اور حالات کا علم ہے۔ اس کے علم کے مقابلہ میں کوئی نہیں۔ اس لئے تمام علوم غیب اس کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے علم کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء ہے۔ ساری

کائنات اس کی مُٹھی میں ہے۔اس نے اپنے فضل سے انسان کو علم سیکھنے، جاننے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت، تمام مخلوق سے زیادہ عطا کی، جس کی وجہ سے انسان مسجود ملائک ٹھہرا۔

اور وہی الٰہ (قابل عبادت) ہے، جس نے انسانوں اور حیوانات، چرند، پرند کو پیدا کیا۔وہی ایک دن پھر انسانوں کو دوبارہ اُٹھائے گا۔بد قسمتی سے انسان بہترین علم کے باوجود، اس حساب وکتاب پر یقین سے محروم ہے، کیونکہ کوئی انسان مرنے کے بعد دوبارہ نہیں آیا اور کائنات میں وجود، عدم وجود کے تسلسل سے سبق حاصل نہیں کرتا۔اس نظام کائنات کے ختم ہونے پر یقین نہیں رکھتا ہے۔جس خالق نے انسانوں کو سہولت ومہلت دی ہے، وہ کیسے بغیر حساب کے چھوڑ دے گا؟ لہذا، دوبارہ زندگی لازمی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾

کافروں نے کہا: کیا جب ہم اور ہمارے آباؤاجداد مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

بلاشبہ ہمیں اور اس سے پہلے ہمارے آباؤاجداد کو بھی یہ وعدے دیئے جاتے رہے ہیں، لیکن یہ تو محض پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

کہہ دیجئے! تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

(اے نبی!) آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ ہی جو وہ مکر وفریب کر رہے ہیں اس پر تنگ دل ہوں۔

اللہ کی قوت، طاقت کے واضح دلائل، جو کائنات میں ہم اپنی زندگی میں ہر وقت دیکھ رہے ہیں، ان کے بعد قیامت اور حساب وکتاب کے منکرین کا ذکر ہے۔چونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی واپس نہیں آیا، سوائے چند ایک معجزات کے، اس لئے لوگ اللہ کے وجود کو، تو مانتے ہیں لیکن حساب وکتاب، جنت اور دوزخ پر ایمان نہیں رکھتے۔اس سے انکار کرتے رہے ہیں۔یہی حال مشرکین (کفار) مکہ کا تھا۔اللہ کے وجود کے تو قائل تھے، لیکن حساب وکتاب کے منکر تھے۔ان کے نزدیک دوبارہ مٹی میں مل جانے کے بعد مکمل وجود کا قائم ہونا، ناممکن تھا۔نبی ﷺ ان کے اس رویہ اور انکار کی وجہ سے پریشان رہتے، ان کو تسلی دی گئی کہ آپ پریشان نہ ہوں یہ اپنے انکار کے جرم کی سزا بھگتیں گے جس طرح ان سے پہلے مجرم سزا بھگت چکے ہیں۔آپ اپنی تبلیغ جاری رکھیں۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور وہ(کافر) کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

آپ کہہ دیجئے: جو عذاب تم جلد طلب کر رہے ہو، ہو سکتا ہے وہ تمہارے قریب آگیا ہو۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر (لوگ) شکر ادا نہیں کرتے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بلاشبہ آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور آسمان وزمین میں کوئی غائب (چھپی) چیز نہیں جو کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کو دوبارہ بتایا جارہا ہے کہ منکرین قیامت اور حساب و کتاب کہتے ہیں، کہ کتنے سو سال سے کوئی عذاب نہیں آیا، یہ کب آئے گا اور دعویٰ قیامت / حساب و کتاب کو سچا نہیں سمجھتے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات بہت مہربان ہے، اس لئے انسانوں کو کئی سو سال تک بغاوت اور نافرمانی کے باوجود مہلت دی جاتی ہے۔ اس مہلت اور دوسرے انعامات واکرامات، جو زندگی میں دیئے جاتے ہیں ان پر اکثر لوگ کوئی شکر ادا نہیں کرتے بلکہ حیوانوں کی طرح زندگی گذارتے ہیں۔ اللہ کی قوت و طاقت، علم، کا یہ حال ہے کہ انسان کے دلوں کے راز جو وہ کسی کو نہیں بتاتا، وہ بھی جانتا ہے۔ یعنی ہمارے ذہین میں جو خیال آتے ہیں ان کا بھی پتہ ہے، کیونکہ فرشتے ہمارے ساتھ موجود ہیں اور ان کی ہمارے ذہن تک رہائی ہے، بلکہ شیطان کی بھی ہے۔ جو برے خیالات کو، ہمارا ارادہ، بنانے میں کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام انتہائی منظم و مکمل بنایا ہے۔ ہر چیز جو اس کائنات میں ہے اس کا ریکارڈ اور منصوبہ موجود ہے، جسے ہم علم الکلام یا مذہب کی اصطلاح میں لوح محفوظ کہتے ہیں۔ آیت میں کتاب مبین سے یہی مراد ہے۔ اگر ان تمام حقائق کے باوجود کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ سے چھپ سکتا ہے یا حساب و کتاب سے بچ سکتا ہے تو اس کی بڑی غلطی ہے، دھوکہ ہے۔

انسان کی موت کا وقت بھی شدید ہوتا ہے۔ بے بسی واضح ہوتی ہے اور وہ لمحات زندگی، آخری ہوتے ہیں پھر قیامت یعنی برزخ، کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے "جب تم میں سے کوئی

مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو'' (کنزالعمال)۔

عموماً آدمی برے خیالات چھپاتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے اسے مشکلات اور بدنامی ہوتی ہے اور اچھے خیالات واعمال کا اظہار کرتا ہے۔ حسد، کینہ، دشمنی، چوری کو چھپاتے ہیں۔ ان عیوب سے ہمیں اپنے دل و دماغ صاف رکھنے چاہیے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور بلاشبہ یہ (قرآن) مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾

بے شک آپ کا رب اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ کرے گا وہ بہت غالب، بہت علم والا ہے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

پس (اے نبی!) آپ اللہ پر توکل کریں بلاشبہ آپ واضح حق پر ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ کے بل پھر جائیں۔

وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور (اسی طرح) آپ (دل کے) اندھوں کو راہ ہدایت نہیں دکھا سکتے، آپ تو بس انہیں ہی سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں پس وہی فرمانبردار (مسلمان) ہیں۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور (دَآبَّةً الْاَرْضِ) نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ بے شک لوگ ہماری آیات (نشانیوں) پر

ایمان نہیں لاتے تھے۔

حجاز میں، یہودی بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ان کا معاشی اور سماجی اثر ورسوخ بھی تھا۔اہل علم اور اہل کتاب سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنا پیغمبر مانتے تھے،اس لئے قرآن مجید میں ان کا ذکر عیسائیوں کے مقابل زیادہ ہے۔ اہل مکہ اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے ،ان سے پوچھتے رہتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ،اور حضرت عزیر علیہ السلام کے مقام نبوت کے بارے تھا۔قرآن مجید نے ان ادیان الٰہی کے غلط عقائد، کی تصحیح کی۔ کچھ نے ان میں سے اسلام قبول کر لیا، لیکن اکثریت ضد کی وجہ سے اپنے دین پر اڑے رہے۔ یہ اختلاف اور بھی جو اختلافات مذاہب ہیں،ان کے بارے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔اکثر مذاہب وجود الٰہی کا کسی نہ کسی صورت میں اقرار کرتے ہیں، لیکن اس میں شرک اور فساد زیادہ شامل ہو گیا۔اسلام کو،اللہ نے انسانیت کے لئے مکمل مذہب قرار فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ جدوجہد جاری رکھیں۔ آپ حق پر ہیں اور حق کامیاب ہو گا۔ یہ کفار (منکرینِ مکہ) اگرچہ زندہ ہیں اور حواس خمسہ رکھتے ہیں، لیکن ان کی اسلام کی دعوت اور قرآن کی ہدایت سے ،ایک طرح کے بہرے اور مردہ ہیں، کیونکہ اس کو غور سے نہیں سنتے اور عمل نہیں کرتے۔ان کی ضد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے گمراہی ان کے لئے لکھ دی ہے اور اس کی سزا یہ پائیں گے۔ صرف حق کو وہی لوگ قبول کریں گے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

دآبۃالارض:۔

وقت گزرنے کے ساتھ اسلام کمزور ہو گا، جس طرح احادیث اور علامات قیامت میں آیا ہے۔لوگ اللہ کے بجائے موجود ذرائع پر یقین کریں گے۔ قیامت اور حساب وکتاب سے منکر ہوتے جائیں گے اور اس وقت بطور وارننگ زمین سے ایک جانور نکلے گا، جو لوگوں کے ساتھ ان کی زبان میں بات کرے گا۔ یہ ایک عجیب مخلوق ہو گی جو جسامت میں مکمل طور پر ہو کر، زمین سے نکلے گی۔ جس طرح معجزہ کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پہاڑ سے نکلی تھی۔ پھر اس کو انسانوں کی زبان بھی آتی ہو گی اور باتیں کرے گا۔

کہاں سے نکلے گا اس کے بارے مختلف روایات ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک دفعہ نکل کر غائب ہو جائے گا اور پھر دوبارہ اسی طرح، پھر تیسری دفعہ نکلے گا۔اس کی جسامت کے بارے بھی مختلف روایت ہیں، جن میں تضاد ہے اور مصدقہ نہیں،البتہ یہ آثارِ قیامت میں سے ایک نشانی ہے۔

علامہ آلوسیؒ،روح المعانی میں کہتے ہیں کہ دآبۃالارض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ چار پاؤں والا بہت عجیب وغریب جانور ہے۔ یہ نوع انسان میں اصلاً نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اس کو زمین سے نکالے

گا اور زمین سے نکالنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ توالد (ولادت) کے طریقہ سے نہیں بلکہ اس طرح نکلے گا جس طرح حشرات الارض نکلتے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے۔

قیامت کی کیفیت کا اگلی آیات میں ذکر ہے۔

وَ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جس دن ہم ہر امت میں سے لوگوں کے ایک گروہ کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں کو الگ کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

حتٰی کہ جب وہ سب (میدان حشر) آجائیں گے تو اللہ فرمائے گا: کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا, حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہ کیا تھا۔ (اگر یہ بات ہے) تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے۔

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر (وعدہ عذاب کی) بات پوری ہو جائے گی تو وہ کچھ نہیں بولیں گے۔

قیامت کا منظر ہے۔ تمام لوگ حساب و کتاب کے لئے اکٹھے ہوں گے اور پھر جو لوگ اہل ایمان تھے وہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ ان کی کیفیت و حالت ان لوگوں سے مختلف ہو گی, جو اللہ کی وحدانیت یا اس کی الوہیت کا انکار کرتے تھے۔ انکار اور نافرمانی کرنے والوں سے پوچھا جائے گا کہ، نافرمانی کا کیا سبب تھا۔ جب کہ ان کو ہدایت کا پیغام پہنچایا گیا تھا اور اس پیغام پر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور بغیر کسی علم کے انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور نافرمانی کی اور آج، جس طرح پیغام الٰہی میں عذاب کے بارے کہا گیا تھا، وہی پورا ہو گا (ہو رہا ہے)۔ آج جو بحث کرتے ہیں اور عذاب آنے کی دعوت دیتے ہیں، جب عذاب کو سامنے دیکھیں تو خوف و دہشت سے خاموش ہو جائیں گے۔

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا ؟ کہ ہم نے رات بنائی تا کہ وہ (لوگ) اس میں آرام کریں اور دن کو روشن (بنایا) بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

وَ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے (سب) گھبرا جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ یہ سب عاجز ہو کر اللہ کے حضور جائیں گے۔

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور آپ (تم) پہاڑوں کو دیکھیں گے تو ان کو جامد سمجھیں گے (اپنی جگہ پر) جب کہ وہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو پختہ اور مضبوط بنایا، بے شک وہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جو شخص نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس سے زیادہ بہتر بدلہ ہوگا اور وہ اس دن پر گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور جو شخص بُرائی لائے گا، تو ان کے منہ آگ (دوزخ) میں اوندھے کر دیئے جائیں گے (اور کہا جائے گا) تم بس اسی کا بدلہ پاؤ گے جو تم عمل کرتے تھے۔

رات اور دن:۔

اللہ کی طاقت کی ایک اور دلیل دن اور رات ہے۔ یہ بظاہر بڑی حقیقت ہے اور چونکہ انسان جب آنکھ کھولتا ہے تو اس کو دیکھتا ہے، اس لئے اس کا عادی ہو جانے کی وجہ سے اس کی حقیقت، ضرورت، اہمیت اور وہ نظام جس کی یہ رات دن پیداوار ہیں، کو کبھی نہیں سوچتا۔ صرف سائنسدان یا اہل علم لوگ اس پر ہزاروں سالوں سے غور کر رہے ہیں۔ رات اور دن، زمین کی محور پر گردش سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح ہماری سائنس کہتی ہے اور اس بنیاد پر اس کے تجربات کامیاب ہیں۔ اگر سورج ہر وقت چمکتا رہتا تو گرمی کی وجہ سے زندگی ناممکن تھی اور ہر وقت اندھیرا رہتا تو بھی سردی کی وجہ سے زندگی ناممکن تھی۔ سورج کے ساتھ گردش سے، زمین کے موسم بنتے ہیں کبھی لمبے دن ہیں اور کبھی

لمبی راتیں، کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں۔ سب موسم انسانی زندگی کے لئے بہت اہم ہیں۔ یہ سارا نظام ایک خاص نظام سے چل رہا ہے۔ اگر اس کے مدار میں ذرا بھی فرق آجائے، تو انسانی زندگی ختم ہو جائے گی اور سائنس یہی کہتی ہے، کہ ایک دن سورج کی تپش اور کشش ختم ہو جائے گی اور جس مدار، میں یہ سیارے چل رہے ہیں، سب ختم ہو جائے گا اور انسان کی کائنات ختم ہو جائے گی۔

دن ،انسانی کام کاج کے لئے انتہائی اہم ہے اور اس کی اہمیت سورج کی روشنی کی وجہ سے ہے۔ زراعت، حیوانات کا نشو نما، انسانی نشو نما، انسانی مزاج، انسانی صحت، کام کی استعداد، کام کی رفتار، سب دن کی روشنی سے متعلق ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب دن چھوٹے ہو جاتے ہیں تو انسانی استعداد میں فرق آجاتا ہے۔

انسانی زندگی میں رات بہت اہم ہے۔ رات کو پر رونق اور منور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کے ذریعے زمین کے علاقوں پر روشنی پہنچائی ہے، جو ٹھنڈک کی روشنی ہے۔ رات کا اندھیرا، انسانی آرام اور نیند کے لئے بہت اہم ہے۔ نیند انسانی صحت، نشو و نما اور آرام کے لئے بہت ضروری ہے۔ نیند کی وجہ سے اعضاء آرام کرتے ہیں۔ بچوں میں اعضاء میں ترقی ہوتی ہے۔ انسانی مزاج کو سکون ملتا ہے، یاداشت بہتر ہوتی ہے اور اندھیرے میں قدرتی طور پر نیند زیادہ اچھی آتی ہے۔ اندھیرے میں سونا، روشنی میں سونے سے زیادہ آرام دہ و پر سکون ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان حقائق کا ذکر مختصر طور پر فرمادیا، کہ رات آرام اور دن کام کے لئے بنایا ہے اور یہ نظام تکوین (رات و دن کا پیدا ہونا) اس کی بہت بڑی نشانی و دلیل ہے کہ کسی خالق نے یہ ساری مخلوق زمین، چاند، سورج، مدار، باہمی کشش اور باہمی تناؤ (دور ہونا) پیدا کیا ہے۔

قیامت کی نشانی میں صور پھونکنا، بطور علامت ظاہر فرمایا۔ لغوی اعتبار سے صور کا پھونکنا اس زمانے میں بگل بجانے کے مترادف تھا۔ صور کسی جانور (گائے، بیل) کا بڑا سینگ جو اندر سے خالی ہوتا اور اس کے تنگ طرف سے آواز زور سے دی جاتی تو بڑی طرف سے آواز دباؤ کے ساتھ نکلتی ہے۔ اس طرح بڑے مجمع یا علاقے تک پہنچ جاتی۔ یہ انسانی آواز ہوتی تھی، پھر بگل بنے تاکہ مزید آواز بلند ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں یا فرشتہ کو متعین کیا ہے، وہ آواز کی ایک ایسی مقدار یا ساؤنڈ نکالے گا جس سے سارے ذی روح ختم ہو جائیں گے۔

ہم دیکھتے ہیں سپر سانک شاک ویوز Super Sonic Shock Waves پیدا ہو کر ہوا کو چیرتی ہے ،تو ہوا کے پھٹنے سے بہت زیادہ دھماکہ پیدا ہوتا ہے اور اتنا شدید دباؤ ہوتا ہے کہ انسانی جان اور دوسرے جاندار کے ہارمون میں خون کے دباؤ کی وجہ سے موت واقع کر دیتے ہیں۔ یہ تو وہ چیز ہے جو انسانی عقل کی پیداوار ہے، اللہ تعالیٰ کا نظام تو اس سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہے۔ احادیث کے مطابق پہلی صور کے لئے ایک فرشتہ، جس کا نام اسرافیل بیان کیا گیا

ہے متعین ہے۔اس صور سے تمام ذی روح ختم ہو جائیں گے اور دوسرے صور پر، تمام ذی روح زندہ ہو جائیں گے۔ (صور پھونکنے کی تعداد میں اختلاف بھی آیا ہے لیکن موت اور زندگی دونوں اس سے ہوں گے)۔آواز (صور) اس قدر خوفناک ہو گی کہ تمام مخلوق خوفزدہ ہو جائے گی اس سے مراد قیامت یعنی حساب وکتاب کی صور یا اعلان ہے۔پہاڑ جو روئے زمین پر سب سے مضبوط چیز ہیں، وہ اُڑ رہے ہوں گے۔یعنی زمین میں اس قدر شدید زلزلہ آئے گا یا سیاروں میں ٹکر ہو گی، جس سے پہاڑ جو زمین میں بطور میخ (کیل) ثابت ہیں اور اندرونی لاوا کو روک رکھا ہے، اُکھڑ جائیں گے اور فضاء میں اُٹھ جائیں گے۔جس طرح اونچے اور طویل بادل گھوم رہے ہوتے ہیں۔یہ اس قدر خوف کی کیفیت ہو گی۔

حساب وکتاب کے منظر کے ساتھ اس کا نتیجہ بھی بیان فرمایا ہے۔جن لوگوں نے، اللہ کے احکام کے مطابق نیکیاں کیں، لوگوں کو بھلائیاں دیں، اللہ کے احکام مانے، ان کے ہر ہر عمل کی جزا ملے گی اور اس خوفناک ماحول میں بھی ان کو اطمنان کی کیفیت ہو گی۔یہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور فضل کا نتیجہ ہے۔کہ انسان کے عمل سے بڑھ کر عنایت ہو گی اضافی جزا بھی ملے گی۔

دوسری طرف، جو افراد اللہ کے احکام کے منکر تھے، اگرچہ اچھے کام کئے، تو ان کا فائدہ، ان کو دنیا میں ملے گا اور اگر نہ ملا تو قیامت کو ملے گا اور احکام الٰہی سے انکار کی بناء پر ان کو دائمی طور دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔عذاب کے درجات انسانی کردار اور اعمال کے مطابق ہوں گے۔یہی ان احکام پر عمل درآمد ہے جو کہ کتب الٰہی اور انبیاء کرام نے بتایا ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ۫ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

(آپ کہہ دیجئے) بس مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی ہے اور ہر شئ اسی کے لئے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں۔

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہ کہ میں قرآن پڑھوں (پڑھ کر سناؤں) پھر جس نے ہدایت پائی تو بس وہ اپنی ہی ذات کے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو آپ کہہ دیجئے: میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور کہہ دیجئے! تمام حمد اللہ کے لئے ہے وہ جلد ہی تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا پھر تم انہیں پہچان لوگے اور جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو آپ کا رب (پالنے والا) اس سے غافل نہیں۔

قیامت کا ذکر، اعمال کی جزا اور سزا کے بعد آپ ﷺ اپنی ذمہ داری کے بارے آگاہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ، جہاں اللہ کا حرم (گھر) ہے اور جو تمام کائنات کا مالک ہے، کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ مکہ شریف کو اللہ کے گھر کا اعزاز حاصل ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ اس میں مسلمانوں کے لئے حج کا فریضہ ہے۔ یہاں کسی کو تکلیف دینا منع ہے۔ وہاں کے درختوں کو کاٹنا، جانوروں کو تکلیف دینا منع ہے، ان امور کی بناء یہ حرم پاک کہلاتا ہے۔ لڑائی جھگڑا منع ہے، امن اور سکون کا شہر ہے۔ انسانی امن سلامتی اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

آپ ﷺ کے ذمہ قرآن مجید یعنی پیغام الٰہی کا پہنچانا ہے اور اب یہ سننے والے پر ہے کہ اس پر عمل کرتا ہے، اگر اسے نظرانداز کر دیتا ہے تو گمراہی کی سزا وہ پائے گا۔ آپ ﷺ کا کام تو ان کو عذاب سے ڈرانا ہے تاکہ بچ سکیں۔

سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور برتری کا اظہار فرمایا اور اللہ کی نشانیوں کے بارے آگاہ کیا کہ، وہ کائنات میں موجود ہیں۔ ان پر غور کریں اور پہچانیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی مخلوق بالخصوص انسانوں کے تمام اعمال سے باخبر ہیں۔ ان سے کوئی بے پرواہی یا غفلت نہیں، ہر ایک اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا پائے گا۔

سورت کی ابتداء میں قرآن مجید کی عظمت، اہل ایمان کے عمل پر ان کو خوش خبری دی گئی تھی اور اختتام میں بھی اللہ کی حمد، نیک اعمال کی ضرورت اور اہمیت پر ختم ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے آگاہ ہیں۔

الحمدللہ سورۃ النمل مکمل ہوئی (بروز سوموار 8 شوال 1443 ھجری بمطابق 9 مئی 2022 عیسوی)۔ اللہ تعالیٰ صحیح تفسیر و تاویل کی توفیق عطا فرما کر اسے مخلوق کے لئے مفید بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ نبی الکریم علیہ الوف التحیہ والتسلیم۔

21- سورۃالقصص

تعارف:۔

سورۃ کا نام القصص اس کی ایک آیت (آیت 25) میں مذکور ہے اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ولادت سے لے کر رسالت تک کے حالات مذکور ہیں۔

سورت النمل، سورت القصص اور سورت الشعراء، کا وقت نزول ایک جیسا ہے۔ یہ دور نبوت کے مکی دور کے آخری حصہ میں نازل ہوئیں۔ ان سورتوں میں توحید، رسالت، حشر و نشر اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات درج ہیں، جو اس وقت مسلمانوں کی تسلی کے لئے ذکر فرمائے۔ یہ واقعات قرآن مجید کے کلام الٰہی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور وحی کی دلیل بھی ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمّی ہونے کے باوجود تاریخ کے حقائق سے قریش کو آگاہ کر رہے ہیں، جو ہزاروں سال پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے۔

ترتیب کے لحاظ سے سورت کا نمبر اٹھائیس (28) ہے۔ نزول کے اعتبار سے اُنچاس (49) ہے۔ سورت میں اٹھاسی (88) آیات اور نو (9) رکوع ہیں۔ سورت النمل، سورت الشعراء اور سورت القصص کی ابتداء کے حروف مقطعات، طا، سین، میم ہیں۔ اس لئے ان کو الطوٰسین بھی کہا جاتا ہے۔ القصص مکی سورتوں میں آخری سورت ہے۔ زمانہ ہجرت کے قریب نازل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ واقعات جو سورت الاعراف اور سورت طٰہٰ میں مختصراً تھے ان کی تفصیل سورت القصص میں بیان فرمائی ہے۔

بنی اسرائیل فرعونیوں (قبطیوں) کے مقابل بہت کمزور تھے۔ فرعون کی قوت و طاقت بہت زیادہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کامیاب اور محفوظ رکھا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اہل مکہ کے لئے بہت اہم پیغام تھا، کہ مسلمانوں کو حقیر اور کمزور نہ سمجھیں۔

قبطیوں نے معجزات دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اس لئے اہل مکہ کو بھی وارننگ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو تصدیق کریں ورنہ نقصان اُٹھائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بھی تفصیل سے بیان فرمایا۔ قارون کے واقعے کے ساتھ، جہاں دولت کے صحیح استعمال کے بارے احکام ہیں۔ وہیں دنیا میں انسانی کردار کی اہمیت بھی بیان فرمائی ہے، کہ اپنا حصہ نہ بھولے۔ دنیا اور آخرت، دونوں میں بہتری حاصل کرلے۔ اللہ تعالیٰ کی عبودیت، حاکمیت پر، سورت کا اختتام ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ طا۔ سین۔ میم

تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾

یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

نَتۡلُوۡا عَلَیۡکَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَ فِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾

ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی سچی خبریں سناتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴﴾

بے شک فرعون نے زمین (مصر) میں سرکشی کی اور اس نے اہل مصر کے کئی گروہ (طبقے) بنا دیئے۔ان میں ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو اس نے ضعیف (کمزور) جان کر دبا رکھا تھا، وہ ان کے بیٹے ذبح کرتا اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھتا بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا۔

وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۵﴾ۙ

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں ضعیف (کمزور) کر دیا گیا تھا اور انہیں پیشوا (لیڈر) بنائیں اور انہیں (ان کے ملک کا) وارث (مالک) بنائیں۔

وَ نُمَکِّنَ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ نُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ جُنُوۡدَہُمَا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾

اور ہم ان کو ان کے، ملک کا اقتدار (حکومت) عطا کریں اور ہم فرعون اور ھامان اور ان کے لشکروں کو (بنی اسرائیل کے ہاتھوں) وہ انجام دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے۔

طآ۔ سین۔ میم۔ حروف مقطعات ہیں۔ اس سے پہلی سورتوں کی ابتداء بھی انہی حروف سے تھی،۔ان کی تعبیر کچھ علماء نے اس طرح کی ہے۔ط سے اشارہ ہے، عابدین کے نفوس کی طہارت یعنی پاکیزگی کہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے پاک ہیں۔اسی طرح عارفین باللہ کے دل غیر اللہ کی تعظیم سے پاک ہیں اور واجدین باللہ کی ارواح غیر اللہ کی محبت سے پاک وصاف ہیں اور الموحدین (وحدت میں ڈوبے ہوئے) کے اسرار، غیر اللہ کے شہود سے پاک وخالی ہیں۔اور سین سے مراد سِرٌّ، اسرار (راز) ہے، جو کہ عاصیوں کو اللہ کی رحمت سے نجاعت کی امید ہے اور اطاعت گذاروں کو

اپنے درجات میں بلندی کی امید ہے اور محبت کرنے والوں (محبین الٰہی) کو دائمی نجاعت کی امید ہے۔ میم سے مراد تمام مومنین پر اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے۔(انوارالقرآن واسرارالفرقان از ملا علی القاری)۔ حروف مقطعات کے بارے سورۃالبقرۃ میں تفصیلاً ذکر کیا جاچکا ہے۔

روشن کتاب سے مراد قرآن مجید کے وحی الٰہی اور اس میں واضح احکام، سچے واقعات و ہدایات کا ذکر ہے۔ آیات کے بارے تلاوت کا لفظ استعمال ہوا، جس کا مفہوم کسی چیز یا جملہ کو بار بار دہرانا یا پڑھنا ہے اور اسی کے تحت یہ واقعات مختلف سورتوں میں مختلف آیات کے ذریعے دہرائے جاتے ہیں، جو سابقہ انبیاء، اللہ کی وحدانیت کے سائنسی دلائل (کائناتی)، اخلاقیات، سماجی اور معاشی قوانین وہدایات ہیں۔ سابقہ کتب کی تصدیق بھی شامل ہے، جو قرآن مجید کی وحی الٰہی کی دلیل ہے۔ یہ واقعات سچے ہیں، لیکن اہل کفر اپنے ایمان نہ ہونے اور ضد یا تکبر یا پرانے رسم ورواج کو بہت اہمیت دینے کی وجہ سے، ان کا انکار کرتے ہیں، لیکن اہل ایمان ان پر یقین کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس یہودی مذہب و تاریخی مواد بھی ہے جو عہد نامہ (قدیم) اور یہودی لٹریچر کا حصہ، اور وہیں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق مشکل ہے۔ اس لئے صرف قارئین اور سامعین کی شوق کے لئے درج کیا جاتا ہے۔

طبقانیت:۔

فرعون نے جب اقتدار سنبھالا تو اس نے بنی اسرائیل کو غیر قبطی ہونے کی وجہ سے تفریق کا نشانہ بنایا۔ مصری معاشرہ کو طبقانیت میں تقسیم کر دیا۔ طبقوں کے مفاد کے مطابق ان میں اختلاف پیدا کیا اور کچھ طبقوں کو کمزور کر دیا اور کچھ کو قوّی بنا کر ظلم و ستم شروع کر دیا۔ انسانیت کو تقسیم کر دیا، اور یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کو سختی سے منع کر دیا اور انسانی مساوات کا سبق دیا ہے، اسلام میں سب انسان برابر ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور ایک یہودی کے مقدمہ میں مسلمان جج، قاضی شریح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دیا کیونکہ شواہد نہیں تھے۔ بدقسمتی سے طبقاطیت، آج بھی دنیا میں، رنگ، نسل، زبان اور مذہب کی صورت میں چل رہی ہے۔

فرعون نے کیوں بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے کی کوشش کی اور کر دیا۔ اس کے بارے مختلف آراء ہیں۔ تورات (عہد نامہ قدیم کے باب خروج) کے مطابق، جب قبطیوں میں سے ایک بادشاہ ہوا اور طاقت پر قبضہ کیا، تو اسے خوف ہوا کہ بنی اسرائیل جو کہ بڑی تعداد میں ہیں اور صاحب قوت ہیں اگر وہ اس کے (قبطیوں) کے مخالف سے مل گئے تو ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ انسانی خود غرضی کا خوف تھا۔

حضرت یوسف جس وقت کے حکمران تھے، ان کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر گئے تھے۔ اس لئے وہ بھی

حکمران اور طاقتور طبقہ کا حصہ بن گئے اور اس کے بعد طاقتور ہی رہے۔ پھر اس بادشاہ نے ان کے خلاف منصوبہ بندی کی کہ ان سے بیگار لی جائے، ان کی جایدادوں پر قبضہ کر لیا اور عہدوں سے ہٹا دیا۔ ان سے تعمیرات، کھیتوں، صفائی کے کام زبردستی کرائے جائیں، ان پر تشدد کیا جائے اور ان کو ذلیل تصور کیا جائے۔ حکمران یا حکومت کے اس رویہ سے وہ کمزور سے کمزور تر ہو گئے۔ ان کی عددی قوت کو ختم کرنے کے لئے اس بادشاہ نے دائیاں بطور جاسوس چھوڑ دیں کہ اگر کوئی اسرائیلی عورت بچہ (لڑکا) پیدا کرتی ہے تو اسے قتل کر دیا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

جب زیادہ بچے قتل ہو گئے اور بوڑھے مر گئے، نوجوان کم رہ گئے تو بادشاہ نے کہا کہ ایک سال لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے اور ایک سال مار دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے قبطی دائیاں بنو اسرائیل کی حاملہ خواتین کو چیک کرتی رہتی تھیں۔ جس سال بچے چھوڑ دیئے گئے اسی سال حضرت ھارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔

ایک روایت کے مطابق بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ شام (بیت المقدس) سے آگ اُٹھی اور مصر میں قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور اسرائیلیوں کے گھر جلنے سے بچ گئے۔ اس کی تعبیر بادشاہ کو یہ بتائی گئی کہ اسرائیلیوں میں ایک جوان پیدا ہو گا، جو اس کی بادشاہی کو ختم کرے گا اس لئے اس نے لڑکوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق اسے ایک نجومی نے بتایا کہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعونیوں کا اقتدار ختم ہو گا جس کی وجہ سے اس نے اسرائیلی لڑکوں کو ختم کرنا شروع کر دیا (بحوالہ تلمود۔ جیوئش انسائیکلوپیڈیا)۔

بنو اسرائیل پر ظلم اور تعصب کا طویل عرصہ گزرتا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اُن کو اس ظلم سے نجاعت دے کر بیت المقدس/شام کی طرف حکومت دینے، قبطیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ فرمایا، تاکہ بنی اسرائیل بھی ظلم سے نکل کر انسانیت کے اعلیٰ معاشی و سماجی مقام حاصل کر لیں۔ وہی حکمران (فرعون) اور اس کا وزیر ھامان، جو اپنی عقل اور استعداد کے مطابق، سارے ظلم و زیادتی، طبقانیت اور قوت کے سارے ذرائع استعمال کر رہے تھے کہ ہر اس شخص کو دنیا میں رہنے نہ دیا جائے جو ان کے اقتدار کے لئے خطرہ ہو اور بنی اسرائیل طاقتور نہ ہو سکیں، ناکام ہوئے اور اسی ناکامی اور تباہی کا شکار ہوئے جس سے وہ خوفزدہ تھے۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تو اسے دودھ پلا، پھر جب اس کے بارے میں ڈرے تو اسے دریا میں ڈال دینا، نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا، بے شک ہم اسے تیری طرف واپس لائیں گے اور اسے

رسول بنانے والے ہیں۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸

پس فرعون اور اس کے گھر والوں نے اسے (دریا سے) اُٹھالیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث غم بنے۔ بلاشبہ فرعون اور ھامان اور ان دونوں کے لشکر خطاکار تھے۔

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

اور فرعون کی بیوی نے کہا: (یہ تو) میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔

فرعون نے دائیوں کو بنی اسرائیل کے گھروں پر مقرر کیا، تاکہ حاملہ عورتوں کی پیدائش کے وقت پیدا ہونے والے بچوں پر نظر رکھیں اور لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی ختم کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام کے بارے مختلف اقوال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم سے دورانِ حمل ان کی حاملہ عورت کی نشانیاں نہیں تھیں، مثلاً پیٹ کا بڑھنا، چہرے کی رنگت، آنکھوں کی کیفیت، ایسی نہ تھی اس لئے وہاں دائیوں کو آپ کے حمل کے بارے اندازہ نہ ہوا۔ دوران ولادت بھی مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ کی ایک دوست دائیہ تھی جس کو بلایا اور اس نے ولادت میں خدمت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو آپ کی صورت کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی اور معاملہ چھپا دیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ (والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو دردزہ بہت معمولی ہوا اور صرف آپ کی بیٹی مریم بنت عمران موجود تھی اور اس نے حضرت موسیٰ کو سنبھالا۔ ولادت خاموشی سے ہو گئی، مختلف روایات ہیں جن کی اسانید کمزور ہیں۔ زیادہ تر اسرائیلی مأخذ سے لی گئی ہیں۔

آپ کی والدہ نے آپ کو چھپا کر تین چار ماہ دودھ پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام آپ کے دل میں ایک گونہ تسکین اور اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ آپ دودھ پلاتی رہیں اور جب خطرہ محسوس کیا یعنی چھپانا مشکل ہو گیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا۔ الہام کے بارے مختلف روایات ہیں کہ آپ نے خواب دیکھا یا ویسے اللہ تعالیٰ نے القاء کر دیا تھا۔ دریا میں ڈالنے کے بارے تورات میں یوں درج ہے "کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے سرکنڈوں کا ٹوکرا بنایا اور اسے چکنی مٹی اور رال سے لیپ کر پانی سے محفوظ کر دیا، پھر اس میں موسیٰ کو لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔" (خروج

باب2)

اللہ تعالیٰ نے القاء کے ذریعہ والدہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی اطمنان دلا دیا تھا کہ بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں (یہ آگے چل کر ہمارا رسول بنے گا) اور تمہاری طرف واپس لوٹ آئے گا۔

والدہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے کہا کہ دیکھو کہ ٹوکرا کس طرف جارہا ہے۔ وہ دور، سے دیکھتی رہی اور چلتی رہی، تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ دریا، وہاں سے فرعون کے محل کی طرف جارہا تھا۔ فرعون اور اس کی بیوی دریا کے کنارے اپنے محل میں بیٹھے تھے۔ ان کی خادماؤں نے جب دیکھا کہ ایک ننھا سا ٹوکرا، دریا کے پانی میں آرہا ہے اور اسے لہروں نے فرعون کے محل کی طرف پھینک دیا۔ خادمایں، جو دریا کے پاس تھیں، انہوں نے اُٹھالیا اور کھولا تو ایک ننھا چاند سا بچہ تھا۔ وہ اسے فرعون کی بیوی کے پاس لے آئیں۔ جب فرعون کی بیوی جس کا نام آسیہ تھا، نے دیکھا تو اس ننھے پر فریفتہ ہوگئی۔ شک یہی تھا کہ یہ بچہ بنی اسرائیل کا ہے، کیونکہ ان کے بچوں کو مار دیا جاتا تھا۔ اس لئے ان میں سے کسی نے پھینک دیا، پھر پانی بھی اسی طرف سے آرہا تھا، جدھر اسرائیلیوں کے گھر تھے۔ فرعون نے اس کو مار دینا چاہا، چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا، صرف ایک لڑکی تھی، اس لئے اس کی بیوی نے اس سے درخواست کی کہ اس بچہ کو اس کو دے دیا جائے، تاکہ وہ اسے اپنا بچہ بنالے اور یہ ان کے لئے بہت مفید ہوگا۔ فرعون نے بھی جب بچے کو دیکھا تو اس کی بھی محبت ہوگئی اور اس طرح اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیوی کے حوالے کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے دیکھ لیا کہ بچہ فرعون کے گھر اس کی بیوی کے پاس پہنچ گیا ہے۔ تورات کے بیان کے مطابق فرعون کی بیٹی دریا پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور اس نے ٹوکرے کو پکڑ لیا اور اپنی ماں کے پاس لے گئی اور وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیاری شکل پر فریفتہ ہوگئی (خروج)۔ کچھ دیر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی تو رونا شروع ہوگئے۔ آپ کا رونا، سب کے لئے انتہائی پریشان کن ہوگیا۔ مختلف عورتوں کو بلایا گیا اور دودھ پلانے والیوں کی تلاش شروع ہوگئی۔

قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ فرعون نے بہت سارے بچے محض اپنی بادشاہی کی حفاظت اور اُس کے ختم ہو جانے کے ڈر سے ختم کر دیئے تھے۔ ان میں سے ایک بچہ نہ صرف رہ گیا، بلکہ اس کے گھر میں اس کی پرورش شروع ہو گئی۔ لیکن وہ اپنے انجام سے بے خبر تھا۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور موسیٰ کی ماں کا دل (صبر، قرار سے) خالی ہوگیا، بے شک قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر کر دیتی اگر ہم نے اس کا دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کرنے والوں میں سے

ہو۔

وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اس (موسیٰ کی ماں) نے اس کی بہن سے کہا: کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا، پھر وہ (پیچھے گئی تو) اسے دور سے دیکھتی رہی جب کہ وہ (فرعون کے لوگ) بے خبر تھے۔

وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے اس (موسیٰ) پر دائیوں کے دودھ کو پہلے ہی حرام کر دیا تھا۔ پھر اس (موسیٰ کی بہن) نے کہا: کیا میں تمہیں ایک گھر والوں کا بتاؤں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں (اچھے طریقے سے دیکھیں)۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

چنانچہ ہم نے اسے (حضرت موسیٰ کو) اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ جان لے کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور پھر ان کی دودھ پلانے کی ذمہ داری تک کی مدت جو بھی تھی، یقیناً تین چار ماہ کی تھی جس میں ہر وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا خوف تھا۔ ہر لمحہ خطرناک اور ہر فرد فرعون کا جاسوس ہو سکتا تھا۔ یہ ساری مدت اللہ تعالیٰ نے والدہ موسیٰ علیہ السلام کو خاص تسکین اور قوت عطا فرمائی کہ وہ اپنا حوصلہ برقرار اور بچے کا خیال رکھیں۔ اس کو چھپائیں اور پوری حفاظت سے رکھیں۔ پھر دریا میں ڈالتے وقت اور اس کے بعد بھی کسی بھی لمحہ، ان کا صبر یا حوصلہ ٹوٹ جاتا اور وہ اس کا برملا غم و خوف کا اظہار کر تیں تو حالات بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے لئے خطرناک ہو سکتے تھے۔ اس دوران ایسے مراحل بھی آئے کہ وہ، بحیثیت انسان اور عورت یا والدہ بہت زیادہ پریشان ہو گئیں اور عنقریب تھا کہ آپ کا صبر کا پیمانہ ٹوٹ جاتا، مگر اللہ کی رحمت اور طمانیت نے آپ کو سہارا دیا اور آپ کے عزم کی وجہ سے سارا گھر مضبوط رہا اور یہ راز نہ کھلا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور سے لاتعلق ہو کر ٹوکرے کو دیکھتی رہی۔ جب اسے محل میں لوگوں (عورتوں) کو جاتے دیکھا اور وہاں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روتے دیکھا کہ آپ بھوک سے رو رہے تھے اور مختلف

عورتیں آپ کو دودھ پلانا چاہتی تھیں اور پلانے کی کوشش کرتیں، لیکن آپ علیہ السلام پیتے نہیں تھے اور ساتھ چیخ بھی رہے تھے۔اس نے بتایا کہ میں ایک عورت کو جانتی ہوں جو کہ دودھ پلاتی رہتی ہے اور اچھے اخلاق کی مالک ہے، اگر وہ کہیں تو وہ اس کو لے آئے اور اس کے دودھ کی بھی کوشش کی جائے، ممکن ہے یہ بچہ پی لے اور چپ ہو جائے اور اس طرح اس کی پرورش کا بندوبست ہو جائے۔جب فرعون کی بیوی نے یہ سنا تو کہا کہ اس کو لے آؤ۔وہ گھر آئیں اور والدہ کو بتایا اور ساتھ لے گئیں۔جب آپ وہاں گئیں، آپ نے دودھ پلایا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پہلے بہت ساری عورتوں کے دودھ نہیں پی رہے تھے، نے ان کا دودھ پینا شروع کر دیا اور خاموش ہو گئے۔اس پر فرعون کے لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ کیوں تمہارا یہ دودھ پی رہا ہے۔ان کا جواب تھا کہ ان کا دودھ میٹھا ہے، وہ صاف رہتی ہیں اور خوشبو لگاتی ہیں جس سے بچے خوش ہوتے ہیں۔عموماً بچہ جب تین چار ماہ کا ہوتا ہے تو اس کے اندر قوت حس پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ماں کی حرارت کو محسوس کرتا ہے جب وہ اس کو اُٹھاتی ہے یا سینے سے لگاتی ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کر لیا تھا۔

فرعون کی بیوی نے ان سے کہا کہ وہ وہاں رہ جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے مگر انہوں نے کہا وہ ایسا نہیں کر سکتیں اگر وہ چاہیں، تو وہ اس بچے کی خدمت کریں گی اور ان کے گھر میں یہ پرورش پائے گا۔اس کا خیال رکھیں گی اور مناسب معاوضہ لیں گی۔جس پر فرعون کی بیوی راضی ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے حوالہ کر دیا اور اس کا مشاہرہ مقرر کر دیا۔اس ایک یہ فائدہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اصلی گھر اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ مل گئے اور بنو اسرائیل کے ماحول میں پلے بڑھے۔جب کافی بڑے ہو گئے، فرعون کے محل میں واپس چلے گئے۔

اخلاص سے عمل میں برکت:۔

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جو القاء کیا گیا تھا، اس کی تعبیر و تنفیذ تھی۔جس سے نہ صرف ان کے معاشی مشکلات ختم ہو گئیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہی کے پاس پلے پوسے۔ایک طرف ان کی زندگی کو سخت خطرہ تھا اور اب وہ انتہائی بے خوف اور آرام دہ ماحول میں تھیں اور اپنے بیٹے کی پرورش کر رہی تھیں۔دوسری طرف فرعون جس بچے کو مارنا چاہتا تھا، اس کی پرورش کے سارے اسباب خود مہیا کر رہا تھا۔اللہ تعالیٰ کے فیصلوں، اسباب اور ذرائع کے بارے انسان کا علم کچھ بھی نہیں، اس لئے اس کے احکام کو ماننا ہی نجاعت ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں والدہ موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس طرح دی: **مثل الذی یعمل و یحتسب فی صنعته الخیر کمثل ام موسی ترضع ولدها و تاخذ اجرها**؛ جو شخص اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرے اور اس کام میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھے، اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا

اوراس کی اُجرت بھی پائی۔ایسا شخص اگرچہ اپنااوراپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کام کرتا ہے لیکن چونکہ وہ اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھ کرایمانداری اور محنت سے کام کرتا ہے(جس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے حق کے ساتھ کرتا ہے، رزق حلال سے اپنے اور بچوں کی پرورش کو عبادت سمجھتا ہے)اس لئے وہ روزی کمانے پر بھی اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہوتا ہے۔روزی بھی کمائی اور ثواب بھی کمایا۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب وہ(موسیٰ)اپنی جوانی کو پہنچااور پوراطاقتور(عقل کے لحاظ سے)ہو گیا تو ہم نے اسے حکم (قوتِ فیصلہ)اور علم دیااور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزادیتے ہیں۔

وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب کہ اہل شہر غفلت میں تھے، پھر اس نے شہر میں دوآدمیوں کو باہم لڑتے ہوئے پایا۔ یہ ایک اس کے اپنی قوم میں سے تھااور دوسرااس کے مخالفوں میں سے تھا۔ پھر جو اس کے اپنے گروہ میں سے تھااس نے موسیٰ سے اس شخص کے خلاف مدد مانگی جو اس کے مخالفوں میں سے تھا۔ پس موسیٰ نے اس کو مکامارا تواس کا کام تمام کر دیا۔ پھر کہا(موسیٰ نے)یہ کام شیطان کے عمل سے ہے۔بلاشبہ وہ گمراہ کرنے والا کھلم کھلا دشمن ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾

اس(موسیٰ)نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا لہٰذا تو میری مغفرت فرما۔ چنانچہ اللہ نے اسے بخش دیا،بلاشبہ وہ بہت بخشنے والااور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

اس(موسیٰ)نے کہااے میرے رب! چونکہ تونے مجھ پر انعام کیا ہے لہٰذا میں مجرموں کا مددگار ہر گزنہ بنوں گا۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ

يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

پھر موسیٰ نے شہر میں ڈرتے ہوئے (خطرے کے) انتظار میں صبح کی تو اچانک (دیکھا کہ) وہ شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی اسے مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا: بلاشبہ تو تو کھلا گمراہ شخص ہے۔

فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ (اسرائیلی) بول اُٹھا: اے موسیٰ: ! کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے تو نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ تو یہی چاہتا ہے کہ زمین میں بڑا متکبر اور سرکش ہو اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور شہر کے پرے (دوسرے) کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا (اور) اس نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ سردار (فرعونی) تیرے خلاف مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا تو نکل جا، بے شک میں تیرے خیر خواہوں سے ہوں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

تو موسیٰ وہاں سے ڈرتے، سہمتے ہوئے (پکڑے جانے سے) اس انتظار میں کہ کیا ہو گا، نکلا اور اس نے کہا: اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بڑے ہوئے یعنی بیس، پچیس سال کے عرصہ میں تو آپ کا جسم اور توانائی خوب تھی جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی۔ غریبوں، کمزوروں کی مدد اور فرعون کے دعویٰ خدائی کے خلاف تھے۔ آپ نے روایات کے مطابق فرعون کو مشورہ دیا کہ بنی اسرائیل پر ظلم کم کیا جائے اور ہفتہ میں ایک دن ان کو چھٹی دی جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بیس پچیس سال تک انسانی جسمانی اعضاء خوب توانا ہوتے ہیں اور پچیس سے پینتیس سال تک عقل و فہم مکمل ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ عقل کی داڑھ سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ اور عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے۔ جو لوگ اچھے کردار کے مالک ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو

عزت واحترام عطا کرتا ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

ظلم سے نفرت:

ایک روز آپ علیہ السلام شہر میں آرہے تھے شاید شام کا وقت ہو یا دوپہر کا ہو جب عمومی طور پر آمدورفت بہت کم ہوتی ہے۔آپ نے دیکھا کہ ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہیں۔اسرائیلی کمزور تھا اور قبطی اس پر ظلم کر رہا تھا۔اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گذارش کی کہ اس کی جان چھڑائی جائے۔آپ علیہ السلام نے قبطی کو منع کیا لیکن وہ نہ رہا اور آپ نے اسے گھونسہ مارا۔مقصد صرف اس کو ڈرانا اور اسرائیلی پر ظلم کرنے سے روکنا تھا، لیکن وہ اس گھونسہ کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔اس وقت سوائے اسرائیلی کے اور کوئی شخص موقع پر موجود نہیں تھا۔آپ کو اس کی موت کا سخت صدمہ ہوا کیونکہ مقصد صرف روکنا تھا اور اس عمل سے اللہ سے مغفرت طلب کی، مقصد انسانی جان کا لینا نہیں تھا، بلکہ مظلوم کی مدد تھی۔آپ علیہ السلام نے اسے شیطان کا عمل قرار دیا کیونکہ فائدہ کے مقابل نقصان زیادہ ہو چکا تھا۔اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔آپ علیہ السلام نے عہد کیا کہ آپ کبھی بھی ظالم کی مدد نہیں کریں گے۔آپ علیہ السلام نے فرعون کی حکومت جو ظلم پر تھی، سے نفرت و علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔قرآن مجید اور احادیث میں ظالم کی مدد سے سختی سے منع آئی ہے۔ حدیث مبارکہ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کے ساتھ مدد کی یا ظالم کی مدد کی، تو جب تک وہ اس سے رجوع (توبہ) نہیں کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا (ابوداؤد /مستدرک للحاکم)۔

حضرت اوس بن شرجیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کے باوجود کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لئے گیا، تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا (شعب الایمان)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص مظلوم کے ساتھ اس کے حق ثابت کرنے کے لئے گیا، اللہ اس دن (یعنی روز قیامت) اس کو ثابت قدم رکھے گا، جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے (کنز العمال)۔ علماء نے، ظالم فرد یا حکمرانوں کی ملازمت کو بھی اس کی اعانت تصور کیا ہے، لیکن یہ عزیمت ہے۔غریب ممالک میں اجازت ہے اور پھر عقلمند ملازم مثبت کردار (ظلم کم کر کے) ادا کر سکتا ہے۔

دوسرے دن حضرت موسیٰ، جب شہر میں داخل ہو رہے تھے تو پھر وہی اسرائیلی ایک اور قبطی سے لڑ رہا تھا۔ پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی۔آپ علیہ السلام پچھلے واقعہ سے بھی نالاں اور پریشان تھے۔آپ علیہ السلام اُسے غصے ہوئے کہ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی لڑائی میں ملوث رہتا ہے۔اُس نے سمجھا کہ آپ علیہ السلام اسے غصہ سے گھونسہ (مکا)

نہ ماردیں۔اس نے کہا کہ اے موسیٰ! تواپنے آپ کو بڑا جبار(پہلوان) سمجھتا ہے کہ تونے ایک مکا سے کل ایک قبطی کو مار دیا تھااور مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔جونہی یہ خبر ایک قبطی نے سنی،فوراًوہاں سے روانہ ہوگیا۔قبطی کی موت کی اطلاع تو تھی،لیکن مارنے والے کا علم نہیں تھا۔اسرائیلی کی اس گواہی سے پتہ چل گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مارا تھا۔تورات میں یہ واقعہ مختلف انداز میں بیان کیا گیا اور قرآن مجید کا انداز مختلف ہے۔قبطی کا معاملہ زیرِ تفتیش تھا۔جب اس نے فرعون کے سرداروں کو خبر دی کہ وہ تو موسیٰ نے قتل کیا ہے،توانہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سزادینے (یعنی پھانسی) لگانے کا ارادہ کر لیا۔ان سرداروں میں سے کوئی یا ان کا ساتھی،حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کردار سے متاثر تھا۔اس نے فوراًحضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلدی اطلاع دی۔اس کے نام کے بارے اختلاف ہے۔اس کا نام حزقیل بن صبورا،ذکر کیا گیا ہے(علامہ ثعالبی)۔اس نے کہا کہ جلد وہ شہر سے چپکے سے نکل جائیں کیونکہ فرعون کے سردار،ان کو قبطی کے معاملہ میں سزا کے طور پر قتل کاارادہ رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

اور جب وہ(موسیٰ) مدین کی جانب متوجہ ہواتو کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھادے گا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۡ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۭ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور جب وہ(موسیٰ) مدین کے پانی پر پہنچا،تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ(اپنے مویشیوں) کو پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو خواتین کو دیکھا جو(اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے) روک رہی تھیں۔موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ سب چرواہے پانی پلا کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

چنانچہ اس نے ان دونوں کی خاطر پانی پلایا پھر وہ پیچھے سائے کی طرف ہٹ آیا اور کہا: اے میرے رب! بے شک تو میری طرف جو بھی خیر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔

آپ علیہ السلام خوف وہراس اور ناگہانی حالت میں شہر سے روانہ ہوئے تھے۔نہ منزل کا علم تھااور نہ زادِراہ تھا۔اللہ تعالیٰ کی ایک آزمائش تھی۔مصر سے نکل کر آپ علیہ السلام صحرائے سیناء کے ذریعہ مدائن کی طرف چل پڑے اگرچہ

راستے کی آپ کو خبر نہ تھی۔ راستے کی راہنمائی ایک گھوڑ سوار نے کی کیونکہ چلتے وقت آپ نے دعا کی تھی کہ آپ کو ظالموں سے نجاعت ملے۔اور مجھے سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔اس سے مراد زندگی میں اچھائی کا راستہ اور اس سفر میں راستے کی بھی راہنمائی مراد ہے۔ مدائن میں بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نسل کے لوگ آباد تھے۔ یہ علاقہ مدائن کہلاتا اور مرکزی شہر بھی مدائن تھا۔ یہ خلیج عقبہ کے ساحل کے ساتھ علاقے تھے۔ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی یہاں فرعون کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ کھانے پینے کا سامان کوئی ساتھ نہیں تھا اس لئے راستے میں جو پھل پتے ملتے انہی پر گذارہ کیا۔

ہدایت کی طلب:۔

علاقہ مدین میں آپ ایک کنویں پر پہنچے۔ وہاں بہت سے لوگ مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنویں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی اپنی بکریوں کو کنویں کی جانب جانے سے روک رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ الگ کیوں کھڑی ہیں اور بکریوں کو روک رہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے والد بوڑھے اور ضعیف ہیں وہ پانی نہیں پلا سکتے اور وہ لوگوں کے ہجوم میں بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں، جب تک سارے لوگ پلا کر نہ چلے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کردار تو ہمیشہ بھلائی اور مدد کا تھا۔ آپ علیہ السلام نے کنویں سے پانی نکال کر ان کی بکریوں کو پلایا، پھر ایک درخت سے سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کہ اے میرے رب! میں اچھائی کا محتاج ہوں، جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔ یہ اچھائی آپ علیہ السلام کی انسانیت سے محبت، لوگوں کی خدمت اور ظلم سے حفاظت کی صورت میں آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی۔ اس کے ساتھ اس سفر کے دوران سلامت مدین پہنچایا تھا، پھر اپنی زندگی میں سلامتی اور ہدایت کی درخواست کی۔ بعض مفسرین نے اس سے موجودہ حالات میں آسانی کی درخواست مراد لی ہے۔

پانی پلا کر جب لڑکیاں گھر گئیں تو ان کے والد نے ان کے جلد آنے کے بارے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایک مسافر (اجنبی) نے انکی بکریوں کو پانی پلا کر جلد فارغ کر دیا۔ ان کے والد نے کہا: کہ اس شخص کی بھلائی کے مقابل اس کو کھانا کھلایا جائے۔ اور ایک لڑکی کو اس کو بلانے کے لئے بھیج دیا۔

ان واقعات سے چند نکات بڑے اہم سامنے آئے ہیں۔ (۱):۔ ضعیفوں کی مدد۔ (۲):۔ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مقصد فتنہ نہ ہو۔ (۳):۔ مرد اور عورت (جوان) کا اختلاط مناسب نہیں، فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے۔ (۴):۔ بوقت ضرورت عورتوں کا کام کرنا یا کام کے لئے نکلنا جائز ہے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ

مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

پھر ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) شرم وحیا سے چلتی اس کے پاس آئی، اس نے کہا: بے شک میرے والد تجھے بلاتے ہیں تاکہ وہ تجھے اس کی مزدوری دیں جو تو نے ہماری خاطر پانی پلایا ہے۔ پھر جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے سارا قصہ سنایا، تو اس نے کہا تو مت ڈر، تو نے ظالم قوم سے نجات پالی۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا: اے ابا جان اسے نوکر رکھ لیجئے، بلاشبہ بہترین شخص جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

اس نے (موسیٰ سے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کر دوں کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے گا، پھر اگر تو دس سال پورے کرے تو تیری طرف سے ہو گا اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں۔ انشاء اللہ یقیناً تو مجھے نیک لوگوں میں سے پائے گا۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

اس (موسیٰ) نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان (معاہدہ) ہے، میں دو مدتوں میں جو بھی پوری کر لوں تو (اس کے بعد) مجھ پر کوئی زیادتی (پابندی) نہیں ہو گی اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ و نگہبان ہے۔

ایک بہن شرماتی ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی، شاید ان کا گھر قریب ہی تھا اور کہا کہ اس کے والد نے ان کو بلایا ہے، تاکہ ان کے پانی پلانے کے عمل کے بدلہ ان کو دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اجنبی سرزمین میں تھے۔ سفر کی تھکان کے ساتھ ساتھ بھوک تھی اور اللہ سے سلامتی کی دعا بھی کی تھی، اس لئے اس پیشکش کو غنیمت

سمجھا اور ساتھ چل دیئے۔ پہلے لڑکی آگے چلی کیونکہ اس کو راستہ معلوم تھا مگر ہوا کی وجہ سے اس کی چادر اُٹھ جاتی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا کہ وہ پیچھے چلے اور راستے بتانے کے لئے کوئی چیز پھینک دے یا بتادے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر پہنچے، حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ہمارے مفسرین نے حضرت سے شعیب سے مراد وہ شعیب علیہ السلام ہیں جو مدائن میں نبوت کا کام سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن توریت میں ان کا نام یترو، ذکر ہے اور انہیں مدین کا کاہن کہا گیا ہے۔ ''اور موسیٰ علیہ السلام اپنے سسر ''یترو'' جو مدین، کا کاہن تھا، بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور وہ بھیڑ بکریوں کو ہنکاتا ہوا ان کو بیابان کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ کے نزدیک لے آیا'' (خروج۔ باب 3-1)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی کہانی، اسرائیلی قبطی کی لڑائی، فرعون کا ظلم اور قتل کا ارادہ کے بارے بتایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو تسلی دی کہ وہ یہاں محفوظ ہیں اور کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت اور اخلاق کا مظاہرہ لڑکیاں دیکھ چکی تھیں، ان کے والد ضعیف تھے۔ انہیں کسی مضبوط کام کرنے والے کی ضرورت تھی کہ ان کی بکریوں اور گھر کے دوسرے کاموں میں مدد کرے۔ ان میں سے ایک نے اپنے والد سے (حضرت شعیب) کو رائے دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طاقتور اور ایماندار، نیک دل شخص ہیں لہٰذا ان کو ملازم رکھ لیا جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب ان سے پوچھا کہ ان کو کس طرح ان کی طاقت اور ایمانداری کا علم ہوا، تو انہوں نے ان کے پانی پلانے اور کنویں کے علاقہ جہاں جانور پانی پیتے تھے اس کے راستے (ڈھکنے) کے پتھر کا ذکر کیا، جو بہت بھاری ہوتا تھا اور کئی لوگ اسے اُٹھا کر رکھتے یا ہٹاتے تھے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنہا اسے اُٹھایا اور رکھا، اسی طرح وہ راستے میں بھی ان کے آگے چلنے لگے تاکہ وہ شرم محسوس نہ کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی رائے کو صحیح سمجھا اور مناسب ترین شخص کے ملنے پر اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ پیشکش کی کہ وہ ان کے پاس بطور ملازم رہیں اور اس کے معاوضہ میں وہ اپنی ایک بیٹی کا نکاح ان سے کر دیں گے تاکہ وہ میاں بیوی بن کر رہیں، لیکن ان کو تقریباً آٹھ سال ان کی ملازمت کرنی پڑے گی اور اگر مزید دو سال کریں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ لیکن اس اضافی مدت کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا ان کو اختیار ہے۔ ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ وہ ان کے ساتھ بہت ہی عادلانہ، مہربان، رویہ رکھیں گے۔ ان سے کوئی غیر ضروری مشقت کا کام نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ملازم تصور کیا جائے گا بلکہ گھر کا فرد تصور ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک رہائش اور مناسب عمل کی تلاش میں تھے، اس کو اللہ کی رحمت جانتے ہوئے قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو گواہ بنا دیا۔ دونوں دین ابراھیمی یعنی اللہ کی توحید پر یقین رکھتے تھے۔ اس طرح حضرت

شعیب علیہ السلام کو نیک داماد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا گھر مل گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جہاں آزمائش ڈالتا ہے وہاں رحمت بھی کرتا ہے۔ اس واقعہ سے چند اہم نکات ملتے ہیں۔

(۱):۔ کسی بھی کام کے لئے اس کے اہل آدمی کو انتخاب کیا جائے جس میں اس کی ذاتی جسمانی قابلیت یعنی صحت بہت ضروری ہے۔ (۲):۔ آدمی کا کردار بہت اچھا ہو، ایمانداری سے کام کرنے والا ہو، خائن نہ ہو اور مطلوبہ علمی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ (۳):۔ آجر یا مالک کو چاہیے کہ کام کرنے والے کا خیال رکھے۔ غیر ضروری مشقت میں نہ ڈالے۔ (۴):۔ آجر اور مزدور کے درمیان معاہدہ یا تفاھم بڑا ضروری ہے اور دونوں کو اس معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیے۔ (۵):۔ ازواج (شادی) کے معاملہ میں جہاں مناسب رشتہ لڑکا یا لڑکی مل جائے، اس کو قبول کرے، نافذ کیا جائے انسانی کردار اہم ہے۔

اسلام میں مزدور کو ملازمت پر لینے (اجرت/اجارۃ) اور نکاح میں بطور مہر اُجرت کے معاوضہ کو قبول کرنے کی اجازت بھی ہے۔ کچھ تفاصیل میں فقہاء میں اختلاف ہیں، لیکن اصولی طور پر متفق ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روایات کے مطابق دس سال گذارے (ابن عباس رضی اللہ عنہ) اور آپ کا نکاح حضرت شعیب علیہ السلام کی چھوٹی بیٹی صفورا ، نامی سے ہوا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ؕ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّۤيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا تو اس نے کوہ طور کی ایک جانب سے آگ دیکھی، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم (یہیں) ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم تاپ سکو۔

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّۤيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

پھر جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اسے وادی کے دائیں کنارے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز دی گئی، کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ سب جہانوں کا رب ہوں۔

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور یہ (بھی کہا گیا) کہ تو اپنا عصا ڈال دے، پھر جب موسیٰ نے عصا کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر پلٹا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا)، اے موسیٰ! تو آگے بڑھ اور نہ ڈر، بلاشبہ تو امن والوں میں سے ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال (پھر نکال تو) وہ (سفید) چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا، اور خوف سے (بچنے کے لئے) اپنا بازو اپنی طرف ملا لے۔ چنانچہ تیرے رب کی طرف سے دونوں معجزے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف (بھیجنے کے لئے) ہیں۔ بلاشبہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص قتل کر دیا تھا لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

اور میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے لہٰذا تو اسے میرا مددگار بنا کر بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کرے بلاشبہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

دس سال مکمل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل خانہ کو لے کر واپس مصر روانہ ہوئے تاکہ اپنے بہن بھائیوں سے مل لیں۔ آپ علیہ السلام مدائن سے مصر آ رہے تھے، راستے میں رات ہو گئی۔ سردیوں کا موسم تھا۔ رات اندھیری اور سرد تھی۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ شاید کوئی جانور (بکریاں) بھی ہوں۔ آپ رات کو آگ کی تلاش کے لئے نکلے تاکہ گرمی حاصل کی جا سکے۔ کیونکہ جس پتھر سے آپ علیہ السلام آگ جلا سکتے تھے وہ کام نہیں کر رہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے دائیں طرف زمین کو دیکھا کہ ایک درخت میں خوبصورت آگ کے شعلے نکل رہے ہیں (اس کا ذکر سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الاعراف میں بھی آ چکا ہے)۔ آپ علیہ السلام وہاں آگ لینے کے لئے پہنچے، تو عجیب منظر دیکھا آگ جل رہی ہے، لیکن درخت نہیں جل رہا۔ اس کے پتے سبز ہیں، آگ جل رہی ہے لیکن حرارت نہیں۔ درخت کی طرف سے آواز آئی، کہ

اے موسیٰ! میں تمہارااور تمہارے جہان کارب ہوں۔ یہ زمین مبارک تھی، جہاں درخت تھاجو روشن تھا، جس سے آواز بھی آرہی تھی جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سن رہے تھے۔

آواز کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ اپناعصاءزمین پر ڈالو، جب آپ علیہ السلام نے اسے زمین پر پھینکا تووہ سانپ بن گیا اور دوڑنے (حرکت کرنے) لگا۔ آپ علیہ السلام اس منظر سے خوفزدہ ہوگئے کیونکہ پہلے آگ کی کیفیت، نور، پھر آواز اور پھر لاٹھی کا سانپ بن جانا، آپ علیہ السلام نے پیٹھ پھیر لی تاکہ اس سے دور ہو جائیں۔ حکم ہوا کہ ڈر نہیں، بلکہ آگے بڑھ کر سانپ کو پکڑ لے۔ آپ علیہ السلام نے سانپ کو پکڑا، تووہ واپس لاٹھی بن گیا۔ پھر حکم ہوا کہ اپناہاتھ گریبان میں ڈال کر نکال، توہاتھ روشن اور چمک رہاتھا۔ یہ کیفیت بھی خوف والی تھی، کیونکہ پہلے تولاٹھی ایک علیحدہ، وجود تھا، مگراب اپنا ہاتھ بھی چمک رہا تھا، کہ آدمی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس خوف کی کیفیت سے بچنے کے لئے حکم ہوا، کہ اپناہاتھ اپنی بغل کی طرف (بائیں طرف) ملالے۔ اس سے دل کو تسکین اور خوف دور ہوگا۔ آپ علیہ السلام نے ایساہی کیا۔ علماء نے لکھاہے کہ اگر خوف کی کیفیت ہو تو دائیں ہاتھ کو بائیں طرف سینے (دل کی طرف) پر رکھ دے، تودل کی دھڑکن، ذرا تھم جاتی ہے اور خوف دور ہو جاتاہے۔ یہ نفسیاتی اور طبّی نقطہ نظر بالکل صحیح ہے۔ پھر جب آپ نے دوبارہ اپنا چمکنے والاہاتھ گریبان میں ڈالا، توعام حالت کی طرح ہاتھ ہوگیا۔ یہ دو معجزے، لاٹھی کا سانپ بننااور ہاتھ کا چمکنااور روشن ہونا آپ علیہ السلام کو عطاہوئے۔

ان معجزوں کے ساتھ نبوت بھی ملی۔ اللہ کے کلام کا شرف عطاہوااور حکم ہوا کہ فرعون اور اس کے سردار، جو انتہائی متکبر اور ظالم ہیں، ان کو جاکر اللہ کا پیغام دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے قتلِ خطاء کی وجہ سے بھاگ کر آئے تھے تاکہ آپ پر فرد جرم کی وجہ سے سزانہ دیں۔ اس کاذکر کیا، کہ وہ تومیری جان لینے کے موقعہ کی تلاش میں ہیں اور اگر میں خود گیا، تواس موقعہ کو غنیمت سمجھیں گے اور قبطی کے بدلے قتل کر دیں گے۔ اس جرم کی وجہ سے مجھے جھٹلائیں گے۔ اس لئے میری تصدیق کی خاطر میرے بھائی ھارون کو بھی میرے ساتھ ملادیں (تاکہ وہ میرے دعویٰ نبوت پر فوراً یقین کر کے میرے ساتھ مضبوطی سے ہو جائے)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کی روانی میں دشواری (گرہ) تھی، جس کے بارے مختلف روایات ہیں، لیکن حضرت ھارون علیہ السلام کی زبان کی روانی زیادہ بہتر تھی، اس طرح وہ گفتگو میں بہتر رہیں گے۔ اگر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الزام میں گرفتار کر لیاتو آپ علیہ السلام کا پیغام بھی جاری رہے گا۔

ان معجزات کا مقصد آپ علیہ السلام کی نبوت اور کلام الٰہی کی آپ کو یقین دہانی کرانی تھی، تاکہ آپ فرعون کے مقابلے میں مضبوط رہیں اور فرعون اور اس کے درباری بھی آپ کی بات، معجزات کی وجہ سے رد نہ کر سکیں۔ تورات میں اس واقعہ کو ایک معمولی انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے ضد کا تاثر پیدا کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار

انکار پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آگیا ہے اور حضرت ھارون علیہ السلام کو نبوت اور کہانت دے دی (عہد نامہ قدیم/ خروج)۔ قرآن مجید کا انداز حقیقی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی کمزوری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے استعانت مانگی جو عطا کر دی گئی۔ تورات اور بائبل میں جو انسانی ریکارڈ کی غلطیاں ہو گئی ہیں، ان کی تصحیح قرآن مجید کرتا ہے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

اللہ نے فرمایا: ہم تیرے بھائی کی ذریعے سے تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے۔ پھر وہ (فرعونی) تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے سبب تم دونوں اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی، غالب رہیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

پھر جب موسیٰ ہماری کھلی نشانیوں کے ساتھ ان کے پس پہنچا، تو انہوں نے کہا: یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا (مصنوعی) جادو ہے اور ہم نے اپنے سے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور موسیٰ نے کہا: میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا اور جس کا آخرت کا انجام بہتر ہو گا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گذارش کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو درجہ نبوت اور آپ علیہ السلام کا نائب کا درجہ عطا ہوا۔ آپ علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ بالآخر آپ اور آپ کی پیروی یعنی حق کی پیروی کرنے والے فتح مند ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزات کے ساتھ مصر واپس گئے۔ اپنی فیملی خاندان سے ملے، انہیں دعوت اسلام دی، حضرت ھارون علیہ السلام فوراً ایمان لے آئے، نائب بن گئے۔ پھر آپ نے فرعون کے دربار تک رسائی حاصل کی اور جب وہاں پہنچے تو ان کو دعوت توحید اور اپنی نبوت کے بارے بتایا۔ انہوں نے انکار کیا تو آپ نے کہا میں ثبوت دیتا ہوں۔ جس کو فرعون اور اس کے درباریوں نے قبول کر لیا۔ آپ نے اپنے معجزات دکھائے۔ آپ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو ایک اژدھا بن گئی۔ سارا دربار خوف سے لرز اُٹھا اور آپ علیہ السلام سے درخواست کی اسے پکڑ لیا جائے

۔جب آپ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ دوبارہ لاٹھی تھی۔اس کے بعد آپ علیہ السلام نے ہاتھ نکالا جو ہاتھ پہلے عام تھا،ایک روشن شعلہ کی طرح چمک رہا تھا، جسے دیکھنا مشکل تھا۔سارے دربار والے لوگ ڈر گئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر معمولی قوت کا اظہار اور اس کا رعب سب پر قائم ہو گیا۔

فرعون چالاک تھا۔اس نے فوراً کہا،کہ تم جادوگر ہو اور جادو کے ذریعے کرتب دکھا رہے ہو۔تمہارا توحید (خدائے واحد) کا دعویٰ بھی صحیح نہیں کیونکہ ہمارے آباؤاجداد،اسی مذہب پر ہیں جس پر ہم ہیں۔فرعون بھی اپنے آپ کو خدا کا نائب تصور کرتا تھا۔قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور اصل مضمون وہی ہے،صرف واقعات کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔(یہ قصہ سورۃ بقرہ،طٰہٰ،مریم،اعراف،الشعراء،مومن، قصص میں بیان کیا گیا ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا اللہ (رب) جانتا ہے کہ کون سچا ہے۔میں تو اس کا پیغام لے کر آیا ہوں اور جو انکار کریں گے اور ظلم کریں گے وہ تباہ ہوں گے،جو ایمان لائیں گے عمل کریں گے وہ کامیاب ہوں گے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾

اور فرعون نے کہا: اے سردارو! میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا،لہٰذا اے ھامان! تو میرے لئے گارے (کی اینٹوں) کو آگ دے،پھر میرے لئے ایک محل بنا،تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود (خدا) کی طرف جھانکوں اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور اس (فرعون) نے اور اس کے لشکروں نے زمین (مصر) میں ناحق تکبر کیا،اور انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ بے شک انہیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا تو دیکھو ان ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید اور بیانِ حشر و نشر کے بعد فرعون نے کہا کہ میں اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ اپنے رب کو آسمانوں کا مالک کہا تھا، اس لئے فرعون نے لوگوں کے سامنے تسلی دینے، حضرت موسیٰ کے کلام یا دعویٰ کو کمزور کرنے کے لئے اپنے وزیر ھامان سے کہا، کہ وہ عمارت بنانے کی تیاری کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس بلند عمارت پر چڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھے۔ یہ اس کا لوگوں کے سامنے اس موقعہ سے فرار ہونے کا بہانہ تھا، تاکہ لوگوں کی توجہ دوسری طرف مبذول کروادی جائے اور کہا کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ آگ سے پختہ مٹی کی اینٹیں برائے عمارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تعمیرات کا معیار اس وقت اونچا تھا جو کہ مصر میں اہرام مصر سے ظاہر ہے۔ کیا ھامان نے کوئی عمارت یا مینار بنایا تھا یا نہیں ؟ اس کے بارے دو رائے ہیں۔ کچھ کے مطابق بنایا تھا اور کچھ نے لکھا ہے کہ نہیں بنایا تھا۔

فرعون کا رویہ متکبرانہ تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کو نہیں سنا، بلکہ انکار کر دیا اور بنی اسرائیل پر ظلم روا رکھے۔ وہ خود خدائی کا دعوے دار تھا۔ اس نے تمام معجزوں کے باوجود آخر تک انکار کرتا رہا اور بنی اسرائیل کو فلسطین جانے سے روکے رکھا۔ پھر جب بنی اسرائیل رات کو چپکے سے شہر سے نکل کر فلسطین کی طرف روانہ ہوئے، تو اس نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور دریا (سمندر) کے پار کرتے ہوئے، اس کا سارا لشکر ڈوب کر غرق ہو گیا اور تمام دنیا کے لئے باعث عبرت بن گیا۔ اللہ کا نظام دیکھئے! فرعون اتنی بڑی فوج اور دبدبہ کے باوجود ایک اسرائیلی کو بھی ختم نہ کر سکا، بلکہ اس کا سارا لشکر بمعہ اسلحہ کے اس کے ساتھ ختم ہو گیا اور قبطی اس قابل بھی نہ رہے کہ اپنی حکومت کی حفاظت کر سکیں۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہم نے انہیں (فرعونیوں کو) آگ کی طرف بلانے والوں کا لیڈر (سرغنہ) بنادیا اور یوم قیامت ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور ہم نے اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگادی اور یوم قیامت وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے۔

فرعون چونکہ خود خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور حضرت موسیٰ کے تمام معجزوں کے باوجود منکر تھا، لہٰذا دنیا میں جو لوگ وجود خدا کے منکر ہیں وہ گویا اس کے پیچھے چلنے والے ہیں اور قیامت کے دن ان لوگوں کو جب جہنم میں پھینکا جائے گا، تو فرعون ان کا لیڈر ہو گا اور ان سب کے ساتھ جہنم

(دوزخ)میں جلے گا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ۝۴۳

اور بلاشبہ ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو ایسی کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرت افروز دلائل، ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ۝۴۴

اور (اے نبی) جب ہم نے موسیٰ کو پیغام (امر) بھیجا تو آپ طور کی مغربی جانب نہیں تھے اور نہ وہ اب اس واقعہ کے دیکھنے والوں میں سے تھے۔

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ۝۴۵

لیکن ہم نے کئی امتیں (قومیں) پیدا کیں، سو ان پر طویل زمانہ گذر گیا اور نہ آپ اہل مدین میں رہتے تھے کہ آپ، ان پر ہماری آیات تلاوت کرتے لیکن ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ۝۴۶

اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی لیکن یہ (وحی تو) آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

آیات میں نبی ﷺ کی نبوت اور سابقہ انبیاء کی خبروں کے بارے دلائل ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد علاقہ عرب میں کوئی نبی نہیں آیا یہ طویل مدت تھی۔ بہت ساری اقوام اس دوران گذر گئیں۔ نبی ﷺ نے اپنے سے بہت مدت پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، سفر مدائن، حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ کام، پھر طور سیناء پر آگ کی تلاش اور کلام خداوندی، معجزات موسوی (ید بیضاء اور اعصاء کا سانپ بننا) فرعون کا تکبر، بنی اسرائیل پر ظلم، پھر بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا، دریا میں لشکر فرعون کی موت، بنی اسرائیل کا سفرِ فلسطین، اسی

طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات جو کئی سو سال پہلے مکہ میں نہیں، بلکہ مصر اور فلسطین میں واقع ہوئے ان کی صحیح خبر دی، جس کی تصدیق یہود نے اپنی روایات و تورات اور عیسائیوں نے انجیل کے مطابق کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن مکہ میں گذرا، جہاں آپ نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، نہ ہی مکہ میں زیادہ لوگ تعلیم یافتہ، نہ کوئی مدرسہ یا لائبریری یا رسمی تعلیم کا انتظام تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب نبی امی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی وحی الٰہی کی دلیل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد، اس لئے ہوئی کہ مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا۔ اہل مکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اپنا تعلق رکھتے تھے اور یہ سارے انبیاء کے واقعات سچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اہل مکہ کو ہدایت کا پیغام پہنچا رہے تھے تاکہ وہ اپنی آخرت کو بہتر بنا سکیں۔ لیکن بد قسمتی سے قریش مکہ کا رویہ بھی متکبرانہ فرعونیوں کی طرح تھا جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے میرے رب تو ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجتا، تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم مومنوں سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجتے)۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَ لَمْ یَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے، جیسے موسیٰ کو دیئے تھے، کیا اس سے پہلے (کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر (انکار) نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ دونوں (تورات اور قرآن) جادو ہیں۔ جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اور انہوں نے کہا! بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک سے انکار کرنے والے ہیں۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۹﴾

کہہ دیجئے: اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو (ان) دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو تاکہ میں بھی اس کی اتباع کروں۔

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ

اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰

پس اگر یہ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قریش مکہ کے کردار کا ذکر ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ذریعے ہدایت کا بندوبست کیا، تاکہ قیامت کو وہ یہ نہ کہیں کہ ان کی طرف تو کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ اور اگر آتا، تو ہم بھی مومن اور تابعدار ہوتے۔ پھر جب ان کی طرف ان ہی میں سے نبی آیا، اس نے حق کی دعوت دی اور قرآن مجید اللہ کا کلام بطور معجزہ ہدایت کے لئے دیا، تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے طلب کرنے لگے، کہ لاٹھی سانپ بن جائے، ہاتھ روشن ہو جائے، دریا پھٹ جائے۔ جب قرآن مجید نے توریت اور انجیل اور سابقہ انبیاء کے واقعات بتائے تو بجائے ہدایت پکڑیں، فرمانبرداری کریں، دونوں سے انکار کرنے والے بن گئے۔ کس قدر بدقسمتی ہے کہ ہدایت کا سامان، ھادی ورہبر موجود ہے، مگر قریش مکہ اپنی پرانی ڈگر اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ضد کی وجہ سے حق سے منہ موڑ رہے ہیں۔ اب جبکہ ان کے پاس کوئی ہدایت کی صورت نہیں اور تکبر اور ضد کی وجہ سے مخالفت کر رہے، اپنے خیالات اور گمراہی پر خوش ہیں تو ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ ان کے ظلم و تکبر کی وجہ سے ہدایت سے محروم کر دیتا ہے اور وہ دوزخ میں جلیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی تسلی فرمائی گئی کہ ان کی گمراہی پر آپ ﷺ پریشان نہ ہوں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱

اور بلاشبہ ہم انہیں لگاتار اپنی (نصیحت و ہدایت کی) باتیں پہنچاتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲

وہ لوگ جنہیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔

وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝۵۳

اور جب ان پر (قرآن کی) تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے ہی فرمانبردار (مسلمان) تھے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

ان لوگوں کو ان کا دوبارہ اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں (منہ پھیر لیتے ہیں) اور کہتے ہیں: ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تمہیں سلام ہو، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے (کہ ہم ان سے الجھیں)۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء کو بھیجا اور مختلف کتب نازل فرمائیں تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں۔ قرآن مجید کا نزول بھی آہستہ آہستہ ہوتا رہا تاکہ حالات کے ساتھ ہدایت اور تکرار کے ساتھ تاکید بھی ہو۔ اہل کتاب میں سے کچھ لوگوں نے ان کتب میں نبی ﷺ کے ذکر کی بناء پر جب قرآن مجید سنا اور اس کے واقعات اور مضامین، پرانی الہامی کتب کی طرح معلوم ہوئے، تو وہ مسلمان ہو گئے، یعنی نبی آخرالزماں کے پیغام کو قبول کیا۔ ایسے بہت سارے افراد یہودیت اور نصرانیت سے اسلام میں داخل ہوئے۔ فرمانبردار کی اصطلاح سابقہ انبیاء پر ایمان لانے والوں جو اس وقت موجود تھے کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ان کے احکام کو مانا اور سر تسلیم خم کیا۔ وہ مسلمان تھے، جب دوسرا نبی آیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے ماننے والے بھی مسلمان تھے اور جنہوں نے نہ مانا، وہ یہودی (یہودیت کے پیروکار) رہے۔ اسی طرح جب نبی آخرالزماں تشریف لائے تو جس عیسائی یا یہودی نے ان کے دین کو قبول کر لیا، وہ مسلمان ہو گئے اور مسلمان کہلائے۔ جو سابقہ دین پر ہی رہے اور نبی آخرالزماں کو بطور نبی تسلیم نہیں کیا، وہ اپنے نبی کے امم کے ساتھ یاد کئے جانے لگے۔

مسلمان کی خصوصیات:۔

جو لوگ پچھلے دین الٰہی پر قائم تھے، مثلاً یہودیت یا مسیحیت پر، ان کو ایک دفعہ ان کے نبی کے دین کو قبول کرنے کا اجر ہے اور دوسرا ان کو دین اسلام (دین محمد ﷺ) کے قبول کرنے کا اجر ہے۔ لہٰذا وہ دونوں اجروں کو حاصل کریں گے۔ ان اجروں کے ساتھ ان کے اعلیٰ کردار کا ذکر ہے کہ وہ تکالیف پر صبر کرتے ہیں۔ ان کو یا ان کے ساتھیوں کو معاملات اور زندگی کے دوران جو مشکلات و مصائب آتے ہیں، ان پر وہ فساد کھڑا نہیں کرتے، بلکہ صبر کرتے ہیں تاکہ معاشرہ میں فساد نہ ہو اس کے ساتھ وہ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

برائی کابدلہ اچھائی سے:

اگر کوئی انہیں تکلیف دے تو اسے تکلیف دے کر معاشرہ میں برائی کو مزید پھیلانا ہوتا ہے، لیکن اگر برائی کا بدلہ نہ دیا جائے اور صبر کیا جائے تو برائی رک جاتی ہے اور اس سے بہتر کردار یہ ہے، کہ معاف کر کے نیکی کی جائے، تاکہ برائی کے خیال بھی لوگوں کے دل سے نکل جائے اور معاشرہ محبت و امن سے بھر جائے۔ یہ اسلامی معاشرہ ہے اور مومن کا کردار ہے۔ معاملہ یہاں ختم نہیں ہوتا، بلکہ جو ان کو اللہ نے رزق دیا ہے جو ان کے پاس ہے، اس میں اپنے علاوہ ، معاشرہ کے محتاج، نادار افراد کو بھی دیتے ہیں، جس سے معاشرہ میں تفریق کم ہوتی ہے۔ مختلف افراد کے تعلقات میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ کمزور لوگوں کے لئے زندگی آسان ہوتی ہے۔ معاشرہ امن و سلامتی سے بھر جاتا ہے۔

کلام/انداز گفتگو:۔

جب ان (مسلمان) سے بیہودہ لوگ تکرار کرتے ہیں تو ان کی طرح، ان سے وہ الجھ نہیں پڑتے، بلکہ ان سے درگذر کرتے ہیں اور کہتے ہیں جو تم اچھا سمجھتے ہو کرو اور جو ہم اچھا سمجھتے ہیں کریں گے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا عمل ہے جس کا وہ حساب دے گا۔ یہ خصوصیات ان نیک انسانوں یعنی مسلمانوں کی ہیں۔

آیت کے نزول کے بارے میں ہے کہ جب مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اسلام کی تحقیق کے لئے ایک گروہ (افراد) کو مکہ بھیجا تاکہ اسلام کے بارے زیادہ معلومات حاصل کریں کیونکہ وہ مسلمانوں کے پیغام اور کردار سے متاثر ہوا تھا۔ جب وہ مکہ آئے، نبی ﷺ سے ملاقات کی، اسلام کا پیغام آپ نے ان کو پہنچایا اور انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور واپس چلے گئے۔

ابو جہل کو جب پتہ چلا، تو وہ ان سے ملا اور ان کو قبول اسلام پر لعن طعن کی، انہوں نے اس سے الجھنے کے بجائے اسے درگذر کر دیا اور چلے گئے۔

یہ آیات مبارکہ تمام انسانوں کی راہنمائی اور کردار سازی کے لئے مینار نور ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

(اے نبی) بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا

اٰمِنَّا یُّجۡبٰۤی اِلَیۡہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

وہ (مشرکین مکہ) کہتے ہیں: اگر ہم نے تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں ہماری زمین سے اچک لیا جائے گا۔ کیا ہم نے انہیں پرامن حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق کھینچ کر لائے جاتے ہیں لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍۭ بَطِرَتۡ مَعِیۡشَتَہَا ۚ فَتِلۡکَ مَسٰکِنُہُمۡ لَمۡ تُسۡکَنۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہِمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ؕ وَ کُنَّا نَحۡنُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے کتنی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی پر اتراتی (نازاں) تھیں، چنانچہ ان کے یہ گھر (اجڑے پڑے) ہیں۔ ان کے بعد بہت تھوڑے آباد ہوئے اور ہم ہی (ان سب کے) وارث (مالک) ہوئے۔

وَ مَا کَانَ رَبُّکَ مُہۡلِکَ الۡقُرٰی حَتّٰی یَبۡعَثَ فِیۡۤ اُمِّہَا رَسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا ۚ وَ مَا کُنَّا مُہۡلِکِی الۡقُرٰۤی اِلَّا وَ اَہۡلُہَا ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں حتّٰی کہ وہ ان کی بستی (شہر) میں رسول بھیجتا ہے۔ وہ ان پر ہماری آیات (نشانیاں) تلاوت کرتا ہے اور ہم بستیوں (معاشروں) کو ہلاک کرنے والے نہیں۔ مگر (اسی وقت) جبکہ ان کے باشندے (افراد) ظالم ہوں۔

کفارِ مکہ کا رویہ شدید تھا اور نفرت و ظلم انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں کے دو گروہ ہجرت کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی کہ ہدایت کو قبول کرنے کا تعلق سراسر تبلیغ سے نہیں، بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے بھی ہے۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ نبی ﷺ دنیا کو ہدایت دینے کے لئے تشریف لائے اور آپ نے ہدایت دکھائی اور دی۔ دراصل آپ ہدایت کا راستہ بتانے اور دکھانے والے ہیں۔ منزل تک پہنچنا یا پہنچانا اللہ تعالیٰ کے توفیق سے ہے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کے موقع نزول، جناب ابو طالب (عم رسول ﷺ) کی وفات کو لکھا ہے، جبکہ نبی ﷺ نے ان سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا اور دوسری طرف ابو جہل آ گیا اور اس نے کہا کہ اپنے آباء کے دین کو وہ نہ چھوڑیں۔ ایک روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق انہوں نے ہاں میں ہونٹ ہلائے، لیکن دوسری احادیث سے واضح ہے کہ انہوں نے اسلام کے قبول کرنے کا اعلان نہیں کیا۔ اکثریت مفسرین اسی پر ہے کہ وہ اپنے پرانے دین پر ہی فوت ہوئے۔ اہل تشیع نے ان کے اسلام قبول کرنے کے متعلق کافی احادیث بنالی ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ جناب ابو طالب کی نبی ﷺ سے محبت اور مسلمانوں کے لئے خدمات کے پیش نظر، ان

کو دوسرے کفار، ابو جہل، عتبہ کے برابر قرار نہیں دینا چاہیے اور لعن طعن بھی نہیں کرنی چاہیے (روح المعانی)۔ ایک حدیث مبارک ہے کہ مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ (المعجم الکبیر)۔ دوسری حدیث ہے کہ کسی انسان کے اسلام کی اچھی صفات میں سے یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کر دے (روح المعانی)۔

تباہی کے اسباب:۔

اسلام کو قبول کرنے میں مشرکین کو ایک معاشی اور سماجی پریشانی یا خطرہ تھا، قریش کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے پر فخر تھا اور عرب ان کی عزت کرتے تھے۔ پھر قصی بن کلاب کے تدبر سے قریش کعبہ کے متولی ہو گئے۔ اس طرح کعبہ کی زیارت اور حج کے سلسلہ کی وجہ سے ان کی تجارت کا سارا دار و مدار تھا۔ انہیں خوف تھا کہ ممکن ہے اسلام سے یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ اس طرح ان کے سماجی اور معاشی مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ ان کے اس خدشہ کو اللہ تعالیٰ نے آیات کے ذریعہ دور فرمایا اور واضح کیا کہ دوسری اقوام جو حجاز کے قریب شام، فلسطین، یمن میں حکومتیں اپنے معاشی اور معاشرتی عروج پر تھیں، تباہ ہو گئیں اور ان کی جگہ صرف کھنڈرات رہ گئے۔ معاشی اور معاشرتی ترقی ایک عارضی عمل ہے، جو عذاب کی وجہ سے ختم ہو سکتا ہے، جس کی واضح مثال امم سابقہ کے کھنڈرات بتا رہے ہیں۔ دراصل ساری کائنات اور زمین کی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جسے وہ موقع دے، وہی اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ نافرمانی اور ظلم کا نتیجہ تباہی ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہدایت کے لئے ہر معاشرہ یا ہر زمانہ میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، جنہوں نے انسانوں کی راہنمائی کی۔ لیکن جب وہاں کے افراد نے اللہ کے احکام سے انکار کیا، لوگوں پر ظلم اور اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر نہیں کیا، بلکہ انبیاء کی مخالفت کی، تو اللہ تعالیٰ اس قوم یا معاشرہ کو ظلم کی بناء پر سزا دیتے ہیں اور وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ **کفر رہ سکتا ہے لیکن ظلم کا معاشرہ نہیں رہ سکتا، تباہ ہو جاتا ہے۔** اس وقت قریش مکہ اور آج ان معاشروں جن میں لادینیت (الحاد) اور ظلم کا نظام، نافذ ہے ان کے لئے بھی سخت وارننگ ہے۔

وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور تمہیں جو کچھ (مال و اسباب) بھی دیا گیا وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور دائمی ہے کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے۔

انسان کی معاشی اور سماجی خواہشات اور ان کی تکمیل کے لئے اس کی ساری کوششیں اور ان کے انجام جو تاریخ میں گذرے ہیں ہمارے سامنے ہیں۔ ظلم اور نافرمانی کے انجام کے نتائج جو بھی موجود ہیں اس کے بعد اس حقیقت کو بتایا

جارہاہے کہ زندگی کی ساری جدوجہداوراس کے نتیجے میں رنگینی وفروانی سے ایک دن انسان ہاتھ دھوبیٹھتاہے۔کیونکہ نہ اس کی آمد،نہ ہی اس کی دنیاسے روانگی اس کے قابو میں ہے۔

لائی حیات،آئی قضالے چلی،چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ سب کچھ یہاں رہ جاتاہے۔اس لئے اگر غور کریں تو جو چیز انسان کے ساتھ ہمیشہ رہے وہ بہتر ہے۔وہ اللہ پر یقین،اس کے احکام کی تعمیل میں نیک اعمال ہیں،جن کا اجر انسان کو موت کے بعد بھی ملتارہے گا۔لہٰذا عقل کا تقاضاہے کہ بہتر اور دائمی فائدہ کو حاصل کیاجائے۔حدیث میں ہے"اللہ کی قسم!دنیاآخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے پھر دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہو گا(مسلم شریف)۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

بھلاوہ شخص جسے ہم نے اچھاوعدہ دیاپھر وہ اس وعدے کو پانے والاہے،کیااس شخص جیساہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی میں بہت فائدہ دیا،پھر وہ قیامت کے دن(عذاب میں)حاضر کئے جانے والوں میں سے ہو گا؟

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور جس دن(اللہ)انہیں پکارے گا پھر وہ کہے گا:میرے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

وہ لوگ جن پر حکم عذاب ثابت ہو چکاہے کہیں گے:اے ہمارے رب!یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا،ہم نے انہیں ایسے گمراہ کیاجیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

اوران سے کہاجائے گااپنے شریکوں کو بلاؤ چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے تو وہ انہیں جواب نہیں دیں

گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے۔کاش وہ ہدایت پر چلتے ہوتے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

اور جس دن (وہ اللہ) انہیں پکارے گا تو وہ کہے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

تو اس دن ان پر چیزیں پیچیدہ ہو جائیں گی اور وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے تو امید ہے وہ فلاح پانے والوں میں سے ہو گا۔

دنیا کی زندگی، قریش کی اسلام دشمنی کے بعد، اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے اور اپنی نفس کی خواہشات پر چلنے والوں کا موازنہ کیا ہے اور قیامت میں حساب و کتاب کی کیفیت بیان کی ہے تاکہ قاری اس حالت کو جان کر اپنے اعمال ٹھیک کرے۔

دنیا کے اعمال کا بدلہ کیوں اور کیسے ؟:۔

انسانی زندگی میں آرام بھی ہیں اور تکالیف بھی ہیں۔اگر آدمی صرف دنیا کی زندگی کے لئے کوشش کرے اور اللہ کے احکام کا انکار کرے تو شاید اس کو اس میں آرام مل جاتا ہے اور یہ آرام حاصل کرنے کے لئے وہ، سارے صحیح اور غلط ذرائع استعمال کرتا ہے۔اپنے آرام کے لئے دوسروں کو تکلیف بھی دیتا ہے، لیکن یہ زندگی عارضی ہے۔اس زندگی میں اگر آرام مل بھی گیا، تو اس کے بعد کی زندگی میں عذاب ملے گا۔دوسری طرف اللہ کے حکم پر چلنے والا انسان، دنیا میں آرام اور تکلیف، دونوں کے ساتھ اپنی زندگی گذارتا ہے۔اگر اسے تکلیف ہوتی ہے تو وہ، دوسروں کے آرام کو نقصان نہیں دیتا، اپنی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے عذاب سے بچائیں گے۔یہ دو طرح کے افراد، اگرچہ دنیا میں رہتے ہیں، لیکن اپنے اعمال کی وجہ سے دونوں کا معاشرے میں اثر مختلف ہے اور قیامت میں حساب بھی مختلف ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور استعداد علم عطا کر کے، اختیار کی قوت عطا کی۔زمین پر تمام ذرائع اس کے تصرف میں دے دیئے اور اس کی ہدایت کے لئے اس کے اندر ضمیر (نفس لوامہ) کو بھی رکھ دیا۔ساتھ ہی شیطان کو قوت دے دی، کہ انسان کی خواہشات طبعی (نفس امارہ) کے ذریعہ انسان کو گمراہ کرے۔دوسری طرف انسان کی راہنمائی کے لئے انبیاء اور الہامی کتب کے ذریعہ ہدایت (اچھے اور برے کی تمیز) عطا کی اور ساتھ ہی فرشتوں کے ذریعہ بھی مدد کی (نفس لوامہ)۔اب انسان کو اس قدر معلومات اور قوت فکر عطا کرنے کے بعد، اسے اپنے اختیار کے استعمال

کی کھلی چھٹی دے دی لہذا، اس کے اعمال کی بنیاد پر اس کا محاسبہ ہو گا۔

نظام کائنات اور زمین کے وسائل کے بارے اسباب و نتائج کا ایک نظام مقرر فرمایا۔ جس کے تحت سارے امور انتہائی منظم طریقہ سے چل رہے ہیں۔ انسان کے لئے اس کی کوشش ہی اس کی کامیابی و ناکامی ہے۔ نظام اسباب کے تحت، ہر کام کو اگر مناسب طریقہ سے کیا جائے، تو اس کا مطلوبہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے، اس لئے حکم دیا کہ انسان کا نتیجہ اس کا عمل ہے (لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ) اور پھر جب تک وہ خود عمل نہیں کرے گا کوئی عمل یا تبدیلی پیدا نہیں ہو گی (إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ)۔

ہر انسان اپنے علم و عقل کی بناء پر کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ صرف اسباب کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور اسباب بنانے والے کی قوت، پر غور نہیں کرتا تو اس کا عمل اس کے نتائج دیتا ہے اور وہ اس دنیا میں ہی اپنے نتائج حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن وہ مسبب الاسباب (اسباب بنانے والے) کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا، حالانکہ ہر سبب کو کسی نے پیدا کیا یا بنایا، اور پیدا کرنے والا یا بنانے والا اس سبب کے وجود سے پہلے تھا، لیکن انسان اس پر غور نہیں کرتا۔ صرف عمل اور سبب پر زور دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کا نتیجہ، اس دنیا میں اس کی خواہش کی تکمیل کی صورت میں عطا کر دیتا ہے اور یہی دنیا کی عیش و عشرت ہے۔ لیکن وہ خالق کے وجود سے لاعلم یا منکر ہے۔ لہٰذا اس کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی سزا، اس کو بھگتنی پڑے گی۔ دنیا کے اعمال میں پچاسی فیصد (85%) تک انجام، اعمال کی بنیاد و کوشش کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن پندرہ فیصد (15%) اس کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس ناکامی، میں مالک حقیقی یا اسباب پیدا کرنے والے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تاکہ انسان اپنا نظریہ صحیح کرے۔ چونکہ انسان اسباب پر بھروسہ کرنے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ مسبب الاسباب کی طرف توجہ نہیں کرتا، بلکہ اپنے دائرہ اسباب میں سرگرداں رہتا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حِکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شُعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

پھر ہر انسان حساب و کتاب کے دن، ان اعمال کا، حساب دے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کو نہ ماننے والی اقوام، نہ صرف اپنی محنت کے بل بوتے پر ترقی کر رہی ہے بلکہ دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں وہ اسی اصول کے تحت ہے۔

جو لوگ اسباب کے علاوہ ،اسباب پیدا کرنے والے(اللہ) پر یقین کرتے ہیں،اس کے احکام مانتے ہیں۔ان کے لئے بھی عمل،اتنا ہی ضروری ہے، جتنا،جو اللہ پر یقین نہیں کرتے، لیکن اعمال کی بناءپر پچاسی فیصد(85%)نتائج حاصل کرتے ہیں اور دنیامیں ان کو ترقی اور حکمرانی ملتی ہے۔اگر یقین کرنے والے کوشش اور عمل نہیں کریں گے،تو نظام کائنات کی بناءپر ناکام رہیں گے ،کیونکہ وہ احکام پر عمل نہیں کر رہے،لیکن اگر عمل کے باوجود ناکامی ہے،اس صورت میں انفرادی طور پر اس انسان کو،اس کا مسبب الاسباب(خالق حقیقی)، ناکامی یا تکلیف کے مقابل اُخروی زندگی (قیامت میں)اعلیٰ درجہ عطا کرنا چاہتا ہے۔یہ افراد کا معاملہ ہے۔اقوام کو ان کے اجتماعی عمل کا نتیجہ مل جاتا ہے۔یہی وہ حکمت ہے جس کو آیت نمبر 61 میں اس کا موازنہ کیا گیا ہے۔

جو لوگ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے،اس سے انکار کرتے ہیں اللہ کی ذات کے بجائے دوسرے اسباب کو خالق ومالک سمجھتے ہیں،جب قیامت کو حساب وکتاب ہو گا،تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ اسباب جن کو وہ معبود سمجھتے تھے۔وہ ان کو پکاریں اور ان کو ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں ملے گا۔اگر افراد کو وہ مالک حقیقی سمجھتے تھے تو وہ،اپنی معذوری اور لاچاری کا اقرار کریں گے کہ وہ خود بھی گمراہ تھے،یہ بھی ان کو دیکھ کر خود گمراہ ہو گئے اور حسرت کریں گے کہ کاش انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا اور گمراہ نہ ہوتے۔

پھر ان گنہگاروں، منکرین احکام الٰہی و مشرکین سے پوچھا جائے گا،کہ انبیاء ورُسل جو ان کو اللہ کا پیغام دیتے تھے ان کے پیغام کو انہوں سے غور سے کیوں نہیں سنا؟ عمل کیوں نہیں کیا؟ کیوں ایسا کیا؟ان تمام امور اور سوالوں کا جوب،ان مجرم انسانوں کے پاس نہیں ہو گا اور وہ اپنے عمل کی سزا پائیں گے۔دوسری طرف احکام الٰہی پر عمل کرنے والے (نیک اعمال کرنے والے)دنیا کی زندگی جس طرح بھی گذری ہے لیکن قیامت اور اُخروی زندگی میں کامیاب ہوں گے یعنی عذاب سے بچ جائیں گے اور اپنے اعمال کا اچھا بدلہ وصول کریں گے۔

عذاب کا دیکھنا:۔

منکرین حق، سوال وجواب اور حساب وکتاب کے دوران کیفیتِ عذاب کو بھی دیکھیں گے جس طرح بڑی سکرین پر کوئی منظر دکھایا جاتا ہے۔عذاب کا دیکھنا، قبر میں منکر نکیر کے سوال وجواب، نور وبشر کا امتیاز، صلوۃ النبی کا پہنچنا یا ارواح واجسام کی ملاقات، کشف ارواح، یہ وہ مسائل تھے، جن پر آج سے سو سال پہلے تک بڑی بحثیں ہوتی رہیں، لیکن اب ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے مسافتیں اور اوقات کے مسائل کو،انسان کی حاصل کردہ ایجادات وانکشافات کی وجہ سے حل کر دیئے ہیں۔اب یہ معمول کی باتیں ہو گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نظام کے بارے تو انسان کو ابھی تک معلومات ہی نہیں ،لہٰذا یہ موضوع جو پہلے محض تخیلات اور امکانات تک محدود تھے ،اب حقیقت بن گئے ہیں اور اسلام کے عقائد کو

سائنس و ٹیکنالوجی کافی حد تک ثابت کر رہی ہے۔ ھالوپورٹیشن(Holoportation)،ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے ذریعہ انسانی جسم کی حجم کے ساتھ (تھری ڈائی مینشن) صورت میں غیر مادی وجود کو خلاء یا زمین کے کسی بھی حصہ میں ورچوئل(Virtual) طریقہ سے منتقل کر کے گفتگو کی جاتی ہے،یعنی میٹنگ ہو سکتی ہے۔اسی طرح مزید انکشافات مستقبل میں ہوں گے۔یہی وہ مثالی اجسام ہیں، جن کا تصوف اور علم الکلام میں ذکر کیا گیا تھا۔اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کو پڑھنے اور پڑھانے والے،ان جدید علوم کی بھی پوری پوری معلومات رکھتے ہوں تاکہ چیزوں کو صحیح طور پر سمجھ سکیں اور بیان کر سکیں۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے ان (لوگوں) کے لئے اختیار نہیں۔اللہ پاک ہے اور ان سے کہیں اعلیٰ ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا اور آخرت میں تمام حمد اسی کے لئے ہے اور حاکمیت وفرمانروائی بھی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

آیت نمبر 68،کا موقع نزول یہ ہے کہ کفار مکہ کہتے کہ اگر قرآن الہامی کتاب ہے،تو اس کو مکہ کے رئیس ولید بن مغیرہ یا طائف کے عروۃ بن مسعود ثقفی یعنی قبیلہ کے رؤساء پر نازل ہوتا،تاکہ وہ اسے پھیلاتے۔ان کی اس ہرزہ سرائی کو رد کیا اور کہا ہے کہ کائنات میں کسی چیز کا پیدا کرنا،اللہ تعالی کی اپنی مرضی سے ہے۔کسی کو کسی کام کے لئے منتخب کرنا(نبوت ورسالت) بھی اسی کی مرضی ہے۔انسانوں کے اختیار کی کوئی حیثیت نہیں،لہٰذا نبی اس کی مرضی سے چنا گیا ہے۔لوگوں کی خواہشوں یا ان کی دولت وحیثیت سے نہیں۔اللہ کی قوت طاقت،انسانوں کے افکار سے بہت بلند و بڑی ہے۔انسانوں کے سارے راز،خیالات،اعمال،جو لوگوں کے سامنے وہ کرتے ہیں یا جو چھپاتے ہیں،سارے اللہ تعالی کے علم میں ہیں اور اس کے کنٹرول میں۔جو دنیا میں اختیارات اور قوت افراد کو ملتی ہے،وہ بھی اسی کی اجازت سے ہے۔جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی فرد یا جسم کی قوت اپنی ذاتی ہے،اللہ کی دی ہوئی نہیں،وہ گمراہی پر ہیں۔اللہ کا کوئی شریک وہمسر نہیں

۔تمام عبادات، تمام تعریفیں سب اس کے لئے ہیں۔کائنات کی حاکمیت اس کی ہے۔انسان اپنی زندگی گزارنے اور پھر مرنے کے بعد اللہ کی طرف لوٹے گا اور اس کا حساب وکتاب ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

(اے نبی) کہہ دیجئے: دیکھو تو! اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات ہی (طاری) کر دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ (معبود) ہے جو تمہیں روشنی (دن) لادے؟ کیا پھر تم سنتے نہیں؟

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

(اے نبی) کہہ دیجئے: دیکھو تو! اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے دن ہی (طاری) کر دے تو اللہ کے سوا کون الٰہ (معبود) ہے جو تمہیں رات لا دے کہ تم اس میں آرام کر سکو؟ کیا تم پھر دیکھتے نہیں؟

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمہارے لئے دن اور رات بنائے تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور تاکہ تم (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور شاید کہ تم شکر کرو۔

اللہ کے انعامات:۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کے سائنسی دلائل دیئے ہیں جو اس قدر عام فہم ہیں کہ ان کے لئے کسی اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں۔ صرف عمومی عقل و سمجھ سے آدمی سمجھ سکتا ہے کہ دن اور رات کا نظام انسانی وجود کے لئے کتنا اہم ہے۔اگر دن نہ ہوتا اور ہمیشہ رات ہوتی تو انسان کو جو کام کرنے کے لئے روشنی کی ضرورت، پھر زندگی کے دیگر اسباب کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً زراعت، صنعت وغیرہ ،اس طرح زندگی ناممکن ہوتی۔اسی طرح انسان کو عمل کرنے کے بعد اپنی انرجی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے آرام کی ضرورت ہوتی ہے، جو نیند کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور انسانی نیند کے لئے اندھیرا بہت ضروری ہے۔اگر روشنی ہی روشنی (دن) ہی رہتا اور اندھیرا یا رات کا وجود نہ ہوتا تو انسان کام کے بعد نیند کے ذریعہ آرام نہ کر سکتا اور اسکی زندگی مشکل ہو جاتی۔اب رات اور دن کے نظام سے انسان کے

معاشی، سماجی سارے نظام چل رہے ہیں اور انسانی معاشرہ آرام و سکون سے زندگی گزار رہا ہے۔اب ذرا زیادہ سائنسی حقائق پر جایا جائے تو یہ رات دن، نظام شمسی میں زمین کی اس کے محور (ایکسز) پر گردش کی پیداوار ہیں اور اس کو کنٹرول کرنے والی ذات بہت عظیم ہے اور وہی خدا ہے۔چاند کی ایک طرف ہمیشہ اندھیرے اور ایک طرف ہمیشہ سورج کی جانب رہتی ہے۔یہ زمین کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔یہ ساری نعمتیں سہولتیں اس لئے دی ہیں کہ انسان اپنی عقل و سمجھ ،جو حواس خمسہ اور غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے،استعمال کرے۔اللہ کے وجود کو مانے،اس کی قوت کا اقرار کرے اس کے احکام مانے۔اس کا شکر گذار بندہ بنے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

جس دن اللہ پکارے گا اور وہ کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جنہیں تم (میرا شریک) سمجھتے تھے۔

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکالیں گے، پھر ہم کہیں گے: تم (شرک کرنے پر) اپنی دلیل لاؤ، پھر وہ جان لیں گے کہ بے شک سچی بات اللہ ہی کی ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ گھڑتے تھے,ان سے گم ہو (بھول) جائے گا۔

قیامت میں حساب و کتاب کا منظر ہے۔جو لوگ اللہ کا شریک دوسروں کو قرار دیتے ہیں،ان سے ان کی دلیل پوچھے جائے گی۔جب کہ وہ افراد یا اجسام، بے جان ہوں گے اور اپنی مخلوق ہونے کا اقرار کریں گے۔اس کے بعد انبیاء گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور جنہوں نے عمل نہیں کیا، وہ اس کے خود ذمہ وار اور سزا وار ہیں۔دنیا میں اللہ کے وجود سے جو انکار کرتے ہیں اور صرف نظام یا اسباب کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، نظام کی تباہی کو دیکھ کر اپنی غلطی کا اقرار کریں گے، لیکن یہ اس وقت کام نہ آئے گا۔اس لئے ضروری ہے کہ زندگی میں خالق کی عظمت کا اقرار کیا جائے اور اس کے احکام مانے جائیں۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

بے شک قارون، موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر اس نے ان پر ظلم کیا اور ہم نے اسے اس قدر

خزانے دیئے تھے کہ بلاشبہ اس کی چابیاں ایک طاقتور (مردوں کی) جماعت پر بھاری ہوتی تھیں۔ (یاد کرو) جب اس کی قوم نے کہا: تو، اترا (اکڑ) مت، بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر اور تو دنیا میں بھی اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے) ایسے احسان (بھلائی) کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور تو زمین میں فساد نہ کر بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اس (قارون) نے کہا: مجھے تو یہ (مال) اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ نے اس سے پہلے ایسے بہت سے لوگ ہلاک کر دیئے، جو قوت میں اس سے زیادہ تھے اور زیادہ مال جمع کرنے والے تھے اور مجرموں سے ان کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

پھر وہ اپنے کرّ و فرّ کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا (تو) جو لوگ دنیاوی زندگی چاہتے تھے، کہنے لگے؛ کاش ہمارے لئے بھی اس کی مثل (طرح) ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ بڑے نصیب والا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، انہوں نے کہا: افسوس تم پر! اس شخص کے لئے اللہ کا ثواب بہتر

ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے اور یہ بات صبر کرنے والوں کو سکھائی جاتی ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کے لئے کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔

وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جنہوں نے کل اس کے مقام و مرتبہ کی تمنا کی تھی وہ (صبح) کہنے لگے: افسوس ہم بھول گئے تھے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کرتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ افسوس ہم بھول گئے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔

روایات کے مطابق قارون، بنی اسرائیل سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار تھا۔ اس کا نام تورات (عہد نامہ قدیم، خروج باب 6 اور گنتی باب 16) میں قورح (KORAH) ہے۔ وہ تورات کو بڑی الحانی (خوبصورت آواز) کے ساتھ پڑھتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت دولت دی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس نے علم کیمیاء سیکھا ہوا تھا اور مختلف دھاتوں سے مختلف دھاتیں بناتا تھا۔ اسی طرح وہ سونا بھی ڈھلا سکتا تھا۔ اسے اپنے اس علم پر ناز تھا۔ اس زمانے میں مصر میں کیمیاء کا علم عروج پر تھا، جس کی وجہ سے ممی رکھی جاتی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ فرعونیوں سے بھی ملا ہوا تھا اور وہ اسے مال دیتے اور بنی اسرائیل کی نگرانی کے لئے استعمال کرتے۔

قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد پیدا ہو گئی اور مطالبہ کیا کہ اس کے لئے بھی حضرت ھارون علیہ السلام کی طرح کسی مرتبہ کا اعلان کیا جائے لیکن آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس بات پر، اسے زیادہ حسد اور دشمنی ہو گئی۔ اپنی دولت کو وہ، اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ جب اسے اس میں سے زکوٰۃ کے طور پر غرباء کی مدد کے لئے کہا گیا تو اس نے انکار کر دیا۔

اس کی دولت کا کوئی حساب نہیں تھا۔ کئی خچر یا افراد اس کے خزانوں کی چابیاں اُٹھاتے تھے۔ اس کا خوبصورت محل تھا۔ وہ انتہائی قیمتی لباس پہن کر غرور و فخر سے چلتا۔ اس کی دولت، امارت اور لباس شان و شوکت کو دیکھ

کر،اہل دنیا(وہ لوگ دنیا کو اچھا سمجھتے ہیں)، ترستے اور تمنا کرتے کہ ان کے پاس بھی یہ دولت ہو،تاکہ وہ زندگی، ناز و نعم سے گذار سکیں۔اہل علم حضرات،جو زندگی کی بے ثباتی کو جانتے ہیں،انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ ان کی حسرت یا دولت کی آرزو صحیح نہیں، کیونکہ دنیا فانی ہے۔اچھے انسان کے لئے اچھے اور نیک اعمال بہت بڑی دولت ہیں۔اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کا بدلہ بہت بڑا اور عظیم الشان دے گا اور جو لوگ صبر کرتے ہیں ان کا بہت بڑا مقام ہو گا۔نبی ﷺ کی حدیث مبارک بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں کھٹکا گذرا ہے،(مسلم/بخاری)۔

قارون اپنی دولت کے تکبر میں ڈوبا ہوا تھا۔اہل دنیا،اس کو حسرت سے دیکھتے اور جب اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور دولت کو اپنی کوشش کا نتیجہ قرار دیا،تو اس کی اس نافرمانی، تکبر اور ظلم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے خلاف اللہ تعالیٰ سے اس کی نافرمانی پر عذاب کی دعا کی۔آپ علیہ السلام نے جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان کو آگاہ کیا کہ وہ ،دور ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا اور زمین دھنسنا شروع ہو گئی۔وہ اور اس کا خاندان اور مکان بمعہ مال و دولت زمین میں دھنسنا شروع ہو گئے اور دھنس کر غائب ہو گئے۔جو لوگ کچھ وقت یا دن، پہلے اس کی دولت کی تمنا و حسرت کرتے تھے،انہوں نے اپنے خیالات اور آرزوؤں سے توبہ کی اور تمنا کی کہ وہ دولت ملے جس سے دنیا و آخرت دونوں میں بہتری ہو اور دولت کا ملنا یا اس کا واپس لے لینا(محروم کر دینا)اللہ کے حکم سے ہے اور اللہ کا شکر ادا کیا، کہ اس دولت سے بچ گئے جو عذاب کا باعث بن جائے۔

زندگی گذارنے کا اصول:۔

قارون کی دولت اور تکبر کو دیکھ کر کئی انسانوں نے حسرت کی آہ بھری اور جن نے دولت کی تمنا کی تھی،ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی دولت کو انسانیت کی بھلائی،انسانی آرام کے لئے دنیا میں، صحیح طور پر استعمال کرے اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرے۔

یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں جو دولت،امارت،طاقت، جس صورت میں بھی ملے یا حاصل ہو،اس پر تکبر اور غرور نہیں کرنا چاہیے۔دوسروں کو حقیر اور کمتر نہیں جاننا چاہیے۔ قوت، دولت، طاقت کو، انسانی بھلائی کے لئے استعمال کرے۔دنیا میں اپنا حصہ،امن و سلامتی کے ساتھ لے۔یعنی اچھا لباس اچھا مکان۔اچھی سواری،انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اور اس میں کوئی عیب یا منع نہیں۔اسلام رہبانیت (دنیا سے نفرت) کو پسند نہیں کرتا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ انعام دولت، طاقت،امارت دی ہے،اسی طرح اس کو دوسروں کی بھلائی میں استعمال کرلے۔فساد کو روکا

جائے۔اللہ تعالیٰ معاشروں میں فساد کو پسند نہیں کرتا۔عدل اللہ کو بہت پسند ہے۔اسلام کے تمام قوانین،انسان کے دنیا میں آرام و سکون کے لئے، اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے تاکہ اس کی دنیا و آخرت بہتر ہو۔یہ قوانین فوجداری، دیوانی، معاشی، خاندانی، تجارتی، سماجی ہیں، جہاں قرآن وحدیث کی ہدایات کے ساتھ ساتھ، اجماع (مل کر فیصلہ) اور اجتہاد (فرد کا غور و فکر) کا بھی اختیار دیا گیا ہے تاکہ بدلتے حالات کے ساتھ کامیاب زندگی گذاری جائے۔حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو؟۔انہوں (عبداللہ) نے کہا: کیوں نہیں؛ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور روزہ ترک بھی کرو، رات کو قیام کرو اور نیند بھی کیا کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔(تو ہر حقدار کا حق ادا کرو)، (بخاری/مسلم/ابوداؤد/نسائی)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، وہ خوبصورت تھا اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن و جمال میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کس قدر حسن دیا گیا ہے حتیٰ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھ سے بڑھ جائے خواہ وہ جوتی کے تسمہ میں ہی مجھ سے بڑھے۔،آیا یہ تکبر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، نہیں، لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے (سنن ابوداؤد)۔

جو لوگ دولت پر اتراتے ہیں یا اسے اپنی ہی ملکیت تصور کرتے ہیں اور دوسروں کو کچھ حصہ نہیں دینا چاہتے، ان کے لئے یہ گذشتہ واقعات باعث عبرت ہیں کہ بڑے اصحاب ثروت، طاقت اور امارت،اس دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ع سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

لہٰذا اللہ کے احکام کے مطابق دنیا اور آخرت میں بھلائی اور کامیابی کے لئے عمل کرنا چاہیے اور جو لوگ اس اصول کے خلاف کام کرتے ہیں وہ ناکام رہتے ہیں۔

آیت میں لفظ **ویکاین** اصل میں **ویلک اعلم انہ** تھا یعنی تم پر افسوس ہے تم یہ سمجھو کہ، پھر اس کو مخفف کرکے **ویکاین** پڑھا گیا اس لئے اس کا ترجمہ ''افسوس ہم بھول گئے'' کیا گیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

یہ آخرت کا گھر ہم ان کو دیں گے جو زمین پر نہ بڑا (متکبر) بننے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ ہی فساد

کرنے کااوراچھاانجام پرہیز گاروں(متقین) کے لئے ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور جو شخص نیکی کرے گا،اسے اس کی نیکی سے بہتر اجر ملے گااور جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ان کو صرف ان کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کئے ہیں۔

انسانی کردار کا ذکر جاری ہے، قارون اور فرعون کے واقعات جو لوگ طاقت اور دولت کے نشہ میں مست رہتے ہیں ان کے لئے درس عبرت ہے۔ کفار مکہ کو بھی اپنی دولت پر ناز تھا ان کے لئے بھی پیغام ہے دوسری طرف اعلیٰ انسانی کردار کی اہمیت اور کامیابی کی نوید دی ہے کہ جو لوگ تکبر نہیں کرتے، فساد سے دور رہتے ہیں ان کا انجام اچھا ہوگا۔ اور جو شخص اپنی زندگی میں نیکی اور بھلائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ اس کے عمل سے زیادہ دیا جائے گا۔اس کا مقصد انسانوں کو بھلائی کی ترغیب دینا ہے جو کہ اللہ کی رحمت و فضل کا نتیجہ ہے۔دوسری طرف اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو برائی کا بدلہ صرف اس کے عمل کی حد تک ملے گا۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾

بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے آپ پر قرآن نازل کیا، یقیناً وہ آپ کو (اچھے) انجام تک پہنچانے والا ہے۔ کہہ دیجئے: میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کے ساتھ آیا اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور آپ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کی طرف (یہ) کتاب وحی کی جائے مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہی سے ہے لہٰذا آپ کافروں کے مددگار ہر گز نہ ہوں۔

وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور وہ (کافر) آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف اتاری گئیں اور آپ (انہیں) اپنے رب کی طرف بلائیں اور مشرکوں میں سے ہر گز نہ ہوں۔

وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کریں۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ہر چیز ہلاک (ختم) ہونے والی ہے، سوائے اس (اللہ) کی ذات (چہرے) کے۔اُسی کی حاکمیت اور فرمانروائی ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کفار مکہ ،قرآن مجید اور نبی ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے تھے،بلکہ کہتے کہ یہ ہمارے آبائی دین سے گمراہ ہو گئے ہیں یا آسیب زدہ ہیں اور کبھی مجنون کہتے۔ان کا رد کیا گیا ہے، کہ ان کو جلد پتہ چل جائے گا کہ کون گمراہ ہے اور کون ہدایت پر ہے (مسلمان یا کفار)۔اللہ تعالیٰ کی وحی اور نبوت،ایک انعام ہے جو اللہ تعالیٰ جسے چاہتے دیتے ہیں اور اس نبوت کی ذمہ داری بہت اہم ہے، کہ لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کی جائے۔اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس راہ میں ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ ، جس نے نبوت اور کلام الٰہی (قرآن پاک) سے سرفراز فرمایا، وہی آخری مرتبہ یعنی بلندی پر پہنچائے گا۔معاد،لوٹنے والا مقام،یعنی مطلوبہ مقام جس کی آرزو ہو اس سے مراد جنت بھی ہے،دنیا میں کامیابی و کامرانی بھی ہے،یعنی تبلیغ کی کامیابی و کامرانی،مکہ شریف جہاں مسلمان مظلوم و مجبور تھے وہیں وہ آٹھ سال بعد حکمران تھے۔ایک روایت (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) ہے کہ آیت کا نزول دوران سفر ہجرت ہوا اور مسلمانوں کے مکہ پر غلبہ کی نوید دی گئی۔

جس قدر شدید حالات تھے،ان کے بارے تسلی دی گئی کہ اس اہم مشن اور ذمہ داری میں آپ مخالفت پر پریشان نہ ہوں۔اپنا فرض منصبی جاری و ساری رکھیں۔اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ساری کائنات میں اس کی حاکمیت اور کنٹرول ہے۔ہر چیز کائنات ارضی پر ختم ہو جائے گی اور ساری مخلوق، پھر اللہ کی طرف حساب و کتاب کے لئے حاضر ہو گی۔وہی عبادت کے لائق ہے۔

سورت کی ابتداء ''طٰسٓمّٓ۔تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ'' اللہ کی عظمت (حروف مقطعات) اور قرآن مجید کی عظمت سے شروع ہوئی اور سورت کا اختتام بھی اللہ کی وحدانیت، معبودیت اور اس کی حاکمیت پر ہوا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی صحیح تفسیر و تاویل کی توفیق عطا فرمائے، میرے لئے اسے توشہ آخرت اور قارئین کے لئے ذریعہ ہدایت و نجاعت بنائے۔آمین یارب العالمین بجاہ نبی الکریم علیہ التحیہ والتسلیم،(مانچسٹر،یوکے)۔

29- سورۃالعنکبوت

تعارف:۔

سورۃالعنکبوت کا نام، العنکبوت (مکڑی کے گھر) کے ذکر کی وجہ سے ہے، جو آیت نمبر 41 (اکتالیس) میں بطور کمزور ترین گھر کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔اس سورت میں سات (7) رکوع اور اُنہتر (69) آیات ہیں۔ سورت مکہ شریف کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے اس کا انتیسواں (29) نمبر اور نزول کے اعتبار سے پچاسی (85) نمبر ہے۔ یہ سورت الروم کے بعد اور سورت المطففین سے پہلے نازل ہوئی۔ جب سورت نازل ہوئی، تو مسلمانوں بالخصوص کمزور مسلمانوں پر انتہائی ظلم و ستم کا دور تھا۔اس دور کی شدت کی وجہ سے مسلمانوں کی تسلی دی گئی کہ یہ امتحانات ہمیشہ آتے رہے ہیں اور قربانی دینی پڑتی ہے۔ پچھلی امتوں پر اس سے زیادہ ظلم اور امتحان آئے تھے۔اس لئے سچائی اور حق کی راہ میں مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

ماں باپ کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے، لیکن اللہ کے احکام کے خلاف اطاعت جائز نہیں۔ سابقہ انبیاء حضرت نوح، حضرت ابراھیم، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت صالح اور حضرت ھود کے امتوں کے واقعات اجمالاً ذکر کئے گئے۔

کفار کی سازشیں اسلام کے مقابلے میں مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور ضعیف ثابت ہوں گی۔ ان سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہی ثابت ہوا اور گیارہ سال کے بعد مسلمان، جزیرہ عرب کی عظیم طاقت بن گئے۔ نبی ﷺ کی رسالت پر اہل کتاب اور مشرکین مکہ کے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔ مسلمانوں کو کفار کی طرف سے ظلم سے بچنے کے لئے ہجرت کی ہدایت کی گئی اور آخرت میں اجر کی بشارت بھی دی گئی۔

آخر میں فرمایا کہ جو لوگ کوشش اور محنت کرتے ہیں ان کو کامیابی دی جاتی ہے اور اللہ بھلائی کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ الف۔لام۔ میم

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾

کیالوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا۔ چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کردے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ضرور ظاہر کردے گا جو جھوٹے ہیں۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

کیا جو لوگ برے عمل کرتے ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے جائیں۔ وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

نزول سورت کے دوران مکہ شریف میں، بالخصوص کمزور مسلمانوں، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت مقداد، اور حضرت عمار، رضی اللہ عنہم، انکے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، پر ظلم توڑے جارہے تھے۔ ان کی وجہ سے صحابہ کرام نے اللہ سے مدد کی درخواست کی، ان کی تسلی اور پچھلے واقعات، کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ بھی ایمان لاتے تھے، ان کو مخالفین کے مصائب اور ظلم کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ایمان لانے کے بعد، ایمان کی استقامت کے امتحان تو ہوتے ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا، کہ پرانی امتوں کے افراد کو گڑھا کھود کر، سروں پر آرے چلائے جاتے، لوہے کی کنگھیوں سے جسم چھیلا جاتا تھا۔ اس طرح جان و مال کی آزمائشوں کے ذریعے پرکھا جاتا ہے، کہ کون ثابت قدم ہے اور کون ڈگمگانے والا ہے۔ اہل حق ہر امتحان میں پورے اترتے ہیں اور ان کے لئے کامیابی اور اللہ کی رضا کی خوشخبری ہے۔

اگر کفر کرنے والے یہ سمجھتے ہیں، کہ ان کو اگر آج طاقت حاصل ہے، تو وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں گے، یہ ناممکن ہے۔ وہ اپنے اعمال کی سزا ضرور پائیں گے۔ اہل ایمان کو تسلی دی گئی۔ اس سے پہلے امتوں کے واقعات جن پر

عذاب الٰہی آیا تھا، بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء پر، پھر جو ان کے قریب ہوں، پھر جو ان کے قریب ہوں۔ سو ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، جو شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے اس پر سخت مصیبت آتی ہے اور جو شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے، اس پر اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت آتی ہے۔ بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتٰی کہ وہ زمین پر اس حال میں چلا جاتا ہے (مرتا ہے) کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی/ابن ماجہ)۔

قریش کے چند سردار، ولید، ابو جہل، عتبہ، حنطلہ، الاسود، العاص بن ہشام، اس بات کا مذاق اُڑاتے کہ، ان کو سزا ہو گی۔ ان کے خیال کی تردید کی ہے کہ عذاب یا سزا سے وہ بچ نہیں سکتے۔ یہ کسی بھی صورت میں دنیا اور آخرت میں ملے گی اور یہ لوگ ہلاک ہوئے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵

جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو (وہ جان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ ضرور آنے (پورا ہونے) والا ہے اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

اور جو شخص کوشش (جدوجہد) کرے تو وہ بس اپنے فائدے کے لئے جدوجہد کرتا ہے بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

اور جو لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے! ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور مٹا دیں گے اور جو عمل وہ کرتے رہے ہم انہیں ضرور بہترین جزا دیں گے۔

اللہ بے نیاز ہے:۔

کفار کو ان کے اعمال کی سزا کے بعد مسلمانوں کے اعمال و عقائد کا ذکر ہے۔ مسلمان اپنے اللہ کے وعدہ پر یقین کرتا ہے اور اس کے مطابق اللہ کا وعدہ پورا ہو گا، کیونکہ وہ علیم و خبیر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا، کہ اسلام کا مقصد لوگوں کی فلاح و بھلائی ہے۔ اللہ کی ذات کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسلام کے تمام احکام، نظامِ عبادات اور نظامِ معاملات (حقوق العباد) ایک پرامن، خوشحال معاشرے کے قیام کے لئے ہیں اور اس کے ساتھ آخرت میں بھی مومنوں کو اعلیٰ

اجر ملے گا۔اللہ کی ذات تمام انسانوں کی عبادات یاانکار سے غنی اور بالا تر ہے۔حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے جس کو میں ہدایت دوں، تم مجھ سے ہدایت کا سوال کرو، میں تم کو ہدایت دوں گا۔تم سب فقیر ہو سوائے اس کے جس کو میں غنی کروں، تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا۔تم سب گنہگار ہو سوائے اس کے جس کو میں عافیت سے رکھوں، سو تم میں سے جس کو یہ یقین ہو کہ میں گناہ بخشنے پر قادر ہوں، پھر وہ مجھ سے بخشش کا سوال کرے، تو میں اس کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تَر اور خشک، مل کر میرے بندوں میں سے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار کے دل کے مطابق ہو جائیں، تو میرے ملک (بادشاہی) میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں ہو گا اور اگر تمہارے اوّل اور آخر، اور زندہ و مردہ، اور تَر اور خشک مل کر میرے بندوں میں فاسق و فاجر کے دل کے مطابق ہو جائیں، تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں ہو گی اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تَر اور خشک مل کر، ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور پھر تم میں سے ہر انسان اپنی تمام آرزوؤں کا سوال کرے اور میں ہر شخص کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو میرے ملک سے صرف اتنی کمی ہو گی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں ڈبو کر سوئی نکال لے، کیونکہ میں جواد اور واجد اور ماجد (بہت سخی اور بہت بزرگ) ہوں۔جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میری عطا میرا کلام ہے اور میرا عذاب بھی میرا کلام ہے۔جب میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو فقط اتنا کہتا ہوں "ہو جا" اور وہ کام ہو جاتا ہے (ترمذی/ابن ماجہ/مسند احمد)۔

کفار کے لئے نیکی کی جزا:۔

جو لوگ نیک اعمال کرتے ہیں ان کو ان کا صلہ اس دنیا اور آخرت میں دونوں میں ملے گا۔اگر دنیا میں نہ مل سکا، تو آخرت میں ضرور اس کا معاوضہ بہت بلند ہو گا۔اگر اصحاب ایمان سے غلطی بھی ہو جائے یا کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اس کے بدلے نیک عمل کرے یا توبہ کرے تو معافی مل جاتی ہے۔اسی لئے اسلام میں قبول اسلام پر پرانے گناہوں کی معافی مل جاتی ہے۔اہل کفر کو کیا، ان کی نیکی کی جزا ملے گی یا نہیں؟ اس کے بارے علماء میں اختلاف ہے۔کچھ کے نزدیک کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور ان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو گئے۔ان کو اس آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور کچھ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے نظام کے تحت، ان کے اچھے اعمال کا صلہ، اگر ان کو دنیا میں نہیں ملا، تو آخرت میں ملے گا، کیونکہ عدل اللہ تعالیٰ نے لازم فرما لیا ہے اور پھر تمام مخلوق کا خالق و مالک اور مہربان بھی ہے۔اللہ تعالیٰ کے عدل اور رحمت کے پیش نظر یہی (مؤخر الذکر) رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ

عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی اور اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان دونوں کی اطاعت نہ کرنا، میری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمہیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝۹

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں نیک لوگوں میں ضرور داخل کریں گے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے، کہ دوران مکی زندگی مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا۔ کچھ صحابہ نے جب اسلام قبول کیا ،تو ان کے والدین نے سخت مخالفت کی اور اسلام ترک کرنے کے لئے زور ڈالا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ نے کہا کہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوؤں گی یہاں تک کہ مجھ موت آجائے یا تم اسلام سے منکر ہو جاؤ۔ بالآخر آپ نے والدہ کو سمجھایا کہ یہ ناممکن ہے، اس طرح اس نے ضد چھوڑ دی۔ والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے اگر وہ غیر مسلم بھی ہوں تو ان کا احترام و خیال کیا جائے۔

حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں؛ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو! عرض کیا گیا کس کی یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا، پھر وہ جنت میں داخل نہیں ہوا، (صحیح مسلم)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے جہاد کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔ اس نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ان (کی خدمت) میں جہاد کرو ۔(بخاری / مسلم)۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث آئی ہیں اور کئی آیات بھی ہیں لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کے خلاف مطالبہ کریں تو ان کی اس بات کو نہ مانا جائے۔ اصول یہ ہے کہ معصیت اور گناہ میں اطاعت نہیں۔

جو لوگ ایمان لائے لیکن دوسرے گھر کے افراد مسلمان نہیں تھے، ان کو ان کے ساتھ رہنا پڑتا تھا، حتّٰی کہ ہجرت کرنا پڑی لیکن جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک اعمال کرتے رہے، وہ بھی صالحین کے ساتھ اُٹھیں گے۔ اگرچہ ان کے والدین یا رشتہ دار مسلمان نہیں تھے، مگر ایمان کا رشتہ اور نیک اعمال کا رشتہ زیادہ اہم و مضبوط ہے۔ ان کے لئے تسلی ہے کہ ان کے اعمال میں اس تعلق کی وجہ سے کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا ثبوت ایمان کی عملی دلیل ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں ایذادی جاتی ہے تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کے برابر ٹھہراتے ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجائے، تو وہ ضرور کہیں گے بے شک ہم تمہارے ساتھ تھے۔ کیا جو کچھ جہان والوں (لوگوں) کے سینوں میں ہے اللہ اسے خوب جاننے والا نہیں؟۔

وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

اور اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کرے گا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲

اور جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا انہوں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے راستے (دین) کی پیروی کرو اور ہم تمہارے گناہ اُٹھالیں گے، حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اُٹھائیں گے۔ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳

اور یقیناً وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اُٹھائیں گے اور جو کچھ وہ جھوٹ گھڑتے رہے، روز قیامت ان کے متعلق ان سے ضرور پوچھا جائے گا۔

آیات میں جو افراد مکہ میں تھے اور ہجرت نہیں کی، جبکہ نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آجائیں تاکہ اپنی زندگی اسلام کے مطابق بسر کر سکیں اور مسلمانوں کے لئے بھی تقویت کا باعث ہوں۔ جو لوگ مکہ میں رہ گئے ان کے کاروبار تھے یا ان کے اہل خانہ تھے، ان کا ذکر ہے کہ جب کفار مکہ ان کو تنگ کرتے، تو وہ اسے اللہ کا عذاب سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کرتے حالانکہ یہ ان کا امتحان تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی زمین پر ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہیں کی۔ بعض مفسرین کے مطابق اس سے مراد، وہ منافق (مسلمان) ہیں جو نرمی میں تو اسلام کا نام لیتے اور جب تکلیف آتی یا مخالفین اسلام کا دباؤ پڑتا، تو ان کے ساتھ مل جاتے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ مخلص

مسلمان اور منافق مسلمان، دونوں کو اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیں گے اور وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا پائیں گے۔

کفار مکہ کے سردار اسلام دشمنی میں کمزور مسلمانوں پر تشدد کرتے اور کہتے کہ وہ دوبارہ ان کے مذہب کفر پر آ جائیں اور اگر کوئی اس میں گناہ یا سزا ہے، تو وہ اس کو اُٹھائیں گے اور احکام پر عمل نہ کرنے کا بوجھ بھی ان کفار سرداروں کے ذمہ ہو گا۔ایک روایت کے مطابق یہ کہنے والا ولید بن مغیرہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ قیامت کو کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ وہ کفار اپنی پریشانی اور گناہوں کی وجہ سے پریشان ہوں گے۔ بلکہ ان پر لوگوں کو کفر کی طرف راغب کرنے اور دھکیلنے کا عذاب بھی ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا، اس کے گناہ کے بوجھ کا ایک حصہ حضرت آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) پر ہو گا کیونکہ یہ پہلا شخص تھا جس نے گناہ (قتل) کا طریقہ ایجاد کیا۔(بخاری/مسلم)۔

ایک اور حدیث کے مطابق (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ ایجاد کیا اس کے لئے اس کا اجر ہو گا اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ہو گا، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کمی کی ہو۔اور اسلام میں جو کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا، اس کا گناہ اس پر ہو گا اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، ان کا گناہ بھی اس پر ہو گا۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو، (مسلم/ترمذی)۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱): **بدعت حسنہ**: جو کہ نیکی کا نیا طریقہ رائج کیا جائے، جیسے قرآن مجید پر اعراب، علم تفسیر، علم فقہ، علم اصول و حدیث وغیرہ۔

(۲) اور دوسری **بدعت سیئہ**: جو کہ نیا طریقہ ایجاد کیا جائے جس کا مذہب کے اعمال و کردار پر برا اثر ہو۔ مثلاً مختلف جسمانی نمونے یا مجسمے بنانا اور ان کا احترام کرنا جس طرح اصلی شعائر اسلام کا ہو اور اسے اعلیٰ محبت کا اظہار کہنا وغیرہ۔

یہ کفار اور برے کام کرنے والے اور اس کی پرچار کرنے والے، نہ صرف اپنے کئے ہوئے گناہوں کی سزا پائیں گے بلکہ دوسرے لوگوں کے برے طریقے پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کے بھی گناہ کے حصہ کی سزا ان کو ملے گی۔اس طرح ان کو زیادہ سزا ملے گی۔ان کا دعویٰ کہ وہ کسی سزا سے بچائیں گے بالکل جھوٹ اور غلط ہے، یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے، پس ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

پھر ہم نے اسے (نوح کو) اور کشتی والوں کو نجات دی اور ہم نے کشتی والوں کو جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

حضرت نوح کا ذکر فرمایا۔ آپ کو مفسرین کے مطابق چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی پھر تقریباً نو سو پچاس سال تبلیغ کی جب آپ کا قبیلہ یا معاشرہ انکاری رہا، تو اللہ تعالیٰ نے طوفان کے ذریعہ ان کو تباہ کیا اور مومنین کو آپ کے ساتھ آپ علیہ السلام کے جہاز نما کشتی میں سلامت رکھا۔ مومنین کی تعداد میں اختلاف ہے اور طوفان کے بعد بھی آپ ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ اس طرح آپ عمر کے لحاظ سے طویل ترین عمر رکھنے والے نبی تھے۔ آپ کی طویل جدوجہد اور تبلیغ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس راہ حق میں تکالیف اور صبر کی مثال دی گئی ہے۔ طوفان کے نتیجے میں جس قدر بھی آپ کی قوم یا جو افراد اس سرزمین میں موجود تھے ختم ہو گئے۔ صرف مومنین بچ گئے اور پھر شیطان کی گمراہی نے لوگوں کو آہستہ آہستہ گھیر کر گمراہ کر دیا، اس طرح انبیاء کا سلسلہ ہدایت چلتا رہا۔ اس کے بعد حضرت ابراھیم کا ذکر ہے۔

وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور (ہم نے) ابراھیم کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم جانتے ہو تو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

تم تو اللہ کے سوا بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو اور تم جھوٹ گھڑتے ہو، بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہارے رزق کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ کے ہاں رزق تلاش کرو اور تم اسی کی عبادت کرو اور تم اسی کا شکر کرو تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم جھٹلاؤ، تو تم سے پہلے کئی امتوں نے جھٹلایا ہے اور رسول کا کام تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا۔ آپ کی قوم بھی بتوں کو پوجتی تھی، بلکہ نمرود بڑا ظالم بادشاہ تھا۔ آپ نے بھی ان کو اللہ کی عبادت کی تبلیغ کی۔ بتوں کی کمزوری سے آگاہ کیا۔ ان سے توقعات اور امیدوں کے بارے سمجھایا کہ رزق اور کائنات کا مالک اللہ کی ذات ہے۔ اُسی سے ڈرو اور بتوں کی عبادت چھوڑ دو۔ ساتھ ہی واضح کیا کہ نبی یا رسول کا فریضہ عوام الناس کو آگاہی دینا ہے۔ اگر عمل نہیں کریں گے تو خود سزا بھگتیں گے۔ حضرت ابراہیم کو اہل مکہ مانتے تھے کیونکہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے تھے۔ ان کا ذکر فرما کر انہیں بتوں کی پوجا سے منع کیا جا رہا ہے۔ ساتھ مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ پرانی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ اسی طرح یہ قریش مکہ بھی کر رہے ہیں اور آج بھی کئی قومیں اور اپنے آپ کو اہل علم کہنے والے، نظام کائنات کو ہی خالق کائنات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خالق کا وجود اس کی پیدا کردہ چیزوں سے پہلے ہونا ضروری ہے، لیکن اس طرف وہ توجہ نہیں دیتے اور شیطان یا ابلیس کے توہم کا شکار ہیں۔ اگلی آیت میں، اللہ کے وجود کے علمی و عقلی دلائل دیئے ہیں۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰہُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۹﴾

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہ اسے لوٹائے گا، بلاشبہ یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنۡشِئُ النَّشۡاَۃَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾

کہہ دیجئے تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو اس (اللہ) نے مخلوق پہلی بار کیسے پیدا کی، پھر اللہ ہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا بلاشبہ اللہ ہر شي پر خوب قادر ہے۔

یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیۡہِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾

وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿۲۲﴾

اور تم (اللہ کو) نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو نہ آسمان میں اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار۔

توحید اور عبادت الٰہی کے بعد اللہ تعالیٰ کے وجود کے عقلی و علمی دلائل دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے ہم خالق

کے وجود کا احساس اور علم حاصل کر سکتے ہیں۔ زمین پر دیکھیں سبزے، درخت، پودے، بارش، زمین سے فصل اور پودوں کی بہار یا بارش کے بعد پیدا ہونا، خزاں میں ختم ہونا، انسانوں کا پیدا ہونا، پھر ختم ہونا۔ انسان جس طرح پیدا ہوا ہے اسی طرح دوبارہ اس کو حساب و کتاب کے لئے اُٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قوت کا اظہار، یہ زمین، اس پر موجود چیزیں، آسمان، ستارے، ہوا، سمندر، حیوانات، پرندے، سب اس کی تخلیق ہیں، کسی پیدا کرنے والے نے پیدا کئے ہیں، جس نے ابتداء میں بغیر وجود کے پیدا کر دی، اسے وہ دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور اس کی طاقت و قوت سب زیادہ ہے۔ جس طرح چاہے وہ کرتا ہے۔ زمین و آسمان پر، یعنی انسان کے تصور میں جہاں بھی انسان ہو وہ اس کے کنٹرول میں ہے ، اگر وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔ اس نے عدل اور رحم کو اپنایا ہے، دنیا میں اس کا رحم (رحمت) کا حصہ وسیع ہے۔ اس کو کوئی مانے یا نہ مانے، تابعدار یا نافرمان، چھوٹا، بڑا سب پر اس کا رحم ہے، لیکن دوبارہ اُٹھنے کے بعد وہ اپنے عدل کے اصول کو نافذ فرمائے گا۔ جن کو اس دنیا میں ان کے اعمال کی سزا نہیں ملی یا انہوں نے نافرمانی کی، ان کو سزا ملے گی۔ اسی سزا سے کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا۔ سارا عالم و جہاں اس کے قابو میں ہے۔ اسی لئے اس کی عبادت اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔

صوفیاء کرام نے 'جسے چاہے غذاب دیتا ہے اور جسے چاہے رحم کرتا ہے، یعنی بچاتا ہے' کی تفسیریوں کی ہے ۔ عذاب معصیت پر اور رحم اطاعت پر، حرص میں ڈال کر غذاب اور رحم قناعت عطا کر کے، غذاب، بداخلاقی کے سبب اور رحمت، خوش اخلاقی کے ذریعہ، غذاب اللہ سے منہ موڑنے پر اور رحمت اسکی طرف جانے اور دوڑنے پر، عذاب مخلوق سے بعض اور دوری سے اور رحمت مخلوق کی محبت سے، اسی طرح عذاب مخلوق کی تنگی سے اور رحمت حق سے محبت سے، ذلت کے ذریعہ عذاب اور احسان کے ذریعہ رحمت،

اسی طرح کفران سے عذاب اور ایمان سے رحمت دیتا ہے، نفس امارہ کی اتباع پر عذاب اور اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے پر رحمت، دنیا کی محبت کی صورت میں عذاب اور زہد و اطاعت سے رحمت عطا کرتا ہے، اسکی شان عظیم ہے اور رحمت و فضل ہر وقت مطلوب ہے۔ (انوارالفرقان واسرارالفرقان ملا علی قاری)۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىِٕهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ یَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہی لوگ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جو لوگ اتنے دلائل، جو زمین، آسمان، ہوا، سورج، ستارے، چاند، بارش، بادل، پودے، حیوانات، انسانی زندگی

اور موت، درخت، پھل، مختلف فصل اور اجناس، اس نظام کو جس قدر منظم ہے، دیکھ کر بھی اللہ کے وجود کا یقین نہیں کرتے، کیونکہ ان کے سامنے اس کا کوئی جسمانی وجود نہیں۔ یہ انکار کرنے والے، اس کے ساتھ دوبارہ جزاو سزا سے بھی منکر ہیں۔ اس لئے ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور اس انکار کی وجہ سے وہ رحمت خداوندی سے قیامت کو محروم رہیں گے۔

یہ دلائل حضرت ابراھیم کے بھی ہو سکتے ہیں اور یہ آیات کلام الٰہی میں وجود الٰہی کی علیحدہ دلیل بھی ہو سکتی ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

پھر ابراھیم کی قوم کا جواب یہی تھا کہ انہوں نے کہا: اسے قتل کر دو یا اسے جلا دو پھر اللہ نے اسے (ابرھیم کو) آگ سے نجاعت دی۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور اس (ابراھیم) نے کہا: تم نے اللہ کے سوا جن بتوں کو معبود ٹھہرایا ہے تو یہ محض تمہاری آپس کی دنیا کی دوستی کی وجہ سے ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور تم میں سے ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور تمہارے لئے کوئی مدد کرنے والے نہ ہوں گے۔

حضرت ابرھیم کے واقعہ کا ذکر ہے۔ آپ نے توحید الٰہی کی دعوت دی، بتوں سے روکا، اللہ کی عظمت و قوت کے بارے بتایا، لیکن اہلِ بابُل نے انکار کیا۔ حضرت ابراھیم کا واقعہ دوسری سورتوں میں بھی آچکا ہے۔ اہل بابُل یعنی بادشاہ اور اس کے مشیروں نے فیصلہ کیا کہ آپ کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے لئے یا تو قتل کیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔ جلانے کا فیصلہ ہوا، اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ آگ کو گلزار بنا کر آپ کی صداقت تمام اہل بابُل پر ظاہر کرنا تھی۔ (بابُل کا علاقہ بعض نے کوفہ کے قریب ذکر کیا ہے)۔ جب آپ کے لئے آگ جلائی گئی تو آگ کی چتا بہت بڑی تھی۔ آگ کی شدت کی وجہ سے قریب جانا ممکن نہیں تھا، اس لئے ایک منجنیق (پتھر پھینکنے کی مشین) کے ذریعہ آپ کو آگ میں پھینکا گیا۔ جب آپ وہاں گرے تو آگ ختم ہو گئی اور اس کی گرمی بھی ختم ہو گئی، بلکہ نرم و سبز و شاداب لکڑیاں اور پودے بن گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر سب حیران ہو گئے۔ اہل ایمان اور اہل عقل والوں کے لئے یہ معجزہ حقیقت جاننے کے لئے کافی تھا۔

حضرت ابراھیم کی قوم اس معجزہ کے باوجود اپنے بتوں کو پوجتی رہی۔بتوں کی پوجا میں ان کے روساٴاور عوام دونوں شریک تھے اور یہ بت ان کے ایک قومی نشان تھے۔قیامت کے دن،جب ان سے بتوں کے پوجنے کا سوال ہوگا ،تو وہ اپنے حکمرانوں پر الزام دیں گے اور وہ چونکہ خود مجرم ہیں،اس لئے ان کے ساتھ کا انکار کریں گے۔اس طرح دونوں ایک دوسرے پر اس کی غلطی کا الزام دیں گے اور لعنت بھیجیں گے۔لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور دونوں دوزخ کی آگ میں جلیں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾

پھر لوط،ان (ابرھیم) پر ایمان لایا اور ابراھیم نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔بے شک وہ (اللہ) نہایت غالب اور حکمت والا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب دیئے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے اسے اس کا اجر دنیا میں بھی دیا اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالح لوگوں میں سے ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کے انعامات کا ذکر ہے۔معجزہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام جو کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے روایات کے مطابق بھتیجے تھے ان پر ایمان لائے۔حضرت سارہ بھی ایمان لائی اور آپ سے ان کی شادی ہوئی۔اس وقت آپ مقام کوثیٰ،بستی میں تھے جو کوفہ سے حاران کی طرف ہے۔آپ کے لئے وہاں رہنا مشکل ہو گیا اور آپ نے وہاں سے ہجرت کی اور شام کی طرف آئے۔آپ کے ساتھ حضرت لوط نے بھی ہجرت کی۔کہا گیا ہے اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر پچھتر (75) سال تھی۔وہاں سے پھر حضرت لوط،سدوم کی طرف اور حضرت ابراہیم ،فلسطین کی طرف چلے گئے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق (بیٹا) عطا فرمایا۔پھر حضرت اسحاق سے حضرت یعقوب پیدا ہوئے اور ان کی اولاد سے بہت سے بنی اسرائیل کے انبیاء پیدا ہوئے۔انبیاء کو کتابیں عطا ہوئیں۔حضرت اسماعیل سے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ان انبیاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی آپ کو اعلیٰ مقام دیا۔یہودیت،عیسائیت اور اسلام تینوں مذہب آپ کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا،جب اس نے اپنی قوم سے کہا:بے شک تم ایسی فحاشی بدکاری پر اتر آئے،جو

تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

کیا تم مردوں کے پاس (جنسی تسکین کے لئے) آتے ہو اور تم راستے کاٹتے (تکلیف دیتے) ہو اور تم اپنی مجلسوں میں برے کام (بے حیائی) کرتے ہو۔ پھر ان کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انہوں نے کہا اگر تو سچوں میں ہے تو اللہ کا عذاب لے آ۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

لوط کے کہا: اے میرے رب! فسادی لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو قوم لوط، سدوم کے علاقہ میں بطور نبی بنا کر بھیجا۔ یہ قوم خوشحال تھی۔ لیکن انتہائی فحاشی کا کام کرتے تھے۔ جنسی ضرورت کو عورتوں کے بجائے مردوں، نوجوانوں سے پورا کرتے اور جو انتہائی فحاشی اور غیر فطری عمل تھا۔ جنسی ضرورت اور نسل انسانی کی بقاء وافزائش کے لئے، مرد اور عورت کا جنسی تعلق، وہ بھی فطری انداز میں ہونا ضروری ہے تاکہ خاندان اور پھر نسل آگے چلے۔ یہ قوم اس کے خلاف مردوں سے کرتے۔ پھر ان کے بارے بہت ہی فحش روایات ہیں کہ بر سر عام یہ گناہ کرتے۔ راستے پر چلنے والوں کو لوٹتے، پتھر مارتے، ننگے ہو کر حماموں میں بات چیت کرتے رہتے۔ سیٹیاں بجاتے، آپس میں گالی گلوچ کرتے، عورتیں، مردوں کی طرح لباس اور مرد عورتوں کی طرح لباس پہنتے، حضرت لوط چونکہ عراق سے تھے، اس لئے اِن کے ساتھ بھی اُن کی رویہ سخت تھا۔ آپ علیہ السلام کی تعلیمات سے انکار کیا اور کہا کہ جس عذاب کی بات کرتے ہو یا ڈراتے ہو، اسے لے آؤ۔ آپ نے ان سے تنگ آ کر ان کے خلاف بد دعا کی۔ بد قسمتی یہ ہے کہ آج مغربی ممالک جو انسانی آزادی کے نعرے لگاتے ہیں ان میں یہ فحاشی قانونی طور پر جائز تسلیم کی جاتی ہے جب کہ اسلام میں اس کی سزا زنا کی طرح ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر جب ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو انہوں نے کہا: بے شک ہم اس (سدوم) بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ اس بستی والے ظالم ہیں۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس ابراہیم نے کہا: بے شک اس میں لوط بھی ہے، انہوں نے کہا، ہم خوب جانتے ہیں جو کوئی اس میں ہے، یقیناً ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو بچائیں گے سوائے اس کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گی۔

وَ لَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَ ضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ ۫ اِنَّا مُنَجُّوۡكَ وَ اَهۡلَكَ اِلَّا امۡرَاَتَكَ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۳۳﴾

اور جب ہمارے قاصد لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے کی وجہ سے غم زدہ ہوا اور ان کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ (پریشان) ہوا اور فرشتوں نے کہا: تو مت ڈر اور مت غم کھا۔ بلاشبہ ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو نجاعت دینے والے ہیں سوائے تیری بیوی کے، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤی اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ ﴿۳۴﴾

بے شک ہم اس بستی والوں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔

وَ لَقَدۡ تَّرَكۡنَا مِنۡهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۵﴾

اور بے شک ہم نے اس بستی کو ان لوگوں کے لئے بطور کھلی نشانی (عبرت) چھوڑ دیا جو عقل رکھتے ہیں۔

حضرت لوط کی بدعا، قوم کے حق میں قبول ہوئی۔ اللہ کی طرف سے فرشتے عذاب کے لئے متعین ہوئے۔ پہلے وہ انسانی یعنی مثالی صورت میں حضرت ابراھیم کے پاس بطور مہمان گئے، انہیں حضرت اسحاق (لڑکے کی) خوشخبری دی۔ یہ واقعہ پہلے سورۃ اعراف، ھود اور انبیاء میں گذر چکا ہے اور ساتھ ہی انہیں قوم لوط کے عذاب کے بارے بتایا۔ حضرت لوط کا ذکر ہوا اور یہ بھی بتایا کہ ان کی بیوی کے علاوہ ان کے تمام رفقاء کو محفوظ رکھا جائے گا۔

پھر فرشتے انسانی خوب رو نوجوانوں کی صورت میں حضرت لوط کے پاس گئے (سورۃ الاعراف، ھود اور انبیاء میں تفصیل آچکی ہے)۔ حضرت لوط، ان کی قوم کی فحاشی اور لونڈے بازی، کی وجہ سے پریشان ہوئے اور وہاں تنہا بھی تھے۔ ان کو خوف ہوا کہ ان خوبرو نوجوان کے ساتھ ان کی قوم فحاشی نہ کرے۔ آپ کی پریشانی اور الجھن کو فرشتوں نے بھانپ لیا اور عرض کی کہ وہ عذاب کا حکم لے کر آئے ہیں ان کے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے رفقاء کو وہ محفوظ رکھیں گے، لیکن ان کی بیوی چونکہ کفار کے ساتھ روابط و معاملات رکھتی ہے اس لئے وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گی۔ یہ حضرت لوط کی بدعا کا نتیجہ تھا جو اس قوم کی بدکرداری اور گناہوں اور ظلم کی وجہ سے تھی۔ اگر ذرا سوچا جائے تو اس فحاشی (مرد سے مرد کا جنسی تعلق) ایڈز کا سبب بنتا ہے۔ معاشرے میں ظلم اور بداخلاقی، ایسے جرائم ہیں جن سے

معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں۔رات گذرنے پر آپ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نکل گئے۔آپ کی بیوی پیچھے رہ گئی اور رات کو فرشتوں نے ساری بستی کو اوپر اُٹھایا، یعنی اللہ نے زلزلہ پیدا کیا اور ان کے مکانات اُچھل کر گر گئے وہ ان کے اندر مر گئے اور پھر اس زلزلہ کی وجہ سے لاوا کی صورت میں گرم پتھر گرے اور لوگ اور ان کے حیوانات مر گئے۔آج یہ علاقہ بحر میت (Dead Sea) کے نام سے مشہور ہے۔جس میں اس قدر نمکیات ہیں کہ کوئی چیز پانی میں زندہ نہیں رہ سکتی اور دنیا کا پست ترین مقام ہے اور آج تک باعث عبرت ہے۔

مثالی صورت کی تفصیل تھری ڈی اور ہلپور ٹیشن کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۷﴾

(اور ہم نے) مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ (بھائی) شعیب کو بھیجا۔انہوں نے کہا اے (میری) قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

پس انہوں نے شعیب کو جھٹلایا تو انہیں ایک زلزلہ نے پکڑ لیا پس وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے رہ گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے، آپ علیہ السلام نے مدائن میں نبوت کے فرائض سرانجام دیئے۔آپ کی قوم بھی حضرت ابراھیم کی اولاد سے تھی اور ناپ تول میں بہت خیانت کرتے تھے۔راستوں پر بیٹھتے اور لوگوں کو تنگ کرتے تھے۔لینے کے لئے علیحدہ اور دینے کے علیحدہ پیمانہ استعمال کرتے تھے۔اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے بلکہ شریک بنائے ہوئے تھے۔آپ نے توحید اور قیامت کے بارے ڈرایا کہ زندگی کے اعمال کا حساب و کتاب ہو گا، لیکن انہوں نے انکار کیا۔جب معاملہ بہت بڑھ گیا اور اصلاح کی کوئی امید نہ رہی، تو آپ علیہ السلام نے بددعا کی اور قوم تباہ ہو گئی۔ زمین میں جھٹکے شروع ہو گئے، لرزنا شروع ہو گئی۔ایک اور آیت میں چنگھاڑ کی آواز ہے جو ایک سپر سانک شاک ویوز ہوتی ہے، جس کی وجہ سے انسانی موت واقع ہو جاتی ہے۔بلڈنگ تباہ ہو جاتی ہیں۔زلزلہ اور چنگھاڑ دونوں میں دھماکہ ہوتا ہے اور تباہی ہوتی ہے۔یہ واقعات قریش مکہ کو بتائے جا رہے ہیں کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور اسلام کو قبول کریں ۔(یہ واقعہ سورت اعراف میں بھی ذکر کیا گیا ہے)۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا۠ وَ قَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾

اور قوم عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور (اہل مکہ) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں (کھنڈرات) ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو خوبصورت بنادیا تھا، پس اس نے ان کو صراط مستقیم سے روک دیا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے۔

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۚ﴿۴۰﴾

اور قارون اور فرعون اور ھامان کو ہلاک کر دیا اور بے شک ان کے پاس موسیٰ، واضح معجزات لے کر آئے تھے۔ پس انہوں نے زمین پر تکبر کیا اور وہ (عذاب سے بچ کر) نکل جانے والے نہ تھے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑا، چنانچہ ان میں سے کوئی تو وہ تھے جن پر ہم نے پتھر برسائے اور ان میں کوئی وہ تھے جنہیں چنگھاڑ نے آن پکڑا اور ان میں کوئی وہ تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کوئی وہ تھے جنہیں ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

حضرت شعیب کے بعد قوم عاد و ثمود اور ان کی گمراہی و عذاب کا ذکر ہے۔ قوم عاد کی بستی احقاف، حضر موت (یمن کی جانب) تھی۔ حضرت ھود ان کی تبلیغ و ہدایت کے لئے تشریف لائے، لیکن انہوں نے ہدایت کے بجائے گمراہی پر اصرار کیا اور اس کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے۔ یہ کھنڈرات اہل مکہ کے راستوں میں ہیں۔ اسی طرح صالح کی قوم (ثمود) کی بستی حجر تھی، جو آج کل مدائن صالح بھی کہلاتی ہے۔ حجاز کے شمال میں ہے اور تجارتی قافلوں کے راستہ پر واقع ہے۔ یہ قوم بھی معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائی۔ کفر، ظلم پر ڈٹی رہی اور بالآخر تباہ ہو گئی۔ قریش مکہ ان دونوں کی تاریخ سے راستوں کی وجہ سے واقف ہیں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ تشریف لائے۔ فرعون ایک ظالم بادشاہ تھا۔ انسانوں کو طبقات میں تقسیم کر کے ظلم کرتا اور خدائی کا دعویٰ دار تھا۔ اس کا وزیر ھامان بھی اس کا ہمنوا تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ کے پیغام ماننے سے انکار کیا، معجزات دیکھنے کے باوجود، اسلام کو قبول نہیں کیا۔ جب بنی اسرائیل مصر سے رات کو روانہ ہوئے تو اس نے ان کا پیچھا کیا اور سارا اس کا لشکر اپنے اسلحہ کے ساتھ ڈوب کر غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ محفوظ رہے۔ بنی

اسرائیل میں حضرت موسیٰ کا رشتہ دار قارون بڑی دولت کا مالک اور متکبر تھا۔اس نے بھی اللہ کے حکم (زکوٰۃ دینے) سے انکار کیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت کے علم کے باوجود اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جھوٹا الزام لگایا، حسد کی ،احکام کا انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد عا سے اسے زمین میں بمعہ اس کی دولت اور محل کے دھنسا دیا گیا اور باعث عبرت بن گیا۔

جرم کا سبب انسانی سوچ:۔

یہ سارے واقعات قریش مکہ کے لئے باعث عبرت تھے۔یہ سب ظالم طاقتور اور اللہ کا انکار کرنے والے لوگ تھے، جن کا انجام تباہی ہوا۔مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ بڑے بڑے طاقتور اور ظالم تباہ ہوئے لہٰذا وہ پریشان نہ ہوں۔یہ قومیں عقل بھی رکھتی تھیں، ہدایت کا پیغام بھی موجود تھا، لیکن پھر بھی کیوں تباہ ہوئیں۔ان کی تباہی کا سبب ان کے اپنے اعمال تھے۔ان پر اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں تھا۔دنیا کے اندر، ان کو معاشی اور سماجی آسائش میسر تھی۔وہ اپنے خیال میں اپنے اعمال کو صحیح سمجھتے تھے اور انبیاء کی تعلیمات چونکہ ان کے طریقہ حیات اور رواج کے خلاف تھیں۔ان میں اللہ کی عبادت، قیامت کا حساب وکتاب، انسانوں کی مساوات، غریبوں ومحتاجوں کی مدد، انصاف وعدل کا پیغام تھا، جو ان کے اس وقت کے طریقہ زندگی کے خلاف تھا۔وہ سمجھتے تھے کہ وہ صحیح ہیں۔شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا تھا اور وہ ان پر چمٹے رہے۔حق کی طرف توجہ نہ دی اور بالآخر اللہ کے عذاب کی وجہ سے تباہ ہوئے۔

اس وقت قریش مکہ کو بھی شیطان، ان کے افکار ومعاملات میں ایک طرح مزین کر کے، صحیح ہونے کی تسلی دے رہا تھا۔جو انسانیت پر ظلم اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے بھی خلاف تھے۔اس لئے اگر انہوں نے اپنا کردار نہ بدلہ تو وہ بھی عذاب کے مستحق ہوں گے۔پھر دس سال کے اندر، اہلیانِ مکہ شکست کھا کر مسلمانوں کے تابع ہو گئے۔آج بھی دنیا میں بہت سارے انسان، اللہ کے وجود، قیامت، جزا وسزا کے منکر ہیں اور تاریخ کے واقعات کو بھی غور وفکر سے نہیں دیکھتے۔اسی طرح طاقتور، افراد بھی دوسروں کو کمتر سمجھ کر ان پر ظلم کرتے ہیں اور عدل کی پرواہ نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے توریت کی صورت میں ایک مکمل قانون دیا اور اس کے بعد امتوں پر مکمل تباہی روک دی گئی ،البتہ چند بنی اسرائیل کے افراد جنہوں نے احکام سے کھلا انکار کیا ان کے چہرے بدل گئے اور مر گئے (حدیث)۔اس کے بعد یہود، عیسائیوں، مسلمانوں پر عذاب کی نوعیت مختلف ہو گئی۔وہ انسانوں پر انسانوں کے ظلم، سماجی، معاشرتی اور معاشی مشکلات کی صورت میں نازل ہوتا رہا، اور دوسرے حکمرانوں نے ان کو تہہ تیغ کیا اور تباہ کر دیا۔اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ظلم سے بھرے معاشرے دوسروں کے محکوم یا جرائم سے بھر جاتے ہیں۔توحید کے ساتھ عدل اور غریبوں کی

فلاح،احکام الٰہی میں ہمیشہ اساسی رہی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور مددگار بنالئے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے، جس نے (جالوں کا) گھر بنایا اور بے شک گھروں میں کمزور گھر، مکڑی کا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو قوی اور خالق سمجھنا، بہت بڑی غلطی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح مکڑی کے جالے کو، جس کا دھاگہ اتنا معمولی ہوتا ہے کہ ہوا کے بغیر بھی لہراتا رہتا ہے۔ زمین پر بھی نہیں گرتا، دھوپ، بارش، ہوا کو نہیں روکتا اور اس کا اکثر وجود بھی نظر نہیں آتا، اس کو آدمی اپنا ایک محفوظ ترین مکان سمجھ لے۔ یہ جالا ، بارش، تیز ہوا یا آندھی اور دھوپ کو نہیں روکتا، اس لئے اس کو گھر سمجھنا اور محفوظ جاننا، غلط ہے۔ مکڑی اس جالے کو مکھیوں کے پکڑنے کا ذریعہ بناتی ہے، نہ کہ یہ حفاظت کا مقام ہے۔ یہی حال ہے ان قوتوں کا ہے، اگر ان کو انسان اپنا معبود حقیقی، سمجھ لے۔ ان کے احکامات کو مانے اور الہامی تعلیمات (قرآن مجید اور نبی کی ہدایات) کو نظر انداز کرے، ایسے افراد یقیناً دھوکے میں ہیں۔

مکڑی:۔



مکڑی کا جال

مکڑی کے ذکر سے اللہ کی اس ننھی مخلوق کی کاریگری اور اس کی استعداد کے بارے انسان کو آگاہ کرنا ہے۔ اس کے جسم کے ایک حصے سے دھاگہ (باریک ترین) نکلتا ہے۔ یہ دھاگہ نظر نہیں آتا لیکن روشنی میں چمکتا ہے۔ دھوپ اس سے گذر جاتی ہے۔ ساکن ہوا میں لہراتا ہے۔ اس میں چپکنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کسی جسم سے لگ کر چپک جاتا ہے۔ جسم سے متوازی دھاگے نکلتے ہیں جو آپس میں چپک جاتے ہیں اور ان کے ذریعے ایک جال بن جاتا ہے جو عمومی طور پر دائرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ جس کے طول اور عرض میں آپس میں دھاگے ملے ہوتے ہیں۔ جال اگر ٹوٹ جائے یا اس پر کوئی چیز اٹک جائے تو مکڑی کو پیغام پہنچ جاتا ہے۔ ٹوٹا ہوا جال دوبارہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح

دھاگے کے ذریعے مکڑی اس پر چلتی بھی ہے۔ مکڑی کی آٹھ ٹانگیں ہوتی ہیں جبکہ دوسرے کیڑوں (حشرات) کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں۔اس کا سر جس میں آنکھیں اور باہر نکلے ہوئے دانت ہوتے ہیں، جس سے یہ کاٹتے اور پکڑتے ہیں۔ سر کے بعد ان کا پیٹ ہوتا ہے جس کا سائز جسم سے میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور اسی کے اندر سے دھاگہ یا جالا نکلتا ہے جس سے جال بنتا ہے۔اس کی ہزاروں (تقریباً35000) اقسام ہیں اور سب سے چھوٹا سائز 0.37 ملی میٹر ہے جس کو دیکھ نہیں سکتے اور بڑا سائز تقریباً 90 ملی میٹر تک ہو سکتا ہے۔اس قدر چھوٹی مخلوق کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا اور انسانی تخیل کی غلط فہمی یا دھوکہ کو ظاہر فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے (عبادت کرتے) ہیں، اللہ ان کو جانتا ہے اور وہ نہایت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ نے زمین و آسمان کو حق (صحیح نظام) کے ساتھ پیدا کیا بے شک اس میں مومنوں کے لئے عظیم نشانی ہے۔

پچھلی امتوں کے ذکر اور انسانی اعمال کے بارے اس کے نفسیاتی تجزیہ ہے، جس میں انسان اپنے ہر کام کو بہترین اور صحیح تصور کرتا ہے اور پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے، انسانوں کو آگاہ کیا ہے، کہ اللہ کی ذات بڑی عظیم ہے۔ اس کائنات کا نظام جتنا منظم اور مکمل ترین ہے، وہ اس کے خالق کی عظمت و کاریگری کی دلیل ہے۔ زمین کا وجود، اس کی سطح، اس کی سطح سے نیچے، زمین کے اوپر فضاء پھر زمین کا مدار میں چلنا، اس کے محور پر گردش، دن رات، ہوا، کشش ثقل، پانی کی اُچھال، ہوا کا دباؤ، سورج، چاند، زمین کا تعلق اور نظام، زمین پر حیوانات، نباتات، جمادات، حشرات اور پرندے، جنگل، میدان، صحراء، دریا، سمندر و عرض لاکھوں انسان، ہزاروں سال سے اس کی تحقیق و جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور نظام کو اچھی طرح ابھی تک نہ معلوم کر سکے نہ سمجھ سکے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نظام اپنے آپ میں مکمل اور اکمل ہے اور اس کا بنانے والا یکتا ہے۔ ان دلائل کے باوجود لوگ اپنی حاجات کو اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگتے ہیں، تو ان کی کم عقلی ہے، اگرچہ وہ کسی کو صرف وسیلہ یا صرف اجازت شدہ (ماذون) ذریعہ ہی سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ کے

علاوہ کسی کو حقیقی طور پر کارساز سمجھنا، عقل سلیم کے خلاف ہے۔ اسباب کا نظام، اس نظام کائنات کا حصہ ہے اور اسی کے مطابق چل رہا ہے اور جب خالق کائنات چاہے گا تو اس میں خلل لا کر اس کو ختم کر دے گا۔

اہل علم کی ذمہ داری:۔

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے، جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر غور و فکر کرے اور اس کی اطاعت پر عمل کرے اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔ اس لئے محض قرآن کا ترجمہ جان لینے یا سمجھ لینے سے عالم نہیں بنتا، جب تک تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔ (معارف القرآن)۔ قرآن مجید میں سائنسی حقائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کائنات حق ہے، یعنی سب سے اعلیٰ منظم و اکمل طریقہ پر قائم ہے اور سائنس شواہد کے ذریعے اس کی تلاش میں ہے۔ اہل علم کا فرض ہے کہ قرآن کے حقائق، احکامات، اللہ کے وجود کے شواھد اور اسلامی احکامات کی حکمت و فوائد، عوام الناس کو بتلائیں۔ یہ فرض صرف اہل علم یا علماء دین اسی وقت پورا کر سکتے ہیں، جب ان کے اندر علم اور استعداد ہو۔ اگر استعداد نہیں ہو گی تو نہ وہ شواہد و دلائل قرآنی کو سمجھ سکیں گے، نہ آگے تحقیق کریں اور نہ ہی لوگوں کو بتا سکیں گے۔ ہمارے پرانے علماء نے جب فلسفہ یونانی کے تراجم، عربی زبان میں منتقل کیے اور ہمارے علماء اور لوگوں کو یونانی علوم و فلسفہ کی معلومات ملیں، تو علماء نے ان کو پڑھا اور جو معلومات اسلام یا قرآن مجید کے واقعات و حقائق کے خلاف تھیں، ان کا علمی تجزیہ کر کے ان کا بطلان کیا۔ اس طرح ایک علم الکلام کو مدون کیا، جس میں ان امور کو تفصیل کے ساتھ بحث کیا گیا ہے، لیکن بد قسمتی سے یہ تحقیق اور ترقی آگے نہ بڑھ سکی۔ نویں صدی ھجری کے بعد ہمارے علماء اور اہل تحقیق، مختلف علوم میں تحقیق سے پیچھے رہ گئے۔ ہمارے حکمران بھی، اللہ کے خوف اور عامہ الناس کی خوشحالی، عدل، مساوات اور علم کی ترویج کے بجائے ذاتی زندگی کی رنگینیوں میں الجھ کر سب کچھ بھول گئے اور امت محمدی آج تک زوال کا شکار ہے۔ اب بھی ضروری ہے کہ ہمارے مذہبی علماء، سائنسی علوم کو سمجھیں اور ہمارے سائنسی علوم کے ماہرین قرآن و حدیث کو سمجھیں اور قرآن و کائنات کے حقائق کے ذریعے خالق کائنات کا لوگوں کو یقین دلائیں۔ اسلامی احکام کی حکمتیں اور برکتیں دلائل و شواہد سے بتائیں اور معاشرے میں نافذ کر کے ثابت کریں تاکہ اسلام کی عظمتِ رفتہ واپس آ سکے اور انسانیت فلاح پائے۔

اکیسواں پارہ

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝۴۵

(اے نبی)اس کتاب کی تلاوت کیجئے، جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کیجئے یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور بلاشبہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

انبیاء کرام کے واقعات کا مقصد، مسلمانوں کو تبلیغ میں پیش آنے والی مشکلات کی وضاحت تھی کہ یہ صرف نبی ﷺ اور موجودہ مسلمانوں کو ہی نہیں، بلکہ ان سے پہلے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کو اس سے بڑھ کر مشکلات پیش آئیں، لیکن بالآخر اللہ پر ایمان اور اس کے احکام پر چلنے والے کامیاب ہوئے۔ یہ بھی حکم ہوا کہ قرآن مجید کے احکام، واقعات و تعلیمات کو آپ تلاوت کر کے ان کو سنائیں تاکہ ہدایت حاصل کر سکیں۔ ساتھ ہی نماز کا حکم ہوا کہ اس کو پڑھا جائے یعنی اللہ کی عبادت کی جائے۔ عبادت یعنی حقوق اللہ میں سب سے بڑھ کر نماز ہے جس میں قیام، رکوع، سجود اور قاعدہ (بیٹھنا) ہے۔ اگر یہ تمام ارکان کو اہتمام اور توجہ سے کیا جائے تو اس کا اہم اثر ہوتا ہے، جس سے انسان کا کردار تبدیل ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے اور پھر اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔

نماز کے اثرات:۔

طبّی اثرات:۔

(۱) وضو اور استنجاء کی وجہ سے انسان بہت ساری خرابیوں اور بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مثلاً استنجاء سے صفائی ہوتی ہے اور پاخانہ کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، اسی طرح وضو سے ہاتھ، منہ، ناک، بازو، سر اور کان، گردن اور پاؤں جو اعضاء ہر وقت فضاء میں گرد آلود ہوتے ہیں یا جن کی ذریعہ بیماری کے جراثیم منتقل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے ان کو دھویا جاتا ہے۔ اس طرح انسانی صحت اور جسم بہت ساری بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۲) جب انسان جسمانی صفائی کا اہتمام کرتا ہے تو اس سے ایک نفسیاتی طور پر اس کا ایک ذہن پر اثر پڑتا ہے جو انسانی کردار پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(۳) صاف ستھرے پاک کپڑے، نماز کے لئے ضروری ہیں۔ ان کپڑوں اور مسجد کے اہتمام کی وجہ

سے بھی آدمی کے کردار یعنی اچھی عادات وخصائل کی طرف رغبت بڑھتی ہے۔

(۴) مسجد کی نماز جو مردوں کے لئے کافی ضروری ہے،اس سے انسان کی سماجی زندگی میں مثبت انداز، بین الافراد تعلقات، صحت اور نفسیاتی ہم آہنگی بڑھتی ہے۔

(۵) نماز کے دوران طریقہ نماز، قیام (کھڑا ہونا)، رکوع، سجدہ اور قعدہ (زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھنا) ،یہ اعمال انسانی جسم کے بالخصوص جوڑوں کی ورزش کے نقطہ نظر سے انسان کے لئے بہت مفید ہیں۔انسان کے اندر دو سو پچاس (250) سے زائد ہڈیوں کے جوڑ ہیں۔

(۶) رکوع، سجود، قیام کی حالت ایک تابعدار انسان کا مظاہرہ ہے جو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار اور اظہار کرتا ہے۔اس سے انسان کو نفسیاتی یا روحانی طور پر اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتا ہے اور پھر احساس گناہ اور تمنائے نیکی میں اضافہ ہوتا ہے۔

روحانی اور نفسیاتی اثرات:۔

(۱) نماز کے اہتمام، صاف کپڑے، صاف جسم، صاف مکان (جائے نماز) اور ایک خاص اہتمام کے ساتھ ایک خاص طرف منہ اور نگاہ کر کے ادائیگی سے انسان کا تعلق دنیا کے مسائل سے کٹ کر اللہ کی طرف ہو جاتا ہے،اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم ایک حدیث کے مطابق نمازی کو اس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے عمل کو دیکھ رہی ہے۔لہٰذا اسے نماز کی ادائیگی میں ارکان کو اہتمام سے پورا کرنا چاہیے۔یہ عمل اس کو روحانی طور پر خالق کائنات کے قریب کر دیتا ہے۔ضروری ہے کہ خیالات کو روکا جائے اور یہ یقین کیا جائے کہ یہ خیالات جو دوران نماز آ رہے ہیں، یہ کسی خارجی طاقت یعنی شیطان کے انسانی دماغ پر اثر کی وجہ سے ہیں اور ان کا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق میں کمی کرنا ہے۔ان خیالات کو فوراً رد کرنا چاہیے۔

(۲) نماز میں خشوع یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف اور خضوع یعنی انسانی عاجزی کا عنصر ضرور ہونا چاہیے۔اس کے لئے انسان کو اپنی کمزوری اور اللہ تعالیٰ کی کائنات میں طاقت و عظمت کا احساس دوران نماز رکھنا چاہیے۔یہ یقین کرنا ہوگا کہ نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

(۳) نماز میں خشوع و خضوع کے لئے نماز کے کلمات کے معانی کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔نماز کے کل کلمات یا جملے چالیس سے کم ہیں۔ابتدائی نیت اور تسبیح و تحمید کے چند جملوں کا ترجمہ جاننا ضروری ہے۔سورۃالفاتحہ نماز میں ضروری ہے اس کے ترجمہ کو جاننا ضروری ہے۔ایک حدیث

قدسی کے مطابق سورۃالفاتحہ دو حصوں میں منقسم ہے۔آدھااوّل حصہ اللہ کی تحمید اور تسبیح پر مشتمل ہے اور دوسرا آدھا حصہ انسان کی ذات کے لئے دعا پر ہے اور اللہ تعالیٰ،اہل اخلاص کو ان کی طلب عطا کرتا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور عظمت،پھر انسان کی اللہ سے راہنمائی و مدد کی درخواست ہے۔پھر کوئی بھی سورت پڑھی جائے،اس کے معانی نمازی کو جاننے ضروری ہیں۔اسی طرح رکوع، سجود اور قعدہ میں پڑھے جانے والے کلمات و فقرات کے معانی جاننے ضروری ہیں۔دوران نماز کلمات و فقرات کے معانی کو ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ نماز میں پوری توجہ رہے اور بہترین طریقے سے نماز ادا ہو جس کی قبولیت کے زیادہ امکانات ہیں۔

(۴) اللہ کی عظمت و قوت کا احساس پیدا ہوگا۔انسان کی کمزوری اور عاجزی،اللہ کی مدد و ہدایت، تمام بھائیوں کے لئے بھلائی کی دعا،یہ سارے امور انسان کو ایک اچھے انسان بننے کی طرف لے جاتے ہیں جو برائی، فحاشی، ظلم و زیادتی سے بہت دور ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کو مومن کی معراج کہا ہے کیونکہ نماز کے اہتمام اور توجہ کی ادائیگی کے وقت مسلمان اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔

برائی سے روکنا:۔

اگر آدمی نماز میں توجہ کر رہا ہے اور اس کے کردار میں تبدیلی نہیں آرہی تھی تو یہ اعلان ہے کہ اس کی توجہ نماز میں مطلوبہ معیار تک نہیں ہو رہی۔اسے زیادہ توجہ اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہیے۔اس کی نماز درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ رہی،اگرچہ فرض ادا ہو رہا ہے۔اس کی احادیث میں بہت اہمیت و ضرورت بتائی گئی ہے۔حضرت حسن سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس کی نماز اس کو برائیوں سے نہیں روکتی اس کی نماز ادا (قبول) نہیں ہوئی (شعب الایمان)۔ایک حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ ''اس نماز نے اس کا اللہ سے فاصلہ بڑھا دیا، (دوری کر دی)۔(طبرانی) [لَّمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ]۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا، فلاں آدمی بہت لمبی نماز پڑھتا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لمبی نماز کا فائدہ نہیں،اگر اللہ کے احکام پر مکمل طور پر عمل نہیں کیا گیا، (فحاشی اور گناہوں، برے اعمال سے بچنا)۔پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی (اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔آیت 45)۔

(۵) نماز کے خشوع و خضوع کے لئے کافی مدت تک مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔اس کے بعد اس میں درجہ بدرجہ ترقی ہو گی اور جوں جوں اللہ کی محبت میں اضافہ ہو گا، انسان کو گناہوں

، برائیوں اور فحاشی کے کاموں سے دور کر دے گی۔ جب ایک مسلمان نماز کا عمل دن میں پانچ مرتبہ کرتا ہے، تو اس عمل میں بھی انسان کی ضروریات اور اس کے فوائد کا اللہ تعالیٰ نے خیال رکھا ہے۔ نماز کے اوقات ایک لمبی نماز جو ایک گھنٹہ تک ہو سکتی تھی نہیں بلکہ اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اگر غور کریں کہ قبل از طلوع شمس (سورج) صبح کا خوبصورت وقت، اُٹھ کر جسم کو صاف کرنا اور اللہ کو یاد کرنا، خود ہی ایک لذت والا عمل ہے اور اس کی صحت کی لحاظ سے بڑی اہمیت ہے، جو کہ دل کے مریضوں کے لئے بڑی اہم ہے۔ نماز کا دورانیہ سب سے کم یعنی دو رکعت فرض ہے۔ پھر دن کو سارا وقت کام کے لئے مل جاتا ہے۔ دن کی روشنی کا صحیح استعمال ہوتا ہے۔ انسان دن کے جب طویل کام سے تھک جاتا ہے، تو پھر اس کے لئے ظہر کی نماز (بعد از وقتِ زوال) ہے۔ پھر انسان اپنے آپ کو وضو سے تازہ دم کر کے اللہ کے حضور حاضر ہو کر دنیا کے معاملات کو ایک طرف کر کے خالق کو یاد کرتا ہے۔ یہ عمل اس کی صحت، پیداواری عمل کر نے کی قوت وصلاحیت پر بہت اچھا اثر ڈالتا ہے۔ ذہنی اور نفسیاتی طور پر وہ تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اللہ کی یاد اسے تقویت دیتی ہے۔ پھر یہی عمل (نماز) دن کے قریب الاختتام وقت پر عصر کے وقت ہوتا ہے۔ اس کا بھی اسی طرح اثر ہے، پھر سورج کے غروب ہونے کے بعد یہ عمل دہرایا جاتا ہے ۔ نماز کا دورانیہ بھی کم ہے صرف تین رکعت نماز ہے تاکہ زیادہ معمولات میں رکاوٹ نہ ہو۔ اسی طرح یہ عمل (نماز) سونے سے پہلے دہرایا جاتا ہے۔ پھر صاف جسم اور نیک خیالات کے ساتھ آدمی نیند کی آغوش میں جاتا ہے۔ یہ سارے امور اللہ تعالیٰ یا نبی ﷺ کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اس فرد کی بہتری کے لئے ہیں جو نماز ادا کرتا ہے۔ جسمانی، طبّی، نفسیاتی فوائد کے ساتھ جنت اور آخرت کا ثواب علیحدہ ہے۔ نماز کے شروع میں آدمی پر اس کا اثر زیادہ نہیں ہوتا کیونکہ انسان خشوع اور خضوع، نماز کے آداب، اللہ کے حضور کی اہمیت سے ناواقف ہوتا ہے، اس لئے اس کے برے اعمال فوری طور پر ختم نہیں ہوتے۔ اس کے لئے مسلسل جدوجہد ضروری ہے۔ لگاتار اور طویل عرصہ نماز سے انسان کے کردار میں آہستہ آہستہ تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور انسان گناہوں اور فحاشی سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کی شکایت کی گئی کہ نماز تو پڑھتا ہے لیکن گناہ بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی نماز اس کو روک دے گی اور ایسا ہی ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ رک گیا۔ (ابن کثیر، روح

المعانی)۔

اللہ کا ذکر:۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ :اللہ کا ذکر سب سے عظیم ہے۔ حضرت ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ تمہارے رب کے نزدیک کون سا عمل سب سے اچھا، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ والا ہے اور جو تمہارے سونے اور چاندی کے صدقہ کرنے سے اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا ہے کہ تمہارا تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر کرنا۔ (ترمذی/ابن ماجہ/المستدرک)۔ اس سے مقصود زبانی کلامی ذکر نہیں، بلکہ اللہ کی یاد کو دل میں بسانا ہے جو ہر لمحہ پیش نظر رہے۔ حضرت ابوہریرۃ اور حضرت ابوسعید، بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو قوم بھی اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتی ہے فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر اطمنان اور سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ ان کا ذکر فرماتا ہے، جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔ (مسلم/ترمذی/مسند احمد)۔

نماز کی ادائیگی بھی اللہ کے ذکر کا حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ کا ذکر، اہمیت، مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اس سے بڑا ہے، جتنا انسان اسے نماز میں کرتا ہے۔ نیز نماز میں انسان کا ذکر، بھی بندے کی نماز سے بڑھ کر ہے۔ ایک مفہوم، نیک اعمال میں اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ کا ذکر تمام اذکار سے بڑھ کر ہے (روح المعانی)۔

اللہ کا ذکر، نماز کے علاوہ جو کہ صرف محدود وقت کے لئے ہوتی ہے، سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کا مرتبہ، اس کی فضیلت اور برکت، اللہ کی یاد، نماز کے علاوہ بھی مومن کے دل میں ہر وقت جاگزین رہے۔ انسان کھیت میں ہو یا پہاڑ پر، جنگل میں ہو یا میدان میں، گھر میں ہو یا بازار میں، اللہ سے اس کا تعلق، اس کی یاد کی صورت میں ہر وقت ہونا چاہیے اور یہی ذکر کی کیفیت اور خصوصی تعلق سب سے بڑھ کر عبادت ہے۔

حضرت عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ: اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں، آپ مجھے بتایئے کہ میں کس عمل کو زیادہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری زبان ہمشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (سنن ترمذی/ابن ماجہ/المستدرک)۔ جب زبان پر ذکر ہوگا تو اس کا تعلق انسان کی سوچ اور دماغ/دل سے بھی ہوگا اور اسے ہر وقت، اللہ کے حضور سے خوف رہے گا۔ برائیوں اور گناہوں سے دور رہے گا۔

اللہ کے ذکر میں رزق حلال بہت ضروری ہے۔ رزق حلال نہ ہو تو نماز اور عبادت قبول نہیں ہوتی اور رزق

حلال یہ ہے کہ حلال مال، حلال طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ کوئی دھوکہ، جھوٹ، فریب اس میں شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر، حاضر اور ناظر ہے، لہٰذا انسان کو ہر عمل، نیکی یا عبادت کرتے وقت اس کا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام افعال نیک و بد معلوم ہیں اور وہ ریکارڈ میں ہیں۔ اس یقین کے ساتھ مسلمان کے کردار میں تبدیلی آجاتی ہے۔

وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تم اہل کتاب سے احسن انداز ہی سے بحث و تکرار کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہیں اور تم (ان سے) کہو: ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کی گئی اور (جو) تمہاری طرف نازل کی گئی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور (اے نبی) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی۔ پس جن کو ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں۔

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور آپ اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے (اگر ایسا نہ ہوتا) تب تو باطل پرست، شک میں پڑ سکتے تھے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

بلکہ یہ (قرآن) ان لوگوں کے سینوں میں آیات (محفوظ) ہیں جنہیں علم دیا گیا اور ظالموں کے سوا ہماری آیات کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

انہوں(کافروں) نے کہا،ان(رسول)پران کے رب کی طرف سے معجزات کیوں نہیں اتارے گئے؟(اے نبی) آپ کہہ دیجئے: بس معجزات تو اللہ کے پاس ہیں میں تو برسرعام عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

کیاانہیں(یہ معجزہ)کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر(یہ)کتاب نازل کی جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے،بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔

مباحثہ:۔

اہل کتاب سے مباحثہ کے بارے ہدایات ہیں۔اسلام دین ابراھیمی کا حصہ ہے اور ہمارے عقائد کے مطابق، ہم تمام انبیاء سابقہ اور الہامی کتب اور اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔لہٰذا جب بہت سے معاملات میں اتفاق ہے،مثلاً اللہ،فرشتے، قیامت، جزاوسزااور انبیاء سابقہ تو ہمیں بحث ومباحثہ اور دعوت وتبلیغ میں، تشدد کے بجائے مودت اور نرمی اختیار کرنی چاہیے،تاکہ نقطہ نظر سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو۔آپ اندازاہ لگا سکتے ہیں کہ اگراہل کتاب سے نرمی کا حکم دیا ہے،تو مسلمانوں کے اندر جو اختلاف ہیں،عقائد یا فقہ،کے ان کے بارے کیا حکم ہوگا،یعنی اپنے بھائیوں، جن کے ساتھ ایک ہی کلمہ،ایک ہی قبلہ،ایک ہی کتاب(قران)،ایک نبی مشترک ہے،تو وہاں تشدد کرنا،کفر کے فتوے لگانا،امت کے اندر فساد کرنے میں شیطان کی مدد کرنااور نبی ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہے۔

اہل کتاب:۔

اہل کتاب سے مراد قرآن مجید میں ،یہودی جو تورات اور زبور پر ایمان رکھتے اور عیسائی جو تورات، زبور اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔وہ ہمارے نبی ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے،اس لئے مسلمان نہیں۔جن یہودی یا عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا،وہ مسلمان ہو گئے اور جنہوں نے قبول نہیں کیا وہ اہل کتاب رہ گئے(ان کے لئے اصطلاح اہل کتاب ہے اور نبی ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لئے مسلمان ہے)۔

ان سے معاملہ میں نرمی کا ہونا ضروری ہے،کیونکہ ان کی خواتین سے نکاح اور ان کا کھانا بھی حلال ہے، حالانکہ ان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی ذات کے بارے عقائد اسلام سے پہلے موجود تھے اور ان عقائد کے

باوجود ان کو اہل کتاب کا لقب دیا گیا اور اجازت نکاح و غذا دی گئی۔ بعض علماء اپنی تشدد انہ مزاج کی وجہ سے تشدد کو پسند کرتے ہیں، اس لئے اس کے خلاف ہیں۔ لیکن یہ اسلامی روح کے منافی ہے۔ اسلام میں، تبدیلی مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ دعوت و تبلیغ کا مقصد، معلومات کا افراد تک مناسب اور بہترین طریقہ سے پہنچانا ہے، جس میں سننے، قبول کرنے کے امکانات زیادہ ہوں۔ کسی فرد کے قبول کرنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔ اس لئے اکثر سننے والے اپنے خیال پر ڈٹے رہتے ہیں۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے کہ "كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴿۳۲﴾ سورۃ الروم" کہ ہر فریق یا گروہ اپنے اعمال و عقائد پر خوش ہے۔ اسلام میں غیر مسلم افراد کی عبادت گاہوں کی حفاظت اور ان کو مذہب کی مکمل آزادی ہے۔ ظالم سے مراد، اہل کتاب میں سے وہ گروہ ہے، جو مسلمانوں کے خلاف عسکری طور پر برسرپیکار ہیں اور مسلمانوں کو اپنی ریاست میں مذہب پر عمل کی اجازت نہیں دیتے۔ اپنے دفاع کے لئے ان کے ساتھ جنگ کی اجازت اور ہجرت کی ضرورت بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ بیان کرتے ہیں اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے، پھر مسلمانوں کے لئے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا (بخاری شریف)۔ چونکہ مسلمانوں کو عبرانی نہیں آتی تھی اس لئے فرمایا کہ نہ تکذیب کرو نہ تصدیق، تاکہ واقعہ کے مطابق بات ہو۔ نبی ﷺ نے حضرت انس بن مالک اور دوسرے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی سیکھیں تاکہ تورات کے احکام کے بارے یہودیوں کی تشریح پر انحصار نہ ہو، کیونکہ وہ اکثر اوقات غلط تشریح کرتے تھے۔

اہل کتاب کی کتب سماوی اور دوسری کتب کا مطالعہ، اصحاب علم و علماء کے لئے ضروری ہے تاکہ ان کے اعتراضات اور ان کے عقائد میں جو خامی ہے اس پر ان کو مؤثر اور خوبصورت انداز میں مطلع کیا جائے اور جس طرح ایک اور آیت ہے "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴿سورہ النحل،125﴾" کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں ضد اور تکبر کا اظہار ہو رہا ہو، وہاں مباحثہ سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ بے سود ہوگا۔

توریت و انجیل کو برائے معلومات پڑھنا صحیح ہے، لیکن ہدایت کی آخری کتاب قرآن مجید ہے جو بھی موضوعات قرآن کے خلاف ہیں، وہ الہامی نہیں بلکہ افراد کی رائے ہے یا اضافہ ہے۔

قرآن مجید کو معجزہ کے طور پر بتایا گیا، کیونکہ نبی ﷺ نے کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی۔ آپ کا لقب نبی اُمی ہے، نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا، اس لئے یہ قرآن پاک اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے دل پر القاء وحی ہوا (بذریعہ حضرت جبرائیل) اور یہ معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ برکت رکھی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ذہنوں

میں مکمل طور پر محفوظ (از بر یاد) ہے۔ اسی طرح اور کوئی الہامی کتاب کو اس کے ماننے والوں نے یاد نہیں کیا۔ پھر نبی ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اس کو تحریر کیا گیا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق نے نبی ﷺ کے رمضان المبارک میں قرآن ختم (ترتیب) کرنے کے مطابق سارا قرآن ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں مکمل طور پر تحریر کروایا، ہر آیت کی تصدیق دو افراد نے کی اور بطور وثیقہ یا قانون محفوظ رکھا۔ (یہ نبی ﷺ کی وفات کے ایک سال کے اندر شروع ہو گیا)۔ پھر حضرت عثمان نے اسے لغتِ قریش میں تحریر کر کے تمام گورنروں کو بھیجا، تاکہ ایک وثیقہ اور قانون رہے۔ یہی نسخہ آج بھی موجود ہے اور ہمارے تمام نسخے اس کے مطابق ہیں بعد میں ان پر اعراب کا اضافہ کیا گیا تاکہ قرأت میں آسانی ہو۔

اس کی حقانیت کو بہت سارے اہل کتاب نے مانا، اور ان کی کتب میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اسی طرح مشرکین عرب نے بھی اس کے معجزہ کو تسلیم کیا اور اس پر ایمان لائے۔ معجزات کی عطا، اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، نبی تو صرف اس کا اظہار کرتا ہے۔ قرآن مجید قیامت تک انسانیت کی راہنمائی کے لئے معجزہ ہے اور رہے گا۔ اس پر ایمان لانے والے مسلمان اور عمل کرنے والے مومنین ہیں۔ ان کے لئے رحمت، نصیحت اور باعث بخشش و نجاعت ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

آپ کہہ دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان، اللہ بطور گواہ کافی ہے جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہو رہا ہے وہ اسے جانتا ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

مشرکین مکہ قرآن مجید کو معجزہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو جواب دیا ہے، کہ اس حقیقت، کو ان کا ماننا ضروری نہیں، کیونکہ واقع میں قرآن مجید، اللہ کا نازل شدہ کلام ہے۔ اللہ کی ذات، جو تمام زمین و آسمانوں کے واقعات کو جاننے والا اور کنٹرول کرنے والا ہے، وہ اس کا گواہ ہے اور یہ اس کی طرف سے ہے۔ اب اگر قریش مکہ، اپنے باطل عقائد و خیالات پر بضد ہیں اور اللہ کے احکامات سے انکار کرتے ہیں، تو وہ اس کی سزا پائیں گے اور نقصان میں رہیں گے۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں اور اگر (عذاب کا) وقت مقرر نہ ہوتا، تو انہیں عذاب ضرور آلیتا اور یقیناً وہ اچانک ہی آن پڑے گا اور انہیں خبر تک نہیں ہو گی۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

یہ لوگ (کفار) آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں اور بلاشبہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

اس دن ،ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے عذاب انہیں ڈھانپ لے گا اور اللہ فرمائے گا جو کچھ تم کرتے اس کا مزہ چکھو۔

کفار مکہ، نبی ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کا وحی الٰہی ہونے کا انکار کرتے۔ قیامت اور جزا و سزا کے بارے یقین نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ کہتے کہ عذاب آتا ہے، تو جلد آئے، کہتے کہ یہ عذاب کی دھمکی صحیح نہیں۔اس کا جواب ہے کہ عذاب کا وقت معین ہے، جو اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں وہ اس عذاب کے مستحق ہیں، اس میں جلدی ہو یا دیر، یہ یقینی ہے۔ کسی کی مانگنے یا اس کے بھاگنے، سے عذاب دور نہیں ہوگا۔ جب آئے گا، تو مجرم انسان، اس سے بچ نہیں سکیں گے۔اس کی مثال ایسی ہے جب کوئی چاروں طرف یعنی سر، پاؤں آگے پیچھے، ہر طرف سے آگ میں پھنس جائے۔ یہ دنیا میں بھی آسکتا ہے، جب اس کا حکم ہوگا اور اگر دنیا میں مؤخر ہوا، جس طرح نبی ﷺ کی ذات کی وجہ سے اللہ نے وہ عذاب جس میں ساری کی ساری قوم گناہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی تھی کو ختم کر دیا ہے۔اَب عذاب کی نوعیت، انسانی زندگی میں معاشی یا سماجی مشکلات ہیں جو معاشرہ پر مسلط ہو جاتیں ہیں اور زندگی عذاب بن جاتی ہے یا پھر ان کو قیامت کے بعد ان کے اعمال کے نتیجے میں، یہ سزا ملے گی اور پھر وہ سزا سے کہیں بھی بھاگ یا بچ نہیں سکیں گے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بلاشبہ میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی عبادت کرو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ہجرت:۔

کفار مکہ کے ظلم اور مسلمانوں، کو تنگ کرنے کے بارے حکم ہے، کہ اگر وہاں زندگی گذارنی مشکل ہے، تو اللہ کی زمین وسیع ہے اور انہیں دوسری زمین یا ملک میں ہجرت کر لینی چاہیے۔ اگر زندگی کو احکام الٰہی کے مطابق گذارنا مشکل یا ناممکن ہو اور دوسرے ساتھ کے ممالک میں نقل مکانی کرنا ممکن ہو تو ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔اس لئے یہ حکم

ہوا کہ مسلمان مکہ سے مدینہ کو ہجرت کریں تاکہ مدینہ میں اسلام کے مطابق زندگی گذار سکیں۔دوسری طرف اگر آدمی صرف انسانی آسائش اور معاشی فوائد کو دیکھتا رہے اور مذہب کے ارکان پر عمل کرنے کی پرواہ نہ کرے، تو انسانی زندگی کی مدت ویسے بھی محدود ہے اور ایک دن انسان دنیا کو چھوڑ کر چلے جانا ہے، اس صورت میں وہ اپنے عمل کے نہ کرنے پر جوابدہ ہوگا۔اگر اس نے مذہب پر عمل کرنے کے لئے ہجرت کی، تو اس کی جزا اللہ تعالیٰ، اسے دوسری زندگی بعد از موت دیں گے۔حدیث مبارک ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے دین کو بچانے کے لئے ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف ہجرت کی، اگرچہ وہ صرف ایک بالشت بھی چلا ہو، تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔اس نے حضرت ابرھیم اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع (ساتھ دیا) کی۔(قرطبیؒ)۔اللہ کی زمین وسیع ہے اس لئے اس کے احکام کی تعمیل کے لئے ہجرت ضروری ہے۔

ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خُدائے ماست

(سارے ممالک میرے ملک ہیں کیونکہ میرے خدا کی ملکیت ہیں)

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ غُرَفًا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ۙ﴿۵۹﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو ہم جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔عمل (محنت) کرنے والوں کے لئے کیا خوب (اچھا) بدلہ ہے۔

الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۶۰﴾

جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ٭ اَللّٰهُ یَرۡزُقُهَا وَ اِیَّاکُمۡ ۫ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۰﴾

اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اُٹھا کر نہیں پھرتے، اللہ ان کو روزی دیتا ہے اور تم کو بھی (دیتا ہے) اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے ہجرت کا حکم دیا گیا۔اب ہجرت کرنے والے، مختلف مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ایک طرف، وہ جس معاشرہ میں رہتے ہیں، ان کی معاش کا سلسلہ چل رہا ہوتا ہے۔بعض اوقات یہ سلسلہ بہت عمدہ طریقہ سے کام کر رہا ہوتا ہے۔اس صورت میں ہجرت کر کے کسی دوسرے علاقہ یا ملک میں جانا، ایک شدید معاشی

مسئلہ بن سکتاہے، کیونکہ موجودہ کام توہر صورت ختم ہو جائے گااور آگے جہاں کامیابی کے امکانات ہیں وہاں ناکامی کے بھی ہیں۔اس مشکل سے نکلنے کے لئے تسلی فرمائی کہ اس دنیامیں لاکھوں جاندار زندہ رہ رہے ہیں۔وہ عقل و سمجھ میں انسان سے کمتر ہیں، لیکن ان کو رزق ملتاہے۔ایک حدیث کے مطابق پرندے صبح کو گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور رات کو پیٹ بھر کر جاتے ہیں۔(ترمذی)۔اسی طرح انسانوں کے رزق کا بھی بندوبست ہے، لیکن عمل اور محنت کی ضرورت ہے،اسی طرح محنت کرکے نئی جگہ یاعلاقہ میں بھی رزق کمایاجاسکتاہے بلکہ زیادہ بہتری کے امکان ہیں۔

یہ اشارہ ہے کہ عمومی زندگی میں ذخیرہ نہ کیاجائے،البتہ کسان اپنی زمین کی فصل سے گھر کے لئے سال بھر کا خرچ(گندم)رکھ سکتاہے۔

دوسرامسئلہ ہجرت کرنے والوں کو مقامی افراد یا قوت کی مخالفت اور دوران سفر بھی مشکلات کا خطرہ رہتا ہے۔اس لئے فرمایاکہ زندگی نے ویسے بھی ایک دن ختم ہو جاناہے، سفر ہو یاحضر(گھر)۔اس لئے کفراور گناہ کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ ہجرت کرنے والے تب اہل ایمان ہوتے ہیں،اگران کی ہجرت اللہ کے احکام پر عمل کے لئے ہو۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ہجرت جس مقصد کے لئے ہوگی،اس کااجر بھی اس کے مقصد کے مطابق ہوگا۔اگرمال و دولت یاکسی عورت کی محبت وعشق میں کی،تواس کااجراس کے حصول پر ختم ہوگااوراگراللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے کی،تواس کااجراللہ تعالیٰ پر ہوگا۔اعلیٰ درجہ کی ہجرت انسانی زندگی میں معصیت سے اطاعت کی طرف سفر کرناہے ۔اسی طرح صوفیاء کے نزدیک وسعت ارض سے مراد،اگرعارف ایک مکان پر رک جائے،تودوسرے علاقہ میں جاکر بسط وکشادگی یاترقی کے لئے سفر جاری رکھے۔

اللہ تعالیٰ کے تابعدار(مومنین) بندوں کے لئے جو نیک عمل کرتے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں تکالیف پر صبر اور توکل کرتے ہیں،اُن کا جنت میں اعلیٰ مقام ہے۔ توکل کا مطلب،اسباب کی نفی نہیں،بلکہ صرف اسباب پر یقین کرلینا،توکل کے خلاف ہے۔ جنت کی وسعت کا حساب نہیں،اسی لئے جنت میں درجات انسانوں کے اعمال کے مطابق ہوں گے، لیکن انسان کی عادات وخصائل بالکل مختلف ہوں گے۔ تمام عادات رذیلہ(خراب عادات) ختم ہو جائیں گی۔ کینہ،حسد،بغض، نفرت، نہیں ہوں گی،بلکہ محبت ہوگی۔درجات کے اختلاف کے باوجود حسد نہیں ہو گی۔ جنت کے مقام کی جھلک بیان کی ہے،کہ بالاخانہ ہوں گے،گھر گویامحل ہوں گے، جن میں چشمے بہتے ہوں گے اورپر سکون ودلفریب منظر ہوگا۔یہ سب صبر اور نیک اعمال کابدلہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ کی ذات سمیع وعلیم ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے کنٹرول کیا ہوا ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ ہے پس وہ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق بڑھا کر (کھلا) دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے (محدود) تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل (بارش) کیا پھر زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (پودے اگائے) تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے؛ آپ کہیے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں لیکن اکثر لوگ عقل (غور و فکر) استعمال نہیں کرتے۔

رزق کی تنگی اور فراخی:۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت اور اس کے درجات یعنی ثواب کے بعد، اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کے علمی و سائنسی دلائل ہیں۔ یہ اس قدر واضح ہیں کہ ہر شخص جو معمولی سمجھ و بوجھ رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ نظام زندگی جس میں ہر روز سورج کے نکلنے سے دن شروع ہوتا اور غائب ہونے سے رات آجاتی ہے۔ دن کو آدمی کام آسانی سے کر سکتا ہے اور رات کو سوتا ہے۔ پھر سردیاں، گرمیاں، بہار اور خزاں، برسات کے موسم آرہے ہیں، جو کسی انسان کی قوت سے نہیں، کسی اور عظیم قوت کے حکم سے، یہ نظام لاکھوں سال سے چل رہا ہے۔ اس زندگی، کی جدوجہد میں انسان کمزور اور ننھا بچہ ہوتا ہے، پھر وہ بڑھتا اور جوان ہوتا اور زندگی کے سفر میں لگ جاتا ہے۔ اپنی کمائی کرتا ہے۔ اس جدوجہد میں کبھی وہ سو فیصد کامیاب ہوتا، کبھی اس کی جدوجہد سے بڑھ کر اسے نتیجہ ملتا ہے اور کبھی اس کی جدوجہد سے کم تر نتیجہ ملتا ہے۔ انسانی جدوجہد کا نتیجہ، اللہ کے نظام عدل اور نظام کائنات (اسباب اور ان کے نتائج) پر ملتا ہے، لیکن کبھی نتیجہ بہت اچھا ہوتا ہے جس کے بارے فرمایا کہ میں رزق کو بڑھا دیتا ہوں اور کبھی کوششوں کے باوجود مطلوبہ حد تک رزق نہیں ملتا اور تنگی رہتی ہے۔ یہ رزق کا محدود یا تنگ ہونا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق اس عمل، میں بھی انسان کے لئے خیر و برکت ہے کیونکہ کچھ افراد، رزق کی فراخی سے گمراہ، کچھ افراد رزق کی تنگی سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور کچھ افراد کے لئے ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح دن رات گذار کر انسان کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔

یہ واقعات ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں اور جس ایک عظیم، قوت وطاقت پر یقین رکھتے ہیں، اہل ایمان اسے اللہ کی ذات قرار دیتے ہیں اور جو صرف اسباب کو دیکھتے ہیں، وہ نظام کائنات کہتے ہیں۔ بدقسمتی سے مذاہب میں شدت اور ایک دوسرے پر جبر وتشدد کی وجہ سے لوگ مذہب کے خلاف ہوگئے۔ بالخصوص عیسائیت میں یہ کافی دیر تک فساد ہوتا رہا، جس کی وجہ سے اہل مغرب کے عیسائی ممالک کے افراد اپنے ہی مذہب کے خلاف ہوگئے اور حکومتیں لادینی (غیر مذہبی) بنیاد پر قائم ہوگئیں۔اس کے ساتھ سرمایہ داری کے خلاف کمیونزم نے بھی لادینیت کو قبول کیا، کیونکہ سرمایہ داری نظام، چرچ کے ساتھ تھا۔اب مسلم امت کے لئے یہ واقعات آنکھیں کھولنے کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح فرقہ واریت اور تشدد اسلام کے اندر کئی سالوں سے حقیقت اسلام سے لاعلم افراد جاری کر رہے اور کچھ علماء سوء، اپنی ذاتی مفاد کی خاطر اس کو محبت وعزیمت کا نام دے رہے ہیں، یہ بھی کچھ عرصہ بعد نوجوانوں میں مذہب سے نفرت پیدا کر دے گا اور اسلام کا انسانی محبت اور احترام کا پیغام، نادان مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہو جائے گا۔ قرآن و حدیث کا بغور مطالعہ اور رسول اللہ ﷺ کا کردار سمجھنا بہت ضروری ہے۔

مخلوق اور خالق:۔

ان شواہد کے علاوہ، سطح زمین پر فصل کا اگنا، درختوں اور پھلوں، پھولوں کا نشو نما، خزاں میں سب کا ختم ہو جانا۔ بہار میں خشک زمین سے بارش کے بعد پودوں کا نکلنا، عام انسانوں کے لئے بھی ایک غور وفکر کی دعوت ہے اور اسی طرح سائنسدانوں کے لئے بھی اعلیٰ درجہ پر ہے۔اس سے انسانوں، حیوانات اور پرندوں کو رزق ملتا ہے۔ پانی یعنی بارش کا کردار بہت اہم ہے۔ بارش کے پانی سے جھیل، دریا اور زیرِ زمین پانی جذب ہوتا ہے، لیکن ان تمام امور کو سمجھنے کے لئے علم وعقل کا استعمال بہت ضروری ہے۔ یہ سب نعمتیں، جس نے انسان کو زمین پر مہیا کی ہیں، وہ ذات، تعریف وحمد کے لائق ہے۔ وہ ذات خالق ومالک کائنات ہے۔ قریش مکہ بھی اللہ کے وجود کے قائل تو تھے اور تقریباً ہر انسان مافوق الانسان طاقت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ کے وجود یا طاقت کا احساس رکھتا ہے۔ اگر کوئی واضح اقرار نہیں کرتا تو اس کی ہٹ دھرمی ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً سات سو (700) سے زائد مقامات پر غور وفکر، حواس خمسہ کے استعمال (آنکھ۔کان۔عقل) کا ذکر آیا ہے جو انسانوں کو بالخصوص مسلمانوں کو علم کی ترغیب اور تحقیق کی طرف رغبت دلانے کے لئے ہے۔ سمجھ سے یقین کا مرتبہ، زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور بلاشبہ دارِ آخرت (دائمی زندگی) ہی

(اصل) زندگی ہے، کاش لوگ جانتے ہوتے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾

پھر جب وہ (کفار) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ انہیں (سمندر سے) بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں اور تاکہ وہ فائدہ اُٹھائیں۔ پس جلد وہ (اس کا انجام) جان لیں گے۔

انسان کے کردار کا ذکر ہے۔ قرآن مجید ہدایت کی کتاب اور اس کا موضوع انسانی ہدایت ہے۔ انسان کا کردار بہت اہم ہے۔ شیطان، انسان کو مختلف توہمات کی بنیاد پر، اللہ کے وجود، اس کے احکام ماننے سے باغی بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر، اس کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے کوشش اور حرکت کرنے کو رکھا ہے۔ بھوک کی وجہ سے غذا تلاش کرتا ہے، سردی سے بچنے کے لئے گھر بناتا ہے۔ انسان کے اندر مختلف جسمانی خواہشات اور کچھ عادات ہیں، جس میں لالچ، خود نمائی، دوسروں پر غلبہ پانا، محبت، نفرت، جن کی بناء پر وہ دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں ہر وقت سرگرم رہتا ہے۔ ان امور کی بناء پر دنیا کو مذموم کہا گیا ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی اس طرح کی زندگی جو دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بنے، کو عذاب کہا گیا ہے اور اس سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ ساری جدوجہد کچھ عرصہ بعد انسان کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور انسان خود بے بس اور کمزور ہو جاتا ہے۔ انسان کی موت کے ساتھ، اس کا سارا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کو کھیل تماشہ کہا گیا ہے۔ دنیا کا مطلب یہ زندگی ہے، جو ہم پیدائش کے بعد، موت تک زمین پر گذارتے ہیں اور چونکہ یہ پہلی زندگی ہے، اس لئے قریب کی زندگی ہے اور دوسری زندگی قیامت میں اُٹھنے، یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہوگی اور وہ دوسری زندگی، دائمی ہوگی۔ اس لئے اسے اُخروی زندگی کہا گیا ہے۔ اس زندگی کے بعد موت نہیں ہوگی۔ اگر اس زندگی میں آرام ملا، تو دائمی ہوگا اور اگر سزا ملی تو دائمی ہوگی۔ اس سزا اور انعام و آرام کی بنیاد، ہماری اس پہلی دنیاوی زندگی کے اعمال ہوں گے۔ اللہ کے احکام پر عمل، اچھے اعمال ہیں، جن کی جزا اور انعام آرام اور سکون (جنت) ہے۔

عموماً انسان دنیا میں غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور احکام الٰہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، لیکن جب کوئی مشکل ترین وقت آجاتا ہے، جیسے سمندر کے سفر میں کوئی مسافر

کشتی سخت طوفان میں پھنس جائے یا فضاء میں ہوائی جہاز ہچکولے کھانے لگ جائے اور بچنے کی کوئی صورت نہ ہو، سوائے طوفان کے کم ہونے کے تو پھر انہیں مافوق الانسان قوت کی یاد آتی ہے، یعنی اللہ کو مان لیتے ہیں اور اس کا ذکر کرتے ہیں، لیکن جونہی یہ مشکل ختم ہو جاتی ہے، تکلیف یا مرض ختم ہو جاتی ہے، پھر اپنی خواہشات پر چل پڑتے ہیں، اللہ کی نعمتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں، لیکن اللہ کے احکام کو بھول جاتے ہیں۔ ان اعمال کی بناء پر جب وہ اس دنیا سے جائیں گے یا دوبارہ مشکل میں گرفتار ہوں گے تو حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی، لیکن اس وقت وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِہِمۡ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَ بِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۶۷﴾

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے حرم (مکہ) کو پرامن بنایا ہے جب کہ لوگ اس کے ارد گرد اچک لئے جاتے ہیں۔ کیا وہ پھر باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا، یا جب حق اس کے پاس آیا تو اس نے اسے جھٹلا دیا۔ کیا ایسے کافروں (انکار کرنے والوں) کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے (یعنی جہنم ہی ہے)۔

وَ الَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۶۹﴾

اور جو لوگ ہماری راہ میں جہد مسلسل کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

کفار مکہ پر اللہ کے احسانات کا ذکر ہے، کہ خانہ کعبہ کی وجہ سے وہ سارے عرب میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ خانہ کعبہ کی وجہ سے مکہ کا شہر حرم ہے یعنی جس میں دنگا فساد منع ہے۔ وہاں جرائم نہیں ہوتے، جبکہ ساتھ ہی قبائل میں جنگ و جدل، لوٹ مار رہتی ہے، پھر حج پر لوگ آتے ہیں۔ کعبہ کی زیارت کرتے ہیں اور اس طرح مکہ میں زراعت نہ ہونے کے باوجود معاشی اور تجارتی ترقی جاری رہتی ہے۔ لیکن اہل مکہ، کو جب اللہ کا پیغام، دین اسلام، حضرت ابراھیم واسماعیل علیہم السلام کے دین کے بارے پیغام دیا جارہا ہے تو وہ انکار کر رہے ہیں۔ وہ حضرت ابرھیم کے دین، بت پرستی اور اللہ کے بارے غلط عقائد کے جھوٹ میں ملوث ہیں اور یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ خالق اور ربِ عظیم کو

چھوڑ کر وہ بتوں کی پوجا اور مدد لیتے ہیں۔اس کی سزا جہنم ہے۔

کفار کے ذکر بعد جو لوگ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ان کی عظمت اور مقام کا ذکر فرمایا، کہ اللہ کی راہ میں کوشش کرنے والے اپنی ساری توانائیاں صرف کرنے والے بہت عظیم ہیں۔مشکلات ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں،وہ اپنی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات،ان کے لئے مختلف راہیں کھولتی ہے۔ان کے حوصلے پست نہیں ہوتے، ناکامی ان کی کامیابی کا زینہ بنتی ہے۔یہ جدوجہد یا جہاد مسلمان کا اسلام کے احکام پر عمل کرنا ہے۔جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے باطن کو منور فرماتا ہے۔دوسری طرف،ان کے نفس کی خواہشات کو کنٹرول کرنا ہے،جس کا مرکز نفس امارہ ہے اور یہ بہت مشکل عمل ہے۔کیونکہ انسانی خواہشات کا مرکز،اس کا اپنا دماغ ہے جو ہر وقت متحرک رہتا ہے۔اس لئے اس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ایک حدیث کے مطابق،جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اس کے علم میں اضافہ فرما دیتے ہیں (مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔ در منثور للسیوطی)۔ علم کے مطابق عمل کرنا بھی جدوجہد کا حصہ ہے۔

صوفیاء کرام کے مطابق، جو افراد اپنے ظواہر کو مجاہدات سے مزین کرتے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کو مشاہدات ربانی عطا کرتے ہیں اور جو ظاہر میں وظائف میں مشغول رہتے ہیں،ان کے اسرار لطائف سے جاگ اُٹھتے ہیں اور جو عبادات ونوافل میں تھکان اُٹھاتے ہیں،وہ وصل کی خوشی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں، جہاد نفس کی ابتداء، محرمات (ممنوع امور) کو چھوڑنا ہے۔پھر ان امور کو، جن کا عمل کچھ مشکوک ہوں۔ پھر وہ اعمال جو بے کار ہوں،پھر سارے اوقات اللہ کی یاد میں صرف ہوں۔ یہ امور،ان حضرات کے لئے ہیں،جن کے لئے دنیا کے معاملات میں کوئی ذمہ واری وفرائض نہیں، مثلاً اولاد،بیوی اور والدین،رزق حلال مشکل نہیں۔اسلام،دنیا میں اپنے حصہ کو صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کو بھی عبادت قرار دیتا ہے۔نبی ﷺ کا طریقہ حیات ہی سب سے خوبصورت کامیاب اور مقبول راستہ ہے۔ پھر اس سفر میں وہ لوگوں پر احسان اور بھلائی کرتے ہیں۔ جس کی جزا وانعام بہت زیادہ ہے۔

ایک حدیث کے مطابق،احسان یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرے کہ گویا،وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا تو اسے یہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اسے دیکھ رہی ہے (بخاری/مسلم)۔ اس طرح اس کی عبادت میں خشوع وخضوع اور انہماک بہت بڑھ جاتا ہے اور یوں عبادت مقبول ہوتی ہے۔

ایک اور احسان کا مقام یہ ہے کہ انسان اپنے حصہ سے کم لے اور دوسرے کو اس کے حصہ سے زیادہ دے۔ عدل یہ ہے کہ برابر دے اور برابر لے۔احسان کا مقام عدل سے اوپر ہے۔آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا

حکم دیتے ہیں۔ محبّان خدا عدل سے بڑھ کر احسان کرتے ہیں اور اللہ کی محبوبیت کا مقام کو حاصل کرتے ہیں۔

سورت کی ابتداء ان الفاظ سے ہوئی کہ کیا لوگ دعویٰ اسلام کرنے کے بعد، بغیر آزمائش کے کامیاب قرار دیئے جائیں گے؟ نہیں؛ بلکہ ان کو آزمائشوں کے مرحلوں میں گذرنا پڑے گا اور سورت کے آخر میں یہ نوید سنائی گئی کہ جو لوگ اس جدوجہد میں شامل ہوں گے، کامیابی ان کا مقدر ہوگی اور وہ اللہ کے قریب ترین لوگوں کا اعزاز حاصل کریں گے۔

الحمدللہ آج بتاریخ 6 جون 2022 عیسوی بمطابق 7 شوال المعظم 1443 ھجری سورت العنکبوت مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کی ساری تفسیر مکمل کرنے اور کلمہ حق بیان کرنے اور اس کی صحیح تاویل کی توفیق عطا فرما کر قارئین کے لئے ہدایت اور میرے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ خاتم النبیین۔

30- سورۃالروم

تعارف:۔

سورۃالروم مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس میں ساٹھ(60)آیات اور چھ(6)رکوع ہیں۔ترتیب کے لحاظ سے تیسواں(30)اور نزول کے اعتبار سے چوراسی(84)نمبر ہے۔سورت کا نام روم کے مغلوب اور غالب ہونے کے بارے آیت نمبر 2اور 31 میں ذکر سے ہے۔سورت میں قرآن مجید کی گئی پیشن گوئی تھی جو ثابت ہوئی۔کفار مکہ کے روساء نے قرآن مجید کی پیشن گوئی کے خلاف شرط لگائی تھی جس میں ان کو ناکامی ہوئی تھی اور اس پر کافی لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

سورت کی ابتداء،سورت العنکبوت کی طرح حروف مقطعات سے ہے۔سورت العنکبوت کی آخری آیت بھی اللہ کی راہ میں کوشش کرنے والوں کی کامیابی کی نوید پر تھی،اسی طرح سورت الروم کی ابتداء بھی رومیوں کے دوبارہ غالب اور مسلمانوں کے غالب ہونے کے بارے میں ہے۔

سورت الروم میں رومیوں کی دوبارہ کامیابی کی نوید دی گئی کہ وہ چند سالوں کے اندر ایرانیوں کو مغلوب کر لیں گے۔سورت العنکبوت میں وجود باری تعالیٰ کے اجمالی دلائل تھے،جب کہ سورت الروم میں زیادہ تفصیل دی گئی ہے جو سائنسی علوم کی بنیاد پر ہے۔حیات بعد از موت کا ذکر اور دلائل ہیں۔انسانی معاشرتی (ازدواجی) تعلقات کا ذکر ہے۔

یہ بتایا گیا کہ اسلام دین فطرت ہے جو اس پر قائم رہے گا وہ فطرت پر قائم رہے گا اور جو انحراف کرے گا وہ فطرت سے انحراف کرے گا۔مسلمانوں کو دین اسلام پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

روایت کے مطابق سورت الروم, سورت الانشقاق کے بعد اور العنکبوت سے پہلے نازل ہوئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾

الف۔لام۔میم

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ رومی مغلوب ہوگئے (ایرانیوں سے)۔

فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾

قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب دوبارہ غالب ہوں گے۔

فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾

چند سالوں میں۔پہلے اور بعد (ہر حالت میں) حکم اللہ ہی کا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے (فتح پر)۔

بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾

اللہ کی مدد سے وہ جس کو چاہتا ہے مدد (کامیابی) دیتا ہے اور وہ بہت غالب بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾

اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۟ وَ ہُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾

وہ (لوگ) دنیا کی ظاہری زندگی (معاملات) کا علم رکھتے ہیں اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے اور اس میں حروف مقطعات کے بعد قرآن مجید کا ذکر نہیں کیا گیا۔اسی طرح سورت العنکبوت میں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ حروف مقطعات کے بارے سورۃ البقرہ میں تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

شانِ نزول:۔

مکہ کے مشرکین و کفار اپنے کفر و بت پرستی کی وجہ سے اہل کتاب یعنی یہود اور نصرانیوں کے مقابل ایرانی بادشاہوں کو پسند کرتے تھے کہ وہ آتش پرست اور آخرت یا قیامت کے قائل نہیں تھے۔اس دوران رومیوں، جن کی حکومت موجودہ شام و فلسطین کے علاقہ پر تھی، کی لڑائی ایرانیوں سے ہوتی رہتی تھی۔اسی دوران ایران کے بادشاہ کسریٰ نے رومیوں کو شکست دی اور ان کے قبضہ سے یہ علاقے لے لئے بلکہ ان کو یونان کی طرف دھکیل دیا۔اس خبر پر قریش مکہ بہت خوش ہوئے۔ نبی ﷺ کو جب خبر ملی تو آپ کو رومیوں کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے رنج ہوا۔قریش مکہ

نے مسلمانوں کو طعنے دینے شروع کئے کہ اہل کتاب شکست کھا گئے اور تم لوگ بھی ان کی طرح شکست کھاؤ گے۔

جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں اور حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع ملی، تو انہوں نے بلند آواز میں ان کو تلاوت کیا اور امیہ بن خلف (سردار مکہ) نے ان آیات کے خلاف حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ جھوٹ ہے اور تمہارا نبی اور تم جھوٹ کہہ رہے ہو اور اگر سچے ہو تو شرط لگالو۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ تین سال کے اندر اگر شکست ہوئی تو تم دس اونٹ اور اگر نہ ہوئی میں دوں گا۔ اس وقت شرط لگانا حرام نہیں تھا۔ شرط کے بارے احکام مدینہ شریف میں نازل ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس شرط کی خبر نبی ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا تین سال کی مدت کم ہے ، کیونکہ بِضْعِ کا لفظ دو سے لے کر نو (9) سال تک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے تم مدت بڑھادو اور اس کی تجویز اس طرح دو کہ مدت بھی بڑھادو اور رقم بھی بڑھادو۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب امیہ بن خلف سے ذکر کیا کہ تین سال کی مدت صحیح نہیں، تو اس نے کہا تم گھبرا گئے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ نہیں ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ بِضْعِ کا مطلب مدت نو سال ہے۔ میں مدت نو سال کرتا ہوں اور اونٹوں کی تعداد بھی سو کر دیتا ہوں جس کو امیہ بن خلف نے قبول کر لیا۔

یہ شرط موجود رہی، حتیٰ کہ بعض مؤرخین نے غزوہ بدر اور اکثر نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اطلاع ملی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دے دی ہے۔ یہ تقریباً نو سال سے کم عرصہ میں ہوا اور اس طرح حضرت ابو بکرؓ کی بات سچی نکلی (شرط جیت گئے) اور انہوں نے سو اونٹ وصول کئے اور نبی ﷺ کے سامنے حاضر کر دیئے۔ جن کو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا بلکہ ''سُحت'' کہا یعنی معیوب مال یا باعث عار ہو اور انہیں ذبح کر کے تقسیم کرنے کا حکم دیا، جسے حضرت ابو بکرؓ نے حکم کے مطابق ذبح کر کے تقسیم کر دیا۔ مسلمانوں نے خوشی منائی۔ قرآن مجید کی پیشن گوئی پوری ہوئی اور کافی افراد اس واقعہ کے بعد قرآن مجید کے کلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

اسلام میں شرط اور جواء حرام ہے جس میں ایک طرف سارا مال ہو اور دوسری طرف سراسر نقصان ہو۔ یہ واقعہ چونکہ قبل از ہجرت تھا، اس لئے اجازت تھی بعد میں ممنوع ہوا۔ نبی ﷺ نے اسے سُحت کہا۔ کچھ علماء سُحت کو حرام سمجھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اسے تقسیم کر دیا۔ یہ ایک خصوصی نوعیت کا واقعہ تھا۔ اونٹوں کو، امیہ بن خلف کے ورثاء کو واپس کرنے یا حضرت ابو بکرؓ اسے استعمال کرتے، کے بجائے غرباء میں صدقہ زیادہ مناسب تھا۔ اس وقت مکہ فتح نہیں ہوا تھا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دارالحرب میں فاسد معاہدے، جائز ہیں کیونکہ دارالحرب میں اسلام کی حکومت نہیں ہوتی، وہاں تو مسلمانوں کی زندگی مشکل میں ہوتی ہے اور جنگ کی حالت ہوتی ہے۔ دوسرے علماء

(فقہاء) نے اختلاف کیا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

پھر خوشخبری دی کہ چند سال بعد وہ رومی کامیاب ہوں گے اور پھر کامیاب ہوئے۔ مسلمان بھی خوش ہوئے کیونکہ کرسچین اور یہودی، حضرت ابراھیمؑ کے تابع ہیں اور کئی چیزیں مشترک ہیں۔ ہم سب کا خدا ایک واحد لاشریک ہے۔ رومیوں کی کامیابی میں ان کو اللہ کی نصرت شامل تھی۔ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی کسی بھی لڑائی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیابی اور ناکامی، اللہ کا حکم کے ماتحت ہوتی ہے۔ اللہ کی ذات بڑی قوت، غلبہ والی اور رحم کرنے والی ہے۔

وعدہ کی اہمیت:۔

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کی پابندی کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ ''عہد کے بارے پوچھا جائے گا (القرآن)''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں کا یقین دلایا ہے کہ وہ وعدے کے خلاف حکم نہیں دیتا۔ وعدہ دراصل مستقبل میں وقوع ہونے والے عمل کی خبر دینا ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا غلط اور باعث ملامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی وعدے قرآن مجید میں کئے ہیں یا انعام اور سزا کے بارے فرمایا ہے وہ سب پورے ہوں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جو رومیوں کے بارے اطلاع دی وہ سچ ثابت ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مومنین سے وعدے اور کافروں (انکار کرنے والوں) کی سزا (وعید) کے فرمان بالکل صحیح ہیں اور ان پر ہمیں یقین ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رحم کا بھی ذکر فرمایا۔ انسان اگر غلطی کرتا ہے تو متاثرہ شخص کو، اس کی حق تلفی یا اس کی عدم موجودگی میں اس کے ورثاء کو پوری کر دے تو وہ معاف کر دیا جائے گا۔ حقوق اللہ میں توبہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیں گے اور اس کی سزا معاف کر دیں گے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مایوسی اور منفی انداز سوچ کو ختم کیا جائے اور اچھائی اور بھلائی کی طرف انسان آگے بڑھے۔

دنیا کا علم:۔

چونکہ مکافات عمل (اعمال کا بدلہ)، اللہ تعالیٰ اس دنیا میں فوراً آدمی کو نہیں دیتے اور اس میں طویل مدت سالہا سال کی مہلت ملتی ہے۔ کبھی دنیا میں سزا بھی نہیں ملتی، اس لئے لوگ, اللہ کے وعدوں پر پورا ایمان نہیں رکھتے، جس طرح کہ رکھنا چاہیے اور غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے لاعلم رہتے ہیں۔ انسان، صاحبِ عقل و فہم مخلوق ہے۔ انسان کے عقل (دماغ) کو اللہ تعالیٰ نے بڑی استعداد عطا فرمائی، جس کی وجہ سے فرشتوں سے بھی بلند تر مقام ہے اور وہ یہ ساری عقل، اپنی ضروریات زندگی اور آسائشوں کے حصول کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دنیا کے جتنے بھی علوم آج موجود ہیں، وہ سب انسانی سوچ کے ذریعے وجود میں آئے۔ جتنی زبانیں ہیں وہ بھی اسی ذہن کی تخلیق ہیں۔ اس لئے بار بار

قرآن مجید نے تاکید کی ہے کہ علم کی جستجو، تجزیہ اور اسباب کو مسبب الاسباب کی تلاش میں استعمال کیا جائے اور خالق کائنات کو قبول کیا جائے، پھر اس کی عظمت واضح ہو جاتی ہے اور اس کے احکام پر عمل بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے لوگ، صرف اپنی ذات یا معاشرے کے خصوصی مفاد تک جستجو کرتے ہیں۔ خالق کائنات کے وجود، طاقت و قوت پر غور نہیں کرتے۔ اس وجہ سے اپنی آخرت (موت کے بعد زندگی) اور دنیا کی زندگی میں، اعمال کی بناء پر انعام یا سزا کے یقین سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں آخرت میں رسوائی اور سزا ہو گی۔

اہل صفاء (صوفیاؒ) کی تفسیر میں، اس سے مراد انسان کا ظاہری اشیاء میں کھو، کر حقیقت کو بھول جانا ہے۔ حواس ظاہرہ کو ماننا اور باطن اور روح کو بھول جانا اور فیضانِ الٰہی سے محروم ہو جانا ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

کیا وہ اپنے نفسوں (وجود و عقل) میں غور نہیں کرتے۔ جو اللہ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو مکمل نظام (حق کے نظام پر) کے ساتھ اور ایک مقرر (معین) مدت کے لئے پیدا کیا ہے اور بے شک اکثر لوگ اپنے رب سے ملاقات (دوبارہ زندہ ہونا) کے منکر ہیں۔

انسانی وجود (میڈیکل سائنس):۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اعلیٰ ہے۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ لوگ اپنے نفسوں یعنی اپنی عقل و سمجھ استعمال کر کے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت و استعداد دی ہے، اس کے ذریعے زمین اور خلاء (آسمانوں، ستاروں) میں جو چیزیں ہیں یا جو زمین پر مواد ہے مثلاً درخت، دریا، سمندر، پہاڑ، پھل، پودے، جانور، حشرات یعنی لاکھوں اشیاء موجود ہیں جو اپنی طرف غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ ان کے اسرار انسانوں پر غور و فکر کے بعد کھل رہے ہیں۔ انسان ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اگر ان میں غور و فکر کریں تو ان کے خالق و مالک تک انسانی عقل پہنچ سکتی ہے۔ یعنی اس کے وجود کو مان جائے گی اگرچہ ان کو آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس میں صرف مخلوق و اسباب نظر آتے ہیں۔

ایک اور مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے وجود پر غور کرے، کیونکہ یہ کرنا آسان ہے۔ انسان اپنی تکلیف اور آرام جلد معلوم کر لیتا ہے بہ نسبت دوسرے حیوانات و نباتات کے، اس لئے غور کرے کہ بچہ کس قدر کمزور ہوتا ہے تمام حواس سے عاری ہوتا ہے۔ پھر اس میں نشو و نما اور قوت، وقت کے ساتھ ساتھ ماں اور باپ کی توجہ، غذا، حفاظت سے پیدا ہوتی ہے اور توانا انسان بن جاتا ہے، جس میں عقل و فہم موجود ہوتا ہے۔ اس کے اندر جسم میں بڑھنے کی صلاحیت، بیماریوں سے دفاع کی قوت، اعضاء کی حرکت و قوت، ایک پندرہ انچ اور چھ یا سات کلو گرام کا بچہ ایک طویل مدت کے

بعد پانچ سے چھ فٹ اور پچاس سے اسی کلو گرام کاانسان بن جاتاہے۔ پھر یہی انسان کمزور ہو کر بالکل محتاج اور پھر اس دنیا سے نہ چاہنے کے باوجود ختم کر دیا جاتاہے۔ آج اگر دیکھیں تو لاکھوں انسان ڈاکٹرز، نرسز، فارمسٹ (ماہراد ویات)، کیمسٹری، سرجری سے متعلق صرف انسانی جسم پر تحقیق کر رہے ہیں اور نئے نئے انکشافات مل رہے ہیں۔ یہ ساری معلومات انسان کو پیدا کرنے والی ذات کی قوت، علم، طاقت پر دلیل ہیں اور وہی خالق کائنات ہے۔ اس زمین پر ہر چیز انسان کے سامنے ختم ہو رہی ہے۔ تمام جاندار ایک دن ختم ہو جاتے ہیں جس طرح انسان موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ تمام درخت، پودے، پھول، پھل سب ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے بنانے والے (خالق) نے ان کو متعین مدت کے لئے پیدا کیا، جب اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے، تو اس کا وجود ختم ہو جاتاہے اور یہی انسان کے ساتھ بھی ہو رہاہے۔

دوبارہ زندگی:۔

آیت میں ہے کہ معین مدت کے بعد یہ سب ختم ہو جائے گا جس طرح دنیا پر ہمارے سامنے ہر جاندار ختم ہو رہااور ہماری خلاء کی تحقیقات (کاسمولوجی) بھی یہی کہتی ہے کہ نظام شمسی سورج کے ختم ہونے سے ختم ہو جائے گا۔ انسان، ان علوم میں مہارت اور ترقی کے باوجود اپنے انجام کی طرف توجہ نہیں دیتااور اس سے غافل ہے۔

ان تمام شواہد کو دیکھتے ہوئے جو الہامی کتابوں میں کہا گیاہے کہ انسان دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب دے گا بالکل صحیح طور پر واقع ہو گا، لیکن لوگ چونکہ اس کو زندگی میں نہیں دیکھ سکتے اس لئے اس سے انکار کرتے ہیں۔ چونکہ یہ حقیقت کاانکار ہے اس لئے انسانی غلطی ہے۔

انسان اپنے علم و عقل، قوت کو استعمال کرنے کے بعد دنیا سے چلا جاتاہے۔ اس قدر قوت اور طاقت جو انسان کو دی گئی ہے، کیا وہ محض کھیل ہے۔ بعض انسان دوسرے انسانوں پر ساری عمر ظلم کرتے یا سہتے رہتے ہیں، اس طرح نہ ظالم کو اس کے عمل کی سزا ملتی ہے اور نہ مظلوم کو اس پر ظلم کا بدلہ ملتاہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ انصاف اور عدل کا حکم دیاہے اور اس پر عمل نہ کرنے پر انسان کو اس کی سزا ملنے کا اعلان کیاہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس کا حساب و کتاب ہو۔ برے اعمال پر سزا اور نیک اعمال پر جزا کا مقصد انسان کو برے اعمال سے روکنا اور اچھے اعمال کی ترغیب دیناہے۔ پھر اگر دنیا ختم نہ ہو تو کب یہ سزاو جزا کا سلسلہ مکمل ہو گا۔ یہ اسی لئے ضروری ہے کہ انسانی زندگی زمین پر مکمل طور پر ختم ہو جائے اور جزاو سزا کا سلسلہ مکمل کیا جائے۔ یہ قیامت کے دن ہو گا۔

اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَ عَمَرُوۡہَاۤ اَکۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡہَا وَ جَآءَتۡہُمۡ

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹

کیاانہوں نے زمین پر سفر نہیں کیا، کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے۔اور انہوں نے زمین میں کاشت کی اور اسے آباد کیااور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا تھا۔ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے پس اللہ نے ان پر کوئی زیادتی (ظلم) نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی (ظلم) کئے تھے (برے اعمال کی وجہ سے)۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں (احکام) کو جھٹلاتے اور مذاق اُڑاتے تھے۔

تاریخ کے شواہد سے انسانوں (انکار کرنے والوں) کو مطلع کیا جارہا ہے۔اگر آثار قدیمہ کو دیکھا جائے، تو گذشتہ افراد کے کارنامے نظر آتے ہیں۔مضبوط عمارتوں کے آثار ہیں، لیکن افراد چلے گئے اور قصہ پارینہ بن گئے۔وہ بھی اپنے وقت میں بڑی قوت، طاقت والے تھے۔ان کے حکم پر یہ بلند و مضبوط عمارتیں تعمیر ہوئیں، جن کے کھنڈرات آج بھی ان کی مضبوطی کا قصہ سنارہے ہیں۔ان لوگوں (گذشتہ قوموں/افراد) نے حکومتیں قائم کیں، ملک فتح کئے، لوگوں پر ظلم کئے یاانصاف کیا۔یہ سارے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔ان سے موجودہ افراد کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، کہ وہ بھی جس قوت و طاقت کا بھروسہ کررہے ہیں، ختم ہو جائے گی اور وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔یہ گذشتہ اقوام کی تباہی ان کے اعمال کی وجہ سے آئی۔یہ وہ قومیں جن کے آثار حضر موت اور مقام حجر (مدائن حجر) میں قریش دیکھتے تھے۔جو قومیں اللہ کے عذاب سے تباہ ہوئیں اور یہ عذاب ان کے برے معاشرتی اعمال اور اللہ کے احکام سے انکار کی وجہ سے ہوا، جو بھی اللہ کے احکام کا انکار کریں گے ان کا انجام یہی ہوگا۔سب سے اہم حکم عدل ہے، اگر ظلم ہوا تو وہاں عذاب آئے گا اور اگر عدل کیا گیا، تو اللہ کی رحمت ساتھ دے گی۔اس عذاب کا سبب انسان کا انسان پر ظلم ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا، پھر تم سب اسی (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲

اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن مجرم لوگ سخت مایوس ہو جائیں گے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٣﴾

اور ان کے (رہبروں) شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت (سفارش) والا نہیں ہو گا اور وہ (خود) اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿١٤﴾

اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن لوگ منتشر (الگ الگ) ہو جائیں گے (اچھے اور برے)۔

تخلیق کائنات، حساب و کتاب کے لئے، دنیا کو ختم اور عدل کو قائم کرنے کے لئے قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا، وہی اس کی دنیاوی زندگی ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور دوبارہ زندہ ہونا، اللہ کے ہاں حساب و کتاب کے لئے ہو گا، تاکہ مکمل عدل قائم ہو۔ جن کو سزا یا انعام دینا ہو دیا جائے۔ قیامت کی کیفیت ہولناک ہو گی۔ گنہگار اور مجرم اس دن مایوس ہوں گے۔ جن کو وہ دنیا میں اپنا رہبر و سربراہ مانتے تھے اور اللہ کے مقابل ان کی باتیں یا احکام مانتے تھے، وہ ان کی کچھ بھی مدد نہ کر سکیں گے، بلکہ وہ خود بھی مجبور ہوں گے۔ یہ کیفیت ان کی امیدوں کے خلاف ہو گی اور وہ ایک دوسرے سے نفرت کریں گے۔ قیامت والا دن اس لحاظ سے پریشان کن ہو گا کہ ہر کوئی اپنے دوستوں، رشتہ داروں کو بھولا ہوا ہو گا اور لوگ بھی حیران بکھرے ہوئے ہوں گے۔ ہر شخص اپنی پریشانی میں مبتلا ہو گا۔ سوائے نیک افراد جن کا ذکر آگے آیات میں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿١٥﴾

پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ان کو جنت میں خوش و خرم رکھا جائے گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿١٦﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے انکار (کفر) کیا اور ہماری ملاقات اور آیات کی تکذیب کی تو ان سب کو عذاب میں پیش کیا جائے گا۔

حساب و کتاب کے دن، لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق انعام یا سزا ملے گی۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، ان کے اعمال کی بناء پر ان کو جنت میں بلند مقام عطا کیا جائے گا، جس میں وہ انتہائی خوش و خرم ہوں گے۔ یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے۔ جنت کی وسعت کے بارے متعدد احادیث آئی ہیں۔ جدید سائنس اس کا انکار نہیں کر سکتی، کیونکہ کائنات کی وسعت اور کہکشاؤں کی عظمت کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایااللہ عزوجل ارشاد فرماتاہے: میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھاہے، نہ کسی کان نے سناہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیاہے، بلکہ یہ وہ ہیں جن کی میں نے تم کو اطلاع دی ہے اور جن کی میں نے تم کو اطلاع نہیں دی، وہ اس سے بہت عظیم ہیں۔(مسلم/سنن ابن ماجہ)۔

اس کے بعد جو لوگ، اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔ کائنات میں اس کی طاقت و عظمت کا ثبوت ہونے کے باوجود انکار کرتے ہیں اور دنیا میں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں ان کی سزا جہنم میں ان کا ٹھکانہ ہے۔ بار بار ان احکام کو دہرا کر انسان کو اس عذاب سے بچنے کے لئے آگاہ کیا گیاہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

پس اللہ کی تسبیح شام کے وقت کرو اور جب تم صبح (اُٹھو تو) کرو۔

وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اُسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین میں اور (تسبیح کرو) پچھلے پہر اور ظہر کو۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ زندہ کو مردہ سے نکالتاہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتاہے اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتاہے اور اسی طرح تم (زمین/قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔

اوقات نماز:۔

آیات مبارکہ میں اللہ کی تسبیح یعنی نماز کے اوقات بیان ہیں۔ نماز میں بھی قیام رکوع، سجود میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی جاتی ہے۔ شام کے وقت سے مغرب (بعد از غروبِ سورج) مراد ہے اور صبح سے مراد قبل از طلوع سورج فجر کی نماز مراد ہے اور پھر تیسرے پہر (عصر) کی نماز (عَشِيًّا) سے مراد ہے۔ اور ظہر (بعد از زوال) سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ السُّبْحَۃ کا لفظ بطور نماز بھی استعمال ہوتاہے، جس طرح ایک روایت حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سبحۃ (نفل نماز) کبھی بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حتّٰی کے وفات سے ایک سال پہلے آپ ﷺ سبحۃ (نفل نماز) بیٹھ کر پڑھتے تھے۔(مسلم/ترمذی/نسائی)۔ اللہ ہی کے لئے زمین و آسمانوں میں حمد و تسبیح ہے، جو زمین اور آسمانوں اور ان میں رہنے والی مخلوق کا مالک و خالق ہے۔ اوقات نماز کی حکمت (طبّی، نفسیاتی، معاشرتی، روحانی فوائد) کے بارے سورۃ العنکبوت میں بیان کیا جاچکاہے۔

انسانی زندگی کے سلسلہ، یعنی پیدائش اور موت کا ذکر ہے۔ زمین پر جانداروں کے وجود اور عدم کا ذکر ہے، جو

ہم دیکھتے ہیں۔زندہ کو مردہ سے نکالنے کا مطلب ہے کہ ننھا پودا، مردہ بیج سے نکل آتا ہے اور مردہ بیج کو درخت سے نکالتا ہے، جو زندہ ہوتا ہے۔اسی طرح انسانی نطفہ انسان کے وجود سے باہر آتا ہے اور نطفہ سے انسان پیدا ہوتا ہے۔اسی طرح جب بارش ہوتی ہے، تو زمین میں سے پودے خود بخود نکل آتے ہیں، جن کے بیج کے اجزاء زمین میں نیم حیاتیاتی صورت میں موجود رہتے ہیں اور بارش کا پانی ان کو نائٹریٹ فراہم کر کے مکمل زندگی دے دیتا ہے اور ہر طرف ہریالی چھا جاتی ہے۔اسی طرح خزاں یا دھوپ سے سارے پودے مر جاتے ہیں۔جس طرح، یہ پروسس جانداروں اور درختوں میں چل رہا ہے، اسی طرح انسان جو زمین میں دفن ہو جاتے ہیں ان کے اجزاء بھی مل کر دوبارہ انسان زندہ ہو کر اُٹھیں گے تا کہ حساب وکتاب دے سکیں۔سائنس چونکہ ایسے تجربات نہیں کر سکی، اس لئے اس کا یقین نہیں کرتی، لیکن امکان کو رد نہیں کر سکتی۔ایک توجیح ہے کہ اصل وجود، کے مطابق فروعی (اضافی) وجود، کا ہونا ضروری نہیں۔جیسے اچھے انسانوں کی اولاد بری اور برے افراد کی اولاد اچھی ہو جاتی ہے۔(روح المعانی)۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر ہو کر (انسانی آبادی کی صورت میں) پھیلتے جا رہے ہو۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی ذات (جنس) سے تمہارے لئے جوڑے (مرد و عورت) پیدا کئے تا کہ تم اس سے سکون حاصل کرو اور اس (اللہ) نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کر دی، بے شک اس (نظام حیات) میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور تمہاری (انسانوں کی) زبانوں اور رنگوں (جسم کا رنگ) کا اختلاف ہے۔بے شک اس میں اہل علم کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

نظامِ حیات ومعاشرت اور خالقِ کائنات:۔

مکی سورتوں میں توحید، یعنی اللہ کے وجود اور معبود ہونے کے بڑے سادہ فہم واضح دلائل دیئے گئے ہیں۔ان دلائل میں زمین وآسمان کے علاوہ انسان کے وجود کے بارے بھی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے زمین کو جس حکمت سے بنایا ہے اس کی وجہ سے زندگی کے لئے انتہائی موزوں ہے۔اس میں نہ صرف جانور یعنی جاندار، اس کے علاوہ حشرات، پودے، پھول، درخت، پانی، ہواسب موجود ہے۔زندگی کا وجود پانی سے ہے۔انسان کو مٹی سے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام اجزاء جو اس کے جسم کی بنیاد ہیں مثلاً آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، فاسفورس وغیرہ وہ سب زمین سے ہیں اس کے علاوہ زندگی کے تمام لوازم کے ضروری اسباب زمین پر ہی موجود ہیں۔ہوا، غذا کے لئے مختلف مواد، رہنے کے لئے مکانات اور ان کے مواد اسی طرح، دوسری ضرورتوں، کے تمام مواد موجود ہیں اور انسان زمین پر پھیلا ہوا ہے۔یعنی ہر خطہ زمین پر اس کا وجود ہے، خواہ گرم ہو یا سرد، صحراء ہو یا پہاڑ۔یہ تو انسان کے خارجی عوامل اور وجود کے اجزاء تھے۔ اب انسانی وجود کو دیکھا جائے تو کس قدر متناسب ہے۔پھر انسان کو اس کی زندگی کے تسلسل کے لئے جوڑا بنادیا، یعنی مرد اور عورت اور اس تسلسل کے لئے دونوں میں آپس میں کشش رکھ دی اور جنسی تعلق کو آگے زندگی کے تسلسل کا ذریعہ بنایا۔اس میں اس قدر لذت رکھ دی کہ ہر نر اور مادہ (مرد/عورت) کی، آپس میں رغبت کرتے ہیں اور پھر دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ہمدردی رکھتے ہیں۔جوانی سے لے کر بڑھاپے تک یہ محبت رہتی ہے۔اس کے سبب گھر بنتا ہے، اولاد پیدا ہوتی ہے، خاندان کا وجود قائم ہوتا ہے اور معاشرے قائم ہوتے ہیں۔جوانی کے ایام کی کشش کو **"مودّہ"** محبت وعشق اور پھر ادھیڑ عمر یا بڑھاپے میں زیادہ خیال اور اہتمام پیدا ہوتا ہے جسے **رحمت** کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک ہی جنس (صنف انسان) سے بنایا ہے۔اس کے جسم کی ساخت مرد اور عورت کی اس کے طبعی ضروریات کے عین مطابق بنائیں۔حمل کی مدت طویل ہے، نو(9) ماہ تک تاکہ آنے والا بچہ صحیح نشو ونما کر سکے اور اس کی ماں کو بھی آہستہ آہستہ اس کے وزن اور وجود کا پتہ چلتا رہے۔موسموں کی تبدیلی بھی معتدل طریقہ سے پیدا کی۔سردی کے بعد بہار پھر گرمی اور اس کے بعد سردی سے پہلے خزاں کا موسم بنایا، تاکہ تبدیلی بتدریج انسان کے لئے موزوں رہے۔

انسانوں کو عقل دی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے ذہنوں کی بناء پر، اشیاء کے مختلف نام رکھے اور یہ زبانیں ہزاروں (تقریباً 7100) میں ہیں، جو انسان نے پیدا کی ہیں۔انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے علاقوں کے حساب سے مختلف رنگ عطا فرمائے ہیں، جو انسانی جینز میں شامل ہیں۔جس طرح ٹھنڈے علاقے کے لوگ سفید، گرم تر علاقوں (سورج کے نزدیک خط استواء) کا رنگ سیاہ اور جو خط استواء کے جانب ٹراپیکل علاقوں کے گندمی رکھے ہیں، جبکہ ان کی

اصل بنیاد ایک ہے۔اس کے علاوہ زمین وآسمان کا وجود بھی ہے۔یہ سارے امور ایک خاص ذات نے بنائے ہیں۔ان کی ایک وحدت ہونے کی دلیل ہر ایک کو معلوم ہے۔یہ نظام کی ہم آہنگی اپنے واحد خالق کی دلیل ہے جو صرف لائق عبادت ہے۔یہ سب امور، جستجو اور علم سے متعلق ہیں۔کئی سائنسز کی برانچیں (علوم) ان موضوعات پر کئی صدیوں سے تحقیق کر رہی ہیں۔مسلمانوں کی ان علوم میں تحقیق نہ ہونے کے برابر ہے۔اس لئے ہم غیر مسلم علماء سائنس (جو لادینی ماحول میں تعلیم پاتے ہیں) کو قائل نہیں کر سکے۔اس لئے فرمایا کہ غور وفکر کرنے والوں کے لئے یہ دلائل اور شواہد ہیں، جن کی تحقیق میں انسان ،ہزاروں سال سے لگے ہوئے ہیں اور اب بھی نامکمل ہیں، ان کے خالق کو واحد، ماننے کے لئے یہ کافی ہیں۔مسلمانوں کو تحقیق اور علم کی ترغیب دی ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں (دلائل) میں سے رات اور دن میں تمہاری نیند اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں غور سے سننے والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں (دلائل) میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں (بادلوں میں) بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے تم خوف کھاتے اور امید (بارش) بھی رکھتے ہو اور آسمان سے پانی (بارش) نازل کرتا ہے۔پھر اس سے زمین مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔بے شک اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں (دلائل) میں یہ ہے کہ زمین اور آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں۔پھر جب وہ تم کو زمین سے بلائے گا تو تم فوراً (زمین سے) باہر نکل آؤ گے۔

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے اور سب اس کے اطاعت گذار (مطیع) ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمان اور زمین (کائنات) میں اس کی سب سے بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ اور حکمت والا ہے۔

مکی سورتوں، میں عقائد کا ذکر ہے، بالخصوص توحید، وجود باری تعالیٰ، جزاو سزا کا نظام، قیامت، جنت و دوزخ، اللہ کی معبودیت کا ذکر اور اس کے قدرتی دلائل ہیں۔ یہ دلائل وہ ہیں جن کو ہر ذی عقل و فہم سمجھ سکتا ہے۔ پھر یہی دلائل اعلیٰ تحقیق کا موضوع اور ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں۔ پہلی دلیل ہمارا نظام دن و رات ہے، جو ہمارے نظام شمسی کی وجہ سے ہے۔ سورج کی قوت پھر اس کے ارد گرد کے سیارے اور پھر ان سیاروں کے چاند اور ان کا کردار، جہاں ایک عام آدمی کے لئے بڑا آسان واضح ہے۔ جس کا فائدہ وہ اُٹھاتا ہے اور اس کے وجود یا کارکردگی میں انسان کا کوئی رول نہیں۔ کتنا قابل غور ہے کہ جس نے یہ نظام بنایا، اُس نے انسانوں اور زمین پر رہنے والی ساری مخلوق پر کس قدر احسان کیا ہے۔ اس کو وہ بطور خدا یا معبود نہ مانے اور قدرت، فطرت (نیچر) کہتا رہے، لیکن یہ سب اس کے ماتحت ہیں اور اسلام کے خلاف دلیل نہیں، بلکہ اللہ کی ذات کے تابع اور اس کے حکم، قوت اور طاقت کا ایک ادنیٰ مظہر ہیں۔ دوسری طرف ہزاروں سائنسدان، اس تحقیق میں لگے ہیں کہ سورج اور اس کے سیاروں کے درمیان کس طرح کی حرکت ہے۔ کیسے فاصلے متعین ہیں، کتنی کشش ہے، کس قدر دوری متعین ہے، کس طرح سورج کی انرجی ان پر اثرانداز ہو رہی ہے، کس طرح اس کے اثرات زمین، اس کے نباتات، حیوانات، حشرات اور انسانوں پر ہیں۔

یہ دن، انسان کو اس کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے اور عمل و کوشش کی سہولت کے لئے روشنی سے مہیا کرتا ہے۔ پھر یہ گردش رات کو اندھیرا مہیا کرتی ہے، تاکہ سارے دن کا تھکا ہارا انسان، اپنے وجود میں دوبارہ نیند کے ذریعہ توانائی حاصل کر سکے اور پھر دوسرے دن کے لئے تیار ہو۔ رات کے اندھیرے کو کم کرنے کے لئے چاند کی دلکش روشنی کا انتظام ہے تاکہ آنکھوں کو نہ چبھے اور رات کے جانور بھی اپنی غذا حاصل کر سکیں، جو سارا دن سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے چھپے رہتے ہیں۔ پھلوں اور فصلوں کو پکنے کا موقع ملے۔ سمندر میں مد و جزر سے سمندر کا پانی حرکت کرے اور صاف رہے۔ آکسیجن مہیا کرتا رہے۔ یہ ساری نشانیاں اور دلائل ان افراد اور اقوام کے لئے ہیں، جو عقل و حواس استعمال کر کے غور و فکر کرتے ہیں۔ زمین پر انسانی غذا اور حیوانات کی غذا کے لئے پودے، درخت، فصل پیدا ہوتے ہیں اور ان سب کے لئے پانی، مٹی، ہوا کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی مٹی کو، ان تمام فصلوں اور نباتات کے نشونما کے لئے

انتہائی موزوں طریقہ سے بنایا ہے۔ بارش کے ذریعہ زمین جو خشک ہوتی ہے۔ اس پر مختلف پودے پھول پیدا ہو جاتے ہیں۔ مختلف پھلوں کے درخت خود بخود، اللہ کے نظام کے تحت زمین پر پیدا ہوئے، پھر ان سے بیج نکلے جو بے جان ہوتے ہیں وہی بیج زمین میں جا کر پانی کی نمی کے ساتھ مل کر زندہ ہو جاتا ہے اور اس سے پودا نکلتا ہے جو کئی فٹ بلند ہوتا ہے۔ بارش کے دوران بادلوں کی کڑک اور چمک خوفناک منظر پیش کرتی ہے، جس کی بجلی کی قوت کئی ملین واٹ تک ہوتی ہے اور زمین پر گرے تو جو بھی درخت عمارت اس کے سامنے آئے، وہ جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ ادھر بارش سے نباتات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے تیار کردہ متعین نظام کے مطابق ہے۔ جس میں کوئی خلل یا تضاد نہیں، اپنے خالق یکتا کی دلیل ہے۔ جو افراد عقل استعمال کرتے ہیں وہ اس کی اہمیت کو سمجھ جاتے ہیں۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں سال سے (انسان کے اندازے ہیں) یہ زمین، نظام شمسی، فضاء یعنی آسمان قائم ہیں اور اپنے خالق کے متعین کردہ نظام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ جس ذات، نے زمین کو بنایا، اس پر زندگی کو پیدا کیا اور لاکھوں اقسام کے حیوانات، حشرات، پرندے پیدا کئے، درخت و نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام جاندار پیدا ہوتے اور ختم ہوتے ہیں، وہ کسی وقت دنیا میں رہنے والے (یعنی مرنے والے) انسانوں کو دوبارہ اُٹھادے گا۔ سائنس کے مطابق زمین پر تمام موجودات پیدا ہوتے اور زمین میں ختم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا دوبارہ پھر پیدا ہونا کوئی بعید نہیں کیونکہ وہ پہلے موجود ہو چکے ہیں اور ان کے عناصر کسی بھی شکل و صورت میں موجود ہیں۔ فزکس کے مطابق مادہ نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ ہوتا ہے، بلکہ شکل بدلتا ہے۔ یہ تمام باتیں اہل عقل و سمجھ کے لئے ہیں اور جب غور کریں تو نکات کھلتے ہیں۔ **پچھلی تین آیات میں تین دفعہ عقل و سمجھ غور و فکر** کے استعمال کا حکم ہے۔ یہ تمام انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ہے کہ وہ ان سائنسی علوم پر تحقیق کریں اور انسانوں کو ان سائنسی علوم کے ذریعہ جس طرح قرآن مجید میں دلائل ہیں اسی طرح دلائل و شواہد کے ذریعہ خالق کائنات کے وجود کا اقرار کرائیں۔

مرنے کے بعد زندگی کے لئے مثال، دنیا میں بارش کے برسنے اور اس کے بعد زندگی کا مردہ (بنجر) زمین پر وجود ہے۔ زمین کے اندر تمام اجزاء جو زندگی کے لئے ضروری ہیں، موجود ہیں وہ ایک نیم زندہ (Dorment) حالت میں موجود ہوتے ہیں۔ بارش کا پانی اپنے اندر امونیئم نائٹریٹ رکھتا ہے۔ زمین جیسی بھی ہو، اگر اس کو پانی نہیں ملے گا، تو وہاں ہریالی (پودے) نہیں اُگیں گے یہی وجہ ہے کہ بارشوں یا پانی کی کمی سے زرخیز زمین بھی صحراء بن جاتی ہے اور مسلسل بارش سے صحراء میں بھی پودے اور سبزہ نکل آتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق انسانی اجزاء زمین کے اندر موجود ہیں اور قیامت کے پہلے صور کے بعد، مسلسل ایک مدت تک بارش ہوتی رہے گی اور پھر زمین کی سطح ایک کیچڑ کی دلدل کی طرح ہو گی اور دوسری صور پر انسانی اجزاء اس دلدل یا کیچڑ کے مرکب میں، مل کر انسان بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔

یہ عمل ،اس عمل سے بہت زیادہ آسان نظر آتا ہے جس میں ایک بچہ انسانی مادہ منی (سپرم) سے ماں کے پیٹ (بچہ دانی/Womb) میں سے ایک بچہ بن کر نکلتا ہے اور پھر وہی بچہ ، چھ فٹ کا انسان بن کر اسی سائز میں زمین میں دفن ہو جاتا ہے اور یہی مدفون شخص اسی سائز میں دوبارہ نکلے گا اور اس کے زمین کے اندر تحلیل شدہ اجزاء اکٹھے ہو کر جسمانی صورت اختیار کریں گے ، جیسی اس کی مرنے کے وقت تھی۔ چونکہ مادی سائنس کے سامنے ایسے واقعات متعدد بار نہیں ہوتے اس لئے اسے ایک مشکل امکان کہا جاتا ہے ، جس کا قبول اور انکار برابر ہے۔ چونکہ عمومی زندگی میں مثالیں موجود نہیں اس لئے لوگ انکار کرتے ہیں۔

یہ سارا نظام کائنات جس کا انسان کو بہت معمولی علم ہے اور علم بھی پچھلے پچاس سال میں خلاء میں مصنوعی سیاروں کے معلق رہنے کی وجہ سے ہوا ہے جس میں ہر روز نئی معلومات آرہی ہیں اور کئی پرانے نظریات ختم ہو رہے ہیں (مثلاً چاند پر پانی کے امکان، مارس پر پانی کے امکان)۔ انسانی علم کی مقدار کی مثال ، سمندر کے مقابلے میں ایک چُلو (پیالی) پانی کے برابر ہے۔ یہ نظام شمسی اور پھر مختلف جہات سے آنے والے شہاب ثاقب ، دم دار ستارے ، کہکشائیں ہیں ۔ان کے اندر سیاروں اور ستاروں کے ہزاروں نظام ہیں ، جن کا تصور بھی ممکن نہیں۔ یہ سب اس خالق کے کنٹرول میں ہیں ، جس نے ان کو بنایا۔ ان کو ایک نظام کے اندر مربوط کیا ، یہ سب ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور ایک اکائی کی طرح تابعداری کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ جو ذات اتنی بڑی طاقت کی مالک ہے ، اُس کے لئے انسان کو دوبارہ کھڑا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کی ذات بہت عظیم ہے ، اس کی کوئی مثال نہیں اور سب سے بڑھ کر عظیم قوت والا ہے ، وہی معبود حقیقی ہے اور انسان کے اعمال کا حساب و کتاب اُس کے لئے بہت معمولی ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

اس نے تمہارے (سمجھانے کے) لئے خود تمہیں میں سے ایک مثال بیان کی کہ کیا تمہارے غلاموں (ملازموں) میں سے کوئی تمہارا ، اس رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ (غلام) اس (رزق) میں برابر ہوں (ملکیت میں)۔ تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں (تمہاری طرح) سے خوف ہو (ایسا نہیں ہے)۔ ہم اہل عقل کے لئے اس طرح تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا

لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی، سو جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

خود پسندی اور گمراہی:۔

پچھلی آیات مبارکہ میں توحید کے بارے سائنسی دلائل تھے۔ اس آیت میں ہمارے سوشل کردار کے بارے دلائل ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے زعم خود پسندی یا اظہار قوت، میں اپنے ملازمین، ماتحت افراد کو اپنے برابر نہیں سمجھتے اور کمتر سمجھتے ہیں، کیونکہ ہمارے پاس ان کے مقابل زیادہ دولت یا قوت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ ہمارے غلام، ملازم، ماتحت، ہمارے اس کاروبار میں ترقی کے لئے برابر کے شریک اور معاون ہوتے ہیں، لیکن ہم ان کو کمتر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے ہمارے مقابل افراد کو بھی ہم اہم سمجھتے ہیں اور ان ماتحت افراد کو ان کی طرح اہمیت نہیں دیتے۔ یہ انسانی نفسیات کا عمل ہے جو شروع سے انسان ہر معاشرے میں کر رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے تعلقات میں انسان، جب گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو اس کی مخلوق کو جو جاندار یا بے جان ہو، (بت وغیرہ)، اللہ کی طرح، اس سے مدد یا احترام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب کہ اس مخلوق کی حیثیت اللہ کے سامنے اللہ کے ایک ادنٰی مخلوق یا غلام یا ماتحت کی ہے اور انسان اسے اللہ کے برابر درجہ دے رہا ہے۔ جبکہ اپنی ذات کے لئے اپنے سے کمتر کو وہ اپنے برابر کا درجہ نہیں دیتا۔ انسان کا کردار، اللہ تعالیٰ کے مقام کا احساس کرنے میں ناکام ہے۔ دھوکہ اور دوہرے معیار پر ہے جو ایک غلط عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت کے لئے سارے اسباب، معلومات، رہنما، مہیا کئے ہیں۔ اب انسان، جب اپنی خواہشات اور شیطان کے تابع ہونے کی وجہ سے ان اسباب ہدایت، کو نظر انداز کرتا ہے اور گمراہی کی طرف بڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے مقصد کی طرف کر دیتے ہیں اور وہ گمراہی میں سراپا دھنس جاتا ہے۔ پھر اس کے ہدایت کے راستے سارے بند ہو جاتے ہیں اور یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جو گمراہی میں ڈوب گیا اس کی کوئی مدد کرنے والا نہیں۔ اس کا سبب انسان کا، اس کی خواہشات کے پیچھے چلنا ہے، جو شیطان اس کے دماغ میں مزین کر کے ڈالتا ہے۔ جس طرح کہ کفار مکہ اللہ کا بھی عقیدہ رکھتے اور ساتھ بتوں کو اللہ کا نمائندہ بنا کر پوجتے تھے، حالانکہ بت صرف مٹی سے بنی ان کے تصوراتی معبود تھے۔ ان کو خدا سے تعلق و نسبت دے دیتے جبکہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایسی صورت میں گمراہی انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ

لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۰﴾

چنانچہ (اے نبی) آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین حق پر قائم رکھیں، اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق (فطرت) میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

اس (اللہ) کی طرف رجوع کرتے ہوئے (دین پر قائم رہو) اور تم اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ کئی گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ اس پر خوش ہے جو کچھ اس کے پاس ہے۔

دین فطرت:۔

ہر آدمی اپنے خیال / گروہ میں خوش ہے، کی تفسیر یہ بھی ہے کہ اختلافات انسانی، اللہ کی تقدیر (نظام) کے تحت ہیں۔ لہٰذا نفرت کے بجائے، حکمت بہتر ہے۔ دوسری اہم، ہدایت، اللہ تعالیٰ کی فطرت پر قائم رہنا اور اللہ کی طرف یکسو ہو کر رہنا ہے، جو کہ انسانیت کے لئے موزوں ترین دین (طریقہ حیات) ہے۔ فطرتی طریقہ زندگی کو اپنانا ہے۔ فطرت کی تعریف میں، مذہب اسلام ہے، جو انسان کی ذہنی قبولیت کے لیے موزوں ترین ہے، اسکے ساتھ، انسانی تخلیق، جو کہ خود فطرت کی اعلیٰ کاریگری ہے، اس کا اہتمام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و سمجھ عطا کی ہے، جس کی وجہ سے تمام زمین پر موجود مخلوق میں انسان اعلیٰ درجہ پر ہے اور اس کا سب سے زیادہ کنٹرول ہے۔ اس عقل کی بناء پر، انسان کو ایک خالق و مالک، جس کی طاقت و قوت کے مظاہر اس کائنات میں موجود ہیں، ان کا احساس خود بخود ہو جاتا ہے۔ اس کے نام کے لئے جو بھی لفظ بولا جائے یعنی فطرت، قدرت، خدا، وغیرہ لیکن مفہوم ایک ہی ہے۔ انسان کا عظمت خدا کا رجحان فطرتی ہے۔ زندگی میں، جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کے ہوش و حواس مضبوط ہوتے ہیں۔ اس کے ارد گرد کا ماحول، گھر ہو یا کسی سکول کا، اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چونکہ ذہن ترقی پذیر ہوتا ہے، اس لئے آنے والے خیالات کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ بلکہ وہ خیالات اس کے اندر جم جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچے اپنے والدین یا اپنے سکول جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کے خیالات سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ یہ اس حدیث کی تصدیق اور ثبوت ہے کہ ایک بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی اس کے ذہن میں ایک عظیم قوت و خالق کا تصور ہوتا ہے۔ لیکن اس کے والدین اسے

اپنے خیالات کی وجہ سے ہندو، مجوسی، یہودی، عیسائی اور مسلمان بنادیتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر اپنے بچوں کی تربیت کا اہتمام کریں۔

انسانی جسم میں تبدیلی اور بناوٹ:۔

انسانی فطرت یا تخلیق میں، اسکی جنس اور جسم کی قدرتی بناوٹ بڑی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کا جو ڈیزائن بنایا ہے وہ انتہائی موزوں ہے۔ مرد کے لئے اس کے جسم کی ساخت یعنی داڑھی اور مونچھیں، پھر عمر کے بڑھنے کے ساتھ بالوں کا سفید ہونا، جسم میں جھریاں پڑنا۔ اِسی طرح عورت کے جسمانی ڈیزائن میں داڑھی کے بجائے سینے کا ابھار ہے۔ بالوں کا سفید ہونا اور جھریاں بھی عمر کے بڑھنے اور جسم کے کمزور ہونے کی علامت ہے۔ مرد اور عورت کے جسم کے ڈیزائن (ساخت) کے مطابق بیماریوں، عادات اور عوارض انسانی اور جنسی اعضاء میں بھی اختلاف ہے۔

اسلام حقیقت کے چھپانے کو ایک جھوٹ کی قسم سمجھتا یا دھوکہ کی ایک قسم قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ سفید بالوں کو کالا رنگ نہ لگایا جائے کیونکہ سفید بال عمر کی علامت ہیں اور ان کو کالا کر کے آدمی اپنی عمر چھپانا چاہتا ہے تاکہ نوجوان نظر آئے۔ اسی طرح داڑھی کے بال بھی عمر کی علامت ہیں کہ انسان لڑکپن سے نکل کر مکمل آدمی کی طرف پہنچ چکا ہے لیکن داڑھی کے بال منڈوا کر انسان اپنے آپ کو ایک نوخیز نوجوان ثابت کرنا چاہتا ہے جو کہ ایک حقیقت کو چھپانے کے برابر ہے، اس لئے احادیث مبارکہ میں اس سے منع کیا گیا ہے تاکہ انسان کی حقیقت ظاہر رہے۔

احترام خنثٰی انسان:۔

یہی اصول پلاسٹک سرجری یا دوسرے امور کے لئے ہے۔ جہاں معاملات کا معاملہ ہو مثلاً شادی وغیرہ تو یہ سخت ممنوع ہے کیونکہ دھوکہ ہے۔ اسی طرح شادی کے لئے مصنوعی وگ لگانا، تاکہ بال نظر آئیں، نبی ﷺ نے اس کو منع فرمایا، کیونکہ یہ بھی معاملات میں دھوکہ ہے۔ جہاں صرف ایک عمومی انداز ہو اس کے لئے یہ مکروہ ہے کیونکہ اصلیت کے اظہار کو چھپایا جارہا ہے۔ اسی لئے کالا رنگ ممنوع اور سرخ رنگ (مہندی) کی اجازت دی گئی ہے۔ (جنگ کے دوران ریاست کی بقاء یعنی جنگ کے دوران، بالوں کو کالا صرف ایک موقع کے لئے کیا جاسکتا ہے)۔ انسانی شکل کو بدلنا بھی ممنوع ہے، تاکہ دھوکہ نہ ہو۔ یہی اصول ٹرانس جینڈر یعنی ان افراد کے بارے ہے جن میں جنسی ہارمون ایک جنس کی طرف کثرت سے نہیں ہوتے بلکہ درمیان میں رہتے ہیں۔ لہٰذا ان کی شبیہ (ظاہری صورت) کبھی مرد اور کبھی عورت کی طرح ہوتی ہے اور جنسی استعداد اس کے مطابق نہیں ہوتی۔ ان کے لئے بھی بڑا سادہ اور قدرتی اصول ہے۔ اگر ان ظاہری وضع (صورت) داڑھی کے ساتھ ہے تو جنسی ھارمون کی قوت جیسی بھی ہو اسے مرد کے تمام حقوق،

وراثت، گواہی حاصل ہوں گے اور اگر سینہ ابھرا ہوا اور داڑھی نہیں ہے تو اس کے تمام حقوق مونث کی طرح وراثت و گواہی اور عمومی ہوں گے۔ لیکن اس میں امتیاز یا تعصب قطعاً حرام ہے۔اسی طرح اگر والد کی نسبت واضح نہیں تو اسے طعنہ دینے کی سزا حد قذف ہے یعنی جھوٹی تہمت کی سزا دینا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ دشمنی وغصہ میں دشمن کے چہرے کو داغدار کر دیتے تھے یا اعضاء کو کاٹ کر عیب لگا دیتے تھے، جس طرح اس دور میں بھی تیزاب پھینک کر کیا جاتا ہے۔ یہ عمل اسلام میں حرام ہے۔انسانی وضع کا احترام ضروری ہے۔ کسی زندہ یا مردہ حالت میں انسان کو داغدار کرنا کسی دشمنی، غصہ، بدلہ کی بناء پر حرام ہے۔ بعض علماء نے ان احکام کو، انسانی جان بچانے کے لئے اعضاء کے عطیہ کو بھی اسی طرح محمول کیا ہے جس طرح دشمنی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن یہ تطبیق صحیح نہیں، کیونکہ مقاصد مختلف اور فقہ کے اصول میں احکام مقاصد کے مطابق نافذ ہوتے ہیں (الامور بمقاصدھاوالاعمال بالنیات)۔ دراصل انسان کے مرنے کے بعد تو جسم نے ویسے بھی ختم ہو جانا ہے اور مٹی میں گھل جانا ہے لہٰذا چہرے یا جسم کے اعضاء ختم ہو جائیں گے اور اگر وہ کسی انسان کے لئے کام آسکتے ہیں تو ایک بڑا اعلیٰ مقصد ہے جو بہت اچھا ہے اور اسلام اعلیٰ مکارم اور مقاصد کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ تشہیر و ترجیح دیتا ہے۔

تبدیلی جنس:۔

وہ افراد جو مرد/عورت کی جنس کی واضح کیفیت نہیں رکھتے اور کسی ایک جنس کے ہارمون کی کمی کی وجہ سے واضح طور پر نہ مذکر (مرد) اور نہ مونث (عورت) ہوتے ہیں، ان کی کیفیت آج سے پچاس سال پہلے، تبدیلی جنس کا عمل ممکن نہیں تھا، لیکن اب جنیٹنگ انجینئرنگ اور سرجری کی ترقی کی وجہ سے بلوغت کے عمر کے پہنچنے کے وقت سرجری کے ذریعے تبدیلی جنس ممکن ہے۔ دراصل یہ تبدیلی انسانی فطرت کے مطابق اور فطرت کے مخالف دونوں طریقوں سے ہو سکتی ہے اور بہت سارے مغربی ممالک میں اس کی اجازت ہے اور ہو رہی ہے۔اسلامی نقطہ نظر سے فطرتی حالت کو تبدیل کرنا غلط اور ممنوع ہے اگرچہ انسان کا حق بھی ہو۔ کیوں کہ یہ اس کی قدرتی صلاحیت واستعداد کے خلاف حق کا استعمال ہے۔اسلامی اصول کے مطابق اگر چہرے پر داڑھی ہے اسے مذکر شمار کیا جائے گا اور اگر سینہ ابھرا ہوا ہے تو اسے مونث شمار کیا جائے گا۔ یہ دونوں علامات فطرتی طور پر ہارمون کی ترجیح یا اکثریت کے بارے نشان دہی کرتی ہیں، یعنی داڑھی والے افراد کو مذکر ہارمون کے احکامات اور سرجری کے ذریعے تبدیلی فطرت کی راہنمائی کے موافق ہے اور اسی طرح ابھرے ہوئے سینے والے فرد کی مونث کی سرجری زیادہ فطرت کے مناسب ہے اور کامیاب ہو گی۔اسلام کی اس تشریح کو جو آج سے چودہ سو سال پہلے کی گئی، ثابت ہو چکی ہے جبکہ سرجری کا وجود ہی نہیں تھا۔ یہ قدرت کے موافق ہوتی ہے، اس لئے آج جو سرجری اس کے مطابق ہوتی ہے وہ بہت کامیاب اور جو اس کے مخالف کسی فرد کی جذباتی یا

رومانوی وجہ سے کی جاتی ہے وہ شدید مسائل پیدا کر دیتی ہے، جس سے اس شخص کی زندگی مشکل میں پڑ جاتی ہے۔اس کا تجربہ برطانیہ میں بہت سارے نوجوانوں نے کیا۔انہوں نے اپنے جنسی ہارمون کی علامات کے مخالف سرجری کرائی اور بار بار ان کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔دوسری طرف پرتگال یونیورسٹی (جنوبی یورپ) میں گذشتہ سال میں ہونے والے جنسی تبدیلی کے آپریشن کا مواد (ڈیٹا) اکٹھا کیا گیا۔تقریباً200 کیسز کا تجزیہ کیا گیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جن افراد نے اپنی جنس کو اسی طرح پر تبدیل کرایا جس کے قدرتی آثار واضح تھے (مثلاً داڑھی کے بال والوں نے مذکر تبدیلی اور ابھرے سینے والوں نے مونث کے لئے تبدیلی) کے آپریشن کرائے وہ بہت کامیاب ہوئے اور ان کے علاج کے بعد زندگی بہت بہتر ہوئی اور جن افرد نے ان کے طبعی آثار کے خلاف آپریشن کرایا،ان کو علاج کے بعد بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔وہ آپریشن یا علاج ان کی زندگی کے لئے مسئلہ بن گیا(گوگل نیوز25/5/2022)۔اس تحقیق نے ثابت کر دیا کہ اسلام کا اصول تعین جنس فطرتی انداز کے مطابق ہے اور جدید طبّی تحقیقات میں حکومتوں کا اس میں کردار بہت اہم ہے۔ اس کے لئے مناسب طریقہ یہی ہے کہ فلاحی مملکت کے اصول کے تحت،متاثرہ فرد (خنثٰی) کے آپریشن،ان کی جسمانی کیفیت کے مطابق کئے جائیں اور جنس کی غیر فطری (جسمانی کیفیت کے خلاف) تبدیلی کو منع کیا جائے،تاکہ افراد کو مستقبل کی زندگی میں آسانی ہو۔چونکہ 13 سال سے 18 سال کی عمر میں جب جنسی ہارمون میں تیزی سے تبدیلی آرہی ہوتی ہے۔اس عمر میں نوجوان زیادہ جذباتی اور اپنے دوستوں کے اثرات کے تحت فیصلہ کرتے ہیں اس لئے اگر خلاف فطرت فیصلہ کیا گیا تو وہ شخص عملی زندگی میں پریشانی اور تکالیف کا شکار ہوگا،اس لئے اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ نگرانی کی جائے۔

دوسری طرف اسلام کے قوانین کے مطابق وراثت، ملازمت اور معاشرتی احترام میں افراد کے درمیان جنسی تقسیم صرف مذکر اور مونث ہے اور کسی سے کسی طرح کا بھی تعصب، نفرت یا حقارت قابل سزا جرم ہے۔اس کی تنفیذ مکمل ہونی ضروری ہے۔اسلام احترام انسانیت میں سب سے اعلیٰ معیار کا حامل ہے لیکن بد قسمتی سے اسلامی احکام کی تنفیذ نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرے،اس معیار کو برقرار نہیں رکھ رہے۔بالخصوص ہندو پاکستان میں، ہندو اثرات کی وجہ سے امتیاز برتا جاتا ہے۔اس کا شکار خواتین اور خنثٰی افراد زیادہ ہیں۔

فرقہ بندی اور اس کا حل:۔

توحید کے سائنسی دلائل اور گمراہی کے نفسیاتی اسباب کا ذکر کرنے کے بعد راہ ہدایت کی راہنمائی کی، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔رجوع سے مراد مکمل اطاعت ہے اور نافرمانی کا تصور بھی نہ ہو۔اطاعت میں اللہ کے احکام پر قائم رہنے اور اس کی عبادت کو بنیادی حیثیت ہے جس کی اعلیٰ صورت نماز ہے۔

ساتھ ہی حکم دیا کہ لوگ اطاعت الٰہی میں بھی گمراہی اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی صورت افراد کا اپنی ذاتی خیالات اور ترجیحات کو مذہبی صورت دے کر ایک نیا فرقہ یا گروہ بنالینا اور پھر اس کی پرچار کرنا ہے۔ شیطان اس موقع سے خوب فائدہ اُٹھاتا ہے اور انسان کو اس کے خیالات کی اہمیت اور ضرورت بڑھا چڑھا کر یعنی مزین کر کے دکھاتا ہے (خیالات میں مضبوط کرتا ہے)۔ پھر انسان اس پر پختہ ہو کر تشدد پر اتر آتا ہے اور دوسروں کو گمراہ خیال کرتا ہے۔ اس طرح مختلف گروہ پیدا ہو جاتے ہیں، جس طرح تاریخ مذاہب انسانی سے ثابت ہے۔ بہت سارے فرقے مثلاً بدھ مت، ہندومت، مجوسیت، اصابی، یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں پیدا ہو گئے ہیں اور ہر آدمی اپنے فرقہ کو صحیح تصور کرتا ہے دوسرے خیالات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔

یہ ایک انسانی نفسیاتی حقیقت ہے،۔اس کا حل یہی ہے کہ آدمی قرآن مجید (کے تراجم) اور احادیث (کے تراجم) پڑھے، یعنی ان کو سمجھے جس کے لئے عام فہم درجہ تک ہونا کافی ہے۔ پھر کسی بھی طریقہ/فرقہ جس کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کے فقہ کو پڑھے اور اس کے ساتھ دوسرے فقہ کو بھی پڑھے تاکہ ان کا موازنہ کر کے اسے بہتر کا پتہ چل سکے، جس پر مطمئن ہو اس پر قائم رہے اور دوسروں سے نفرت یا کفر کا اظہار نہ کرے۔ تمام فرقے جو ایک قرآن مجید، ایک ہی قبلہ، ایک نبی آخر الزماں کی اور ایک ہی کلمہ شہادۃ، پر یقین رکھتے ہیں مسلمان ہیں (بحوالہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ) لیکن تفاصیل یا ترجیحات میں اختلاف ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے انسانی نفسیات اور طبائع کے پیش نظر مختلف انداز اپنائے ہیں۔ لہٰذا جو بھی آپ ﷺ کا انداز اپنایا گیا، وہ قابل قبول اور صحیح ہے۔ اسلام انسانیت پسند مذہب ہے۔ انسان سے نفرت گناہ ہے۔ دراصل برے اعمال سے نفرت ضروری ہے، نہ کہ انسان سے۔ تبلیغ کے لئے حکمت اور موعظہ حسنہ کا طریقہ اپنانا ضروری ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے انہیں رحمت (کا مزہ) چکھاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

تاکہ وہ اس چیز (نعمت) کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی، پس تم فائدہ اُٹھالو پھر جلد جان لوگے۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ وہ ان کے شرک کرنے کو (صحیح) بتاتی ہو (تصدیق کرتی ہو)۔

مذہبی گمراہی کے اسباب اور قرآنی تعلیمات پر کاربند رہنے، فطرت انسانی کی حفاظت کے بعد انسان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اقرار وانکار کے رویہ کا ذکر ہے۔انسان کو جب پریشانی ہوتی ہے اس کے سارے سہارے اور ذرائع ختم ہو جاتے ہیں،مایوسی چھاچکی ہوتی ہے اس وقت اس کا دل ودماغ دنیا کے اسباب سے ناامید ہو کر کسی غائبانہ قوت وطاقت کے انتظار میں کھڑا ہو جاتا ہے،اس وقت وہ خالق کائنات کو یاد کرتا ہے اس کی طاقت و قوت کا احساس کرتا ہے، عہد کرتا ہے کہ اس کے احکام کو مانے گا۔سارے اخلاص کے ساتھ عہد کرتا ہے۔یہ واقعات تقریباً ہر انسان کو اس کی زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر آتے ہیں اور اس کا نفسیاتی کردار/رویہ، بالکل آیات کے مطابق ہے۔پھر جب یہ سخت مرحلہ گذر جاتا ہے،انسان جلد ہی پرانی تکلیف یا مشکلات کو بھول جاتا ہے اور پھر اپنی پرانی ڈگر پر چل پڑتا ہے۔انسان کی گمراہی کی حالت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسری قوتوں یا اسباب کو شریک بنالیتا ہے۔

انسانی سوچ میں یہ تبدیلی شیطان کے ذرائع سے آتی ہے۔کبھی ایک خیال کی صورت میں یا کسی خارجی ذرائع معلومات،دوست،احباب، یا ذرائع ابلاغ سبب بنتے ہیں، لیکن ان اسباب کی حقیقت پر غور نہیں کیا جاتا اور اپنی راہ پر چل پڑتا ہے اگرچہ اس کے قوی دلائل نہیں ہوتے۔

ان اعمال کے باوجود اللہ تعالیٰ،انسان کو اس کے انکار پر سزا نہیں دیتے،بلکہ مہلت دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں یا تو گمراہی سے نکل جاتا ہے لیکن اکثر بھٹک جاتا ہے اور پھر اس کو اس کی قیامت میں سزا ملے گی۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور جب ان کے کئے ہوئے برے کاموں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا بے شک اللہ جس کے لئے چاہے رزق زیادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔بلاشبہ اس (زیادتی و کمی) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں (ہدایات)

ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں اور مسکین اور مسافر کو بھی یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تکالیف و آرام میں انسانی کردار:۔

انسانی کردار کا ذکر ہے۔ زندگی کے دوران، تکالیف اور آرام، دونوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جب انسان کے معاشی اور جسمانی حالات بہتر ہوتے ہیں تو بڑا خوش ہوتا ہے۔ اس بات کا خیال نہیں کرتا، کہ یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ دوسرے کئی افراد، اس جیسے ہیں، لیکن ان کے پاس وہ سہولت یعنی دولت و صحت نہیں۔ جب تک یہ سہانی گھڑیاں رہتی ہیں آدمی انتہائی خوش ہوتا ہے، پھر جب صحت کے بجائے بیماری آجاتی ہے اور خوشحالی کے بجائے تنگ دستی شروع، ذہنی سکون کے بجائے پریشانی، لاحق ہو جاتی ہے تو انسان فوراً مایوس ہو جاتا ہے۔ اپنے اچھے لمحات کو ذکر نہیں کرتا، بلکہ پریشانی کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اگر انسان کے بس میں ہو تو ہر آدمی ہمیشہ صحت مند، ہمیشہ مالی طور پر محفوظ اور خوشحال رہے اور اپنی زندگی خوشی و مسرت میں گذارے، لیکن ایسا نہیں ہے اس سے ظاہر ہے کہ انسان کے معاملات انسان کے بس سے باہر ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ نے اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ ان کے استعمال سے مطلوبہ حد تک نتائج بھی ملتے ہیں۔ محنت کرنے والے کی محنت اکثر ضائع نہیں ہوتی۔ سست و کاہلی کے عادات کے حامل کامیابی سے کم ہی ہمکنار ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود انسانی رزق میں وسعت اور کشادگی ایک انسان کو ملتی ہے لیکن اسی طرح کے حالات میں دوسرے انسان کو نہیں ملتی۔ یہ فرق وہ ہے، جو تقدیر الٰہی کا مظہر ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اصول عدل کے مطابق، اکثر فیصلے انسانی محنت کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن بسا اوقات محنت کے باوجود ناکامی ہوتی ہے اور رزق مل جاتا ہے۔ یہ واقعات عمومی اصول اسباب و نتائج کے مطابق نہیں ہیں، اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادوں (اسباب کے باوجود) ناکام ہونے سے معلوم کیا (عَرفتُ ربی بِفَسْخِ العَزائِم)۔ یہ معلومات، اگر ہم غور و فکر کریں (تجزیہ کریں) تو واضح ہوتی ہیں اور پھر جو لوگ اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں ان کو ان کے جاننے اور سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔

سماجی فلاح:۔

تکالیف و آرام میں انسانی رویہ کے تجزیہ اور معاشی (مالیاتی) امور میں انسان کے عمل اور اس کے نتیجہ کے بعد جس میں رزق کی تقسیم کا ذکر ہے کہ بعض افراد کے لئے رزق میں فراخی اور بعض افراد کے لئے تنگی ہوتی ہے۔اس مسئلہ کے حل کی طرف احکام دیئے ہیں۔ جن افراد کو رزق میں فراخی دی گئی ہے ان کو فرمایا، کہ ان کے رزق میں ان کے قرابت داروں کا حق ہے۔ غرباء (مساکین) اور مسافروں کا بھی حق ہے۔ یہاں حق سے مراد فرض نہیں جس طرح زکٰوۃ مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن حق کا لفظ فرما کر اس عمل کی اہمیت کو واضح کیا کہ جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں اپنی دولت کو مکمل طور پر انسان کی اپنی ہی ذات کے لئے سمجھا جاتا ہے اس نظریہ یا فکر کی تردید کی ہے، کہ معاشرہ میں انسانیت اور بھلائی کے کردار کو آدمی نہ بھول جائے اور محروم افراد خواہ وہ اپنے رشتہ دار ہوں، ہمسائے ہوں محلہ یا شہر میں ہوں یا کوئی باہر سے مسافر ہو، اس کی مدد کی جائے۔ **اس عمل کی اہمیت کے پیش نظر، حق کا لفظ استعمال کیا** کہ اگر محروم افراد کا یہ حق ہے تو ان کی مدد کرتے وقت دینے والے کو یہ احساس رکھنا چاہیے کہ وہ کوئی مہربانی یا عنایت نہیں کر رہا، بلکہ اپنا حق ادا کر رہا ہے۔ان کے ساتھ نرمی اور محبت کا رویہ رکھنا چاہیے۔

متعدد احادیث، میں اس کی اہمیت بتائی گئی ہے اور اپنے رشتہ دار کو دینے کی ترجیح ہے۔ اس میں نہ صرف صدقہ ہے، بلکہ صلہ رحمی کا بھی ثواب بھی۔ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ تم کو رزق تمہارے ضعیف اور کمزور افراد کی بناء دیا جاتا ہے (وتُرزَقُونَ لِضُعَفَائِکُم) یہ ضروری ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، یعنی جس شخص کی مدد کی گئی ہے اس سے کوئی اس مدد کے مقابل معاوضہ یا فائدہ نہ اُٹھایا جائے، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ہے اور یہ عمل کرنے والے اس دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی اصول کے تحت اس سے تقسیم دولت میں بہتری آتی ہے۔ معاشرے کے اندر سماجی اور معاشی تفریق کم ہوتی ہے جس سے معاشرے میں جرائم کم ہوتے ہیں اور افراد کے آپس میں تعلقات بہتر رہتے ہیں۔ان دنیاوی یعنی سماجی فوائد کے علاوہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی اس کا اجر دیں گے۔ یہ وہ اسلامی اعمال ہیں جو ہماری دنیاوی زندگی اور آخرت کو بھی پر سکون بنا دیتے ہیں ضرورت ان پر عمل کرنے کی ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور تم جو مال سود (فائدہ) لینے کے لئے دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور تم جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جو زکٰوۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۠ ﴿۴۰﴾

اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں کوئی کام کر سکے۔ اللہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

غریبوں کو صدقہ اور ان کے ساتھ تعاون کے ذکر میں اس تحفہ کا بھی ذکر کیا ہے جو کمزور افراد، اپنے مالدار رشتہ دار یا ان کے مالک و مینجر یا کسی حاکم کو دیتے ہیں اور ان کا اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ تحفہ لینے والے کو، تحفہ دینے والے کی کمزور حالت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا وہ اس کے مقابل بہتر تحفہ یا بدلہ دے گا۔ اس طرح ان کو اس کا معاوضہ زیادہ ملے گا۔ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس عمل میں کوئی ثواب یا اجر نہیں۔ اکثر مفسرین کا یہی خیال ہے کہ اس آیت سے مراد ایسا ہی تحفہ / ہدیہ ہے جس سے مزید دولت مل جاتی ہے۔ اس عمل میں چونکہ نام تحفے یا ہدیہ کا ہے اس لئے واضح کر دیا گیا کہ کوئی ثواب نہیں۔ البتہ اس طرح جو مال بدلے میں زیادہ ملتا ہے وہ جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہی ربا (ربٰو) سود ہے جو کو بعد میں منع کر دیا گیا (یہ سورہ مکی ہے اور بعد میں مدینہ شریف میں سود کو منع کر دیا گیا)۔ سعدی نے کہا کہ یہ آیت ثقیف کے سود کے بارے ہے جو وہ قریش سے کرتے تھے۔

عمومی طور پر ہدیہ کے مقاصد تین ہو سکتے ہیں (۱) ایک بطور صدقہ یا اللہ کی رضا کے لئے دیا جائے اور اس سے مقصود ثواب ہو، اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا۔ (۲) وہ انسانی تعلقات عامہ اور تعریف و تحسین کے لئے ہدیہ دے جس سے تعلقات بڑھتے ہیں۔ اس کا کوئی ثواب نہیں صرف تعلقات کی بہتری ہوتی ہے یا شہرت ملتی ہے۔ (۳) ہدیہ کا مقصد اس سے معاوضہ لینا ہو۔ یہی جائز ہے اور ہدیہ دینے والا ہدیہ کا معاوضہ لینے سے پہلے واپس لے سکتا ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمر ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرتا ہے (والدین کے ذریعہ) پھر انسان کو اس دنیا میں رزق کے اسباب دیئے گئے ہیں اور انسان رزق حاصل کرتا ہے۔ صحت، بیماری، تنگی اور فراخی کے ادوار سے گذرتا ہے اور پھر اپنی عمر پوری کر کے اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ انسان کے زمین پر آنے سے چل رہا ہے۔ پھر قیامت کو اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ انسان جن قوتوں کو اپنا کارساز سمجھتا ہے ان میں کسی کی طاقت نہیں لہٰذا ان طاقتوں کو معبود بنانا صریح گمراہی ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

خشکی اور تری (سمندر) میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض برے اعمال کا مزا چکھائے، تاکہ وہ باز آجائیں (رک جائیں)۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾

آپ کہیے! تم زمین میں سفر کر کے دیکھو ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

(اے نبی) آپ اپنا رخ دین مستقیم (درست) کی طرف رکھیں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں، اس دن سب لوگ (مومن وغیر مومن) الگ الگ ہو جائیں گے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے (جنت کی) راہ ہموار کر رہے ہیں۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

تا کہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ بے شک وہ انکار کرنے والوں (کافروں) کو دوست نہیں رکھتا۔

اس سے پچھلی آیات میں، انسان کی زندگی میں مشکلات اور آرام میں انسانی رویہ کا ذکر تھا۔ اللہ کے رزق سے دوسروں کے حصہ یا سماجی فلاح و بہبود کا ذکر تھا۔ پھر زندگی کے بعد انسانی اعمال کے بارے حساب و کتاب کا ذکر تھا، تا کہ لوگ ان امور پر غور کریں اور اپنے اعمال درست کریں۔

سزا کے اسباب:

ابلیس (شیطان) کی موجودگی جو ایک غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) غیر مادی قوت ہے اور اس کی طاقت ہے کہ انسان کے دماغ میں اثر انداز ہو سکتا ہے اور وہ انسان پر اثر انداز ہو کر گمراہ کرتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے معمولی مثال، آج کل کے ڈیجٹل میڈیا، آواز، تصویر یا تحریر کی ترسیل ہے۔ کس قدر آسانی سے ایک دوسرے کو بھیجی جاتی ہے۔ کس قدر جلدی جا پہنچتی ہے اور کس قدر اس میں توسیع یا زیادہ تعداد کی جاسکتی ہے۔ اس کے انسانی دماغ یا سوچ پر کس قدر اثر ہوتا

ہے۔ یہ سارا عمل غیر مادی ہے۔ایک قوت جو الیکٹرومیگنیٹک انرجی کی قسم سے ہے، کہ ذریعے ہوتا ہے۔ شیطان یا ابلیس کا عمل اس سے زیادہ پیچیدہ اور ایڈوانس ہے۔ یہ سارے ذرائع جو برائی پھیلاتے ہیں اس کے تابع ہیں۔ شیطان، خیالات وتصورات کو انسانی ذہن میں داخل کرتا ہے، کیونکہ انسان کا دماغ ہر وقت ایکٹیو ہوتا ہے۔ پھر انسانی دماغ کی قوت اس میں مزید زیادتی یا کمی کر کے اس کو عملی صورت دیتی ہے۔ ظلم، فساد، انسانوں کے ساتھ ظلم، سماجی اور معاشی تفریق، نفرت، حسد، تکبر، یہ جذبات انسان کو برائی کی طرف لے جاتے ہیں اور جب کوئی معاشرہ ان برائیوں سے بھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سزا کے طور پر تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ تباہی، فساد یعنی ظلم، معاش کی تنگی یعنی مہنگائی، عدل وانصاف کا خاتمہ، انسانوں کے درمیان نفرت، طبقاطیت، کی صورت میں ہوتا ہے۔اس سے پہلے وہ امتیں جو ظلم کرتی تھیں ان کے انبیاء کی بدعا سے ساری امت تباہ ہو جاتی تھی اور یہ تباہی اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ لوگوں کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔اس سے لوگوں کو ان کی اصلاح کے لئے آگاہ کرنا ہے۔دراصل جرم کرنے والے کو اپنے جرم کا احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے احادیث مبارکہ میں حکم دیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، حکومت کے ساتھ افراد کا بھی فریضہ ہے اور اس کو ادا نہ کیا گیا تو سارا معاشرہ فساد سے بھر جائے گا اور زاہد وعابد بھی سزا میں پھنس جائیں گے۔

اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں، تو کئی سلطنتیں وجود میں آئیں اور تباہ ہو گئیں۔ مشرکین مکہ کے لئے ،ان کے یمن اور شام کے راستوں پر پرانی اقوام، عاد، ثمود، صالح وھود کے آثار قدیمہ موجود تھے اور ان کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ توریت کے بعد اور نبی آخرالزماں کی برکت سے اب مکمل تباہی نہیں، بلکہ ان کے اعمال کی سزا، بدامنی، خوف، معاشی بدحالی، مہنگائی، ظلم وعدل کی عدم موجودگی کی صورت میں آتا ہے۔اس کے علاوہ قدرتی آفات بھی آتی ہیں۔ سیلاب، سونامی، زلزلے اور یہ سارے مسائل بالخصوص ماحولیاتی اور موسم میں تبدیلیاں، زمین پر بسنے والے انسانوں کے لئے بہت بڑا مسئلہ بن گئے ہیں۔ان میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر سارے ممالک شامل ہیں۔اس کے علاوہ انسان کے ہاتھوں انسانی تباہی کی تازہ مثالیں، پہلی عالمی جنگ عظیم، دوسری عالمی جنگ عظیم (تقریباً 70 سے 80 ملین لوگ مرے)، مسلمانوں پر یوگوسلاویہ میں ظلم، عراق کی تباہی، افغانستان کی تباہی، یمن میں جنگ، شام کی تباہی اور لیبیا کی تباہی ہیں۔ مسلمانوں پر فلسطین اور میانمار میں روہنگیا مسلم پر ظلم ہے۔

گرم موسموں کی وجہ سے برفیں اور گلیشئر پگھل رہے ہیں، سمندر کی سطح بلند ہو رہی ہے، آبادیوں کے لئے خطرہ ہے۔خشک سالی ہے کہیں سیلابوں کی تباہی ہے اور گرمی سے جنگلات میں جنگلی جانوروں کی موت ہو رہی ہے۔ یہ ساری تباہیاں انسانوں کے غیر ضروری صنعتی الودگی اور غلاظت کے سبب ہیں۔اسلام پر عمل کرنے کی ہدایت نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام اور تمام انسانیت کے لئے ہے۔اگر اللہ کے احکام پر عمل نہیں ہوا تو پھر معاشرے اللہ کے عذاب

کے مستحق ہو جائیں گے اور یہ ان کے سراسر اعمال کا نتیجہ ہو گا۔

قیامت کے دن سراسر انصاف ہو گا۔ برے اعمال والوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی اور جنہوں نے اچھے اعمال کئے ،ان کو ان کے اعمال کے بدلے جنت کی صورت میں انعام دیا جائے اور جو لوگ ظلم اور کفر کرتے ہیں ،اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے دوست نہیں رکھتا۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۴۶

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائے ،اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۴۷

اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول ان قوموں کی طرف بھیجے، پھر وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے (مگر انہوں نے جھٹلایا) پھر جن لوگوں نے جرم کئے تھے ہم نے ان سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۝۴۸ۚ

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اُٹھاتی ہیں پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور وہ اس کے ٹکڑے (ٹکریاں) ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ۝۴۹

اور بے شک وہ اس بارش کے برسائے جانے سے قبل ضرور مایوس تھے۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ

وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

چنانچہ آپ اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھیں، وہ زمین کو اس کی موت (ویرانی) کے بعد کیسے زندہ (آباد) کرتا ہے۔ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

دوبارہ زندگی:۔

اللہ تعالیٰ کے عدل کے بعد اس کے انعامات کا ذکر ہے۔ زمین پر نہ صرف انسانی زندگی بلکہ حیوانات، نباتات سارے پانی سے ہیں۔ پانی کا بہترین ذریعہ انسانوں، حیوانوں، پرندوں، حشرات الارض کے لئے بارش ہے، جس کی وجہ سے سطح زمین پر پانی سے زمین سے نباتات نکلتے ہیں۔ بارشوں کا پانی، دریاؤں اور جھیلوں میں جاتا ہے اور سمندر میں شامل ہو جاتا ہے۔ بارش سے پہلے موسم کے حالات کا اندازہ آسمان پر بادلوں کے ٹکریوں یا گھٹا اور ٹھنڈی ہوا سے لگایا جاتا ہے، جو بارش کی وجہ سے آرہی ہوتی اور ساتھ بادل بھی لا رہی ہوتی ہے۔ بادل ہوں گے تو بارش ہو گی۔ بارش سے نباتات، زراعت، جنگلات کی وجہ سے انسانی اور جنگلی حیات کا دارومدار ہے۔ پھر ہواؤں کی وجہ سے موسم کی اہمیت کا پتہ جدید سائنس سے چلا ہے۔ ہوا کے ذریعہ پرانے زمانہ میں جب سٹیم انجن نہیں تھے، بڑی بڑی جہاز نما کشتیاں سامان کو لے کر بادبانوں کے ذریعے سمندر میں چلتی تھیں اور اس طرح تجارت ہوتی تھی۔ یہ تجارت، اللہ کا فضل تھا۔ جس سے لوگوں کو مختلف اشیاء ملتی تھی۔ اس وقت بھی بادل اور ہوائیں انسانی زندگی میں اور زمین پر فضاء کے لئے بہت اہم ہیں۔ اندازاً تین چوتھائی فضاء بادلوں سے بھری رہتی ہے۔ صحراء ہوں، میدان ہوں، پہاڑ ہوں، بارش کی برکت سے زمین پر وہ تمام پودے جن کے بیج یا بنیاد ایک نیم زندگی کی حالت میں دبی ہوتی ہے جونہی بارش کے پانی کے ذریعے ان کے اندر کیمیائی مادہ جو زندگی کے لئے ضروری ہے، بڑھنا شروع کر دیتا ہے اور پودا نکل آتا ہے اور یہ باران رحمت (بارش) انسانوں کو خوشی و زندگی میں آرام کا پیغام دیتی ہے۔

صوفیاء کے نزدیک رحمت الٰہی مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے اور محبت الٰہی کے پھول کھل اُٹھتے ہیں۔ انسانی روحیں پر لطف ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ویرانے میں بہار آجائے۔

ویران زمین، میں پودوں کے ڈی این اے ایک نیم مردہ حالت میں ہوتے ہیں، جو زندہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کے اجزاء بھی، قیامت کو اللہ کے حکم سے اسرافیل کی صور سے وہ حالت اور کیفیت پیدا ہو جائے گی، کہ تحلیل شدہ انسانی اجزاء دوبارہ مل کر نکل کھڑے ہوں گے، جس طرح دنیا میں فوت ہوئے تھے۔ ان کے اندر روح لوٹ آئے گی اور مادی جسم دوبارہ اجزاء سے مل کر زندہ ہو جائے گا۔ ریڑھ کی ہڈی کے اخری حصہ (DNA) سے روح شناخت کرے گی۔ انسان اپنی مکمل حالت میں ہو گا۔ (حدیث)۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کو بھیجااور جن لوگوں نے ان کے احکام پر عمل کیا وہ کامیاب ہوں گے اور جنہوں نے ان کا انکار کیا وہ گمراہ ہوئے اور تباہ ہوئے۔جو لوگ اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں ان کی زندگی کامیاب ہوتی ہے اور جو اللہ کے احکام پر عمل اور ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے اور دنیا کے مراحل اور مشاکل میں وہ کامیاب وکامران رہتے ہیں۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم تیز ہوا بھیج دیں پھر وہ اپنے کھیتوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾

پس بے شک آپ (اے نبی) مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سناتے ہیں جب وہ پیٹھ موڑ کر جارہے ہوں۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں، آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں۔

انسان کے اعمال و کردار کا تجزیہ کیا گیا کہ جب اسے آسائش و آرام دیا جاتا ہے، جب ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بارش کا پیغام دیتے ہیں تو بہت خوش ہوتا ہے۔اسے اپنی کامیابی سمجھتا ہے لیکن جب اسے سخت گرم ہوا کے جھونکے ملتے ہیں۔فصل زرد ہو جاتے ہیں اور پیداوار میں کمی ہوتی ہے تو ناشکری کرنا شروع کر دیتا ہے۔صبر نہیں کرتا اور اچھے ایام اور انعامات کو یاد نہیں کرتا۔

سورت مکی ہے۔نبی ﷺ مکہ شریف میں تبلیغ کرتے اور مشرکین مکہ پوری مخالفت کر رہے تھے۔نئے معجزات کا مطالبہ کرتے اور قرآن مجید اور تبلیغ کی طرف توجہ نہ کرتے،اس لئے فرمایا کہ عقل و سمجھ اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان کے رویہ کی وجہ سے وہ بہرے اور ان کی حالت مردوں کی طرح ہے اور ان کو سنانے کا کوئی فائدہ نہیں، وہ ہدایت سے پیٹھ پھیر رہے ہیں اور آنکھوں کے ہوتے ہوئے بھی ان کا رویہ اندھوں کی طرح ہے۔وہ گمراہی میں رہیں گے۔آپ ان کی گمراہی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ان ہدایات کو صرف وہی لوگ مانیں گے جو ایمان لائے ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی، پھر اس قوت کے بعد ضعف و بڑھاپا طاری کیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ بہت علم اور قدرت والا ہے۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جس دن قیامت قائم ہو گی مجرم قسم کھا کر کہیں گے ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے وہ اسی طرح بھٹکے ہوئے رہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا وہ کہیں گے بے شک لوح محفوظ کے مطابق حشر (قیامت) تک ٹھہرے رہے ہو پس یہ دوبارہ اُٹھنے کا دن (حشر) ہے لیکن تم تو (اسے سچا) جانتے ہی نہ تھے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ عتاب اور ناراضگی کو زائل کیا جائے گا۔

زندگی کا سفر:۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علمی دلائل موجود ہیں، جن کو نیچرل سائنس کے ذریعے زیادہ بہتر طریقے سے ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ آیت مبارکہ آج سے چودہ سو سال قبل نازل ہوئی اور انسانی جسم اور اس کے اعضاء اور دوسرے حواس کی ترقی کی کہانی بتا رہی ہے۔ اس بات کو طب (میڈیسن) بالکل قبول کر رہی ہے، بلکہ صداقت کو ثابت کر رہی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے حواس بالکل نہیں ہوتے۔ سانس کی روانی کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلی حس چھونے کی پیدا ہوتی ہے جو ماں کے سینے سے دودھ پینے سے ترقی کرتی ہے اور اُٹھانے، سلانے سے بڑھتی ہے پھر اسی طرح نظام ہضم کام کرتا ہے۔ اس کے بعد سماعت کام شروع کرتی ہے اسی طرح بصارت و گویائی کام شروع کر دیتی۔ اور یہ آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہیں اور تین سال کی عمر میں یہ کام شروع کر دیتی ہیں اور پھر آگے جسم کے ساتھ بڑھتی ہیں۔ جب انسان بلوغت (18 سال) کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو یہ مکمل طور پر کام کر رہی ہوتی ہیں۔ پھر ان میں مزید قوت آتی ہے اور انسان کی زندگی کا وہ مرحلہ جو مکمل طاقت کا ہے وہ بیس سال سے پچاس سال تک رہتا ہے۔ پھر

انسانی اعضاء یا قواء، کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں عمر بڑھتی ہے یاداشت، انسانی بصارت (بینائی) سماعت سب کمزور ہو جاتے ہیں۔ نظام ہضم، نظام تنفس اور اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں اور زندگی بوجھ بن جاتی ہے اور پھر موت اس بھنور سے نکالتی ہے۔ زندگی کی ابتداء اس میں بچپن میں کمزوری کے بعد توانائی اور طاقت جو جوانی میں ہوتی ہے اور پھر بتدریج کمی کے بعد بڑھاپے کی کمزوری کی کہانی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ سب ایک منظم طریقہ سے بنایا گیا ہے تاکہ انسانوں کی تعداد، زمین پر رزق کے وسائل میں تناسب رہے اور اس کا بنانے والا اللہ ہی تو ہے۔ ظاہر ہے وہ بڑی طاقت والا ہے، علم والا ہے۔ یہ سارا نظام، علم اور طاقت کے بغیر نہیں چل سکتا۔ انسان جب طاقت میں ہوتا ہے، تو اپنے اعمال اپنے علم و عقل کی بناء پر کرتا ہے۔ لہٰذا اس کو اس کے اعمال کا صلہ ملنا بھی اللہ کے عدل کے نظام کے مطابق ہے۔ انسانی وجود و قوت اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے اور انسانی اعمال کے حساب و کتاب کے لئے دنیا کی زندگی کافی نہیں اور نہ ملتا ہے۔ اس لئے اس کا حساب مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی صورت میں ہوگا اور اچھے اعمال پر انعام اور برے اعمال پر سزا ملے گی اور یہ دن قیامت اور حشر کا دن ہوگا۔

بہت سارے لوگ جو اللہ کی ذات پر یقین نہیں رکھتے اور زندگی کو ایک حادثہ سمجھتے ہیں یا اللہ پر یقین ہے لیکن قیامت اور جزاو سزا پر یقین نہیں یا برے اعمال کئے ہیں، جب قیامت ہوگی تو مختلف بہانے کریں گے، زندگی کی کمی کا بہانہ کریں گے اور دوبارہ لوٹ کر نیک عمل کرنے کا عہد کریں گے۔ لیکن اس دن ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی اور اپنی سزا بھگتیں گے اور جو لوگ اللہ، قیامت اور حساب و کتاب پر یقین رکھتے اور نیک اعمال کرتے ہیں، انہیں ان کی برائی اور انکار یاد دلائیں گے کہ دنیا میں وہ کس قدر مشغول تھے اور اللہ کے احکام کو بالکل بھول گئے تھے۔ ان گنہگاروں کو ان کے جرم کے سبب آہ و پکار کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ قیامت کا وقوع اللہ کے نظام کائنات جو کہ لوح محفوظ میں موجود ہے کے مطابق ہے۔ نیک افراد اپنے نیک اعمال کی اچھی جزا پائیں گے۔

ایک حدیث مبارکہ اس انسانی زندگی کے سفر کے بارے خوبصورت نقشہ بیان کرتی ہے ''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بچہ جب تک بالغ نہیں ہوتا، اس کے نیک اعمال اس کے والدین کے حساب میں لکھے جاتے ہیں (تربیت کی وجہ سے) اور جو کوئی برا عمل کرے تو وہ نہ اس کے حساب میں لکھا جاتا ہے نہ والدین کے (کیونکہ اس کی سمجھ پوری نہیں ہوتی)۔ پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو قلم اس کے لئے جاری ہو جاتا ہے (یعنی اس کا حساب و کتاب لکھا جاتا ہے) اور دو فرشتے جو اس کے ساتھ رہنے والے ہیں ان کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور قوت بہم پہنچائیں۔ جب حالت اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تین قسم کی بیماریوں سے محفوظ کر دیتے ہیں یعنی جنون، جذام اور برص سے (میڈیکل میں یہ ثابت ہے)۔ جب پچاس سال کی عمر کو

پہنچتا ہے تواللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا کر دیتے ہیں۔ جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچتا ہے اللہ اس کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق دیتے ہیں۔ جب ستر سال کو پہنچتا ہے تو سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تواللہ تعالیٰ اس کے حسنات (نیکی کا عمل) کو لکھتے اور سیئات (برا عمل) کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت (گھر والوں) کے معاملے میں شفاعت کا حق دیتے ہیں۔ اس کی شفاعت مقبول فرماتے ہیں (دعا قبول کرتے ہیں)۔ اس کا لقب امین اللہ اور اسیر اللہ فی الارض (زمین پر اللہ کا قیدی) ہو جاتا ہے (مسند امام احمد+طبرانی)۔

حدیث مبارکہ کس قدر علمی عمومی حقائق پیش کرتی ہے۔ اللہ کے عدل اور انسان سے محبت کا اظہار ہے۔ اعمال کا حساب، بلوغت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ، ہماری بیماریاں جو طبّی طور پر انسانی جسم کے ساتھ تبدیل ہوتی ہیں ان کا ذکر ہے۔ کچھ بیماریاں صرف بچپن میں ہوتی ہیں اور کچھ صرف پختگی کی عمر میں ہوتی ہیں۔ پھر انسان کی عادت کے مطابق اس کے اعمال ہوتے ہیں اس لئے اس کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے۔ ساٹھ سال کی عمر میں انسانی جسم کمزور ہو جاتا ہے تو اس کے اندر نفسانی خواہشات، اقتدار کی لالچ، انسانی اعضاء میں کمزوری کے سبب، یہ خواہشات بھی کم ہو جاتی ہیں۔ ستر اور اسی سال کی عمر میں اور کمزور ہو جاتا ہے۔ عموماً لوگ اپنی کمزوری اور زندگی کے تجربہ کے بعد اللہ کے وجود یا کسی ایسی طاقت کا وجود جس کے سامنے انسان بے بس ہے، کا ذہنی طور پر مکمل اقرار کرتے ہیں، اسلئے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرتے ہیں (یہ مسلمان کے لئے ہے) غیر مسلم کا معاملہ حقوق اللہ کا مختلف ہوگا۔ بڑھاپے میں اس کی دعا، اس کے اہل خانہ کے لئے قبول کی جاتی ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ گھر کے بزرگوں کا خیال کیا جائے، ان کو خوش رکھا جائے اور ان سے دعا حاصل کی جائے۔ یہ اسلامی معاشرہ ہے جس کو اسلام انسانوں کے لئے نافذ کرتا ہے۔ اسلامی سارے احکام عمومی انسانی بھلائی کے ہیں اور ہر بھلائی کا کام اسلام کا حصہ ہے، وہ حدیث میں مذکور ہو یا نہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حکمت اور بھلائی مومن کی گمشدہ چیز ہے اور جہاں سے بھی اسے ملے وہ اسے حاصل کرے (اس کا اس کو حاصل کرنے کا زیادہ حق ہے)۔ "اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا" انسانی نجاعت کا دار و مدار انسان کے اعمال صالحہ پر ہے جو اللہ کے نظام عدل کے تحت ہے اور ناامیدی ممنوع ہے۔ اعمال خیر (معروف) کی کوشش لازمی ہے۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر مثال بیان کر دی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لائیں تو جن لوگوں نے انکار (کفر) کیا وہ ضرور کہیں گے کہ تم تو محض جھوٹے ہو۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

لہٰذا آپ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو وہ لوگ ہلکان (بے صبر) نہ کر دیں۔ جو یقین نہیں رکھتے۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے. قرآن مجید نے اللہ کے وجود، انسانی وجود، موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے, کے بارے کئی مثالوں سے سمجھایا تا کہ لوگ غور و فکر کر کے سمجھ جائیں۔ انسان عموماً مادی موجودات، جنہیں دیکھ یا چھو سکتا ہے زیادہ یقین کر لیتا ہے، جیسے درخت و پہاڑ، لیکن وہ اشیاء جو نظر نہیں آتیں، ان کے بارے اسے مشکل پیش آتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے بارے ایمان بالغیب کی تاکید ہے، لیکن اس کے ساتھ قرآن مجید میں علمی و عقلی، دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ لیکن کفار اپنی ضد، تکبر اور ان دلائل پر غور نہ کرنے کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہے گویا ان پر کفر یا گمراہی کی مہر لگ گئی ہے۔

نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ کفار کی ضد، مخالفت آپ کو پریشان اور صبر کو کمزور نہ کر دے۔ آپ تبلیغ و ہدایت جاری رکھیں آخری کامیابی مسلمانوں کو ہی ہو گی۔

سورت کی ابتداء میں مسلمانوں کو رومی حکومت، کے ایرانی حکومت، سے شکست سے پریشانی پر خوشخبری دی گئی تھی، کہ بالآخر رومی کامیاب ہوں گے اور واقعات نے یہی ثابت کیا۔ اسی طرح اختتام پر بھی مسلمانوں کو کفار مکہ کے ظلم و ستم، مخالفت و انکار، پر صبر کی تلقین اور کامیابی کی یقین دہانی کرائی گئی ہے اور مکہ چھوڑنے کے آٹھ سال کے اندر، مکہ دوبارہ مسلمانوں کے زیر قبضہ آ گیا اور انکار کرنے والے یا تو بھاگ گئے یا انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا اور دونوں خوشخبریاں پوری ہوئیں۔

الحمدللہ سورۃ الروم آج بروز سوموار 4 جولائی 2022 عیسوی بمطابق 5 ذوالحجہ 1443 ھجری کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کی ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر قارئین اور مصنف کے لئے توشہ آخرت اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ خاتم النبیین۔

31- سورۃ لقمان

تعارف:۔

سورت کا نام لقمان اس کی آیت نمبر 12 میں حضرت لقمان، کے ذکر سے ہے۔ سورت میں انہوں اپنے بیٹے کو نصیحتیں کیں۔ اسباب نزول کے بارے لکھا ہے، کہ قریش مکہ نے نبی ﷺ سے حضرت لقمان کے بارے سوال کیا جس کے جواب میں سورت نازل ہوئی۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ قرآن مجید کی ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر اکتیس (31) اور نزول کے اعتبار سے ستاون (57) ہے۔ یہ سورت الصٰفٰت کے بعد اور سورۃ سباء سے پہلے نازل ہوئی۔ سورت چونتیس (34) آیات اور چار (4) رکوع پر مشتمل ہے۔

مضامین کے اعتبار سے سورت الروم سے مناسبت ہے۔

دونوں سورتوں کی ابتداء میں قرآن مجید کی عظمت وصفات کا ذکر ہے۔ انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کا بھی ہے۔ انسان کی نفسیاتی کمزوری، کا ذکر کہ وہ خوف ومشکل میں تو اللہ پر ایمان لے آتا ہے اور پھر آسانی میں بھول جاتا ہے۔

سورت میں حضرت لقمان، کی اپنے بیٹے کو نصیحتوں کا ذکر ہے، جس سے مقصود، عام لوگوں کو ہدایت، شرک سے اجتناب (دوری)، ماں باپ کے ساتھ نیکی، برائی سے دوری اور تواضع وانکساری کا حکم ہے۔ یہ عادات واطوار انسانی معاشرے، میں خوبصورتی کے لئے بہت اہم ہیں۔ توحید ربانی کے دلائل ہیں۔ اللہ کی عظمت وقوت کا اظہار ہے۔ کائنات پر اسکی قوت کو بیان فرمایا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ الف۔لام۔ میم۔

تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔

ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳﴾ یہ (کتاب) نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾

جو لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور زکٰوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾

وہی (لوگ) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات، الف، لام، میم، سے ہے۔ان کے بارے سورۃ البقرہ میں تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔یہ حروف قرآن مجید کے اسرار ہیں اور متاخرین علماء نے ان کی توجیہہ بیان کی ہے۔الف سے اللہ کی طرف اشارہ ہے اور ل سے لطف و عطا کی طرف اشارہ ہے جو اس کی لا محدود ہے اور اس سے ساری کائنات مستفیذ ہو رہی ہے۔ میم سے مراد اس کی امارت، مجد اور ثناء ہے۔اس کی بزرگی مسلم ہے۔الف سے الفت کا اشارہ ہے، جس سے اس کے محبین کے دلوں سے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں اور لام سے لطف، ع سے عطا، جس سے اس کے اسرار کی محبت میں اس کے چاہنے والے گم ہو جاتے ہیں اور میم سے اس کی مجد و عظمت، سے مخلوق کی حاجت سے غنی (بے پرواہ) ہو جاتے ہیں۔

اس سورت کی آیات، کتاب حکیم کی آیات ہیں، جو حکمت سے لبریز ہیں۔ تمام انسانیت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ان کے بیان و قصص حق، پر مشتمل ہیں۔ یہ سراپا ہدایت ہے۔یعنی ایک فرد ہو یا معاشرہ، جو اس کے احکام پر عمل کرے گا، وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا اور فساد اور بگاڑ سے محفوظ ہو گا۔ دنیا کی زندگی پُر سکون و آرام دہ ہو گی۔ آخرت میں بھی کامیابی و کامرانی ہو گی۔ یہ نیک عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔نیک عمل، قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔نیک عمل کرنے والوں (محسنین) کے اوصاف کا بھی ذکر کر دیا، تاکہ ان کے جاننے اور پہچاننے میں آسانی ہو۔ان کی جو صفات ذکر کی ہیں وہ تین ہیں (۱) صلوۃ کو قائم کرتے ہیں۔(۲) زکٰوۃ کو ادا کرتے ہیں۔(۳) آخرت یعنی یوم حساب پر یقین رکھتے ہیں۔

نماز:۔

نماز سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت کا وہ طریقہ جو نبی ﷺ نے ہمیں عمل کر کے بتایا اور

اس کے بارے قرآن مجید میں اشارات اور احادیث مبارکہ میں وضاحت اور عمل کر کے دکھایا گیا ہے۔

نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ نماز کے عمل کو مستقل طور پر زندگی میں نافذ کیا جائے اور اس کے نافذ کرنے میں تمام سہولیات کا بندوبست واہتمام کیا جائے۔ نماز کی ادائیگی اور ارکان کی برکات کو تحریر کیا جاچکا ہے۔

نماز سے پہلے پاکیزگی اور صفائی ضروری ہے۔ استنجاء اور وضو کے ذریعے جسم کو صاف کرنا، کپڑے کا صاف ہونا اور اس طرح جہاں نماز پڑھی جائے اس جگہ کا صاف ہونا ضروری ہے۔ اسلام میں ساری زمین پاک ہے۔ سوائے اس جگہ کے جہاں پر گندگی ہو۔ اس کے بعد بڑی محبت، ادب سے نماز کو شروع کرنا ضروری ہے، تاکہ اس کے فوائد حاصل ہوں۔ جس کی نشاندہی حدیث مبارکہ میں یوں ہے، کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اللہ کی ذات کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مقام نہیں مل سکا، تو کم از کم یہ دل میں خیال کرو کہ وہ ذات خداوند تمہیں دیکھ رہی ہے۔ اگر اس اصول کے تحت نماز ادا کی جائے تو نماز کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ جماعت کا ثواب علیحدہ ہے۔ اس کے سماجی اور نفسیاتی فوائد بہت زیادہ ہیں۔ مسجد کے کچھ آداب ہیں، خاموشی ہو، ماحول عبادت کے لئے سازگار ہو، پاکیزہ اور صاف ہو۔ اسی طرح نمازیوں کے حقوق ہیں، کہ جماعت میں شامل ہونے والے کسی اچھوت بیماری کا مریض نہ ہو، نہ ہی تھوم (لہسن)، پیاز کھا کر جائے تاکہ اس کے منہ کی بو سے ساتھی کو تکلیف ہو۔ گندے، میلے کچیلے، بدبودار کپڑے نہ ہوں۔ اللہ کی ذات کے شان شایاں لباس ہو۔ مسجد میں بھاگا نہ جائے، شور نہ کیا جائے، چھوٹے بچوں (سات سال سے کم) کو نہ لایا جائے تاکہ دوران نماز یا جماعت مسجد میں شور نہ ہو۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے بچوں کی عمر سات سال کی ہو جائے تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کی ہو جائے تو ان کو مار (ڈرا کر) کر نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ کر دو (مسند احمد / سنن بیہقی)۔ یہ حدیث مبارکہ نفسیات اور تربیت اطفال کے لئے اعلیٰ معیار ہے۔ سات سال سے قبل بچے جب اپنے گھر میں والدین کو نماز پڑھتے دیکھیں گے، تو انہیں اس کا ابتدائی علم ہو گا۔ پھر والدین کا فرض ہے کہ ان کو نماز سکھائیں اور مسجد ساتھ لے جائیں۔ دس سال کی عمر میں بچے ضد شروع کر دیتے ہیں، تو ان کے لئے سزا و جزا (یعنی انعام) کا طریقہ استعمال کر کے نماز کی عادت ڈالنی چاہیے اور اس کا اہتمام تیرہ سال تک کرنا چاہیے۔ اگر اس اصول کے تحت بچوں کی تربیت کی جائے تو بہت مفید نتائج سامنے آئیں گے اور جدید نفسیات بھی اسی انداز و طریقہ کو، ترجیح دیتی ہے۔ والدین کا اپنا عمل، بچوں کے لئے سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

جماعت کے بعد شرکاء کا ملنا جلنا، معاشرتی اور سماجی لحاظ سے بہت اہم اور امامت کے لئے انتظامی حیثیت کے حامل افراد کو ترجیح ہے مثلاً قاضی، گورنر، انتظامی سربراہ یا کونسلر، اس طرح ان کو لوگوں سے رابطہ کی سہولت بھی ہو گی

اور دوسروں کو نماز کی ترغیب بھی۔اس کے بعد ترجیح، علم و عمل، عمر اور صحت کی ہے۔دورانِ نماز اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت بہت اہم ہے۔ جس طرح ظاہری امور (طہارتِ جسم ولباس، مکان) کا اہتمام ہے، اسی طرح دوران نماز بھی اللہ کا خوف، اس کی عظمت کا اقرار واظہار ہو۔انسان کی اپنی کمزوری، عاجزی اور تواضع، ارکان کی ادائیگی سے ظاہر ہو۔جب منہ قبلہ کی طرف ہو تو دل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف پورا متوجہ ہو۔ان سب امور کے اہتمام کے بعد نماز کے فوائد اور برکات ظاہر ہوں گے۔اگر رزق حلال نہیں تو بھی عبادت مقبول نہیں ہو گی۔اس نماز کے نظام کا مقصد، معاشرے کی اصلاح اور آرام و سکون ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسانوں کی عبادات سے مستغنی ساری کائنات اس کے تابع ہے۔انسان کا فرض ہے کہ اس کے انعام واکرام کا اعتراف کرے اور اپنے اعمال و کردار سے اس کا اظہار کرے۔اقامت نماز سے مراد تمام زندگی میں نماز کو نافذ کرنا ہے۔

زکوٰۃ:۔

اقامت نماز کے بعد جس خصوصیت کا ذکر فرمایا، وہ ادائیگی زکوٰۃ ہے۔ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ایک نظام ہے ، جسے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے ذریعے انسانوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاں عبات الٰہی کا حکم ہے وہاں زکوٰۃ کا حکم ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی انسان اور بالخصوص کمزور اور محتاج انسانوں سے محبت کا اظہار اور عموماً انسانوں کو تفریق ختم کرنے کا حکم ہے۔

زکوٰۃ کے معانی پاک وصاف کرنا ہے۔زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انسان کا مال، پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔یعنی مال کا استعمال اس کے مقاصد کے لئے صحیح ہے اور اس کا اسے ثواب بھی ملے گا۔قرآن مجید میں بہت سارے مقامات پر زکوٰۃ اور صلوٰۃ کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ جس سے ان دونوں کی اہمیت نظر آتی ہے۔ زکوٰۃ کی اصطلاحی (فقہی / قانونی) تعریف یہ ہے، کہ جو مال بقدر نصاب ہو اور ضروری حاجات (خوراک، لباس، رہائش) سے زائد ہو اور اس پر ایک سال (قمری) گذر جائے، اس مال کا چالیسواں حصہ (اڑھائی فیصد- 2.5 %) کو کسی مسلمان (فقہ حنفی کے مطابق جو ہاشمی نہ ہو)، نصاب کا مالک نہ ہو یا مقروض (مالک ہو) ہو، مسافر، مسکین، فقیر ہو یا دوسرے فلاحی کام، تعلیم و فلاح انسانی، کے لئے براہ راست استعمال کیا جائے یا دیا جائے۔اس کی تفصیل کتب فقہ (قانون) میں موجود ہے۔ نصاب (کم از کم حد ملکیت جس سے کم پر زکوٰۃ نہیں) یہ ہے۔(۱) چاندی کی مالیت باون (52) تولے یا سونا، ساڑھے سات (7½) تولہ کے برابر ہو یا مال تجارت اس کے برابر ہو۔ حیوانات، زرعی زمین، معادن (معدنیات) کا حساب علیحدہ ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ زکوٰۃ کا مال علیحدہ کر کے مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت کیا جائے (فقہ حنفی)، دوسرے فقہ میں یہ لازمی نہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف کے بارے قرآن مجید اور احادیث میں واضح احکام موجود ہیں۔اسلام پہلا مذہب ہے

جس نے ایک منظم نظام کے تحت اموال و فنڈز کو جمع کیا اور ایک منظم طریقے سے معاشرے کے مستحق، کمزور، افراد پر تقسیم کر کے فلاحی ریاست کا عملی نظام قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے ذریعے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اس سے معاشرے میں معاشی و معاشرتی تفریق کو ختم کرنے کے عملی اقدام کئے گئے ہیں اور اسلامی حکومت کا فرض ہے، کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے طریقوں (مثلاً ٹیکس وغیرہ) سے معاشرے میں سماجی و معاشی تفریق کو کم سے کم کرنے کے اقدامات کرے تاکہ معاشرہ طبقاطیت کا شکار نہ ہو بلکہ مساوات انسانی کا مظہر ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا۔ کیونکہ زکوٰۃ، مال کا حق ہے اور اللہ کی قسم: وہ بکری کا بچہ جس کو وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں دیتے تھے اگر وہ اس کو مجھے دینے سے منع کریں تو میں اس کے منع کرنے پر ان سے ضرور قتال (جنگ) کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم یہ وہ چیز ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا۔ پس میں نے جان لیا یہی حق ہے (صحیح بخاری/ مسلم/ ابوداؤد/ ترمذی/ نسائی)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کی نماز (قبول) نہیں (المعجم الکبیر للطبرانی)۔

زکوٰۃ کے بارے متعدد احادیث اور کتب احادیث میں کئی ابواب ہیں۔

زکوٰۃ کے سماجی اور معاشی فوائد پر کتب تحریر کی گئیں ہیں۔ اسلامی نظام زکوٰۃ، دنیا پر فلاحی ریاست کا پہلا عملی نظام تھا۔ اہل صفاء (وہ افراد جو اللہ کی محبت میں دنیا کی رغبت نہیں رکھتے) کے مطابق، اپنے دلوں کو صاف اور دنیا سے خالی رکھنے کے لئے ضرورت سے زائد، سارا مال راہ خدا میں دے دیا جائے اور مقربین (اللہ سے قرب والوں) کی زکوٰۃ کا معیار یہ ہے کہ مال سے آگے بڑھ کر مقصود کے حصول (رضائے الٰہی) کے لئے اپنے وجود کو بھی خرچ کر دیا جائے۔

ع "یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ!" (اے ہمت مردانہ، اللہ کی ذات تک پہنچ)۔

آخرت:۔

تیسری صفت اُن کا آخرت پر یقین ہے۔ آخرت سے مراد قیامت اور انسان کے حساب و کتاب کے بعد جو اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔ آخرت اس لئے اہم ہے کہ دنیا کی زندگی، پھر برزخ (قبر کے وقت) کے بعد، یہ وقوع پذیر ہو گی۔ اہل ایمان کا اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ اُٹھیں گے (زندہ ہو کر)۔ ان کے دنیا میں اعمال کا حساب و کتاب ہو گا اور وہ اس کے نتیجہ میں جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ یہ یقین جب انسانی دماغ میں ہو گا، تو اس کے اعمال خود بخود اللہ کے احکام کے مطابق ہوں گے، ورنہ زبانی اقرار تو ہوتا ہے، لیکن یقین نہیں ہوتا۔ اس لئے اعمال

صحیح نہیں ہوتے، نہ نماز صحیح ادا اور نہ صحیح زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے، بلکہ انسان اپنی اغراض میں گم رہتا ہے۔

ان صفات کی بناء پر یعنی اعمال کے نتیجہ میں، وہ انسان اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، کیونکہ اپنے رب کے احکامات پر عمل کرتے ہیں اور وہ کامیاب ہیں۔ کامیاب وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے مقصود اور مطلوب (ہدف) کو حاصل کرلے۔ اس کے دو مطلوب ہیں، ایک دنیا کی زندگی میں کامیابی اور دوسرا اُخروی زندگی میں کامیابی۔ چار چیزیں اُخروی کامیابی کے لئے اہم ہیں، جو نظام صلوۃ، زکوٰۃ اور آخرت پر مکمل ایمان سے حاصل ہوتی ہیں۔ (۱): **بقا ہو فنا نہ ہو**، یعنی ایسے اعمال کئے جائیں جن کے اثرات طویل ہوں۔ بعد از حیات تک۔ (۲): **عزت ہو ذلت نہ ہو**۔ یعنی ایسے اعمال ہوں جن کی وجہ سے دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی کامیابی ہو۔ (۳): **غنا ہو فقر نہ ہو**۔ یعنی ایسے اعمال ہوں جو کہ بروز حساب و کتاب ختم نہ ہوں، بلکہ ان کا اجر ملے اور دنیا میں بھی دولت کی محبت کم ہو تاکہ اس کی وجہ سے جرائم نہ ہوں۔ دولت بری نہیں جتنی اس کی محبت بری ہے۔ (۴): **علم ہو جہل نہ ہو**۔ یعنی علم کے نور سے منور ہو تاکہ اچھے اور برے اعمال میں تمیز ہو سکے۔

اعمال کو ان اصول کے مطابق کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے اور کامیاب لوگوں میں شمولیت ممکن ہے۔ ان نیک کاموں پر عمل کے لئے ہر وقت اللہ سے توفیق و مدد مانگنی چاہیے کیونکہ شیطان اسی کوشش میں ہر وقت رہتا ہے کہ انسان دنیا و آخرت میں ناکام ہو کر اس کی ساتھ دوزخ میں جائے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غافل کر دینے والا (دل فریب) کلام خریدتے ہیں تاکہ وہ علم کے بغیر اللہ کی راہ (دین) سے گمراہ کریں اور اس کا مذاق اُڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے پلٹ جاتا ہے جیسے اس نے وہ سنی ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں بہرا پن ہو۔ چنانچہ آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے پُر نعمت باغ ہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے وہ نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہ نضر بن حارث کے متعلق ہے۔ وہ قریش کا سردار تھا اور تجارت کے لئے فارس (ایران، عراق) کی طرف جاتا۔ وہاں سے مال کے علاوہ، رستم واسفند (سہراب) کے واقعات سنتا اور یاد کرتا، پھر آ کر لوگوں کو سناتا۔ اسلام کا سخت مخالف تھا اور پوری کوشش کرتا کہ لوگ قرآن مجید نہ سنیں، بلکہ کہتا کہ قرآن کے قصے قوم عاد اور ثمود کے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفند یار، کے قصے سناؤں گا۔ لہٰذا میرے قصے سنو۔ اسی لئے کفار مکہ ،ایرانیوں کی رومیوں پر فتح پر خوش بھی تھے۔ اس کے علاوہ اس وقت مکہ میں کئی قریش کے امراء کے پاس سریلی آواز میں لونڈیاں گانے اور ناچ کے ذریعے لوگوں کا دل لبھاتی تھیں۔ یہ سورت مکی ہے، اس میں اسی لئے گانے کے بارے شدید منع ہے اور متعدد احادیث میں بھی اسی حوالہ سے روایت ہیں جس میں گانا اور بجانا منع فرمایا گیا۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی باندی کے پاس گانا سننے کے لئے بیٹھا، اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سوناڈالا جائے گا (جامع الصغیر)۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی، تو ان پر بلاؤں کا نزول ہو گا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا، یارسول اللہ ﷺ وہ کون سی خصلتیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (۱): جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنالیا جائے گا یعنی سرکاری مال کو۔ (۲): امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا۔ (۳): زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا۔ (۴): آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا۔ (۵): ماں کی نافرمانی کرے گا۔ (۶): دوست کے ساتھ نیکی کرے گا۔ (۷): باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا۔ (۸): مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں گی۔ (۹): سب سے رذیل شخص کو قوم کا سردار بنالیا جائے گا۔ (۱۰): کسی شخص کی شر سے بچنے کے لئے عزت کی جائے گی۔ (۱۱): شرابیں عام (برسرعام) پی جائیں گی۔ (۱۲): ریشم پہنا جائے گا۔ (۱۳): گانے والیوں اور (۱۴): آلات موسیقی کو رکھا جائے گا۔ (۱۵): اس امت کے بعد والے، پہلے والوں کو برا کہیں گے۔ اس وقت تم، سرخ اندھیوں یا زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا انتظار کرو۔ (ترمذی)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت (۶) کے بارے پوچھا گیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد غناء (گانا بجانا) ہے۔ ضحاک نے کہا کہ غناء مال کو ضائع کرتا ہے، رب کو ناراض کرتا ہے اور یاد الٰہی سے غافل کرتا ہے۔

ساز و آواز:۔

تمام مفسرین اور علماء کا اتفاق ہے کہ گانا بجانا (غناء) جس سے دلوں میں رومان، جنسی عشق، عورتوں کی طرف رغبت، ان کے حسن، اور شراب (نشہ) کا ذکر اور ترغیب ہو، لہو (گناہ) اور منع ہے۔ سریلی آواز، اللہ کی نعمت ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب سریلی آواز میں حمد و ثناء کرتے تو پرندے اور حیوانات بھی رک جاتے اور یہی وجہ ہے کہ سریلی آواز میں گانا جذبات کو بھڑکاتا ہے اور اگر حمد و ثناء کی جائے اور موت کو یاد کیا جائے، تو آنسو بہا دیتا ہے۔ اس لئے کچھ صوفیاء قوالی کی صورت میں صوفیانہ کلام (وہ شاعری جس میں اللہ کی محبت اور قوت کا اظہار ہو، انسانی بے بسی کا ذکر ہو) کو سنتے ہیں اور جائز سمجھتے ہیں اور کچھ اس کو صحیح نہیں جانتے کیونکہ اس کے لئے جو شرائط اور ماحول ضروری ہوتا ہے، وہ میسر نہیں ہوتا، اس لئے برائی کے امکانات اور غلطی کی طرف جانے کے مواقع زیادہ ہو جاتے ہیں۔

وہ اشعار جو حسن نسواں، عشق نسواں، شراب و کباب، لذت نفس، لذت دنیا کے مواد سے خالی ہوں اور ان کی قلیل مقدار ہو ان کو خوشی کے ایام مثلاً عید، شادی یا کسی تہوار کی مناسبت سے گانا اور سننا جائز ہے۔

اسی طرح سخت مشقت کے کاموں میں، مشقت، کو سرور سے زائل کرنے کے لئے اشعار گائے اور سنے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح قافلوں میں یا اونٹوں کو چلاتے وقت ''حدی'' غناء گانا بھی گایا جا سکتا ہے جبکہ اس کا موضوع اور مواد صحیح ہو۔ اس طرح کے واقعات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں واقع ہوئے اور آپ نے اس کی اجازت دی۔ (الجامع الاحکام القران للقرطبی)۔ اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ شریف کی آمد پر بچیوں کا استقبال کرنا اور گانا۔ طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعْ۔ اور غزوہ خندق پر صحابہ کرام کا اشعار اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھنا

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدَّقنا ولا صلَّینا

اور صحابہ کرام کہتے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا عَلَى الجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا۔

جواب فرمایا: اللَّهُمَّ لا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَهْ

اللہ کی قسم اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

ہم وہ ہیں جنہوں نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں۔ اور جواب میں فرماتے: اے اللہ سوا ایے اخرت کے کوئی زندگی نہیں۔

ایک موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس دو لڑکیاں دف کے ساتھ گا رہی تھیں، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منع کیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر! ان کو چھوڑ دو، کیونکہ یہ عید (خوشی) کے ایام ہیں، (بخاری و مسلم)۔ ایک اور روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سے ہے کہ ایک لڑکی کی انصار کے ایک مرد سے رخصتی (شادی) کی گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ کیا تمہارے ساتھ لہو (گانا بجانا) نہیں تھا کیونکہ انصار کو، لہو (شادی کے موقع پر گانا) اچھا لگتا ہے۔ (بخاری شریف)۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ اگر کلام صحیح اور شرعی طور پر انسانی بھلائی کا ہے اور ماحول انتہائی اچھا ہے، جس میں برے اطور یا جذبات کا امکان نہیں، تو گایا اور سنا جاسکتا ہے۔ ماحول سے مراد یعنی مرد علیحدہ ہوں اور عورتیں بھی علیحدہ ہوں اور کسی موقعہ پر یا مناسبت پر ہو، جس کی اجازت ہے یعنی شادی، تہوار، خاص معین وقت برائے سماع ہو تو اس کی اجازت ہے۔ لیکن اس کے باوجود عمومی طور پر گانا بجانا ایک برا عمل ہے، جس میں نقصانات زیادہ ہیں۔ موجودہ دور کا ماحول انتہائی گمراہ کن ہے، جس میں آلات، کلام اور ماحول، جہاں نوجوان لڑکے، مرد اور لڑکیاں اور عورتیں موجود ہوتی ہیں، لباس اور انداز بھی برانگیختہ کرنے والا ہوتا ہے، بالکل ممنوع ہے اور اس طرح کے پروگرام دکھانے کا بھی بہت برا اثر پڑتا ہے جس کو منع کرنا چاہیے۔ آواز کا سریلا پن اور اس کا اثر ایک طبعی حقیقت ہے اور اگر انسان چاہتا ہے تو تنہائی میں خود آواز اور ساز کے ساتھ اپنا دل بہلا سکتا ہے۔ یاد خدا اور موت کے ذکر سے اپنے احوال کو بہتر کر سکتا ہے یا سنا جاسکتا ہے۔ لیکن پرہیز علاج سے بہتر ہے اور ہر وہ عمل جو آپ کو اپنے فرائض اور اللہ کی یاد سے غافل کر دے، وہ ایک طرح کی لہو (فالتو) ہے اور اس سے بچنا نہ صرف مفید ہے بلکہ ضروری ہے۔ موجودہ دور میں الیکٹرانک ذرائع ابلاغ (میڈیا) نے گانے، ناچ کو اس قدر عام کر دیا ہے کہ جس سے بچنا ایک مشکل کام ہے، جس کے لئے بڑی کوشش کی ضرورت ہے۔ اس میں کچھ اچھی اشیاء (پروگرام یا معلوماتی مواد) بھی ہیں لیکن اکثریت لغو اور لہو کی طرف ہے، اس لئے اکثریتی مواد اور استعمال کو دیکھ کر حکم دیا جاتا ہے۔

مشرکین مکہ کا رویہ سخت تھا وہ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تبلیغ سے اعراض کرتے، لوگوں کو منع کرتے تھے۔ اس کا ذکر ہے کہ وہ قرآن کے حقائق پر غور نہیں کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا علم ان حقائق اور واقعات کے بارے میں کچھ نہیں ہوتا۔ محض مخالفت کی وجہ سے خود بھی غور و فکر نہیں کرتے اور تکبر کی وجہ سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کے غلط رویہ کی ان کو سزا ملے گی، جو شدید عذاب ہوگا اور اس کے مقابل جنہوں نے قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تعلیمات پر غور کیا، قبول اور نیک اعمال کئے، ان کو اس کا صلہ جنت میں اعلیٰ رہائش ملے گی بلکہ جنتیں ملیں گی۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

آیات میں دو طرح کے کرداروں کا موازنہ (مقابلہ) کیا ہے، کچھ افراد، ہدایت الٰہی پر یقین کرتے اور نیک کر کے اپنی زندگی اور آخرت میں انعام حاصل کرتے ہیں اور دوسری طرف کے لوگ ہدایت کی موجودگی میں اس سے بے پرواہی اور تکبر کرتے ہیں۔ گمراہی اور لغویات، ناچ گانے میں وقت ضائع کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں وہ جہنم کی آگ میں سزا پائیں گے۔ اللہ کے سارے وعدے سچے ہیں کیونکہ وہ ذات بڑی قوت اور طاقت والی ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا

مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝

اس (اللہ) نے آسمانوں کو پیدا کیا اور تم انہیں بغیر ستون کے دیکھتے ہو اور زمین پر پہاڑ گاڑھے تاکہ تمہارے لئے ڈھلک نہ جائے اور ہر قسم کے جانور اس (زمین) پر پھیلائے اور آسمان سے پانی اُتارا اور ہم نے زمین پر ہر قسم کے عمدہ جوڑے اگائے (پودوں میں) ہیں۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

یہ اللہ نے پیدا کئے ہیں پس تم مجھے دکھاؤ کہ اوروں نے اس کے سوا کیا پیدا کیا لیکن ظالم (گمراہ) کھلی گمراہی میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور قوت کے علمی دلائل دیئے ہیں، جو سادہ، عام فہم اور تحقیق کے لئے انتہائی دقیق ہیں۔ آسمان/فضاء کو ہر آدمی دیکھتا ہے اور اس میں کوئی ستون نظر نہیں آتا۔ اس کے اوپر (فضاء) میں سورج، چاند اور ستاروں کے جھرمٹ ہمیں نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ آسمان کے لئے فلک کا لفظ بھی استعمال ہوا کہ سورج، چاند سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ آسمان نے زمین کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ ستون نہ ہونے کی ایک دلیل ہے کہ آسمان کے لئے کوئی انسان کو نظر آنے والا، مادی ستون نہیں اور دوسرا یہ ہے کہ بغیر ستون کے آسمان کا وجود قائم ہے۔ موجودہ سائنس نے آسمان کی وضاحت خلاء سے کی ہے، جو کہ فضاء ہے اور خالی اور اس کے اندر اجرام سماوی اپنے اپنے مداروں میں تیر رہے ہیں۔

طبیعیات سائنس، میں آسمان سے مراد سورج کی شعاعوں کی حدود کا ایریا ہے، جس میں نظام شمسی کے سیارے تیر رہے ہیں اور اس کے آگے خلاء (Space) ہے جو کہکشاں اور اس سے آگے تک جاتا ہے۔ طبیعیات کے مطابق آسمان کے چھ مختلف طبقات ہیں، لیکن اَب جدید تحقیق بالخصوص وائج نمبر ایک، voyge1 کے سفر سے جو پچھلے پنتالیس (45) سال سے رواں ہے اور ہمارے نظام شمسی سے نکل چکا ہے، اس کے آنے والے سگنلز سے معلوم ہوا کہ طویل حدود کے بعد ایک خاص قسم کی شیلڈ یا حفاظتی چھتری ہے، جو خلاء سے آنے والے مختلف ایکسرے یا گاما ریز (تابکاری کی لہروں) کو روکتی ہے جو دوسرے ستاروں یا کہکشاں سے آتی ہے۔ اسی طرح ایک چھتری یا شیلڈ ہماری زمین کو بھی تابکاری کی لہروں سے حفاظت کئے ہوئے ہے۔ یہ آسمان کا نظام جس کے مختلف طبقات ہیں ایک دوسرے پر قائم ہیں اور ان کو ایک دوسرے کا سہارا کس قوت سے ہے، کیا وہ دھکیلنے کی قوت ہے جو ایک دوسرے سے خاص متناسب فاصلہ تک دور رکھتی ہے۔

قرآن واحادیث کی روشنی میں پہلا آسمان، آسمان ارضی (دنیا) ہے، جس میں ستارے اور کہکشاں ہے۔ اس کا

فاصلہ 30,000 نوری سال کی مسافت زمین سے ہے اور اس کے بعد بھی کئی کہکشائیں ہیں۔ دوسری کہکشاں پہلی سے 70,000 نوری سال دوری پر ہے (یہ سب اندازے ہیں)۔ نوری سال سے مراد روشنی کی رفتا 3 لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہے پھر منٹ پھر گھنٹہ پھر دن پھر مہینہ پھر سال کا حساب لگانا ہو گا۔ www.forbes.com۔ نوری سال کی تفصیل کے لئے سورۃ الانبیا آیت 16 کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔ اندازہ لگایئے اس مخلوق (اجرام سماوی) کو پیدا کرنے والی ذات کتنی عظیم ہے اور یقیناً مخلوق سے پہلے خالق ہو گا۔

پہاڑ:۔

ایک اور قوت اور طاقت کا اظہار زمین پر پہاڑوں کا وجود ہے۔ پہاڑوں کا وجود انسانوں اور حیوانات کے لئے بڑا اہم ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوتی ہیں اور پگھل کر 60 سے 80 فیصد انسانوں کی آبادی کو تازہ پانی مہیا کرتے ہیں۔ اوپر والی فضاء کو ٹھنڈا کر کے بادلوں کو ٹھنڈا کر کے بارش میں مدد دیتے ہیں۔ دنیا کی آبادی اپنی غذا اور زراعت کے لئے پہاڑوں سے نکلنے والے دریاؤں پر بھروسہ کرتی ہے۔

پہاڑ زمین پر مختلف سطح ارض کا وسیع ٹکڑا (کئی سو میل تک لمبا اور چوڑا) ہوتے ہیں۔ فالٹ بلاک، Fault Block جو کہ زمین کے اندر کی پلیٹوں کے دباؤ سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے زلزلوں کا مرکز پہاڑوں میں ہوتا ہے اور قرآن مجید میں ان کو کیلوں کی طرح گاڑھے ہوئے ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جغرافیہ یا جیوفزکس میں اس کو ISOSTASY آئسو سٹیسی کہتے ہیں۔

پہاڑوں کی زمین کے اندر تہہ یا دباؤ سے، زمین پر کشش ثقل کا دباؤ پیدا کرتے ہیں اور اس طرح زمین پر توازن پیدا کرتے ہیں (بحوالہ مقالہ۔ ڈاکٹر محمد خیر الدین ابراھیم۔ ملائشیا)۔ پہاڑ جس طرح اوپر اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح ان کی زمین میں بھی جڑیں نیچے کی طرف (Mantle) کی طرف ہوتی ہیں جو بلندی سے زیادہ گہری ہوتی ہیں۔ اس لئے لاوا آتش فشاں پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ اس لیے بکثرت معدنیات پہاڑی علاقوں سے نکلتی ہیں جو انسانی زندگی میں کام آتی ہیں۔ اسی طرح خاص قسم کے جنگلات اور حیوانات بھی پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سارے امور اتنے وسیع ہیں کہ اس پر علوم جغرافیہ (سطح زمین) اور جیالوجی (داخل زمین) پر صدیوں سے تحقیق ہو رہی ہے اور یہ سب اپنے خالق کی عظمت، کی داستان سنا رہے ہیں۔



جانور:۔

زمین پر جانوروں کو پیدا کیا،اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نشان ہیں۔ جانور اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتے،جب تک ان کے لئے غذااور موسم کے مطابق حفاظت کا ماحول نہ ہواوراس وقت ایک اندازے کے مطابق 8.7 بلین کے قریب مختلف اقسام کے جاندار ہیں۔ جن میں سے ایک سے دو ملین جانوروں کی ہیں اور کچھ سائنسدان اس کی تعداد پچاس ملین تک کہتے ہیں۔ یہ سب سائنسدانوں کے اندازے اور خیالات ہیں (بحوالہ زمین پر جانوروں کی تعداد از www.petonmom.com۔)مزید معلومات اور تخمینہ لگانے کی تکنیک میں بہتری سے شاید اس کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ان سب مختلف اقسام کے جانوروں کے لئے مختلف علاقے اور موسم اور حالات اللہ تعالیٰ نے بنادیئے ہیں ان کی زندگی یا غذا کا بندوبست بھی موجود ہے۔

بارش:۔

انسانوں اور حیوانوں کی زندگی کے لئے غذا ضروری ہے۔ غذا کے لئے پودے، نباتات، اجناس ضروری ہیں اور ان کے لئے زرخیز زمین، بارش کا پانی بھی لازمی ہے،ان سب کا اہتمام یا نظام،اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیا۔ بارش سے زمین میں نمی رہتی ہے جس سے زراعت پیدا ہوتی ہے اور جانداروں کو غذا ملتی ہے۔ دریاؤں یا جھیلوں میں پانی جمع ہوتا ہے۔ فضاء بادلوں سے ڈھکی ہے۔ تقریباً 66% فضاء پر بادل تیرتے ہیں، جن کو ہوا اُٹھا کر پھرتی ہے اور ان بادلوں کے اندر پانی کی نمی ہوتی ہے اور نمی سے قطرے بنتے ہیں۔ جب قطرے بھاری ہو جاتے ہیں تو بارش کی صورت میں زمین پر گرتے ہیں اور زمین، کو تَر کر دیتے اور گرد و غبار کو فضاء سے ختم کر دیتے ہیں۔ درختوں اور پودوں کے پتوں کو صاف کر دیتے ہیں۔ فصلوں کو سیراب کرتے ہیں اور زمین پر ہریالی اُگ آتی ہے۔ بنجر زمین بھی پودوں کے ساتھ کھل اُٹھتی ہے۔ پہاڑوں سے بادل ٹکرا کر اور ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پہاڑوں پر زیادہ بارش اور برفباری ہوتی ہے۔ یہ نظام جو

بظاہر ہمیں سادہ نظر آتا ہے، اپنے اندر ہزاروں پیچیدگیاں رکھتا ہے۔ جسے انسان ہزاروں سال سے جاننے کی کوشش کر رہا ہے ،لیکن اب بھی ادھوری ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک مخصوص علم ہے جس کا نام موسمیات (Metrology) ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نظام کا ایک معمولی حصہ ہے۔

نباتات:۔

بارش کے بعد زمین پر نباتات کی تعداد لاتعداد ہے۔ اس میں بڑے درخت، پھلدار اور غیر پھلدار جھاڑیاں اور پھول دار پودے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق زمین پر چار لاکھ (400,000) قسم کے مختلف پودے ہیں جن کا سائز، حجم مختلف ہے۔ مختلف قسم کے ماحول میں پیدا اور بڑے ہوتے ہیں (بحوالہ ڈیلی سائنس 2022 www.dailyscience.com.)۔ اللہ تعالیٰ نے پودوں کو جوڑوں کی صورت میں پیدا فرمایا۔ اس کی تفصیل سائنس (Botany) میں موجود ہے۔ ایک پھول کا مذکر (نر) حصہ ہوتا ہے، جسے سٹیمن (Stemen) کہتے ہیں اور ایک حصہ مونث (مادہ) ہوتا ہے، جسے پسٹل (Pistil) کہتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے حصے سیپل، پیٹل اور نیکٹر گلینڈ (Sepals/Petals/Nectar Gland) کہلاتے ہیں، جن کے ملاپ سے بیج پیدا ہوتا ہے۔ یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تاکہ انسان دنیا کی زندگی میں اس سے فائدہ اُٹھائے اور سارے زمین پر رہنے والے انسان فائدے اُٹھا رہے ہیں۔

یہ سارا نظام اپنے خالق کی دلیل ہے اور جس نے اس کو پیدا کیا یقیناً، وہ اس سے پہلے موجود تھا اور اس کی طاقت تھی جس کے ذریعے اس کو پیدا کیا ہے اور یہی اللہ کے وجود کی دلیل اور اس کی طاقت و قوت کا مظہر ہے۔ لیکن بدقسمتی ہے انسان محض قدرت (نیچر) کا سہارا لیتا ہے حالانکہ قدرت بھی اللہ کے مظاہر کا حصہ ہے۔

یہ آیات مبارکہ انسانوں بالخصوص مسلمانوں کو دعوت غور و فکر دے رہی ہیں تاکہ انسانوں کو اپنے خالق کا احساس دلایا جائے اور اس کا اقرار، اس کی بندگی اور اس کا شکر کیا جائے۔ جو اس قدر کائنات پیدا کر سکتا اور چلا رہا ہے۔ دوبارہ انسان کو حساب و کتاب کے لئے زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں، جس کا پہلے وجود دنیا میں گذر چکا ہے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں کی علومِ سائنس میں کمزوری کی وجہ سے لوگ اللہ کے وجود کی طرف توجہ نہیں دیتے اور موجود اسباب پر ہی وقت لگا رہے ہیں۔ جس طرح نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ اس طرف خیال نہیں کرتے تھے آج بھی اس طرف دھیان نہیں دے رہے اور شیطان کا شکار ہیں۔ انسان جن تصورات یا موجودات، کی عبادت کرتا ہے وہ کہاں اس قدر قوت و طاقت کے مالک ہیں کہ معبود انسان بن سکیں۔ وہ تو اپنے وجود کے لئے کسی کے محتاج ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۱۲﴾

اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر اور جو کوئی شکر کرے تو یقیناً وہ اپنی ذات کے لئے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بلاشبہ اللہ بے پرواہ ہے، بڑی تعریف والا ہے۔

وَ اِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۳﴾

اور (یاد کریں) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا جب کہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، بے شک شرک تو بہت بڑا ظلم ہے۔

مشرکین مکہ کو شرک کے ردّ، کے لئے دلیل دی گئی ہے کہ جس شرک میں تم مبتلا ہو یہ غلط ہے اور جو نبی ﷺ انہیں بتا رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ اس سے پہلے بھی عقلمند اور دانالوگوں نے شرک کو رد کیا۔ یہ نئی بات نہیں اور ان دانالوگوں میں سب سے دانا و حکیم شخص حضرت لقمان بھی شامل ہیں۔ جن کی دانائی کے قصے عربوں میں مشہور تھے بلکہ دانائی و حکمت کی ضرب المثل بن گئے۔

حضرت لقمان:۔

آپ کی ذات کے بارے معلومات زیادہ تر روایات پر مبنی ہیں، کیونکہ اس وقت تحریری شکل معدوم تھی۔ آپ کا ذکر ایام جاہلی کے شعراء نے کیا اور لوگوں کی کہاوتوں، کہانیوں میں ذکر سینہ بہ سینہ چلتا رہا۔ آپ کی ذات کے بارے اور کس زمانہ میں رہے، علماء میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات اس طرف مائل ہیں کہ آپ آزر کی اولاد سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات (توحید) پر یقین تھا۔ نبی نہیں تھے بلکہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دانائی اور فہم و فراست سے نوازا تھا۔ بعض کے نزدیک آپ جنوبی مصر (سوڈان) کے علاقہ سے تھے۔ رنگ کالا اور ہونٹ موٹے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت لقمان کو بطور حبشی غلام ذکر کیا ہے۔ جنوبی مصر کا علاقہ نوبہ سے آپ کا تعلق تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نوبہ (جنوبی مصر) سے موجودہ اردن، فلسطین کے علاقے میں آ گئے۔ مدین اور ایکہ کے علاقے کی عربی زبان تھی، اس لئے عربی میں آپ کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ کچھ علماء نے آپ کا پیشہ بطور بڑھئی نجار لکھا ہے اور بعض نے بطور غلام ذکر کیا ہے۔

حکمت:۔

حکمت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔(۱):۔ حکمت سے مراد عقل، فہم اور ذہانت ہے (ابن عباس)۔ (۲):۔ عقل، فقہ (سمجھ) اور درست بات کہنا حکمت ہے (امام ابن جریر)۔(۳):۔ موجودات کی معرفت اور نیکیوں کا کام

حکمت ہے (راغب اصفہانی)۔(۴):۔ جس کلام سے نصیحت حاصل ہو اور انسان اس کلام سے متنبہ ہو، لوگ اس کلام کو نقل (ذکر) کریں وہ حکمت ہے۔(۵):۔ حکماء نے کہا بہ قدر طاقت انسانی اشیاء کے حقائق کا علم حکمت ہے (روح المعانی)۔(۶):۔ بعض نے کہا کون سی چیز مفید اور کونسی چیز مضر ہے کا علم ہے۔(۷):۔ صوفیاء کے نزدیک نفس اور شیطان کی آفات کی معرفت حکمت ہے۔

قرآن مجید میں حکمت کو بطور نعمت وانعام ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان کو بھی یہ حکمت عطا کی گئی جس کی وجہ سے آپ کے اقوال آج بھی لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی اس حکمت سے لبریز ہیں۔

شکر:۔

شکر کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مثبت جذبہ ہے۔ جو کہ شکر گذاری اور تعریفی کلمات اور اظہار کو ظاہر کرتا ہے۔ جب کسی کی نعمت یا بھلائی کا احساس کرتے ہوئے اظہار کیا جاتا ہے، اس طرح منعم کے لئے عقیدت، گرم جوشی اور دوسرے احترام کے جذبات اور محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ جذبہ انسان کی نفسیاتی اور جسمانی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔

اس جذبہ کا اظہار، جس طرح کی نعمت یا فائدہ ملے اس کے مطابق ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ اس میں ہماری زندگی کے روزمرہ کے معاملات ہیں اور بالخصوص، اللہ کے انعامات کا اگر احساس اور اندازہ لگایا جائے، تو پھر اس کی کیفیت بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا شکر بلکہ سراپا شکر بن جانا چاہیے۔

فوائد شکر:۔

شکر کا سب سے بڑا فائدہ آدمی کو اس نعمت کا اقرار اور احساس ہے جو اس کو ملتی ہے۔ اس جذبہ سے انسان کے دماغ میں کچھ کیمیائی ہارمون پیدا ہوتے ہیں جن کو ڈوپومین (Dopomine) کہتے ہیں، جو تسکین پہنچاتے ہیں۔ تسکین اور اطمینان سے انسانی زندگی میں ذہنی سکون ملتا ہے، جو جسمانی سکون کے لئے بھی مفید ہے اور ذہنی صحت کے لئے بھی لازمی ہے۔ اس سے انسان کی داخلی قوت ارادی اور پیداواری قوت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس جذبہ کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اسلام میں یہ انسان کے لئے بہت ضروری ہے اور انسانی فرائض میں سے ہے۔ ایک حدیث کے مطابق افراد کا شکر گذار ہونا بھی ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے انعامات واکرامات کے لئے اس کا شکر گذار ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ، نعمت میں اضافہ عطا کرتے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ کے آگے سراپا شکر

ہونا چاہیے اور اس کا اظہار اپنے اعمال و کردار سے ظاہر کرنا چاہیے۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنا بھی ایک اظہار اور اعتراف انعامات ہے۔

شکر کا فائدہ شکر ادا کرنے والے اور جس انسان نے انعام عطا کیا ہے دونوں کے لئے مفید ہے۔ آیت مبارکہ میں شکر کی اہمیت کے پیش نظر واضح کر دیا کہ اس کا فائدہ شکر کرنے والے کو ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ اگر کوئی شکر کرے تو اس کی عظمت و قوت خدائی میں اضافہ نہیں اور اگر نہ کرے تو کمی نہیں۔ شکر کرنے کا فائدہ انسان کو ہی سکون قلب کی صورت اور انعامات خداوندی کے اضافے کی صورت میں ہو گا۔ علم، عقل، صحت، وجود، قوت و اعضاء سب اللہ کے انعامات ہیں جن کے لئے شکر واجب ہے۔

دوسری اہم نصیحت لڑکے کے لئے کی وہ شرک سے بچنا ہے۔ نبی ﷺ بھی لوگوں کو شرک سے منع کر رہے تھے۔ انسان پر سارے انعام و اکرام اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیفہ بنا کر عطا کئے۔ پیدا کیا، رزق دیا، صحت اور عقل دی، انسان کو ہدایت کے لئے کتب سماوی اور انبیاء کو بھیجا گیا تا کہ بہتر زندگی گذار سکے۔ تمام دوسری قوتیں خواہ سماوی ہوں یا ارضی، انسان کے آگے کمتر ہیں۔ خالق حقیقی کو چھوڑ کر ان کی عبادت، سب سے بڑا ظلم اور جرم ہے۔ ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دیا جائے۔ اسی لئے مقام عبودیت پر کسی اور کو فائز کرنا ظلم عظیم ہے۔ یہ موضوع اپنی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر کئی مقامات پر ذکر کیا گیا ہے تا کہ انسان اس کی اہمیت کو سمجھے اور عمل سے ثابت کرے کہ وہ کسی اور کو معبود نہیں مانتا۔

وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ ۚ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَہۡنًا عَلٰی وَہۡنٍ وَّ فِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری کے باوجود اُٹھائے رکھا اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

وَ اِنۡ جَاہَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡہُمَا وَ صَاحِبۡہُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا ۟ وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر اور اس شخص کے

طریقے کی اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر میری ہی طرف تمہاری واپسی ہے پھر میں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے۔

یہ آیات اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں کہ والدین کے ساتھ خصوصی سلوک کا حکم ہے۔ انسان پر دنیا میں سب سے عظیم محسن، اس کے والدین ہیں۔ انسانی بچہ حفاظت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ فرض اس کے والدین پورا کرتے ہیں۔ والدین میں والدہ اپنے بچے کے لئے بہت تکلیف اُٹھاتی ہے جو قرار حمل سے شروع ہو جاتا ہے اور جوں جوں حمل کا وزن بڑھتا ہے، تکلیف بڑھتی اور ہر وقت سوتے جاگتے اٹھانا پڑتی ہے پھر شدید تکلیف دردزہ اور بوقت ولادت ہوتی ہے اور بسا اوقات والدہ اپنی جان بھی دے دیتی ہے۔ یہ سلسلہ یہیں ولادت تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ ولادت کے بعد پرورش، غذا کا اہتمام بھی رہتا ہے۔ یہ دودھ کا مرحلہ دو سال تک آیت کے مطابق ہے اس لئے اکثر فقہاء نے دودھ کی مدت (رضاعت) دو سال کی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کی رائے میں جب تک ٹھوس غذا کا استعمال نہ آجائے تو رضاعت رہے گی۔ البتہ زیادہ سے زیادہ مدت اڑھائی سال (تیس مہینے) ہے۔ جس طرح ایک آیت ہے: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا؛ اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ کا چھوڑنا 30 مہینوں میں ہوا (الاحقاف: 15) اور قلیل ترین مدت حمل چھ (6) ماہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا میرے حسن خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں۔ پھر کہا کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ پھر کہا کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ پھر کہا کون؟ فرمایا تمہارا باپ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں۔

اگر والدین، انسان کو گناہ کے لئے کہیں تو ان کی بات نہ مانی جائے۔ اسلام کے احکام کی تعمیل سے روکیں، تو ان کی بات نہ مانی جائے (یعنی فرائض و واجبات مراد ہیں۔ مستحبات نہیں)۔ لیکن اس انکار کے ساتھ ان کا احترام اور خدمت برقرار رکھی جائے اور اگر والدین غیر مسلم بھی ہیں تو ان کی خدمت اور احترام واجب ہے۔ ماں کا حق باپ کے حق پر مقدم ہے۔

انسانی کردار کی تکمیل کے لئے رول ماڈل (نمونہ) بہت اہم ہے، جس سے انسان جلدی سیکھتا ہے۔ احکام اسلام کی اتباع اور تکمیل کردار کے لئے یہ بھی حکم دیا کہ ان لوگوں کی اتباع کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اس کا سب سے اعلیٰ مصداق (نمونہ) انبیاء کرام ہیں اور بالخصوص ہمارے نبی ﷺ ہیں جو آخری نبی ہیں۔ اس کے علاوہ صالحین (شریعت پر مکمل عمل کرنے والے نیک کردار (معاملات میں) والے لوگ ہیں۔ ساتھ انسان کو آگاہ کر دیا گیا کہ اعمال کا ریکارڈ رکھا جارہا ہے۔ جب موت کے بعد حساب ہوگا تو سارے اعمال بتائے جائیں گے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي

الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾

(لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! اگر ایک رائی کا دانہ کسی چٹان کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں (چھپا ہوا) تو اللہ اسے نکال لائے گا۔ بے شک اللہ نہایت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

اے میرے (پیارے) بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

اعمال اور معلومات کا ریکارڈ:۔

نیک اعمال کے محرکات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک داخلی، کہ انسان، اس کو اپنے علم اور عقل کی وجہ سے اشیاء کو مفید پاتا ہے یا جسمانی خواہش کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔ اگر اچھے اعمال ہیں تو ان کے فوائد اور اگر برے اعمال تو ان کے نقصانات دنیا اور آخرت میں ملیں گے۔ خارجی محرکات میں ماحول، کسی دوسرے انسان کی توجہ یا انعام/خوف بھی ہے۔ اگر یہ خیال دماغ میں ہو کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا میری حرکات کو ریکارڈ کر رہا ہے، تو بھی انسان برے عمل سے رک جاتا ہے۔ جس طرح جدید سماجی نظام میں کیمروں کی ریکارڈنگ کے خوف سے جرائم کم ہوتے ہیں۔ یہی نصیحت حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی جو کہ تمام انسانوں کے لئے قرآن نے ذکر کی ہے۔ انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ ہر وقت ہے۔ پہلے تو یہ مشکل نظر آتا تھا، لیکن اب جدید ٹیکنالوجی اور سیٹلائیٹ کیمروں کے ذریعے، سطح زمین کی معلومات میسر ہیں۔ جبکہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے، یوں جانیئے ہمارے کندھوں کے اندر دو چپس (Chip Devices) پڑے ہیں جن کا رابطہ ہمارے دماغ اور حواس خمسہ سے ہے اور ہماری ہر حرکت سوتے جاگتے ریکارڈ ہو رہی ہے اور پھر یہ لوح محفوظ یا اللہ تعالیٰ کے ریکارڈ برائے حساب و کتاب میں منتقل ہو کر سٹور ہو رہی ہے۔ جو قیامت کے دن بطور گواہی/ثبوت ہمیں دکھائی جائے گی۔ اسی طرح تمام زمین کی سطح یا اس کے اندر یا اس کے احاطہ فضاء میں جو بھی واقع ہے اور کم سے کم تر جسے جدید ٹیکنالوجی میں نینو گرام (ملین آف گرام) یا کم سے کم ایٹم کا جزو کہا جا سکتا ہے، اس کا بھی ریکارڈ ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کے تمام اجسام و اجرام اور موجودات جو جس طرح کی حالت و کیفیت میں ہیں ان کا بھی ریکارڈ ہے۔ اللہ کی ذات لطیف (باریک بین) اور خبیر (بہت زیادہ معلومات یا خبر رکھنے والی) ہے۔ اس حالت و کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے جو نصیحت کی گئی:۔

(۱) نماز کو قائم کیا جائے۔ (۲) نیکی کا حکم دیا جائے۔
(۳) برائی سے روکا جائے۔ (۴) تکالیف میں صبر کیا جائے۔

نیکی کا پھیلانا اور برائی کو مٹانا:۔

نماز کو اس کے شرائط، آداب اور فرائض واوقات کے لحاظ سے ادا کرنا، خشوع وخضوع اور اس پر استقامت (قائم رکھنا) ضروری ہے، تاکہ اس کی ظاہری اور باطنی (نفسیاتی / روحانی) برکات انفرادی اور اجتماعی طور پر ہوں ، بالخصوص جماعت کا اہتمام کرنا ہے۔(تفصیل سورۃ کی آیت نمبر 4 میں ذکر کی گئی ہے)۔ نیکی کا حکم دینا کسی بھی معاشرے کے لئے ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ نبی ﷺ نے متعدد احادیث کے ذریعہ اس کی تاکید کی ہے۔ اسلامی انسانی فرائض میں امر بالمعروف ہر مسلمان پر اس کی استطاعت کی حد تک فرض ہے اور قیامت پر اس کے بارے سوال کیا جائے گا۔ نیکی سے مراد وہ اعمال ہیں، جن کے کرنے کا حکم ہے اور یہ فرائض سے ماوراء (باہر) ہیں۔ فرائض اگر ادا نہیں کئے جائیں گے تو سوال ہوگا۔ یہ امور واجبات (جن کے بارے سوال ہوگا) میں سے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! ہم مظلوم کی مدد تو کرتے ہیں لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تم اس کے ہاتھوں کو پکڑلو (یعنی ظلم نہ کرنے دو اور اس کا احساس دلاؤ)۔ (بخاری/ترمذی)۔

برائی سے روکنے کا بھی حکم اسی طرح اہم وضروری ہے، جس طرح نیکی کرنے کا حکم ہے۔ دونوں عمل اگر ساتھ نہیں ہوں گے تو معاشرہ کامیاب، پرامن نہیں ہوگا۔ اسلامی فرائض میں ''نہی عن المنکر'' برائی سے روکنا بھی ہر مسلمان کی استطاعت کی حد تک فرض ہے اور اس کے بارے بھی سوال ہوگا۔ برائی سے روکنے کے اعمال کا اصل مدار، وہ اعمال ہیں جن سے اسلام نے منع کیا یا انسانی معاشرے کے اخلاق کے تحت برے سمجھے جاتے ہیں یا قانون کے ذریعہ منع کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مکروہات بھی اسی ضمن میں ہیں۔ اسی طرح حدیث کے مطابق برائی کو روکا جائے، ہاتھ سے یا زبان یا پھر دل سے برا سمجھا جائے جو کہ کمزور ایمان کی علامت ہے۔ برے اعمال والوں سے سماجی مقاطعہ بھی ایک اہم طریقہ ہے جس کے ذریعہ برائی کا احساس دلایا جاسکتا ہے۔

صبر:۔

تکالیف میں صبر کرنا بہت بڑی خصوصیت ہے۔ انسانی زندگی میں آرام کے ساتھ تکالیف بھی ہوتی ہیں۔ بالخصوص آدمی اگر اپنی زندگی اصولوں کے مطابق گذارتا ہے یعنی نیکی پر عمل کرتا ہے اور اس کی ترویج یا ترغیب دیتا ہے،

برائی سے اپنے آپ اور دوسروں کو روکتا ہے۔اپنی وہ خواہشات جو اسلام کے احکام اور اس قانون کے خلاف ہوں، جہاں وہ مقیم (رہ رہا) ہے تو اس صورت میں اس کو مشکلات پیش آئیں گی جو اس کے اپنے متعلقہ افراد یا اپنے نفس سے پیدا ہونے والی خواہشات سے ہوں گی۔ان کے مقابلہ میں صبر کرنا ضروری ہے۔اور یہ بڑی مردانگی اور ہمت کا کام ہے۔آفات، انسانی ذرائع سے ہوں یا آسمانی ذرائع، بیماری اور مشکلات پر شکوہ و شکایت نہ کرنا، بلکہ خاموشی اختیار کرنا اور اس کو کم کرنے کے لئے عملی اقدامات کرنا۔اسی طرح غلبہ شہوت کے وقت یا غصہ کے وقت اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا ہے۔ ان اعمال کو انسانی کردار کے لحاظ سے عزم الامور یعنی بلند اعمال بلحاظ درجات قرار دیا گیا ہے کیونکہ بالعموم افراد (انسان) مشکلات، پریشانیوں، چیلنجوں سے گھبرا جاتے ہیں۔

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾

اور تُو لوگوں سے تکبر کے ساتھ اپنا چہرہ نہ پھیرنا اور نہ زمین پر اکڑتے ہوئے چلنا، بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

اور تُو اپنی چال درمیانی رکھ، اور اپنی آواز دھیمی (نرم) رکھ۔بے شک تمام آوازوں میں سب سے کرخت (بری) آواز گدھے کی ہے۔

تکبر اور علامات:۔

تصعیر کا معنی ہے، گردن تکبر سے پھیر لینا۔(المفردات لاصفہانی)۔اس سے مراد گفتگو کے وقت مخاطب کو نظر انداز کرنا اور اکڑ سے گردن پھیر کر رخ موڑ لینا۔یہ اظہار تکبر ہے، جو آدمی مخاطب یا دوسرے لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔شروع میں انسان اپنی دانست یا سمجھ میں اپنے آپ کو دوسروں سے بلند تر سمجھتا ہے اور پھر اس کی گردن اکڑ جاتی ہے۔بڑائی کے اظہار کے طور پر منہ موڑ کر بات کرتا ہے اور چال میں اکڑ ظاہر کرتا ہے۔تکبر ایک نفسیاتی یا روحانی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسانوں کے درمیان تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔دوسروں کو حقیر سمجھنے سے طبقانیت کی ابتداء شروع ہوتی ہے۔انسانی احترام کم ہو جاتا ہے اور انصاف کے حصول میں رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے۔ایک حدیث کے مطابق ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر تکبر ہو گا (ترمذی)''۔ایک اور حدیث کے مطابق جو شخص بطور اظہار تکبر اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے چلے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی طرف (قیامت کے دن اس اظہار تکبر کی وجہ سے) نہیں دیکھے گا۔(مسند احمد)۔ایک صحابی نے نبی ﷺ سے پوچھا؛ یارسول اللہ ﷺ آدمی چاہتا ہے

کہ اس کے کپڑے صاف اور اچھے ہوں اور اللہ کی نعمت کا اظہار ہو تو کیا یہ تکبر ہے؟ آپ ﷺ کا جواب تھا کہ یہ اظہار تکبر نہیں، کیونکہ تکبر سے مراد دوسروں کو حقیر سمجھنا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا اظہار واستعمال جائز ہے۔ تکبر کے مقابلے میں انکساری اور تواضع، اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جس سے معاشرے میں محبت اور احترام کے جذبات بڑھتے ہیں۔

میانہ روی:۔

اگلا حکم اپنی چال ڈھال میں میانہ روی ہے۔ قصد سے اقتصاد بنا ہے۔ قصد کا معنی متوسط ہے۔ چال کو متوسط کے دو مقاصد ہیں۔ لغوی معنی کے لحاظ سے مناسب رفتار جو جسم اور طاقت کے مطابق ہو اس سے چلا جائے ایک عمومی حکم ہے جو کہ زندگی میں مفید ہے۔ تیز اس وقت چلا جائے جب اس کی ضرورت ہو ورنہ تیزی سے ہر وقت چلنا وقار کے خلاف اور عمومی طریقہ زندگی کے مطابق نہیں۔ تیز چلنے سے زیادہ انرجی خرچ ہوتی ہے اور جلد تھکاوٹ آ جاتی ہے۔ حسب ضرورت تو ٹھیک ہے لیکن عمومی انداز میں تیزی کا تاثر دیتی ہے اور وقار کے مناسب نہیں۔ دوسرا مقصود انسانی زندگی کے عمومی معاشی اور سماجی معیار میں، معتدل معیار کا برقرار رکھنا ہے، تاکہ زندگی آرام وآسانی سے گذرے۔ اپنے وسائل کے اندر اخراجات کو رکھنا ہے۔ فضول خرچی سے بچنا، بخیلی اور کنجوسی سے بھی بچنا اور ضرورت اور حالات کے مطابق معیار رکھنا ہے۔ زندگی کے انداز سے بناوٹ نظر نہ آئے۔ غرور اور گھمنڈ کا احساس نہ ہو اور نہ ہی کس مپرسی اور معذوری مسکینی نظر آئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بہترین طریقہ عمل متوسط ہے (**خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا**)۔ متعدد احادیث اس بارے ہیں۔

انداز گفتگو:۔

انداز کلام بہت اہم ہے۔ جب ہم مخاطب سے بات کرتے ہیں تو ہماری بات کو، ہمارے انداز سے سمجھا جاتا ہے۔ بلند اور چیخنے والی آواز کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ یہاں بھی اس سے مراد عمومی انداز گفتگو میں نرمی ہے۔ جب مخاطب سے بات چیت کی جائے تو توجہ سے ہو۔ مناسب آواز سے ہو تاکہ نہ اسے آہستگی سے سننے میں دشواری پیش آئے اور نہ چیخنے چلانے کی صورت ہو، جس سے سننے والے کو کراہت محسوس ہو۔ اگر دُور آواز دینی ہے یا بڑے مجمع سے خطاب ہے تو بلند آواز کی ضرورت ہے۔ انداز گفتگو میں تکبر نہ ہو اور نہ ہی اتنی عاجزی کہ مخاطب کلام کو درگذر کر دے۔ لہجے کا انداز موقع محل کے مناسب ہو۔ اگر موقع و محل کے مناسب نہیں تو اس کی مثال گدھے کی آواز ہے۔ گدھا اگرچہ انسانی زندگی میں بہت مفید جانور ہے، لیکن اس کی آواز اس کی جسامت سے کہیں زیادہ بلند و کرخت ہے جس کی وجہ سے مفید جانور ہونے کے باوجود ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مخاطب کی قدر و منزلت کے مطابق، انداز گفتگو ہونا چاہیے۔ یہ وہ

اعمال ہیں جو اس دنیا میں کامیاب زندگی گذارنے کے لئے بہت اہم ہیں اور ان کا فائدہ ہر اس آدمی کو ہوگا جو اس دنیا کی زندگی میں ان پر عمل کرے گا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لئے تابع فرمان کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور چھپی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا (بحث) کرتے ہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اسی (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو۔

اخلاقیات کے بعد دوبارہ اللہ کے اکرام و انعام کا ذکر ہے۔ زمین و آسمان میں بے شمار اشیاء ہیں، تمام اشیاء، انسان کو براہ راست یا بالواسطہ فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ یہی تسخیر، انسان کے تابع ہے، جس کو انسان اپنے عقل کے ذریعے استعمال کرتا اور فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ کچھ اجسام یا عوامل ایسے ہیں جو انسان کے کنٹرول سے باہر ہیں، لیکن نظام کی وجہ سے وہ انسان کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مثلاً سورج، ہوا، روشنی، دھوپ، زمین کی کشش، پانی کی اُچھال اور بہت سی اشیاء ہیں جو ابھی احاطہ انسان میں نہیں آئیں۔ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ وسائل و انعام اور فوائد جو انسان زمین پر دنیا کی زندگی کے دوران حاصل کر رہا ہے اور ان کا اس کو علم یا کنٹرول ہے۔ باطنی سے مراد جو انسان سے ابھی تک چھپے ہوئے ہیں، یقیناً انسان ان سے فائدہ اُٹھا رہا ہے، لیکن علم نہیں رکھتا، جس طرح کشش ثقل، بجلی، الیکٹرانک لہروں کے فوائد، پانی کی اُچھال، ہوا کا دباؤ، روشنی کی لہریں، سب انسان کے علم میں بعد میں آئیں، لیکن ان کے فوائد انسان کے دنیا پر آنے کے ساتھ سے جاری ہیں اور مزید کئی ایسے ہیں جن پر آنے والے دنوں میں معلومات ملیں گی۔

انسان ان معلومات یا عقل کی وجہ سے دوسری طرف نکل گیا اور اسباب و وسائل پر تحقیقات کے علاوہ وسائل

واسباب کے خالق کے وجود پر بحث شروع کر دی کہ خالق کائنات (اللہ) کیسا ہے۔اس کی صفات،اس کا وجود، مخلوقات سے اس کا تعلق پر بحث شروع کر دی، جن کو جاننے کے لئے انسان کے پاس وسائل نہیں ہیں۔اور ان وسائل سے خالق وسائل، کی ذات ماوراً (بلند) ہے۔جو الہامی کتب انسان کی ہدایت کے لئے آئی ہیں ان کی طرف توجہ نہیں دی اور نہ ہی اللہ کے برگزیدہ بھیجے گئے رسولوں کے احکامات وہدایات پر غور کرتا ہے یا بھروسہ کرتا ہے جس کے نتیجہ میں گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔

نعمت ظاہر و باطن کے بارے حضرت جنید بغدادی نے فرمایا نعمت ظاہری سے مراد حسن اخلاق اور نعمت باطنی سے مراد معرفت الٰہی (عوارف المعارف) ایک اور مراد ظاہر سے علم اور باطن سے طلب الحقیقت ہے۔ بعض صوفیاء نے ظاہر سے مراد گمراہی سے بچنا اور باطن سے مراد دل کا غفلت سے بچنا ہے۔

مشرکین مکہ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی ہدایات سے انکار کرتے تھے اور اپنے آباؤاجداد کے مشرکانہ رواج کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا احترام کرتے لیکن مشرکانہ حرکات واعتقادات رکھتے تھے اور انکار کرتے رہتے جب کہ یہ طریقہ ان کو جہنم میں لے جائے گا۔

اندھی تقلید:۔

اندھی تقلید گمراہی ہے۔والدین کے احترام کا فرض،ان کے گمراہ خیالات واعتقادات یا اعمال پر عمل کرنا منع ہے۔ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ عمل کرنے سے پہلے، عمل کے بارے تصدیق و تحقیق کرلے کہ اس میں کیا خرابی ہے یا بھلائی ہے اور کیوں کیا جارہا ہے۔ اسلام کے تمام احکام، مصالح انسانی کو مقدم رکھتے ہیں۔ سارے معاملات ،معاشرت کے نظام اسی اصول پر ہیں۔در حقیقت عبادات بھی انسان کی دنیا کی زندگی میں بھلائی اور سکون کا سبب ہیں اور آخرت میں انعام علیحدہ ہے۔اگر انسان کے اندر متوسط درجہ کا علم ہے اور قرآن مجید اور احادیث کو ترجمہ کے ساتھ بار بار پڑھنے سے، بہت سارے واضح احکام معلوم ہو جاتے ہیں، جو ضروری ہیں۔ اضافی احکام کے لئے انسان اپنے علم کے مطابق کسی معتمد عالم، سے رابطہ کر کے ہدایات لے سکتا ہے، لیکن اختلاف کرنے والوں سے تشدد یا نفرت،اسلامی روح کے خلاف ہے۔اسلامی احکام میں غور و فکر ضروری ہے۔اسلام میں اندھی تقلید (بغیر غور و فکر یا تحقیق) سے شدت سے منع کیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ کا مقصود ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کے سپرد اور نیکی کرنے والا ہو تو بلاشبہ اس نے مضبوط سہارا تھام لیا اور

سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے۔

وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

اور (اے نبی) جس کسی نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈالے (بالآخر) ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے۔ چنانچہ ہم انہیں بتائیں گے جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا۔ بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ دیتے ہیں پھر ہم انہیں بے بس کر کے سخت عذاب کی طرف کھینچ کے لے جائیں گے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے! آپ کہہ دیجیئے؛ سب تعریف اللہ کے لئے ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

کفار یا انسانوں کے انکار کے بعد ان افراد کا ذکر ہے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کے تابع کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا عمل بڑی کامیابی ہے کیونکہ اللہ کے احکام ایک مضبوط سہارا ہے، جس کے مطابق زندگی دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گی۔ مضبوط سہارا سے مراد قرآن مجید، نبی ﷺ اور احکام قرآن و حدیث ہیں۔ جو انسانیت کی راہنمائی کے لئے مینار نور ہیں۔ ان ہدایات کے باوجود، اس وقت بھی اور آج بھی بہت ساری دنیا، گمراہی میں بھٹک رہی ہے۔ اللہ کے احکام کو سنتے نہیں یا مانتے نہیں۔ نبی ﷺ اس وقت پورا زور لگا رہے تھے، لیکن کفار مکہ اسلام کی مخالفت میں بہت شدید تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو مکہ چھوڑنا پڑا اور وہ مکہ چھوڑنے سے بھی روک دیتے تھے۔ ان کے اس رویہ سے نبی ﷺ افسردہ ہو جاتے۔ آپ ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا؛ آپ تبلیغ جاری رکھیں ان کی گمراہی پر غم نہ کریں۔ انہوں نے مرنے کے بعد، ہمارے (اللہ کے) پاس آنا ہے اور وہاں ان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی چھپا ہوا نہیں ہے۔

جو لوگ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے، بلکہ اللہ کو معبود حقیقی کے بجائے اپنے زعم میں مخلوق کی عبادت کرتے

ہیں، ان کے اس گناہ عظیم کے باوجود اللہ تعالیٰ، انہیں اس دنیا کی مختصر زندگی میں رخصت دیتے ہیں۔ یہ رخصت ان کے لئے عذاب کی یقین دہانی ہے کہ جب وقت حساب آئے گا تو وہ زبردستی جہنم میں گھسیٹ کر پھینک دیئے جائیں گے۔ دنیا میں عذاب سے بچنے کا یہ مطلب نہیں، کہ وہ صحیح ہیں، بلکہ وہ گمراہی کو خرید رہے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ اللہ پر یقین نہیں رکھتے، لیکن کائنات کی عظمت کے بارے اگر پوچھا جائے تو اقرار کرتے ہیں، کہ اس کو پیدا کرنے والی ذات اللہ ہے۔ لیکن ان کا یہ اقرار دل سے نہیں، کیونکہ اعمال میں خالق حقیقی کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں، یہ ان کی جہالت کا نتیجہ ہے۔ جو ان کے غور و فکر نہ کرنے اور قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تبلیغ سے منہ موڑنے کی وجہ سے ہے۔ آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ یہ اللہ کا اقرار تو کرتے ہیں۔ یہ اپنے اعمالِ بد کی سزا ضرور پائیں گے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

اللہ ہی کے لئے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، بے شک اللہ ہی بے نیاز اور بڑی تعریف والا ہے۔

وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اور بلاشبہ اگر زمین پر جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اضافہ ہو تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ بے شک اللہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کو پیدا کرنا ہے۔ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۙ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے (کام میں لگا رکھا ہے)، ان میں ہر ایک مقرر معیاد تک گردش (چل) کر رہا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا ، یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ ہی نہایت بلند و برتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی وحدانیت اور انسانوں کی نافرمانی اور اس پر ان کے سزا کے بعد اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کا اظہار فرمایا۔ آسمانوں اور زمین سے مراد ساری کائنات ہے۔ بظاہر انسانی آنکھ صرف زمین اور آسمان کو دیکھتی ہے لیکن اللہ کی قدرت اور طاقت اس سے ماوراً، جنت، جہنم، عرش، کرسی وغیرہ، کے ناموں سے بتائی گئی ہے جسے آب انسان ریڈیو لہروں کے ذریعے، دوسرے سیارے یا ستارے، کہکشائیں بتا رہا ہے۔ اگر ہم اس پر غور کریں تو زمین پر کس قدر شجر، حیوانات، حشرات، پرندے اور دوسرے پانی کے اندر کس قدر جاندار اور غیر جاندار اشیاء موجود ہیں۔ انسان کا اپنا وجود اس قدر پیچیدہ ہے کہ ہزاروں سال سے طبیب اور حکماء، ڈاکٹر، ماہرین ادویات سب اس کی تحقیق میں سر گرداں ہیں لیکن ابھی تک جو معلومات ملی ہیں وہ ان سے کم ہیں جن کی تلاش ہے اور جو معلوم نہیں۔ اسی طرح پرندوں ، حیوانات، حشرات، زمین کی سطح کے اندر معدنیات، اشجار، درخت، درحقیقت یہ ایک طویل اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت کا ثناء خواں ہے، جو ان سب کا خالق و مالک ہے۔ بقایا نظام شمسی اور دوسری کائنات کے بارے ہمیں کچھ علم بھی نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ پانی اگر سیاہی اور درخت قلم بن جائیں اور مزید سمندر شامل ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت، قوت جو اس ساری کائنات سے ظاہر ہے جس میں پانی اور درخت بھی شامل ہیں کافی نہیں ہوں گے۔ یہ سارے ایک مربوط نظام کے تحت رواں دواں ہیں جو خالق واحد کی دلیل ہے۔

کائنات میں زمین سے دور، دن، رات، موسم، چاند، سورج، انسان کا ان سے تعلق، ان کا زمین اور زمین پر موجودات سے تعلق کتنا گہرا ہے۔ رات اور دن کا آنا اور جانا جس سے ہم اپنی زندگی کی طوالت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ان سے موسموں کا تعلق یہ سارے سیارے اور ستارے اپنے مدار میں چل کر اپنی ڈیوٹی ادا کر رہے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل ہے۔ پھر انسان کو دوبارہ زندہ کرنا اتنی بڑی طاقت کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ ایک انسان کے پیدا کرنے کی طرح آسان ہے۔ ان حقائق کے باوجود اگر کوئی شخص، کسی اور طاقت کو اس قدر عظیم سمجھتا ہے، کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرے تو اس سے بڑھ کر کون سی حماقت ہو گی۔ اتنی بڑی طاقت والی ذات، ان تمام مخلوقات کی تابعداری سے بے پرواہ ہے۔ جس طرح حدیث مبارک ہے کہ ساری مخلوق اگر تابعدار بن جائے تو اللہ کی طاقت و قدرت میں کوئی ذرہ بھر اضافہ نہیں کر سکتی اور اگر مخالف یا نافرمان بن جائے تو بھی کوئی ذرہ بھر کمی نہیں کر سکتی۔ وہ ذات بہت بلند ہے۔ انسان کو اپنے دل سے اس کا اقرار کرنا چاہیے، اس لیے فرمایا کہ اگر سمندر سیاہی بن جاہیں اور درخت قلم تو اللہ تعالیٰ کی عظمت، قوت، کاریگری کی توصیف بیان نہیں کر سکتے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی نعمت (رحمت) سے سمندر میں کشتیاں رواں دواں ہیں تاکہ وہ تم لوگوں کو اپنی بعض نشانیاں دکھائے۔ بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے اور بہت شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

اور جب انہیں (سمندر میں) کوئی موج، سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ انہیں (طوفان سے) نجاعت دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے معتدل (راہ مستقیم پر) رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف وہی انکار کرتا ہے جو بڑا بد عہد اور سخت ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے سمندر، پانی اور بارش ہے۔ سمندر میں کشتیاں پرانے زمانے میں اور آج بھی دنیا کی ستر فیصد تجارت سمندری راستوں سے ہوتی ہے اس لئے گرم پانیوں کے سمندر بہت اہم ہیں۔ سمندر میں کشتی کی روانی میں انسان کا بہت معمولی دخل ہے۔ دراصل پانی کی اچھال کی قوت ہی ہے جو کشتی یا جہاز کو اُٹھاتی ہے۔ پھر ہوا کے ذریعے اس کو مناسب سمت میں دھکیلا جاتا ہے۔ پہلے بادبان تھے۔ اب چونکہ جہاز میں انجن کے ذریعے پانی کو پیچھے پھینک کر جہاز آگے چلتے ہیں۔ پانی کا دباؤ، ہوا کا دباؤ، اللہ کی قوت کی نشانیاں ہیں۔ یہ قوتیں انسان کے لئے بہت مفید ہیں اور اس کے علاوہ لاتعداد امور انسان کی زندگی کے لئے ہیں۔ ان امور کو سمجھنے والا، اللہ کا شکر گزار اور صابر بندہ بن جاتا ہے۔ نعمتوں پر شکر اور تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ سمندر کے سفر کے دوران یا کسی بھی سفر کے دوران بالخصوص ہوائی جہاز بھی اگر ہو تو جہاز اگر طوفان میں پھنس جائے تو بہت خطرناک اور ہیبت ناک ہوتا ہے۔ سارے سوار افراد کا خوف وہراس کی وجہ سے کلیجہ منہ کا آنے لگتا ہے۔ ہر کوئی سلامتی کے لئے اپنی اپنی عاجزی اور گڑگڑاہٹ سے مدد کی التجاء کرتا ہے اور مدد کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے۔ طوفان کا تھم جانا۔ ایسے طوفان انسانوں کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں اس لئے کسی مافوق الفطرت طاقت کا سہارا لیا جاتا ہے اور وہی ذات خداوندی ہے جو سمندر ہواؤں کو کنٹرول کرتا ہے۔ پھر جب طوفان تھم جاتا ہے اور کچھ افراد اس واقعہ سے سبق لیتے ہوئے اپنی زندگی ذات خداوندی کے احکام کے مطابق گذارتے ہیں اور اپنی دعا کے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور سیدھی راہ پر چلتے ہیں یا کچھ درمیانی راہ رکھتے ہیں کہ مانتے بھی ہیں لیکن

عمل میں کمزور ہیں۔اکثر انسان بھول کر اپنی رنگ رلیوں میں گم ہو جاتے ہیں اور اللہ کے احکام کو بھلا دیتے ہیں۔یہ افراد انتہائی بد عہد ہوتے ہیں، کیونکہ طوفان یا پریشانی پر جو معافی مانگی اور وعدہ کیا تھا، مشکل کے حل ہوتے ہی بھول گئے۔اسی طرح انتہائی ناشکرے ہوتے ہیں کیونکہ تکلیف اور پریشانی دور ہونے پر شکر گذار ہونا فرض تھا لیکن اس کو بھول گئے۔ ایسے افراد کو قیامت کی کیفیت بتائی جارہی ہے۔

صبار و شکور،(بہت صبر و بہت شکر والا)۔دو صفات ایمان کے ستون ہیں۔خواہشات انسانی کو ترک کرنا صبر ہے اور انعامات کا ذکر شکر ہے جو زبان اور اعضاء کے ذریعہ سے ہے۔زبان کے شکر کا طریقہ یہ ہے، کہ اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے۔اعضاء کا شکر، یہ ہے کہ اطاعت وعبادت کرے، دل کا شکر ہے کہ ہر وقت، اللہ کی صفات کا مطالعہ اور ذات کے مشاہدہ میں حاضر رہے۔اس لئے ایمان کا نصف حصہ صبر اور نصف حصہ شکر ہے۔یہ قرب الٰہی کے لئے اہم اوصاف ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جسم میں سر کا مقام ہے۔اسی طرح ایمان میں صبر کا مقام ہے۔حضرت جنید بغدادی کے مطابق ناگواری کا اظہار کئے بغیر مصائب کو جھیلنا صبر ہے۔عمرو بن عثمان نے کہا: اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قضاء پر ثابت قدم رہنا اور مصائب کا خوشی سے استقبال کرنا صبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اور ڈرو اس دن سے جب نہ کوئی باپ اپنی اولاد کا بدلے دینے والا ہوگا اور نہ اولاد اپنے باپ کے لئے بدلہ دینے والی ہوگی۔بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے لہٰذا دنیاوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔اور کوئی دھوکہ باز تمہیں اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ ڈالے۔

قیامت کا منظر ہے کہ نفسا نفسی ہوگی۔ہر آدمی پریشان ہوگا، باپ اور اولاد کا رشتہ جو دنیا میں سب سے عزیز ہوتا ہے اور والدین اپنی اولاد کو بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں، قیامت کے دن ایک دوسرے کو بھول جائیں گے اور اپنے حساب و کتاب کی پریشانی میں ہوں گے۔نہ ہی کوئی دوست یا اور کوئی قوت کام آئے گی۔قیامت کے وقوع اور حساب و کتاب سے جو لوگ منکر ہیں، ان کو تنبیہ ہے، کہ اس ساری کائنات کو پیدا کرنے والا، اسے ایک نظام کے تحت قائم رکھنے والے، کے لئے اس کو ختم کرنا کوئی مشکل نہیں، لہٰذا اس کا یقین کرنا ضروری ہے۔اور اسی کے حکم کے مطابق، اعمال کی اصلاح کرنے میں کامیابی ہے۔والدین اور اولاد کے تعلقات، فرائض و حقوق، کا حساب اور اس کا

عذاب وثواب، یوم حساب وکتاب کے دوران ہوگا۔ یہ اللہ کے ہاں ریکارڈ میں موجود ہوتا ہے اور اسکے مطابق عدل ہو گا۔ وقوعہ قیامت کا خوف وہراس، شدت ووحشت، اس کے علاوہ ہے۔

دنیا کی زندگی میں دھوکے:۔

دنیا کی زندگی میں کئی ایسے امور ہیں، جو انسان کو اعمال صالحہ اور قیامت کے حساب وکتاب پر یقین کرنے سے دھوکے میں رکھتے ہیں۔ اکثر افراد صرف اسباب اور مظاہر کائنات کو دائمی سمجھتے ہیں اور اس کو ختم نہ ہونے والا سلسلہ جانتے ہیں۔ اب خلاء میں ترقی سے سیاروں اور ستاروں کے بارے معلومات کے بعد یقین ہو گیا ہے کہ ہمارا نظام شمسی جس پر ہماری زندگی ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ دنیا کی کشش انسان کو غافل کر دیتی ہے۔ کبھی انسان، اللہ کے احکام کو بھول کر یا نظر انداز کر کے، صرف اللہ کی رحمت کا بھروسہ کر لیتا ہے اور عدل کے احکامات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ کبھی نبی ﷺ کی تعلیمات کی پرواہ نہیں کرتا، لیکن شفاعت کی امید رکھتا ہے۔ الغرض شیطان کئی قسم کے دھوکے انسانی دماغ میں ڈال کر اسے گمراہ کرتا ہے اور یہ مختلف ذرائع سے انسان کو متاثر کرتے ہیں۔ ان دھوکوں سے بچنے کے لئے سخت تاکید کی گئی ہے تاکہ انسان قیامت میں عذاب سے بچ سکے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

بے شک قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کا ذکر ہے۔ قیامت کا سوال ہمیشہ لوگوں نے انبیاء سے کیا ہے اور قیامت کو خفیہ رکھنے میں انسانوں کے لئے حکمت ہے۔ اور ان کے امتحان کے لئے صحیح آزادانہ ماحول میسر ہے ورنہ خوف سے مختلف احوال ہو جاتے اور انسان کی آزادی، خوف کی وجہ سے رک جاتی۔ موجودہ دور کے سائنس کے اندازے محض آنے والے سگنلز پر منحصر ہیں اور زمین سے ملنے والے ہڈی کے ٹکڑوں کے تجزیہ سے ہیں۔ ان کا اندازہ ملین سالوں میں ہے۔ لہٰذا یہ علم نہیں، بلکہ ایک انتہائی لمبا اندازہ ہے جس کی کوئی انسان کے اعمال کے لئے اہمیت نہیں۔ نبی ﷺ نے آثار قیامت کے معین دن کے بارے یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ علم کے ذریعے غیب ختم ہو جاتا ہے اور علم نہ ہو تو غیب ہوتا ہے۔ تمام علوم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور پھر انسان کا علم اللہ کی نعمت اور اس کی رحمت وفضل کا نتیجہ ہے۔ اسی

طرح موسم کے حالات جس کو بارش کے ذریعہ بتایا گیا ہے انسانوں کے علم سے ماوراء ہیں۔ خلاء میں سیاروں کے ذریعے ہواؤں کے رخ یا ہوا کے دباؤ کا اندازا لگایا جاتا ہے جو کہ کافی صحیح ہوتا ہے۔ لیکن سو فیصد صحیح نہیں ہوتا کیونکہ مقامی آب وہوا مختلف ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا مکمل علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے پاس ہے اور اس کے فیصلوں پر منحصر ہے۔

ہوا کے دباؤ، بادلوں کے رخ، درجہ حرارت میں مطلوبہ کمی و بیشی کے فیصلے، اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں، جو کہ ایک انرجی کی قسم ہیں کے ذریعے نافذ کرتے ہیں اور پیشن گوئی ختم ہو جاتی ہے۔ سورج کی تابکار شعاعیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ قرار حمل کا کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ لاکھوں کروموسوم ملتے ہیں (X اور Y .. ایکس اور وائی) کب اس کا نتیجہ ہوگا یا سب ضائع ہوگا۔ کیا لڑکا ہوگا یا لڑکی، صحیح وسالم ہو یا کوئی کمی و بیشی اس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ ہمیں معلومات اس وقت ملتی ہیں جب وجود قائم ہو جاتا ہے اور اس کے امیج یا صورت مختلف شعاعوں کے ذریعہ لی جاتی ہے جس کا اپنا نقصان ہے۔ اسی طرح انسان کی قسمت، اس کی کامیابی اور ناکامی، پیدائش اور موت کے مقامات، اس شخص کو معلوم نہیں ہوتے اور نہ ہی آنے والے دن کا پتہ لگتا ہے۔ صحت مند آدمی بیمار ہو سکتا ہے اور بیمار صحت مند یا حادثات کا شکار ہو سکتا ہے یا بچ سکتا ہے۔

ان کچھ امور میں، انسان کی معلومات کے ذریعے کافی صحیح اندازے لگائے جا سکتے ہیں، یہ انسانی علم کے ذریعہ سے ہیں، جو اللہ نے انسان کو امتیازِ علم دیا ہے، لیکن سو فیصد کیا ہوگا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے یا جس کو اس کے بارے معلومات پہنچادے۔ اللہ کی ذات تمام کائنات کے علوم کے بارے باخبر ہے اور علیم ہے۔ انسان کو اس کے احکام کے تابع ہو کر اس کی عبادت کرنی چاہیے تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی ہو۔

سورت کی ابتداء قرآن مجید کی عظمت سے تھی اور اس کا اختتام قیامت کے منظر سے ہے۔ الحمدللہ سورۃ لقمان کی تفسیر 16 جولائی 2022 عیسوی بمطابق 17 ذوالحجہ 1443 ھجری کو مانچسٹر میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ خاتم النبیین۔

32- سورۃالسجدہ

تعارف:۔

سورۃ کا نام السجدہ،اس میں سجدہ کے ذکر کی وجہ سے ہے جو کہ آیت نمبر 15 میں مومنین کی تعریف کے ضمن میں بطور تحسین ذکر فرمایا۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ مضامین کے انداز سے مکہ کے دور وسطیٰ میں اس کا نزول معلوم ہوتا ہے۔ مضامین کے اعتبار سے سورۃ لقمان کے قریب تر ہے۔ سورۃ السجدہ، سورت النمل کے بعد اور سورت نوح سے پہلے نازل ہوئی۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر پچھتر (75)اور ترتیب مصحف (سورتوں) کے اعتبار سے بتیس(32)ہے۔اس کی تیس(30)آیات اور تین(3)رکوع ہیں۔

روایات کے مطابق نبی ﷺ نے سورہ السجدہ کو صبح کی نماز میں تلاوت فرمایااور رات کو سونے سے پہلے سورۃالملک اور سورۃالسجدہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

ابتدائے سورت میں قرآن مجید کی عظمت کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہےاور نبی ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی گئ۔اللہ تعالیٰ کی تخلیق کائنات کے بارے اطلاعات دی گئیں۔انسان کے وجود کے بارے حقائق سے آگاہ کیا۔نافرماں اور اطاعت گذاروں کی سزا و جزا کا ذکر فرمایا۔پچھلی امتوں کے عذاب سے آگاہ گیا۔حشر و نشر کے بارے آگاہ کیا۔دوسرے انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ الف۔لام۔ میم

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲﴾

یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳﴾

کیا وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑا ہے۔ بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ اس قوم کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت قبول کرلیں۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے، جو کلام کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ حروف مقطعات کے بارے سورہ البقرۃ میں بیان کیا جاچکا ہے۔ یہ حروف ہیں، الفاظ ہیں اور ان کے اپنے معانی واسرار ہیں۔ متأخرین مفسرین نے مختلف تعبیرات یا توجیہات کی ہیں۔ جس طرح کہ الف سے مراد، الفت کی طرف اشارہ ہے، کہ اسے (اللہ تعالیٰ نے) اپنے محبین کے دلوں میں قرب کی الفت ڈال دی ہے۔ لام سے لقاء یعنی اپنی ملاقات کی طرف اشارہ ہے کہ ملاقات کی تمنا اور ملاقات کی خوشخبری بھی اور میم سے ان کی مراد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے محبین نے اپنی مراد کو اللہ کی مراد (رضا) میں فنا کر رکھا ہے۔ کوئی ان کی خواہش نہیں۔ اللہ کی رضا و قضا ہی ان کی مرضی ہے۔ (ملا علی قاری)۔

کفارِ مکہ کے اعتراضات کا جواب ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور وہ ذات تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ انسان، اربوں مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور جو شک کرتے ہیں غلط ہیں۔ منکرین مکہ، قرآن مجید کو نبی ﷺ کا کلام کہتے اور کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے، ان کو بتایا گیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ کلام کے انداز، الفاظ، ربط اور اثر سے واضح ہے۔ اس کلام کا مقصد، قریش مکہ (کفار) کی ہدایت تھی، کیونکہ ان کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ڈرانے والا اس علاقہ میں نہیں آیا۔ یہ مدت تقریباً دو ہزار سال سے زیادہ کی تھی اور بت پرستی کی بدعت کی ابتداء عمرو بن الجی، نامی شخص نے کی۔ اگرچہ اس بت پرستی کے دور میں بھی کچھ افراد بتوں سے نفرت کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حجاز اور بالخصوص اہل مکہ کے لئے، ہدایت کا پیغام اور اہتمام تھا۔ جس کی اہل مکہ شدت سے مخالفت کر رہے تھے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی

الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی (جلوہ فرما) ہوا۔اس کے سوانہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی شفیع (سفارشی) ہے۔ پھر کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

وہی آسمان سے زمین تک (سارے) معاملات کی تدبیر (کنٹرول) کرتا ہے، پھر ایک دن جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے وہ ، روداد (معاملہ) اس کی طرف پیش (چڑھے) ہوگا۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

وہی (مدبر یعنی اللہ) چھپے اور ظاہر کا جاننے والا، نہایت غالب اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

تخلیق کائنات:۔

اللہ تعالیٰ کی قوت، وجود اور عبودیت کے دلائل ہیں جو کہ علمی بھی ہیں۔ یہ زمین جس پر انسان اور لاکھوں دوسری مخلوقات زندگی گذار رہی ہیں اور ہماری سائنس (فزکس) کے مطابق مادے کی تمام صورتیں زمین پر جو موجود ہیں وہی رہیں گی۔ کمی و بیشی نہیں ہوگی۔ زمین کی کشش ثقل, اپنے حدود کے اندر اس کو رکھتی ہے۔ پھر آسمانوں کا ذکر ہے جو کہ فضا ہے۔اس کے کئی طبقات ہیں، جن میں سات کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔انسان کے پاس اس قدر واضح شواہد نہیں آئے کہ تعداد متعین کرے۔ اگرچہ علمی اندازے ضرور ہیں جو خلاء میں سیاروں کے ذریعے ریڈیو ویوز کے ذریعے ملتے ہیں۔اس آسمان میں ہمارا نظام شمسی ہے، چاند بھی ہے۔ستاروں کو اگر شامل کریں تو نظر آنے والے ستارے ہماری کہکشاں ہے۔ جو ہزاروں نوری سال ہم سے دور ہے۔ یہ فزکس اور فلکیات (کاسمولوجی) کے علمی اندازے ہیں اور ان معلومات میں خلائی سیاروں میں ترقی کی وجہ سے تبدیلی بھی آئے گی۔ قرآن مجید کے مطابق،اللہ تعالیٰ نے ان کو چھ ایام میں تخلیق کیا۔ یہ چھ ایام دراصل ادوار ہیں، کیونکہ احادیث میں اس کی جو تفصیل یعنی اشارہ بتایا گیا ہے اس میں مختلف امور کا ذکر ہے، کہ زمین فلاں دن اور اس پر پہاڑ فلاں دن یعنی اندرون زمین کیفیت اور بیرونی کیفیت میں تبدیلی، پھر درختوں اور سبزے کو پیدا کیا،اس میں کس قدر طویل پروسس یا نظام تھا،اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔اس لئے دن سے مراد ایک پروسس ہے جو کئی سالوں پر محیط ہوگا، جس میں ارتقائی منازل ہوں گی۔اس طرح درختوں کے بعد حیوانات

کو پیدا کیا۔ یہ بھی ایک طویل عمل کا حصہ ہو گا۔اسی طرح روشنی یانور کو پیدا کیااور آخر میں انسان کو پیدا کیا(مسلم/مسند احمد)۔ ہماری سائنس جس قدر ہمارے اندازے لگائے اس کی مدت ان ایام کے اندر شمار ہو گی، کیونکہ ایام سے مراد ہر ایک پروسس ہے جسے،انسانی ذہن کو اس وقت کے مناسبت سے سمجھانے کے لئے دن(یوم) کا لفظ فرمایا جس سے مراد پروسس کی مدت ہے۔

اس کے بعد عرش پر استواء کا ذکر کیا۔ استواء سے مراد جلوہ افروز ہونا مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات، حدود، جسامت، کیفیت، کمیت سے پاک ہے۔اس لئے جو اس کے شایان شان ہے وہی مراد ہے۔ لیکن ایک چیز سائنسی (فزکس) کے نقطہ نظر سے واضح ہے کہ ہماری کہکشاں (نظام شمسی و گلیکسی) کے علاوہ، عرش، کرسی، جنت اور دوزخ کے مقامات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہماری سائنس (کاسمالوجی۔Cosmology) جس میں خلاء سے آنے والے سگنلز کے ذریعے مختلف اندازے لگا رہی ہے۔انسانی معلومات،انسان کے پیدا کردہ آلات کی استعداد اور ان سے آنے والے سگنلز کی تعبیرات (تشریحات) پر منحصر ہے۔ جس میں ہر مقام پر غلطی کا امکان موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ سائنسی نظریات میں تبدیلی آتی رہتی ہے جس طرح کسی وقت زمین ساکن تھی اور آج متحرک ہے۔ سورج متحرک تھا, آج نظام شمسی کا مرکز ہے, لیکن کہکشاں کے مقابل متحرک (مدار) ہے۔ یہی حال مختلف نظریات مثلاً مادہ، انرجی، اجزاء و مرکبات کی تعریف اور توضیح میں ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ انسان کے آگے علمی انکشافات ہوتے رہیں گے اور پرانے نظریات بھولتے رہیں گے۔ قرآن مجید نے ایک فریم دیا ہے جس کو سمجھنے میں کسی بڑی علمی ڈگری کی ضرورت نہیں, لیکن تحقیق کے لئے محنت درکار ہے۔ یہ آیات ان افراد کو جو اہل علم ہیں اور مذاہب سماوی پر یقین رکھتے ہیں, ان کو تحقیق کرنے اور خالق کائنات کے وجود کے بارے ان افراد کو راہنمائی کرتی ہے, جو خالق کائنات کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

نظام کائنات:۔

اگلی آیات میں نظام کائنات کے بارے اشارہ ہے کہ یہ نظام کس طرح چل رہا ہے اور اس کے منتظم اعلیٰ نے اس کا کس طرح اہتمام اور منصوبہ بندی کی ہے۔ آسمان یعنی فضاء یا خلاء سے زمینی امور کی تدبیر ہوتی ہے۔ایک طرح تو یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے اس سارے نظام کا بندوبست کیا ہے۔ جس کا عرش سب سے بلند ہے اور زمین سے اوپر ہے۔ دوسرا یہ بتایا گیا کہ فضاء کے حالات، زمین کی سطح پر آنے والے واقعات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ان کا نظام بھی اس طرح ہے جس طرح احادیث مبارکہ میں اس کی طرف نشاندہی کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو کہ نور (روشنی) سے پیدا ہوئے ہیں وہ فضاء میں احکام کی تنفیذ پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نظام اور تدبیر سے یہ نظام چلتا ہے۔تدبیر کا لفظ

ایک مربوط نظام کے طرف نشاندہی کرتا ہے۔ یہ بات اس وقت بتائی گئی, جب لوگ جہالت کی وجہ سے سورج، چاند، ستاروں اور حیوانات کی پرستش کرتے تھے۔ان آیات مبارکہ کی توضیح کو حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھیں تو آج کی سائنسی معلومات ان کو ثابت کر رہی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فضاء میں بادل، ہواؤں کا رخ، سورج کی گرمی، چاند کی روشنی اور کشش، خلاء سے آنے والے مختلف شہابیئے(Meteorites)، سورج کی تابکاری میں کمی و بیشی، ستاروں کے کشش کے اثرات، کس طرح زمین کے موسمی حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ان حقائق کا علم اب ہوا ہے، جب سے انسان نے فضاء میں قدم بڑھایااور مصنوعی عقل کے ذریعے علوم میں تخمینے یااندازے صحیح طور پر دریافت کئے۔ ہمارا نظام شمسی ہی اس قدر پیچیدہ ہے کہ آج تک اسے انسان نہیں سمجھ سکا۔

اس نظام میں نظام معلومات بہت اہم ہیں، جو کہ اللہ کے نظام کا اعلیٰ حصہ ہے۔اس کی ایک ادنی مثال انسان کے تیار کردہ مصنوعی عقل (کمپیوٹر) کی بنیاد پر خلاء میں سیارچوں کے ساتھ انسانی رابطے اور ریڈیو خلائی دوربینوں (ہوبل/سکای آئی) کے ذریعے سگنلز کی تشریح ہے۔انسان کے تیار کردہ خلائی سیارہ جس کا نام وائج 1 -(Voyage 1, 1973) ہے۔ گذشتہ پنتالیس سال سے سورج کے مخالف سمت میں رواں دواں ہے اور اس کے سگنلز آنے میں تقریباً بیس(20) گھنٹے لگتے ہیں۔اب اس کا زمین سے رابطہ کمزور ہو گیا ہے بلکہ معدوم ہو رہا ہے اور ان کی توضیح یا پہچان ممکن نہیں ہو رہی۔اللہ تعالیٰ کا نظام معلومات اس سے بہت بلند ہے۔

قرآن مجید میں منظم معلومات یا حساب و کتاب کے بارے ایک ہزار سال اور کہیں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے۔ علماء نے اس کی تشریح کی ہے کہ آیت مبارکہ (السجدہ) میں ایک ہزار سال انسانی مدت کو بطور قیامت کے روز حساب و کتاب کے لئے فرمایا گیا، کہ مخلوقات کی کارکردگی جو انہوں نے زمین پر اپنی زندگی میں کی، اس کا وقت انسانی معلومات یا ایام کے مطابق اس قدر طویل ہوگا۔ یہ ایک توجیح ہے۔ یہ وقت (حساب و کتاب) کی طوالت اہل ایمان وصفاء کو بھاری اور لمبی محسوس نہیں ہو گی۔ ہر انسان کے عمل کے ریکارڈ کے لئے دو فرشتے متعین ہیں، جس کی مثال یوں سمجھے کہ دو چپس(Chips) جسم میں موجود ہیں جن کو بدن کی حرارت چارج دے رہی ہے اور ہر لمحہ ہر آن ہمارے تخلیات اور اعمال کا ریکارڈ کر رہے اور اپنے مرکز کی طرف یہ معلومات ارسال کر رہے ہیں جہاں یہ محفوظ ہو رہی ہے۔ دوبارہ، ان کو بروز قیامت بطور گواہی ہمارے سامنے دکھایا جائے گا تاکہ حساب و کتاب میں عدل الٰہی برقرار رہے اور کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ ہو۔ شیخ اکبر (ابن عربی) کے مطابق یہ طوالت ایام، نظم معلومات (ہزار سال، پچاس ہزار سال یا لمحات) کا تعلق مختلف مقامات، سیاروں، ستاروں کے پیغامات واحکام سے ہے۔ مثلاً کہکشاؤں (ستاروں) کا نظام ہے، سیاروں کا نظام ہے۔(روح المعانی)۔ اسی طرح مخلوقات جن وانس کا نظام، حشرات و حیوانات کا نظام وغیرہ کے بارے ہو سکتا ہے۔

جوں جوں انسان ترقی کرے گا۔اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے گا حتّٰی کہ دجال کا زمانہ آجائے گا۔ایک توجیہ یہ ہے کہ ہزار سال کی منصوبہ بندی اور امور واحکام کی پلاننگ کر کے فرشتوں کو تنفیذ کے احکام دے دیئے جاتے ہیں۔

فرشتے نور سے بنے ہیں۔ہماری سائنس (فزکس) کے مطابق روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی فرشتوں کی طاقت اور تیزی کا ذکر کیا گیا کہ عزرائیل، جبرائیل، میکائیل کی قوت اس قدر ہے کہ ساری زمین اور اس پر ساری مخلوقات گویا ایک پلیٹ میں پڑی ہے۔یہی فرشتے احکام الٰہی کی تنفیذ کائنات وزمین پر کرتے ہیں۔

ان تمام امور سے واضح ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طاقت، قوت، علم اس قدر ہے جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے، نہ تصور کر سکتے ہیں اور وہ بڑا غالب اس کے ساتھ رحم بھی کرنے والا ہے۔خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔تمام علوم ،اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں اور انسانوں کے پاس صرف وہی ہے، جو انہوں نے حاصل کیا۔انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ ان کی ذمہ داری کی بناء پر علوم کا اعلیٰ درجہ عطا فرماتے ہیں۔لیکن اللہ کے علم کے ساتھ کسی کی کوئی بھی نسبت نہیں ہو سکتی، وہی تمام حاضر وغایب امور کا عالم ہے۔اس لئے ہمیں اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ﴿۷﴾

اسی (اللہ) نے ہر چیز کو احسن طریقہ سے پیدا کیا اور انسان کی تخلیق (ابتداء) مٹی سے کی۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ﴿۸﴾

پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے جوہر (نطفہ) سے چلائی۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

پھر اس کے اعضاء کو درست کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور اس نے تمہارے کان، آنکھیں، دل ودماغ بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت وکمالات کا ذکر ہے۔جو چیز بھی زمین پر موجود ہے اور جس کے بارے انسان تحقیق کرتا ہے، وہ اس میں کمال کا نظام دیکھتا ہے۔یہ کمال اس کے وجود کا ڈیزائن، اس مخلوق کا نظام حیات، اس کی ضروریات کے بالکل مناسب ہے۔خواہ وہ ایک معمولی مچھر ہو یا وہیل مچھلی، جو سب سے عظیم حیوان ہے۔یہی حال پرندوں، حشرات الارض، جنگلات کے حیوانات کا ہے۔پھر سمندر کی مخلوق کا یہی حال ہے۔پھر درختوں اور پودوں کی یہی کیفیت ہے۔ پھولوں کے رنگ اور مہک، سبزہ زار ہر ایک احسن تخلیق کا پیغام دے رہی ہے۔جس پر، جب ذرا غور کی جاتی ہے تو کمال

حسن تخلیق،کاایک نیاباب کھل جاتاہے۔

وجودانسانی:۔

انسان کی تخلیق کاذکرہے۔انسان کی ہیت/وجود کو مٹی سے بنایاکیونکہ جو اجزاءانسانی وجود کے لئے ضروری ہیں مثلاً لحمیات، دھنیات، معدنیات (پروٹین/ منرل/ فیٹس/کاربوھائیڈریٹ) سارے مٹی (Soil) سے متعلق ہیں۔انسانی نمو کے بارے بھی اشارات ہیں۔انسانی وجود کے بعد،اس کے تسلسل کا سلسلہ انسانوں میں ،مذکر و مؤنث، افراد کے اعضاٗ تولید کے ذریعے چلتاہے،جومائع محلول کی صورت میں ہوتے ہیں اور پھراس سے ٹھوس حالت اور جسم پیدا ہوتاہے۔یہ اجزاءخون سے لوتھڑے کی صورت ،پھر جسم،اور جسم سے ایک خوبصورت شکل اختیار کرتے ہیں۔ہر عضو اپنی مثال آپ ہے۔آنکھ کو دیکھیں توایک عالم ہے۔کان،ناک،ہاتھ،پاؤں،پنڈلی، گردن،سر،بازو،پسلیاں،نظام ہضم، نظام تنفس،اعصاب،دماغ،دل،غرض ہر حصہ حسنِ کمال تخلیق کی صدابلند کررہاہے۔اس کے بعد بڑاانعام قوت علم ہیں۔جس میں چھونا،ذائقہ،دیکھنا،سننااور سونگھنا شامل ہیں۔پھران میں مزید رحمت اور فضل کااظہار روح ربانی ہے جو کہ زندگی کاوجوداور روح کاوجودہے۔انسان کی عظمت وخیرالخلق کی دلیل، عقل یعنی اس کی قوت مدرکہ اور قوت تجزیہ ہے جو جنوں اور فرشتوں سے بڑھ کرہے۔یہ روحی کااعزازانسان کو ملاہے۔یہ اعزاز بھی ہے امتحان بھی،اسی عقل وخرد کے ذریعے انسان میں صفات الٰہی کاکچھ عکس پیداہواجس کی وجہ سے اس کے اعمال کاحساب وکتاب ہوگا۔ان بے شمار انعامات واکرام کاانسان قدردان نہیں اوراپنے خالق حقیقی کی بندگی اور شکر کامعمولی بھی حق ادانہیں کرتا۔

روح انسانی:۔

روح کی ایک تشریح,بحیثیت مخلوق ایک امر ربی ہے،جو کہ غیر مادی مخلوق ہے۔اس کی تعریف یوں کی گئی ہے،کہ ایک قوت ہے،جو بدن میں موجود ہو تو زندگی (سانس) رواں دواں رہتی ہے۔جب نکل جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور تمام انسانی جسم میں موجود قوات مدرکہ (انسانی حواس)،ختم ہو جاتی ہیں۔چونکہ قوت ہے جس کی وجہ سے اس کاجسمانی یاطبعی ادراک،انسان کو نہیں۔یہ قوت غیر مادی ہے،اس لئے جسم سے نکل جانے کے بعد ختم نہیں ہوتی اور جسم ختم ہو کر دوسرے مادوں کی صورت میں زمین میں مل جاتاہے۔یہ محسوس نہیں کی جاتی،اس لئے سائنس اس کے بارے خاموش ہے۔ ایک علمی وضاحت یہ ہے،ایک انرجی کی صورت ہے (روشنی) اور انرجی ،علم فزکس کے مطابق ختم نہیں ہوتی،بلکہ صورت بدلتی ہے اور دوسری انرجی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اس طرح روح کو بھی فنا نہیں، بلکہ بقاہے، جس طرح احادیث سے ثابت ہے۔ایک حدیث کے مطابق ایک روح،دوسری روح سے ملاقات کرتی ہے

(مسند احمد، کنزالعمال بروایت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ) یعنی زندہ افراد اور مردہ افراد کی روحیں خوابوں میں ملاقات کرتی ہیں۔ اسکی دوسری وضاحت مثالی اجسام کی صورت ہے۔

وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰

اور ان لوگوں (کافروں) نے کہا: کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو پھر ہماری از سر نو پیدائش ہو گی؟ (نہیں) بلکہ وہ تو اپنے رب کی ملاقات کے ہی منکر ہیں۔

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

آپ کہہ دیجئے! تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرتا (موت دیتا) ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کفار مکہ اللہ کے وجود کے تو دین ابراھیمی کی وجہ سے قائل تھے، بتوں کو خدا کا نمائندہ کہتے لیکن قیامت اور پھر حساب و کتاب کے لئے زندگی کے قائل نہیں تھے۔ ان کے لئے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ انسان جو دنیا میں پیدا ہو کر ایک عظیم جثہ لے کر رہتا اور پھر مرتا اور زمین میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے دوبارہ اجزاء مل کر وہی جسامت کیوں نہیں اختیار کر سکتے، جس صورت، وہ مرا تھا، جب کہ زمین کے تمام مادے زمین میں ہی رہتے ہیں، نہ کمی ہو گی نہ زیادتی، جس طرح جدید فزکس مانتی ہے۔ قریش اس پر یقین نہیں کرتے تھے۔ وہ موت کی حقیقت کو مانتے تھے۔ اس کے ذریعہ دلیل دی ہے کہ موت کا سبب بظاہر کچھ نظر آئے، کیونکہ عالم اسباب ہے، لیکن انسانوں کو موت دینے کے لئے ایک فرشتہ معین ہے، جس کا نام ہی ملک الموت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات کے مطابق، ہر ذی روح کی روح قبض کرتا ہے۔ فرشتے چونکہ انرجی کی صورت میں ہیں، اس لئے مقامات فاصلے اور اوقات ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کی مثال انسانی کے بنے ہوئے مختلف پروگرام جو بذریعہ مصنوعی عقل پیدا، اور تقسیم کئے جاتے ہیں۔ زمین و خلاء میں دستیاب ہوتے ہیں۔ علماء کرام کی تفسیر اور ایک حدیث کے مطابق ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) کے نزدیک دنیا، ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے۔ وہ بغیر مشقت کے، جس شخص کو چاہے پکڑ لیتا ہے۔ وہ مشرق و مغرب سے مخلوق کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کے مددگار ہیں۔ سو رحمت کے فرشتے مومنوں کے لئے ہیں اور عذاب کے فرشتے کافروں (انکار کرنے والوں) کے لئے ہیں۔ (امام بغوی۔ روح المعانی)۔

چونکہ عالم اسباب ہے اس لئے مختلف ظاہری اسباب موت کے سبب بنتے ہیں۔ جہاں ملک الموت روح نہیں کھینچتا وہاں، انسان بیماری، حوادث کے باوجود بچ جاتا ہے اور جہاں اسے روح نکالنے کا حکم ہوتا ہے وہاں صحت مند بھی کسی معمولی بہانے سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ موجودہ سائنس صرف ظاہری اسباب پر ہی بھروسہ کرتی ہے۔ لیکن

اہل ایمان، اسباب کے علاوہ حقیقی قوت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کفار مکہ اور منکرین حشر و نشر کے لئے ہدایت کی دلیل ہے۔اس لئے بتایا کہ تمام افراد کی موت کے بعد دوبارہ روح لوٹے گی، زندہ ہوں گے اور اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ اس کی کیفیت اگلی آیات میں ہے۔

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

کاش! آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے پیش ہوں گے۔(وہ کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، لہٰذا ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج کہ ہم نیک عمل کریں۔ بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات برحق (ثابت) ہے کہ میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سب سے ضرور بھروں گا۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

پس تم عذاب بھگتو، کیونکہ تم نے اس دن کی ملاقات (حساب و کتاب) کو بھلائے رکھا، بے شک (آج) ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا اور جو عمل (برے) تم کرتے تھے ان کی وجہ سے تم ہمیشہ کا عذاب بھگتو (سزا بھگتو)۔

آیات میں قیامت اور حساب و کتاب، کا دنیا میں انکار کرنے والوں کی حالت کی تصویر کو بیان کیا ہے۔ جب واقع ہو گا، دوبارہ وہی انسان زندہ ہوں گے اور ان کے جسم کے ساتھ روح بھی ہو گی۔ ان کے دنیا، میں اعمال ان کے سامنے دکھائے جائیں۔ اللہ کے وجود سے انکار، شرک، لوگوں پر ظلم، حساب و کتاب سے انکار، کی وجہ سے انسانی حقوق اور حقوق اللہ، کی پامالی کی وجہ سے ان کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ ہو گا۔ دوزخ کے عذاب کی کیفیت جان کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ہم غلطی مانتے ہیں۔ ہمارا انکار اب اقرار ہے اور یقین ہے۔ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم نیک اعمال کریں اور حکام کو بجالائیں۔ منت و زاری ہو گی۔ لیکن چونکہ فیصلہ ہو چکا ہو گا، اس لئے ان کو جواب میں ان کے دنیا میں اعمال اور ان کے انکار کا حوالہ دے کر ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ جس طرح انہوں نے اللہ کے

احکام کی پرواہ نہیں کی،اسی طرح ان کی التجاء کی بھی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ بھولنے سے مراد احکام پر علم اور قوت کے باوجود عمل نہ کرنا ہے۔

انسانی اختیار و عمل:۔

اللہ تعالیٰ نے حیوانات، حشرات الارض، پرندوں اور سمندر کے حیوانات کو پیدا فرمایا، اسی طرح فرشتوں کو پیدا فرمایا، ان سب کو اللہ نے اپنا مطیع کر دیا۔ ان کے اندر نافرمانی کرنے کی استعداد ہی نہیں رکھی گئی۔ اس لئے وہ سراپا تابعدار ہیں۔ ان کے لئے دوزخ یا جنت کا صلہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ جبر انسانوں پر نافذ کرنا چاہتے، تو کر دیتے اور ہر شخص احکام کے مطابق زندگی گذارتا۔ کوئی کافر اور فاسق نہ ہوتا، لیکن ایسا کرنا، اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔ اس لئے ایسی مخلوق بنائی جس کو اختیار دیا جائے اور وہ اپنے اختیار سے اطاعت کرے۔ اس وجہ سے انسانوں کو عقل دی گئی۔ اختیار و ارادہ دیا گیا۔ دوسری مخلوقات سے امتیاز و برتری عطا کی۔ دنیا میں ان کے سامنے ایمان اور کفر، نیک اور بدی پر ترغیب دینے والی چیزیں پیدا کر دیں۔ ساتھ نیکی اور ایمان کی طرف دعوت دینے والے انبیاء اور رسولوں کو پیدا کیا۔ اسی طرح کفر اور معصیت کے لئے ابلیس اور اس کے تابع جنات کو بھی کر دیا، کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے تھے۔

خیر اور شر کے راستے واضح کر دیئے۔ پس جو شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے نیکی اور خیر کا راستہ منتخب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیک افعال پیدا کر دے گا اور نیک اعمال پر اس کی اچھی جزا ملے گی۔ جو شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے برے افعال اور شر، کا راستہ منتخب کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے برے افعال پیدا کر دے گا (آسان کر دے گا) اور برے افعال پر اس کو سزا ملے گی۔ اسی طرح جنوں کو بھی اختیار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کی بناء پر انسان اور جن ، جنت میں بھی اور دوزخ میں بھی جائیں گے۔ اس طرح دوزخ بھر جائے گی۔ چونکہ دنیا میں خواہشات اور آسانیاں، لطف و سرور، سامنے محسوس ہوتا ہے، لہٰذا انسان زیادہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتا اور ظاہر کی طرف لپک پڑتا ہے۔ اس کے برعکس آخرت کے انعامات نظر نہیں آتے، اس لئے ان پر یقین میں کمی رہتی ہے۔ اسی بناء پر جنات و انسان کی اکثریت غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ سزا پائیں گے اور ان کی اکثریت دوزخ میں جائے گی۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ہماری آیتوں پر تو صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں ان کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے رزق دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے بدلے میں، ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک (سکون) کون سی چیزوں میں چھپی ہوئی ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

کیا پھر کوئی مومن کسی فاسق کی مثل ہو سکتا ہے وہ برابر نہیں ہیں۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

لیکن جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے رہنے کے جنّات (محلات) ہیں۔ ان کے اعمال کے بدلے میں ان کی مہمانی ہے۔

سجدہ تلاوت:۔

تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ جب آیات سجدہ تلاوت کرے تو سجدہ کرے تاکہ احکام الٰہی کی تابعداری ہو اور سجدہ میں دعا کرے جو آیت کے مناسب ہوں (اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو جب پڑھا جائے تو اس کو سمجھا جائے تا کہ کلام پاک کا صحیح اثر و برکت ہو)۔ مثلاً اے اللہ! مجھے تیری رضا اور حکم کے مطابق سجدہ کرنے والوں اور تسبیح کرنے والوں میں شامل کر دے اور میں پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں نافرمانوں میں سے ہوں۔ لیکن اگر دوران نماز سجدہ تلاوت کی آیات آجائیں، تو نماز کے سجدہ کی طرح سجدہ اور تسبیح پڑھے۔ اگر سجدہ تلاوت رکوع کے قریب ہے (تقریباً تین آیات تک) تو، رکوع اور سجود کے ساتھ ہی سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع بہتر ہو گا۔

فرمانبردار انسان:۔

احکام الٰہی سے انکار کرنے والوں کی حالت اور سزا کے بعد ان افراد کا ذکر ہے، جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو زندگی میں اولیت دیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ، دونوں کا موازنہ کر کے بہتر، راہ زندگی کا انتخاب کیا جا سکے۔ اللہ کے فرمانبردار بندوں کی صفات کا ذکر ہے کہ وہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ اللہ کے کلام میں جو احکامات درج ہیں، ان پر غور و فکر

اور عمل کرتے ہیں۔ اللہ کے آگے سر بسجود ہوتے اور اس کی پاکیزگی اور حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ تکبر نہیں کرتے۔ ان کے اندر عجز و انکساری ہے۔ وہ رات کو اپنے گرم بستروں سے نکل کر، اللہ کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے افضل نماز، رات کی نماز (نماز تہجد) ہے (صحیح مسلم/ترمذی)۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! سلام پھیلاؤ۔ السلام و علیکم کہہ کر، ملو، مسکرا کر ملو اور کھانا کھلاؤ (محتاجوں اور بھوکوں کو) اور رشتہ داروں سے مل جل کر رہو اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (ابن ماجہ و ترمذی)۔ عبادت کے ساتھ میل ملاپ (سلام) اور کھانا کھلانا بھی شامل فرمایا ہے۔

انہیں اپنے رب سے انہیں خوف بھی ہے۔ اس کے جلال و عذاب کا، اس کے عدل کا اور بے نیازی کا اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث مبارک ہے کہ ایمان خوف اور امید (رجاء) کے درمیان ہے۔ مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اپنے رزق پر اپنا حق ہی نہیں رکھتے، بلکہ اس میں دوسرے محروم بھائیوں اور معاشرے کے افراد کا بھی حق سمجھتے ہوئے اسے ان پر خرچ کرتے ہیں۔ رزق کو اللہ کا انعام سمجھتے ہیں اور محروموں کو دیتے ہیں۔ اس کردار کے لوگ کہاں ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں، جو نافرمان اور قول و فعل کے جھوٹے ہوتے ہیں۔

قیامت و حساب و کتاب کے منکر ہیں اور اپنی خواہشات کی ہی تکمیل کی جدوجہد میں زندگی گذار دیتے ہیں۔ محروم افراد کا کچھ خیال اور دوسروں کے حقوق کا اہتمام نہیں کرتے۔ یہ دو طرح کے افراد اگرچہ شکل انسانی میں ایک جیسے ہیں، لیکن کردار اور اعمال کی وجہ سے بالکل مختلف ہیں، اس لئے ان کا بدلہ بھی بالکل مختلف ہے۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے والوں کو جنت میں محلات ملیں گے، جہاں وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے دائمی زندگی گذاریں گے اور وہاں اس قدر انعامات، آسائش اور لذائذ ہیں کہ جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے، جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، نہ کسی بشر کے دل میں خیال آیا ہے، بلکہ یہ نعمتوں کے علاوہ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خبر دی ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا:

''فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝''

(سورت السجدہ نمبر 17)۔ (صحیح مسلم/ابن ماجہ)۔

مومن وفاسق:۔

مومن وہ شخص ہے جو اللہ کی عبادت واطاعت کرتا ہے اور فاسق اس شخص کو کہتے جو احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا اطلاق مسلمانوں اور کافروں دونوں پر ہوتا ہے۔

غیر مسلم حربی اور غیر مسلم ذمی:۔

اس آیت میں احکام الٰہی کا انکار کرنے والے خواہ کلمہ گو ہو یا غیر کلمہ گو (غیر مسلم) دونوں کے فرق کو ظاہر کیا گیا ہے اور یہ قیامت میں اللہ کے عدل کے مطابق ہو گا۔ بعض علماء نے اسے دنیا کے احکام میں تفریق کے لئے دلیل بنایا کہ کیا ذمی کے قصاص (قتل کے بدلے قتل) میں مسلمان کو قصاص کی سزا ہو گی۔ بعض علماء نے اس آیت کی بناء پر کہا ہے کہ قصاص (قتل) نہیں ہو گا اور دیت ہو گی۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قصاص (قتل) کی سزا ہو گی۔ جس طرح نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں نافذ کی (دار قطنی)۔ ایک حدیث جس میں قصاص کی سزا نہیں ہے دراصل وہ ذمی حربی (وہ غیر مسلم جن سے جنگ جاری ہو) کے بارے ہے۔ اس کے قتل کی صورت میں قصاص نہیں ہو گا۔

مسلم حکومت کے تمام شہری برابر ہیں اور اسلام انسانی اقدار، مساوات اور مکارم اخلاق کا مذہب ہے۔ نفس کے بدلے نفس کے قرآن پاک کے الفاظ بھی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بھی ذمی کے بدلے مسلمان کو قصاص کی سزا نافذ کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو بغیر کہنہ (دلیل شرعی) کے قتل کر دیا، اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا (ابو داؤد/النسائی)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو، ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے ذمہ (عہد) کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں (دار قطنی)۔

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ کُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡہَاۤ اُعِیۡدُوۡا فِیۡہَا وَ قِیۡلَ لَہُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِہٖ تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۰﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ جب بھی وہ اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو اسی آگ میں لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، اب اس آگ کا مزا چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔

وَ لَنُذِیۡقَنَّہُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَکۡبَرِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے۔ بڑے عذاب کے سوا تاکہ وہ (کفر اور نافرمانی سے)

رجوع کرلیں۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اعراض (منہ موڑے) کرے۔ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

پھر نافرمانوں، فاسقین کا ذکر ہے۔ ان کے اعمال کی بناء پر ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گی۔ جو سخت عذاب کی جگہ ہے۔ آگ کے ذریعہ عذاب دیا جاتا ہے اور جب بھی مجرمین یعنی نافرمان اور فاسقین وہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ انہیں دوبارہ پکڑ کر فرشتے دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔ وہ وہاں سزا بھگتیں گے۔

برے اعمال پر وارننگ:۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نظام رکھا ہے۔ انسان اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ خواہشات اور شیطان کے ورغلانے پر دھوکہ کھا جاتا ہے اور اعمال صالحہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی انسان کو توبہ کرنے کی وارننگ دیتے ہیں۔ یہ دنیا کے اندر عذاب اور تکالیف کی صورتیں ہیں۔ ان میں کچھ افراد کے لئے ہیں اور کچھ حکمرانوں کے لئے تاکہ ان پر غور کر کے افراد اپنا رویہ ٹھیک کرلیں اور حکمران طرز حکمرانی پر اپنا محاسبہ کرلیں۔

افراد جب نافرمان ہو جائیں تو ان کو کبھی ساری عمر ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ جہنم کے گڑھے میں جا گریں۔ کبھی ان پر رحم کرتے ہوئے انہیں بطور یاددہانی شخصی مشکلات میں ڈالا جاتا ہے۔ جہاں ان کو ان کی بے بسی نظر آ جائے مثلاً بیماری، کسی مقصد میں ناکامی، اولاد کی نافرمانی، ذرائع آمدن میں کمی، گھریلو عذاب اور پریشانیاں تاکہ انسان وسائل و قوت کے باوجود اپنی بے بسی کا احساس کرلے اور اپنے خالق کا سہارا لے تاکہ بھنور سے نکل سکے۔

اجتماعی طور پر ملکوں میں قحط، سیلاب، زلزلے، سونامی، لڑائیاں وغیرہ شروع ہو جاتی ہیں اور لوگ قتل و غارت کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اگر حکمران سمجھدار ہوں تو اس وارننگ سے نصیحت حاصل کر کے، توبہ اور کردار کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس سے اگلا بڑا عذاب جہنم میں ہمیشہ رہنے کا عذاب ہے۔ چونکہ دنیا کی مدت کم ہے، جو کئی سالوں پر محیط ہوتی ہے، اس لئے تھوڑا یا چھوٹا عذاب ہے۔ اس کی ایک تفسیر کفار پر مکہ میں قحط اور غزوہ بدر میں ان کی شکست ہے۔ قیامت کے بعد ابدی زندگی کا، عذاب، عذابِ اکبر ہے۔ یہ اس ظلم کا نتیجہ ہوتا ہے، جو انسان اپنی زندگی کے دوران اپنے نفس یا دوسرے لوگوں سے کرتا ہے۔

ظلم، اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کو اس کے مناسب و موزوں مقام سے ہٹا کر رکھنا ہے اور یہ برے

اعمال ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے۔ حقوق اللہ میں شرک اور حقوق العباد میں زکوٰۃ اور اچھے اخلاق اور معاشرتی عدل کو نہ کرنا، اپنے ساتھ ظلم یا ان کو معاشرہ میں نافذ نہ کرنا، بھی ظلم ہے۔ اس کی سزا جہنم ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی نعمت سے نوازا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اچھے اور برے میں امتیاز کر سکتا ہے۔ تجزیہ کر سکتا ہے۔ ارادہ و فیصلہ انسان کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں رکھی ہیں، جن پر غور کر کے خارجی ہدایت (یعنی الہامی کتب اور انبیاء کرام علیہم السلام) کے علاوہ بھی خالق کائنات کو پہچان سکتا ہے۔ کائنات کے اجرام عظیم (سورج، چاند، ستارے) اس کے علاوہ بارش، بادل، زلزلے، سیلاب، انسان کی پیدائش اور موت، سارے امور، ایک خالق کی طرف نشاندہی کر رہے ہیں۔ انسان کا اپنا وجود اور اس کا نظام بھی خالق کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی الہامی کتب (تورات، زبور، انجیل، قرآن اور دوسری غیر معلوم) ہیں۔ پھر انبیاء کرام تقریباً ہر علاقہ میں بھیجے گئے اور آخری نبی محمد ﷺ اور ان کے پیغامات ہیں۔ ان سب کو جو نظر انداز کرتا ہے اور اپنی خواہش پر چلتا اور دوسروں پر ظلم کرتا ہے اس سے بڑھ کر کون ظالم اور غافل ہے۔ اس کو، اس ظلم کا بدلہ ہر صورت میں ملے گا اور آخری انصاف کا مقام قیامت کا میدان ہوگا اور اس کے بعد جہنم (دوزخ) اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ امین۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ لہٰذا (اے نبی) آپ اس کی ملاقات کے متعلق شک میں نہ رہیں اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں کچھ ایسے پیشوا (رہنما) بنائے جو ہمارے حکم سے راہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

بلاشبہ آپ کا رب ہی روز قیامت ان کے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اَوَ لَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

کیا ان پر واضح نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتیں ہلاک کر دیں جن کے گھروں میں

(اب) وہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں کیا پھر وہ سنتے نہیں (غور نہیں کرتے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی کا ذکر ہے۔ چونکہ عربوں (حجاز) میں یہودی زیادہ تھے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہودی، عیسائی اور مسلمان سب ایمان رکھتے ہیں۔ آپ کو تورات کتاب عطا ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات معراج النبی کے موقعہ پر ہوئی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ قیامت کو ملاقات کا یقین ہونا ہے۔ جب تک بنی اسرائیل، تورات کے احکام پر صحیح طور پر عمل کرتے رہے اور حق پر عمل کرنے میں مشکلات پر صبر اور مقابلہ کرتے تھے ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی رہی۔ بہت سارے انبیاء پیدا ہوئے۔

اختلافات میں فیصلہ:۔

اس کے بعد امتوں میں اختلاف پیدا ہو گئے۔ ہر گروہ اپنے خیالات اور اعتقادات پر خوش رہتا ہے اور دوسری طرف توجہ نہیں دیتا، اس لئے داخلی اختلاف کی صورت میں معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ کون صحیح ہے یا غلط، قیامت کو وہ فیصلہ کریں گے۔ اس سے ایک حکم واضح ہے کہ داخلی اعتقادات یا تشریحات کے اختلاف میں تشدد نہیں کرنا چاہیے۔ اور معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑنا ضروری ہے۔

جن امتوں نے نافرمانی کی ان پر عذاب ہوا۔ قوم صالح، لوط، شعیب علیہم السلام، ان کے آثار موجود ہیں اور سفر کرنے والے ان کو دیکھتے ہیں۔ ان حالات و واقعات سے سبق اخذ کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں نے سبق لیا اور احکام الٰہی کو اپنایا۔ اب مشرکین کو دعوت ہے کہ وہ غور و فکر کر کے ایمان لے آئیں۔ قرآن مجید نے بار بار انسان کو غور و فکر کی تلقین کی ہے تاکہ حق واضح ہو جائے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا تَاۡکُلُ مِنۡهُ اَنۡعَامُهُمۡ وَ اَنۡفُسُهُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی (بارش)، بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں اور وہ خود کھاتے ہیں، کیا پھر وہ نہیں دیکھتے (غور کرتے)۔

وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۸﴾

اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو(بتاؤ) یہ فیصلہ کب ہو گا۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

کہہ دیجئے: فیصلے کے دن، کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

چنانچہ ان سے اعراض کیجئے اور انتظار کریں بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کنٹرول کے دلائل ہیں۔انسان دیکھتا ہے کہ زمین بنجر پڑی، ادھر بارش ہوئی، فوری سبزہ نکل آیا، جس سے حیوانات کو رزق ملا اور انسان ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ بارش کے برسنے میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ یہ سارے امور انسان کے لئے ہیں۔ لیکن اس وقت کفار قیامت کے وجود سے منکر تھے اور عذاب کی آیات کے بارے بار بار اصرار کرتے کہ کب آئے گا۔ حالانکہ عذاب کا نہ آنا، ان کے لئے بہتر تھا۔ان کو اس بات کا جواب دیا جارہا ہے کہ جب عذاب آئے گا تو پھر کوئی توبہ، اقرار اور عہد وپیماں برائے تابعداری، فائدہ نہیں دے گا۔ یہی وقت ہے اور اگر ضائع ہو گیا تو پھر نہیں آئے گا۔ لہٰذا اگر وہ ایمان نہیں لاتے اور اپنی ضد پر اڑے ہیں، تو اے نبی: آپ ان سے اعراض کریں اور پریشان نہ ہوں۔ جس طرح وہ یقین نہ کرنے کی وجہ سے انتظار کر رہے ہیں، آپ بھی یقین کر کے انتظار کریں۔

سورت کی ابتداء قرآن مجید کی تصدیق کہ اللہ کا کلام ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لئے ہے، سے تھی اور اختتام کفار اور منکرین قیامت وحشر ونشر کو تنبیہ سے ہوا کہ اگر وہ منکر رہیں گے تو عذاب کا انتظار کریں۔

الحمدللہ سورۃ السجدہ مکمل ہوئی۔ یکم محرم الحرام بروز ہفتہ 1444 ہجری بمطابق 30 جولائی 2022 مانچسٹر یو کے۔

33- سورۃالاحزاب(خندق)

تعارف:۔

احزاب کا لفظ حزب کی جمع ہے۔ حزب کی معنی جماعت۔ یہ غزوہ خندق یااحزاب کی طرف اشارہ ہے، جس میں تمام مخالفینِ اسلام، متحد ہو کر اسلام کو ختم کرنے کے لئے نکلے۔ جس میں مشرکین (کفار مکہ) یہودی، دوسرے قبائل بھی ساتھ مل گئے اور مدینہ پر حملہ کر دیا۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوہ احزاب یا خندق کہتے ہیں۔ کیونکہ دفاعِ مدینہ النبی کے لئے جس طرف سے حملہ کا خطرہ تھا، اس جگہ پر خندق کھود کر دشمنانِ اسلام کو روک دیا گیا۔ سورت کی آیت نمبر 20 میں ان احزاب کا ذکر ہے اور اس ذکر کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ احزاب ہے۔

سورت احزاب مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس میں نو(9) رکوع اور تہتر(73) آیات ہیں۔ سورت ترتیب نزول کے لحاظ سے نوے(90) نمبر پر ہے اور ترتیب مصحف (قرآن) کے لحاظ سے تینتیس(33) نمبر پر ہے۔ یہ سورت الانفال کے بعد اور سورت المائدہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کا موقع نزول تقریباً 5 ہجری کا ہے۔

منافقین کا ذکر تفصیل سے ہے۔ ان کے کردار اور نبی ﷺ سے دشمنی اور مسلمانوں کو ایذا پر خوشی کا ذکر ہے۔ منافقین کا ردّ فرمایا۔

متبنیٰ کے بارے احکام ہیں کہ اصل والد کے نام سے پکارا جائے اور وراثت بھی حقیقی ورثاء کے لئے ہے۔ جو حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے بارے ہے، جو پہلے زید بن محمد ﷺ کہلاتے تھے۔ جاہلیت کی رسوم کو ختم کر دیا گیا۔ طلاق و نکاح کے احکام ہیں۔ آداب معاشرت، حجاب اور نکاح کے بعد ولیمہ کے بارے اجازت دی گئی۔

مواخات (بھائی چارہ) کی وراثت جو نبی ﷺ نے مدینہ پہنچنے پر نافذ کی تھی، کو منسوخ کر کے حقیقی وراثت (رحم ورشتہ داری) کو نافذ کر دیا گیا۔ ازواج مطہرات کے درجات (امہات المومنین)، ان کو طلاق اور اور ان کے اجر کا دوگنا اور عذاب کے دوگنے ہونے کے بارے ذکر فرمایا گیا۔ نبی ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کا مقام، مسلمانوں بالخصوص مومنین کی جانوں سے افضل ہونا اور محبت کا اعلان کیا گیا۔ غزوہ احزاب پر مسلمانوں کی مدد، بالخصوص آندھی بھیج کر، کی اور دشمنوں کو ناکام کر دیا گیا۔ یہود کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ ظہار کے بارے احکام نازل فرمائے اور جاھلیت کی رسوم ورواج کو ختم کر دیا گیا، اور حقیقی مقاصد پر حکم کو نافذ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسباب غزوہ خندق(احزاب):۔

بنو نضیر اور بنو قریظہ ،یہود کے دو بڑے قبیلے مدینہ (یثرب) میں آباد تھے۔ شروع میں مسلمانوں کے ساتھ تھے ، لیکن جب نبی ﷺ کا اثر ورسوخ بڑھا تو مخالف ہو گئے اور کفار مکہ کے ساتھ راہ ورسم پیدا کرلی۔ دوسری طرف عبداللہ بن ابی اور اس کے احباب کے ذریعے منافقین کے ساتھ تعلقات بڑھائے اور درپردہ ان کو مخالفت پر ابھارا۔

ربیع الاول،4 ہجری میں دو افراد جو بنو عامر سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا مسلمانوں کے ساتھ حلیف ہونے کا معاہدہ تھا،ان کو بنو نضیر کے ادمیوں نے قتل کر دیا۔ان مقتولین کے انصاف کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر سے بنو عامر کی طرف سے دیت کا مطالبہ کیا۔ بنو نضیر نے کہا آپ بیٹھیں، ہم آپس میں مشورہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہود نے دیت میں تعاون کے بجائے یہ سازش کی، کہ آپ ﷺ کی بے خبری میں دیوار کے اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر ہلاک کر دیا جائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ کو خبر ہو گئی اور آپ فوراً وہاں سے اُٹھ گئے اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی ذمہ داری سونپی اور بنو نضیر کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے چھ دن محاصرہ کیا، بنو نضیر قلعہ میں محصور ہو گئے۔ ادھر بنو نضیر کا منافقین سے رابطہ پہلے تھا، وہ ان سے مدد کی توقع رکھتے تھے، جو نہ آئی۔ ان کے درخت جنگ میں استعمال ہونے وجہ سے کاٹ دیئے گئے۔ جب کوئی مدد کو نہ آیا، تو بنو نضیر نے درخواست کی کہ ان کو قتل نہ کیا جائے، بلکہ جلاوطنی کے لئے تیار ہیں اور ان کو اجازت دیں اور جو سامان، وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ امن کی ترجیح کی خاطر ان کی درخواست قبول کرلی گئی، جاں بخشی کی گئی اور وہ مدینہ سے نکل کر خیبر کی طرف چلے گئے اور کچھ شام کی طرف چلے گئے۔

غزوۃ احزاب:۔

جب بنو نضیر خیبر جا کر آباد ہو گئے، تو انہوں نے دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا۔ اِدھر مکہ والوں سے ساز باز شروع کر دی۔ دوسرے قبائل میں غطفان، بنو سُلیم، کو ایک طرف تو دوسری طرف سے بنو مرہ، اشجع اور بنو اسد کو ملایا۔ یہ سارے قبائل مل کر تقریباً بارہ ہزار سے کچھ زائد کا لشکر تیار ہو گیا۔ نبی ﷺ بھی ارد گرد کے حالات سے آگاہ رہتے تھے۔ آپ ﷺ کو جب ان کی تیاری کا پتہ چلا، تو مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ یہودی قبیلہ بنو قریظہ ، مسلمانوں کے ساتھ تھا اور کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ایک طرف احد کا پہاڑ تھا، دوسری طرف دوسرے پہاڑ اور ایک طرف گھنے باغات تھے جن سے بڑے لشکر کا حملہ ناممکن تھا۔ ایک جانب، حملہ کے لئے بڑی موزوں تھی، اس طرف حملے روکنے کے لئے مشورہ ہوا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ اس طرف ایک چوڑی خندق کھودی جائے

تاکہ کوئی پھلانگ کر حملہ نہ کر سکے۔ میدان میں اتنے بڑے لشکر سے لڑنا مصلحت کے خلاف ہے۔ نبی ﷺ ،ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے۔ خواتین اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا اور خود تین ہزار اصحاب کے ساتھ شہر سے نکلے اور سینکڑوں فٹ لمبی اور کئی فٹ چوڑی خندق کھودی گئی۔ نبی ﷺ نے بھی اصحاب کے ساتھ خندق کھودی اور غذا کی کمی کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ کر پیٹ کو بڑا ظاہر کیا، تاکہ اصحاب کو کمزوری کا احساس نہ ہو۔ کفار کا لشکر اسی طرف سے حملہ آور ہوا، اور خندق دیکھ کر حیران ہو گیا۔ چوڑائی اور گہرائی کی وجہ سے پیدل اور سواروں کے لئے پھلانگنا ممکن نہ تھا۔ ایک قریش کا بہادر سوار، عمرو بن عبد واور ایک دو اور افراد خندق پھلانگ کر اندر آ گئے اور للکارا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمرو بن عبد و کو پچھاڑا اور اس کا سر قلم کر دیا۔ اپنے سب سے بہادر جوان کی یہ حالت دیکھ کر دوسرے بھاگ گئے۔ قریش اور دوسرے قبائل نے محاصرہ برقرار رکھا۔ اس دوران ان کی سپلائی میں کمزوری آ گئی۔ اسی دوران حي بن احطب، بنو قریظہ کے پاس گیا اور ان کو بھی ساتھ ملا لیا۔ ادھر انہوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور خواتین اور بچے تنہا تھے۔ بہت سارے منافقین اس بہانے سے واپس آ گئے سامان رسد ختم تھا۔ قریش اور بنو قریظہ کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔ قبائل بھی بددل ہو گئے۔ سرد موسم میں رہنا بھی مشکل تھا۔ ایک رات شدید آندھی چلی، ساتھ کڑک اور چمک تھی۔ سارے خیمے اُکھڑ گئے۔ سامان اُلٹ گئے۔ اس دوران قبائل اور قریش نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور رات کو سارے لوگ واپس ہو گئے۔ بنو قریظہ بھی اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔

اس غزوہ میں چھ مسلمان شہید ہوئے ان میں قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی تھے، آپ کو تیر لگا۔ مسجد نبوی میں حضرت رفیدہ انصاریہ نے خیمہ لگا کر زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ خندق کی کھدائی اور مقابلہ کے دوران چند نمازیں بھی قضا ہو گئیں جو بعد میں ادا کی گئیں۔

غزوۃ بنو قریظہ:۔

بنو قریظہ، مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن یہودی سردار حي بن احطب کے پھسلانے پر مسلمانوں کے مخالف ہو گئے اور عہد کی پابندی سے پھر گئے۔ قریش کے ساتھ ساز باز کر لی اور مسلمان عورتوں کو تنگ کرنے کے علاوہ کفار سے مل گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فوراً نماز ظہر کے بعد تین ہزار صحابہ کو لے کر ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ پچیس (25) دن رہا۔ بالآخر انہوں نے کہا، کہ وہ حضرت سعد بن معاذ کو حاکم (فیصلہ کرنے والا) مقرر کرتے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ نے ان کے قانون کے مطابق فیصلہ دیا، کہ غداری کی سزا میں مردوں کو قتل اور عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور اس طرح تقریباً چھ یا سات سو افراد سزا میں مارے گئے۔

غزوہ خندق/احزاب کے دوران معجزات:۔

حضرت ابراء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ خندق کھودنے کے دوران ایک سخت چٹان آگئی جو کسی سے بھی نہ ٹوٹتی تھی۔ مجاہدین نے اس کی شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اور چٹان کی طرف اتر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال پکڑی اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر ضربیں لگائیں۔ ہلکا شعلہ اُٹھا اور چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں اسی طرح مدائن کا ذکر کیا۔ یہ مملکتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چند سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہو گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حرف بحرف پورا ہوا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھوک کے آثار دیکھے۔ میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شدید بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ اس نے ایک تھیلا نکالا جس میں چار کلو جَو تھے اور ہمارے پاس ایک پالتو (گھر کی پلی ہوئی) بکری تھی۔ میں نے اس بکری کو ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیسا، وہ بھی میرے ساتھ فارغ ہو گئی۔ میں نے بکری کا گوشت کاٹ کر دیگچی میں ڈالا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے لگا، میری بیوی نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی میں کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع (چار کلو گرام) جَو پیس لئے ہیں، جو ہمارے پاس تھے۔ آپ چند اصحاب کو لے کر ہمارے ہاں چلئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ آواز بلند فرمایا! اے اہل خندق! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے۔ سو تم لوگ چلو اور رسول اللہ نے مجھے فرمایا: جب تک میں نہ آؤں، تم ہانڈی نہ اُتارنا، نہ روٹی پکانا۔ پھر میں گھر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے آئے۔ میں اپنی بیوی کے پاس گیا۔ اس نے کہا تمہاری رسوائی اور فضیحت (مذاق) ہو گا۔ میں نے کہا میں نے وہی کیا ہے جو تم نے مجھ سے کہا۔ پھر اس نے گوندھا ہوا آٹا نکالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنا دم اور لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر آپ ہماری دیگچی کی طرف گئے اس میں لعاب دہن اور دم ڈالا، برکت کی دعا کی۔ پھر کہا: ایک اور روٹیاں پکانے والی بلالو، جو تمہارے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے۔ دیگچی میں سالن نکالنا، لیکن اس کو (چولہے سے) نیچے نہ اتارنا۔ اس موقع پر ایک ہزار صحابہ تھے۔ اللہ کی قسم سب نے کھانا کھایا اور کھانا بچ گیا اور جس وقت آپ واپس گئے تو ہماری دیگچی اسی طرح جوش کھا رہی تھے اور ہمارا گوندھا ہوا آٹا اتنا ہی تھا جس سے روٹیاں پک رہی تھیں (بخاری/مسلم/مسند احمد)۔

متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کے بارے بڑی جاہلانہ رسوم تھیں، کسی خوبصورت بچے کو دیکھ کر اسے منہ بولا بیٹا

(متبنیٰ) بنالیا جاتا۔ درحقیقت وہ کسی اور کا بیٹا ہوتا۔ اس طرح اس کے نام کے ساتھ دوسرے والد کا نام لگ جاتا اور پہلا والا بھُلا دیا جاتا۔ اکثر اوقات لوگ جاہلیت اور تکبر میں منہ بولے بیٹے کو وراثت دے دیتے اور اصل بیٹوں کو محروم کر دیتے، اس سے ان کا مقصد سخاوت کا جاہلانہ اظہار و تکبر تھا۔ اسی طرح منہ بولے بیٹے کو سارے حقوق دے دیئے جاتے جو وراثت میں اصل بیٹوں کے تھے۔ اس طرح منہ بولا بیٹا بھی دو باپوں کے درمیان پستا رہتا۔ اسی طرح منہ بولے بیٹے کی بیوی، بہن بھائی بھی محرمات (نکاح کے لئے ممنوع) میں آجاتے۔ اس جاہلانہ رسم کو ختم کر دیا اور حقیقی حسب و نسب کو صرف برقرار رکھا گیا۔ اسی قانون کی تنفیذ میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دینے کے بعد ان کا نکاح حکم الٰہی کے تحت نبی ﷺ سے ہوا۔

پردے کا احکام کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ کو ازواج کی اجازت اور ان کو آخرت میں اعلیٰ مقام کی نوید دی گئی۔ منافقین و مشرکین کو ہلاکت کے انجام سے آگاہ کیا اور مومنین کو جنت کی نوید سنائی گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الۡكٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا ۙ﴿۱﴾

اے نبی: آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں، بے شک اللہ بہت علم والا، بہت حکمت والا ہے۔

وَّ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾

آپ اسی چیز کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اللہ تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

وَّ تَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۳﴾

اور اللہ پر توکل رکھیئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

سورت کی ابتداء حرف ندا سے کی گئی ہے، جو مخاطب کی اہمیت اور پیغام کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ حکم دیا گیا کہ اسلام کے احکام میں دوسروں بالخصوص انکار کرنے والوں (کافروں) اور منافقوں (جو جھوٹا اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) کی پرواہ نہ کی جائے، کیونکہ احکام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو سب سے زیادہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ اس لئے فرائض اور احکام الٰہی، تمام انسانیت کے لئے بہترین ہیں اور جب یقین ہے، تو ملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ جو وحی کے ذریعے احکام دیئے گئے ہیں، ان کے مطابق عمل ہو اور پھر تمام امور میں عمل کر کے نتیجہ کے لئے، اللہ پر توکل کی جائے۔ اس میں کامیابی ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا کارساز ہے۔ صوفیاً، حضرت ذالنون کے بقول، توکل ترک تدبیر نفس اور توکل قطع تعلق قلب، سوائے تعلق رب سے ہے۔

آیات مبارکہ کا نزول یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے سخت رویہ کے باعث طلاق دے دی تھی، اس سے نکاح کا حکم ہوا۔ اسی طریقہ سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچویں زوجہ بنی، جبکہ چار کی اجازت تھی۔ ان امور کی وجہ سے غیر مسلم اور منافقین پروپیگنڈہ کر سکتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو حکم دیا کہ ان کے پروپیگنڈہ کی پرواہ نہ کریں اور متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کے بارے احکام کو واضح کریں کہ وہ حقیقی اولاد کی طرح نہیں، بلکہ ہر ایک کو اپنے حقیقی والد کے نام سے پکارا جانا ضروری ہے اور اسی طرح وراثت اور نکاح کی حرمت کے احکام بھی اولادِ حقیقی کے ساتھ صرف مختص ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی کسی رائے کی پرواہ نہ کریں۔ اسی طرح یہ تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ اللہ کے احکام (فرائض و واجبات) کی تعمیل میں کسی ملامت و

اعتراض کو اہمیت نہ دیں۔ اپنے اعمال میں صرف اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور حرام امور سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کو کافی ہے۔ وہ علیم (بہت علم والا)، قوت والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

ایک اور شان نزول کی روایت ہے کہ کفار مکہ کے اہم لوگ ابو سفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی جہل، ابولاعور عمرو بن ابی سفیان، غزوہ احد کے بعد مدینے آئے اور عبداللہ بن ابی کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو بات کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا کہ آپ لات، عزیٰ اور منات اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور کہیں کہ جو شخص ان کی عبادت کرے گا اس کو ان کی شفاعت اور بچاؤ حاصل ہو گا اور ہم آپ کی (آپ کے اللہ کی) اور اسلام کی مخالفت چھوڑ دیں گے۔ نبی ﷺ کو ان کا یہ کلام ناگوار گذرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اجازت طلب کی کہ اگر اجازت ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو امان دی ہے اور حضرت عمر سے کہا کہ ان کو مدینہ سے باہر نکال کر آئیں (اسباب نزول للواحدی)۔

لباس ظاہری کی مشابہت:۔

منافقین و کفار کی اطاعت کی ایک تشریح یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ مشابہت ان امور میں ممنوع ہے جو امور ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ (گناہ والے اعمال) کے ساتھ مخصوص ہوں (یعنی جو امور قرآن و سنت کے واضح احکام کے خلاف ہوں)۔ لیکن وہ کام اعمال جو بطور انسان مشترک ہوں (ایک علاقہ کے لباس، زبان، کھانے وغیرہ اور دوسرے رواج) اور وہ اعمال جو انسان کے لئے نفع مند ہوں ان کو کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اسلام تو اچھے اعمال کو اخذ کرنے اور ان پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق اچھے اور مفید اعمال مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں بھی اسے ملے وہ اسے حاصل کرے۔ (**الحکمۃ ضالۃ المومن من حیث وجدھا احق بھا**)۔

بد قسمتی سے کچھ افراد ظاہری لباس کو ہی حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے دھوتی کو ہندو سے تشبیہ اور پتلون کو عیسائی (انگریز) کی تشبیہ دے دیتے ہیں۔ حالانکہ قران مجید میں لباس کا ذکر ہے کہ وہ جسم کے آرام اور زینت کا سبب ہے اور اصل لباس تقویٰ (کردار) کا ہونا چاہیے۔ اسلام کی ابتداء میں مکہ اور مدینہ شریف تمام لوگ ایک ہی زبان، ایک جیسا لباس اور ایک جیسا کھانا (غذا) استعمال کرتے تھے۔ صرف کردار کا فرق تھا یا ذبیحہ حلال ہونا چاہیے تھا۔ غربت کی وجہ سے مسلمانوں کا ابتداء میں لباس بھی بہت معمولی ہوتا تھا۔ مسلمانوں کی معاشی حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحیح خوشحالی آئی۔ لہٰذا لباس کی نقل، خواہ دھوتی ہو، پتلون ہو یا صحرائی چغہ، اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ لباس اپنے اپنے علاقہ کے ہیں، جو وہاں کے موسم کے مطابق ہیں۔ احادیث میں جو تشبیہ (نقل) سے منع آئی ہے وہ ان امور کی ہے جس میں انسانی ذہنی طور پر مرعوب ہو کر ان کے اعمال باطلہ (برے اعمال) کی

پیروی شروع کر دے اور یہ اس لئے ہے کہ اس سے انسان کے اعتماد میں کمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کردار کی کمزوری کی دلیل ہے اور انسانی کارکردگی پر منفی اثرانداز ہوتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کہہ بیٹھے ہو، انہیں اس (اللہ) نے تمہاری مائیں نہیں بنایا، اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے بنایا ہے۔ یہ تو تمہارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں، اور اللہ حق (بات) کہتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔

پرانے علماء نے، دل کو، دماغ کے معانی میں استعمال کیا۔ سرجری اور انسانی اندرونی جسم کے بارے معلومات کی کمی تھی اور عموماً سینے پر زخم کی وجہ سے آدمی کی موت ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے دل کو اہمیت ملی اور اس لحاظ سے دل اہم ہے کہ سارے جسم کو خون مہیا کرتا ہے۔ لیکن انسانی جذبات، یاد، سوچ، تجزیہ اور جسم کے اعضاء میں حرکت یا اعصابی نظام کا مرکز، دماغ ہے۔ اب جدید طب میں جبکہ اندرونی جسم کے بارے کافی معلومات ہیں، ان میں تمام افکار، ارادہ، سوچ، احکام، کنٹرول کا عمل دماغ میں ہوتا ہے۔ دل، ایک جزو بدن ہے جو خون کی صفائی اور ترسیل کے لئے نہایت اہم ہے۔ یہاں آیت میں مراد دماغ ہے کہ کسی انسان کے اندر دو خیالات پر، بیک وقت عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کہ برائی بھی ہو اور نیکی بھی۔ گمراہی بھی ہو، ہدایت بھی۔ اللہ کی طرف رجوع بھی اور اللہ سے انحراف بھی۔ دو متضاد امور ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ایک حدیث مبارک ہے کہ دل، دو لمتوں کے درمیان ہے۔ ایک لمت شیطان کے زیر اثر ہے۔ اس کے وساوس کی جگہ ہے اور ایک لمت فرشتے کے زیرِ اثر ہے۔ یعنی اس کے القاً (خیالات کی آمد) کی جگہ ہے۔ یعنی وہاں کفر کے خیالات اور ایمان کے خیالات، گناہوں کی رغبت اور گناہوں سے نفرت، اطمنان اور بے چینی کی جگہ ہے، یہ امور پیدا ہوتے ہیں لیکن بوقت عمل، ایک ہی طرف پر عمل ہوتا ہے۔ درحقیقت جدید طبّی سائنس کی تحقیقات میں فکر و فیصلہ کا مرکز دماغ انسانی ہے۔

بیوی کو ماں کہنا:۔

آیت میں حکم ہے کہ کوئی شخص، بیوی کو ماں جیسی کر کے نہ کہے۔ فقہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں کے جسم یا عضو سے تشبیہ دے تو یہ ظہار ہے اور ظہار کے ساتھ بیوی سے بوس و کنار اور جماع منع ہے

،جب تک ظہار کا کفارہ نہ ادا کر دے۔ اگر محض احترام تھا، تو طلاق نہیں اور اگر مقصود طلاق تھا تو بھی طلاق نہ ہو گی اور گنہگار ہو گا۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

ایام جاہلیت میں لوگ اس طرح کہہ کر اپنی عورتوں (بیویوں) کو طلاق سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس سے منع کیا ہے، چونکہ یہ عمل ایک امر واقع کے خلاف ہے۔ اس لئے اس سے منع کا حکم آیا ہے کہ جو حقیقت ہے اسی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔

منہ بولے بیٹے؛ متبنیٰ:۔

ایام جاہلیت میں لوگ بعض اوقات خوبصورت بچے یا کسی اور کو اپنا بچہ بنا لیتے اور اسے وراثت دیتے اور اپنے نام کے ساتھ منسلک کر دیتے، جس طرح اصل اولاد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ نبی ﷺ نے قبل از اسلام حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنایا تھا۔ مختصراً واقعہ یوں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ یمن کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنے ننہال گئے تھے کہ ڈاکوؤں نے ان کو اغوا کر لیا اور پھر آ کر ان کو عکاظ کے میلے میں فروخت کر دیا، جہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خرید کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تاکہ ان کی خدمت کریں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح، جناب رسول اللہ ﷺ سے ہوا تو انہوں نے زید کو نبی ﷺ کو پیش کر دیا۔ یہ واقعہ قبل از اسلام کا ہے۔ نبی ﷺ قبل از اسلام، اعلیٰ کردار اخلاق، صداقت و دیانت کے لئے مشہور تھے۔ آپ ﷺ نے جناب زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔

اسی دوران حضرت زید کے والد کو ان کے بارے مکہ میں موجود اور غلام، ہونے کا علم ہوا، تو وہ مکہ آئے۔ نبی ﷺ سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ زید کو لے جانا چاہتے ہیں اور اس کے معاوضے کی جو نبی ﷺ رقم کہیں گے وہ دیں گے۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم اپنے بیٹے زید کو بلالو اور اس کو اختیار دو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو تم کسی فدیہ (رقم دینے) کے بغیر اس کو لے جاؤ اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو اللہ کی قسم! جو شخص میرے ساتھ رہنے کو اختیار کرے، تو میں اس پر فدیہ کو اختیار کرنے والا نہیں (کہ رقم لے کر اس کو جدا کر دوں اور اس کی تمنا کو پامال کروں)۔ پھر آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ انہوں کہا! ہاں۔ یہ میرے والد اور چچا ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم کو علم ہے میں کون ہوں اور میرا سلوک اور برتاؤ کیسا ہے؟ پس تمہیں اختیار ہے کہ تم مجھ کو اختیار کر لو یا ان دونوں (باپ اور چچا) کو اختیار کر لو۔ حضرت زید ﷺ نے کہا: میں آپ کی ذات پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ میرے باپ اور چچا آپ ہی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ملامت کی، کہ تم غلامی

کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو اور اپنے گھر والوں پر ان کو ترجیح دے رہے ہو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ میں نے ان کی ایسی سیرت و اخلاق دیکھا ہے کہ میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس محبت کو دیکھا، تو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا لوگو! گواہ ہو جاؤ۔ بے شک زید میرا بیٹا ہے اور میرا وارث ہو گا، میں اس کا وارث ہوں گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا نے یہ منظر دیکھا تو خوش ہو گئے اور واپس چلے گئے (تاریخ دمشق)۔ جناب زید رضی اللہ عنہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام زید بن محمد کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کو زید بن حارث کہا جانے لگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید سے کر دیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت زید کا نکاح ،ام ایمن سے تھا، جس سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ پھر حضرت زید نے حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نکاح ام کلثوم بنت عقبہ سے کر دیا۔

حضرت زید سب سے پہلے مسلمان تھے (اسلام قبول کرنے والوں میں)۔ تمام غزوات میں شامل رہے اور غزوہ موتہ میں آپ لشکر کے امیر تھے اور شہید ہو گئے۔ آیت مبارکہ میں منہ بولے بیٹے کو اپنے حقیقی والد کے نام سے بلانے کا حکم آیا ہے۔ چونکہ یہ معاملہ واقع اور حقیقت کے خلاف ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ محبت کا تعلق رہے لیکن حقیقی والد کے نام سے پکارا جائے۔ جب متبنیٰ کو حقیقی والد کے نام سے پکارا گیا، تو اس کے ساتھ وراثت، پردہ اور محرمات، کے احکام بھی بدل گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے سنا: جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے (دارمی / مسلم)۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو، سو جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض (منہ موڑنا) کیا تو یہ کفر ہے (بخاری و مسلم)۔

منہ بولا بیٹا کسی کو بنانا اور نام دینا، ان سے محبت اور دینی یا ویسے بھائیوں کا تعلق برقرار رکھنا ضروری ہے۔ یہ تبدیلی محض اظہار حقیقت کے لئے ہے نہ کہ تعلقات میں خرابی کے لئے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

ان منہ بولے بیٹوں (لے پالک) کو ان کے حقیقی باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک بہت

انصاف کی بات ہے۔ پھر اگر ان باپوں (والد) کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور اس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں لیکن عمداً (ارادہ کے ساتھ) کہا (تو وہ گناہ ہے) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

آیت مبارکہ میں ارادہ کے کام پر سزا کی وعید ہے اور بھول کر کہنے یا کرنے کو معاف کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۝

نبی مومنوں پر ان کی اپنی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار، اللہ کی کتاب کی رو سے دوسرے مومنین اور مہاجرین کی نسبت آپس میں (ترکے کے) زیادہ حقدار ہیں، مگر تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی (کرنا چاہو تو) کرو۔ یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے (اجازت ہے)۔

نبی کا مرتبہ:۔

آیت مبارکہ نبی ﷺ کے مسلمانوں سے تعلق کا اظہار ہے اور اس کا معیار قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے۔ کہ مومنوں کو اپنی جان و مال اولاد سے عزیز، نبی اکرم کی ذات ہونی ضروری ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان کے ایمان میں کمی ہے۔ یہ اعلان کئی بار قرآن مجید میں دہرایا گیا ہے اور اسے معیارِ ایمان قرار دیا ہے۔ جو بھی حکم نبی ﷺ دیں وہ واجب العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث مبارکہ بھی قوانینِ اسلامی کی بنیاد ہیں۔ دراصل نبی ﷺ کی ذات اپنے نفس سے بھی مقدم ہے کیونکہ نفس کی خواہشات انسان کو خرابی کی طرف بھی لے جاتی ہیں جبکہ نبی ﷺ کی ذات بھلائی اور کامیابی کی طرف لے جاتی ہے لہٰذا زیادہ اہم ہے۔

فلاحی ریاست:۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ روئے زمین پر ہر مومن کا تمام لوگوں کی بہ نسبت, میں, زیادہ ولی (والی) ہوں۔ تم میں سے جو شخص قرض یا اہل و عیال چھوڑ کر مر گیا تو میں اس کا کفیل ہوں اور اگر مال چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے (صحیح مسلم/کتاب

الفرائض)۔ اس حدیث سے اسلامی فلاحی ریاست کا نقشہ واضح ہے کہ محتاج و غرباء کے اہل و عیال کے لئے ریاست اپنی استطاعت کے مطابق کردار ادا کرے گی کیونکہ نبی ﷺ ریاست کے نمائندہ تھے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی نمائندے رہے اور صحیح اسلامی فلاحی ریاست کا عملی طریقہ پیش کر دیا گیا۔

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں مومنوں کا والی ہوں بلکہ مسلمانوں کا والی ہوں اگر کوئی مر گیا اور مقروض مرا اور اس کا کوئی ترکہ نہیں تو اس کے معاملات کا میں والی ہوں اور میں ادا کروں گا۔ اس لئے اسلامی حکومت میں امیر مملکت کا درجہ والد یا وارث کی طرح ہے اور ہر شہری کی حفاظت کرنا اس خلیفہ پر واجب ہے۔ اسلامی ریاست پر واجب ہے کہ کمزور طبقوں (فقراء مساکین) کا خاص خیال رکھے، تعلیم کا اہتمام کرے جس طرح نبی ﷺ نے غزوہ بدر کے بعد قیدیوں کے ذریعے کیا تھا۔

ازواج النبی کا درجہ:۔

جب نبی کا یہ درجہ ہے تو نبی کی ازواج کا درجہ مومنوں کی والدہ کی طرح ہے۔ ان کا احترام ضروری ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی مسلمان سے ان کا نکاح منع ہے۔ یہ درجہ احترام کا ہے۔ لیکن ان سے پردہ کا حکم اسی طرح ہے اور ان کی اولاد یا دوسرے رشتہ داروں سے وہ تعلقات کا درجہ نہیں جو ان کے ساتھ ہے۔ یہ درجہ احترام، تمام ازواج النبی ﷺ کا ہے لیکن یہ بد قسمتی ہے کہ ایک گروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تفریق کرتا ہے۔ دوسری ازواج مطہرات نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد حج کے سفر کئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے اہتمام کیا، کیونکہ سفر حج ایک نیکی کا عمل تھا جس کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ جنگ جمل کے واقعات سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دونوں ملول تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے احترم سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ روانہ کیا۔

جنگ جمل اور جنگ صفین یا ایسے واقعات کے نقصانات سے انکار نہیں، لیکن اخلاص سے بھی انکار نہیں اور خطاء کرنے والا بھی اپنے اخلاص کی بناء پر فیصلہ کرنے پر سزاوار نہیں اور ان کے معاملہ میں زیادہ گفتگو اور تجزیہ اور فیصلہ ادب کے خلاف ہے۔ ان کے اخلاص کے درجہ پر کسی طرح کا شک گناہ ہے۔ جمہور کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اجتہاد زیادہ صحیح تھا۔

جب مسلمان مدینہ آئے تو نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت قائم کی تھی۔ جس میں انصار نے اپنے ترکہ کا نصف اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کیا اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کے وارث قرار دیئے گئے تھے لیکن اس آیت کے بعد متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کی طرح مواخات کے رشتہ وراثت کو ختم کر دیا اور اسے اپنے حقیقی

رشتہ داروں تک محدود کر دیا گیا۔ لیکن محبت وانس، برادری کا رشتہ قائم رکھا۔ وراثت میں رشتہ داروں (صلہ رحمی) کو اولیت دی گئی۔ یہ ضروری قرار دیا کہ زکوٰۃ وصدقات میں اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دی جائے۔ اگر دوستوں یا کسی اور کو کچھ دینا مطلوب ہو تو رشتہ داروں کو بھی محروم نہ کیا جائے اور دینے والے کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے ھبہ یا وقف وصیت کا طریقہ اختیار کر کے مال دیا جا سکتا ہے۔ وصیت کو کل ترکہ کہ 1/3 حصہ تک محدود کیا گیا ہے (فقہ حنفی)۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۸﴾

اور (اے نبی) یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے، نوح سے، اور ابرھیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾

تاکہ اللہ سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے اور اس (اللہ) نے کافروں کے لئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

عہد سے مراد کیا ہے۔ ایک عہد تو نبوت کی ذمہ داری کو پورا پورا کرنا ہے جو ہر نبی سے ہوتا ہے اور ہر نبی جس کو پورا پورا ادا کرتا ہے۔ انبیاء تو بہت زیادہ تشریف لائے (اندازاً تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے)۔ لیکن اولوالعزم انبیاء کا ذکر فرمایا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمام انبیاء، حدیث کے مطابق بھائی ہیں جن کا والد ایک اور والدہ کا اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ تمام اسلام کے علمبردار تھے۔ اللہ کی وحدانیت، اس کی الوہیت، قیامت، حساب وکتاب وجزاو سزا پر ایمان اور پرچار کی لیکن حالات کے مطابق سماجی اور معاشرتی قانون مختلف تھے۔ یہ اختلاف تھا اور آنے والے نبی کی بھی خبر اور تصدیق کی حتیٰ کہ نبی آخرالزماں تشریف لائے۔

ایک اور تفسیر یہ ہے کہ نبی آخرالزماں کے بعد آنے والے نبی، نے ان کی ہی شریعت پر عمل کرنا ہے۔ کوئی نئی شریعت نہیں ہوگی۔ جس طرح ہم عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ایک حدیث کے مطابق اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں آتے تو شریعتِ محمدیہ کی اتباع کرتے کیونکہ یہی شریعت ہے اور اسلام کی وحدانیت کی دلیل اور عہد ہے۔

ان عہد کی پابندی اور پاسداری کے بارے اللہ تعالیٰ کی ذات انبیاء اور دوسری مخلوق سے اس پر عمل کے بارے سوال کریں گے تاکہ جو سچا ہونے یعنی عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کا ثبوت بھی مہیا کریں۔ یہ حکم جہاں

انبیاءاکرام کے ساتھ ہے،وہاں دوسری مخلوق کے لئے بھی ہے کہ وہ ان احکام پر عمل کرنے میں کتنے سچے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تمہیں کفار کے لشکروں نے گھیر لیا تھا پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کا) ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے دیکھا نہیں تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۚ﴿۱۰﴾

جب دشمن تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے اور جب خوف سے آنکھیں پتھرا اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے بارے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

اس موقع پر مومن آزمائے گئے تھے اور شدت سے ہلائے گئے تھے۔

جنگ ایک چال ہے:۔

آیات مبارکہ غزوہ احزاب کے بارے ہیں جو 5 ھجری میں ہوا۔بنو نضیر جب خیبر کی طرف گئے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف تمام عرب قبائل کو اُبھارا۔ابو سفیان اور اہل مکہ کو کہا کہ فوج لے کر آئیں۔جنوب کی طرف نجد کے قبائل غطفان وغیرہ کو ملا لیا۔ان کا سردار،عینیہ بن حصین بن بدر اور اہل مکہ کا ابو سفیان تھا۔ان سب کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی اور مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور پہاڑ کے پاس رک گئے۔مشرقی جانب شہر پر حملہ آسان تھا۔اس لئے طرف مسلمانوں نے خندق کھودنی شروع کر دی۔خندق کھودنے کی رائے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دی، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا۔اس طرح حملہ آور خندق کو دیکھ کر رک گئے اور پار نہ کر سکے۔ایک سوار عمرو نے پار کیا تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلاک کر دیا۔اس کے ساتھ دوسرے سوار بھاگ گئے۔خندق اتنی بڑی تھی کہ چھلانگ لگا کر یا گھوڑے سے پار نہیں ہو سکتی تھی۔مسلمان ہر طرف سے گھیرے میں تھے۔اندرونِ شہر یثرب کی ایک طرف محفوظ تھی، جہاں یہودی قبیلہ بنو قریظہ رہتا تھا۔ان سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا کہ وہ حملہ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کا دفاع کریں گے، لیکن بنی نضیر کے سردار کے ورغلانے پر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور دشمنوں سے مل گئے۔

ان حالات میں ہر طرف سے حملہ کا شدید خطرہ تھا۔ بالخصوص بنو قریظہ کی طرف سے بھی خوف پیدا ہو گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ جاری رہا۔ اس دوران نبی ﷺ داخلی اور خارجی طور پر بہترین حکمت عملی کرتے رہے۔

قبیلہ غطفان قریش کے ساتھ تھا اور لشکر کا حصہ تھا۔ ان کی ایک شاخ اشجع کے ایک فرد نعیم بن مسعود ، مسلمان ہوئے اور نبی ﷺ کو خدمات پیش کیں اور یہ بھی بتایا کہ ان کے اسلام لانے کے بارے کسی کو پتہ نہیں۔ نبی ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تم دشمنوں میں پھوٹ ڈالو، کیونکہ جنگ ایک چال ہوتی ہے۔ جس میں دھوکہ دینا جائز ہے (الحرب خدعۃ)۔ اس نے قبیلہ غطفان اور بنی قریظہ کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور دونوں کے درمیان شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔ انہوں بنی قریظہ سے کہا کہ محاصرے کو بیس دن سے زیادہ ہو گئے، بنو غطفان تنگ آ گئے ہیں۔ لہٰذا وہ چلے جائیں گے۔ بنو قریظہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سے حملہ کرنے سے پہلے ان کے چند اہم آدمی بطور یرغمال یا ضمانت پر اپنے پاس رکھیں۔ دوسری طرف انہوں نے قبیلہ غطفان سے کہا کہ بنو قریظہ تو مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے، لہٰذا اگر وہ یرغمال یا کچھ افراد اپنے پاس ضمانت رکھنا چاہیں تو نہ دیں کیونکہ وہ ان کو حضرت محمد ﷺ کو دے کر اپنا معاملہ صاف کر لیں گے۔ ادھر بنو غطفان نے کہا کہ آؤ مل کر حملہ کریں، ہم باہر سے اور تم اندر سے کرنا۔ اس پر بنو قریظہ نے افراد بطور ضمانت مانگے جس سے انہوں نے انکار کیا اس طرح اس دوران دونوں قبائل (اطراف) میں اعتماد ختم ہو گیا۔

غائبانہ امداد:۔

دن کافی گذر چکے تھے۔ تقریباً (25 دن)۔ راشن کی سپلائی اختتام کو تھی۔ لڑنے کا جذبہ سرد اور سرد موسم بھی تھا۔ عرب سرد موسم کے عادی نہ تھے۔ اس دفعہ قدرت نے مدد کی سردی بھی سخت پڑی۔ ایک رات سخت آندھی آئی۔ کڑک وچمک بھی تھی۔ آندھی کی وجہ سے خیمے اُکھڑ گئے۔ بستر اور سامان حرب، دیگیں الٹ گئیں، چولہے بجھ کر بکھر گئے، سامان سارا آندھی سے بکھر کر رہ گیا۔ گھوڑے اور اونٹ بھاگنے لگے۔ سارے لشکر میں خوف وحراس پھیل گیا۔ ہر گروہ کے سردار نے کہا کہ چلو پلٹ چلیں۔ اس طرح لڑائی ممکن نہیں اور رات کو سارے لوگ اپنے اپنے علاقوں کی طرف پلٹ گئے۔ صبح مسلمانوں نے دیکھا تو مخالف اطراف خیمے نہیں تھے اور نہ ہی کوئی لشکر تھا۔ اس آندھی کی شدت میں اضافہ، پھر بنو غطفان کے اہم شخص کے مسلمان اور اس کی دونوں قبیلوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کے واقعات، غائبانہ مدد تھی، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کی فوج کے ذریعہ کی۔ دشمن کے سارے نوجوان خوف زدہ ہو گئے۔ مایوسی چھا گئی اور واپسی کا نہ صرف ارادہ کیا بلکہ اندھیری رات میں سفر شروع کر دیا۔

انہی دنوں آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا کہ کون قریش کی طرف (احد کی جانب) جا کر رات کو ان کی خبر لائے گا۔ ان دنوں شدید سردی بھی پڑ رہی تھی۔ کوئی بھی تیار نہ ہوا، تو نبی ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم جاؤ

اور ان کی خبر لاؤ، لیکن کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے ہمارا نقصان ہو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہوا بڑی تیز اور سردی بڑی کڑاکے کی تھی، لیکن میں ڈھال اور تلوار لے کر گیا اور دیکھا کہ ابوسفیان سردی سے بچنے کے لئے آگ جلا کر کمر کو گرم کر رہا ہے۔ میں نے فوراً تیر کمان نکالی اور ارادہ کیا کہ اسے تیر مار کر قتل کر دوں پھر فوراً خیال آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا کہ نقصان کی بات نہ کی جائے۔ میں نے ان کے خیمے دیکھے گھوم کر واپس آ گیا۔ سردی اور جھکڑ کی وجہ سے سب لوگ خیموں کے اندر تھے۔ واپس آ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری معلومات دیں اور تھک گیا تھا۔ سردی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور فرمایا حذیفہ سو جاؤ اور میرے اوپر اپنی چادر ڈال دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دشمنوں کے بارے مکمل معلومات حاصل کرتے رہتے تاکہ ناگہانی طور پر کوئی واقعہ نہ ہو جائے۔

بنو قریظہ کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا۔ اس کے باوجود آپ نے مدینہ میں رہنے والوں کے لئے حفاظت کا اہتمام کیا اور بنو قریظہ کے حالات پتہ کرتے رہے اور جب پتہ چلا کہ انہوں نے معاہدہ کو توڑ دیا ہے تو اس کا اعلان نہیں کیا بلکہ حفاظتی اقدامات کئے۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب سارے مسلمان ایک انتہائی کرب کی حالت میں تھے اور پھر منافقوں نے بنو قریظہ کا بہانہ بنایا اور واپس آ گئے اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور اس وقت منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو بھی وعدہ کیا وہ محض دھوکا تھا۔

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ؕۛ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۛؕ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾

اور اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر کفار کے لشکر داخل کئے جاتے۔ پھر ان سے فتنہ (خانہ جنگی یا

شرک) کے بارے پوچھا جاتا تو وہ اس میں کود پڑتے (شامل ہو جاتے) اور ذرا دیر نہ کرتے۔

آیات میں منافقین کا رویہ بیان کیا ہے، کہ ایک تو وہ خندق کھودنے میں سست اور کاہل تھے، پھر جب انہیں بنی قریظہ کے بارے پتہ چلا کہ وہ دوسرے یہودیوں (بنی نضیر) اور کفار مکہ سے مل گئے ہیں تو انہوں نے نبی ﷺ سے اجازت مانگی کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں اور ان کے بچے ہیں اس لئے وہ واپس جاتے ہیں۔ منافق ہر غزوہ میں لالچ کی وجہ سے شمولیت کرتے۔ دوران خندق نبی ﷺ نے مسلمانوں کی رومیوں، ایرانیوں اور یمن پر فتح کی بشارت دی تھی۔ جس نے ان کے لالچ کو بڑھا دیا مگر جب فوجیں ہر طرف سے آ گئیں اور بنو قریظہ بھی دشمن بن گئے تو وہ کہنے لگے ہم دھوکے میں آ گئے اور بھاگنے کی سوچنے لگے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر حملہ ہو جاتا اور حملہ آور یہودی اور کفار مکہ ان کو کہتے تو وہ مسلمانوں کے خلاف ہو جاتے۔ انہوں نے اپنے منافق ساتھیوں کو یثرب (مدینہ) واپس جانے کو کہا۔

مدینہ کو ہجرت سے پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔ نبی ﷺ نے اس کا نام مدینہ طیبہ رکھا۔ یثرب نام کی وجہ یہ ہے زمانہ قدیم میں عمالقہ نے پڑاؤ کیا اور اس شخص کا نام یثرب بن عبید بن مہلایل تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے یثرب نامی شخص نے یہاں رہائش شروع کی تھی۔

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

اور بلا شبہ اس سے پہلے انہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے متعلق تو ضرور پوچھ گوچھ ہونی ہے۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

آپ کہہ دیجئے: اگر تم موت سے یا قتل ہونے سے بھاگو تو تمہارا بھاگنا تمہیں ہرگز نفع نہیں دے گا۔ اور تب تم بہت کم فائدہ اُٹھاؤ گے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

آپ کہہ دیجئے: کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ سختی کا ارادہ کرے یا وہ تم پر رحمت کا ارادہ کرے اور وہ اللہ کے سوا اپنے لئے نہ کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار پائیں گے۔

منافقین کے کردار کا ذکر ہے۔ غزوہ احد میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا

گیا۔اس کے بعد ان لوگوں نے علی الاعلان دعویٰ شروع کر دیا کہ اب جب بھی موقع آیا سب سے آگے ہوں گے۔سال کے عرصہ ہی میں یہ غزوہ پیش آیا تو وہ خندق کھودنے میں بھی سستی کرتے اور پھر واپس آ گئے،بلکہ اپنے تعلق والوں کو بھی کہا کہ مسلمان شکست کھا جائیں گے،لہٰذا اپنی جان بچاؤ۔ان کے وعدوں میں جھوٹے نکلنے پر ان سے ضرور پوچھ گوچھ یعنی سزا ہو گی۔پھر موت تو آنی ہے اگر وہ جنگ سے بھاگیں گے تو کیا موت نہیں آئے گی۔جب موت آئے گی تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔اگر اللہ تعالیٰ انسان کو سزا دینا چاہیں،مرض کے ذریعہ،تنگی،دکھ،پریشانی تو کوئی بچا نہیں سکتا اور اس طرح اگر اپنا فضل کرے اور آسانی اور آرام پہنچائے تو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا،اس لئے ان کے خیالات میں بچاؤ محض دھوکہ تھا اور ان کا جھوٹ تھا جو ظاہر ہو گیا۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ انہیں جانتا ہے جو تم میں سے جہاد میں رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور انہیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہمارے پاس آجاؤ۔اور وہ جنگ میں کم ہی آتے ہیں۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

وہ(منافق)تمہارے ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔چنانچہ خوف کے وقت آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے وہ شخص جس پر موت کی غشی طاری ہو۔پھر جب خطرہ دور ہو جائے تو مال غنیمت کے انتہائی حریص بن کر تم سے تیزی طرازی سے باتیں کرتے ہیں۔یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں۔لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ کے لئے نہایت آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

وہ سمجھتے ہیں ابھی تک لشکر گئے نہیں اور اگر یہ لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش وہ صحراء میں دیہاتوں میں جا بسے ہوتے اور وہاں سے تمہاری خبریں دریافت کرتے اور اگر وہ تم میں

موجود ہوتے تو وہ دشمن سے لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔

منافقین کی حالت بیان کی جارہی ہے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی خندق سے واپس آ گئے تھے اور دوسروں کو بھی خندق کے کام سے منع کرتے تھے، بلکہ ہر وقت کفار کی طاقت اور مسلمانوں کی عددی کمزوری کا ذکر کرتے۔ اگر افراد مدینہ شہر میں جاتے تو ان کو بھی روکنے کی کوشش کرتے۔ ان کی اندرونی کیفیت بیان کی ہے کہ وہ لالچی ہیں۔ جب مال غنیمت کا معاملہ آتا ہے تو زبان درازی سے باتیں کر کے اپنے اخلاص کا ذکر کر کے مال کے حریص ہوتے ہیں۔ جب ان سے دفاع کے لئے تعاون یا مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو بہانہ بنا کہ انکار کرتے ہیں۔ میدان جنگ میں بھگوڑے ہیں اور خطرے کے وقت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کے اس کردار کی وجہ سے وہ اصل ایمان سے محروم ہیں۔ اگرچہ زبانی ایمان کا اقرار اور کلمہ گو ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا ان کا زبانی ایمان اور اسلام ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔ ان کے ظاہری اعمال (صلوۃ وصوم) ضائع ہو جائیں گے۔ اصل معاملہ عمل کے ساتھ اخلاص ہے اور وہ اخلاص کے بجائے لالچ اور ذاتی منافع کے اصول پر قائم ہیں۔ یہ احکام نہ صرف اس وقت بلکہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

شان نزول میں امام ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے لشکر سے نکل کر اپنے بھائی کے پاس گیا۔ اس کے پاس روئی، بھنا ہوا گوشت اور نبیذ (کھجور کا مشروب) رکھا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا: تم یہاں داد عیش دے رہے ہو رسول اللہ ﷺ تلواروں اور نیزوں کے درمیان ہیں۔ اس کے بھائی نے کہا تم بھی یہاں آ جاؤ۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ محمد ﷺ کبھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں حضور ﷺ کے پاس جا کر یہ بات بتاؤں گا، وہ آپ کو بتانے گیا تو حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے (تفسیر ابن ابی حاتم)۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

بے شک رسول اللہ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔

ایت مبارکہ کے دو مصداق ہیں ایک خصوصی موقع نزول کے مطابق اور دوسرا اصولی قانون کے طور پر۔ منافقین نے ہر دفعہ دھوکہ دیا اور ذاتی مفادات کو ترجیح دی۔ ان کو یہ آگاہ کیا جارہا ہے کہ اپنے کردار کو اپنے لیڈر کے کردار کے معیار پر لائیں۔ وہ لیڈر جو اپنی ذات کے لئے کوئی خصوصی فائدہ نہیں کرتا بلکہ تمام افراد کے ساتھ اور اکثر ان سے بھی

کم معیار پر رہتا ہے۔ خندق کے دوران ایک عام مسلمان کی طرح بھوک اور پیاس کو برداشت کیا۔ کھدائی کے دوران عام فرد کی طرح کھدائی کی، میدان جنگ میں ہمیشہ آگے رہے۔ حقوق کی ادئیگی میں سب سے زیادہ، مصلحت عامہ الناس کو ہمیشہ ذات پر ترجیح دی۔ اس اعلیٰ کردار کے راہنما کے طریقہ پر چلنا ضروری ہے۔ منافقین کو اپنے کئے پر شرمندگی اور توبہ کرنی چاہیے۔

ذکرالٰہی:۔

ذکرالٰہی بڑااہم ہے۔ علامہ نودی نے لکھا ہے کہ شرعاًوہ ذکر معتبر ہے جو عربی گرامر کے اعتبار سے مکمل جملہ ہو۔ مثلاً ''سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ'' ہے۔ محض لفظ جیسے اللہ، القادر، البصیر، یہ اسماء ہیں اور شرعاً معتبر ذکر نہیں ہیں۔ جب تک کہ ان الفاظ سے مکمل کلام نہ ہو۔ ذکر کرنے والے کو اس ذکر کا پورا ثواب نہیں ملتا۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ ذکر کے معانی، ذکر کرنے والے کو معلوم ہوں اور ان سے غافل نہ ہو بلکہ پوری توجہ ہو۔ اس طرح کے ذکر کا کامل ثواب ملے گا اور اگر غافل ہے تو ثواب سے محروم رہے گا (روح المعانی)۔ ادھورے ذکر کا معمولی ثواب ہوگا۔

رول ماڈل (اسوہ حسنہ)۔

نبی ﷺ کے کردار و اخلاق تمام لوگوں کے لئے ایک رول ماڈل یا نمونہ تھا اور ہے۔ ہر مسلمان پر اس کی اتباع (پیروی) ضروری ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ آپ کے مطابق ہو اور آپ نے ہر کردار، ایک مزدور، تاجر، چرواہا، معلم، منصف اور والد و خاوند اور حاکم، تک کو عملی طور پر کر کے دکھایا ہے جس کی اتباع کی جائے۔

دوسرا اہم مصداق، مسلمان سیاسی و مذہبی لیڈروں کے لئے آپ کی اتباع ضروری ہے۔ آپ کے دنیا سے جانے کے بعد آپ کے خلفاء راشدین نے اعلیٰ کردار کو اپنا معیار بنایا اور تیس سالوں میں نہ صرف اعلیٰ فلاحی ریاست قائم کی، بلکہ دنیا کے چوتھائی حصے تک اسلام پھیل چکا تھا۔

آپ کی اتباع ہر انسان کے لئے ہے کیونکہ آپ کے اخلاق حسنہ کو بطور اسوۃ حسنہ پہلے ذکر کیا گیا۔ لیکن بالخصوص وہ افراد جو اللہ پر ایمان، قیامت اور روز جزا پر یقین اور اللہ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ ان کے دل اللہ کی یاد و ذکر سے معمور ہیں۔ ان کے لئے تو فرض ہے اور وہ اسی کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔

وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ

کیا تھااور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھااور اس چیز (واقعہ) نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری کو زیادہ کر دیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پاگئے) اور ان میں بعض منتظر ہیں اور انہوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

پچھلی آیات میں منافقین کے کردار کا ذکر تھا۔ ان آیات میں مومنین کے کردار کا ذکر ہے۔ دونوں کرداروں کے اعمال و اثرات کا موازنہ ہے۔ منافقین جہاں خوف و حراس کے علاوہ مایوسی پھیلاتے، اللہ اور اس کے نبی کی مشکلات کے باعث بد ظن ہوگئے تھے، اس کے مقابل اہل ایمان (مومنین) اس امتحان اور مشکل میں پریشان ہونے کے بجائے، ان کا اللہ اور اس کے رسول پر یقین میں اضافہ ہوا۔ ایک روایت کے مطابق (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا، کہ کفار کی جماعتیں نو یا دس تاریخ کو تم پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہوں گی اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس مقررہ وقت پر کفار کے لشکر حملہ کے لئے پہنچ گئے تو وہ خوف زدہ نہیں ہوئے، بلکہ ان کا اللہ اور اس کے رسول پر یقین میں اضافہ ہوا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ چٹان توڑتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فارس، روم اور یمن کی فتوحات کی خبر دی تھی، اس پر بھی ان کو مکمل ایمان تھا۔ جبکہ منافق دونوں موقعوں پر نالاں اور پریشان تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام میں جو صحابہ بدر غزوہ بدر میں شامل نہیں ہوئے، بالخصوص حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر میں شامل نہ ہونے کا دکھ تھا اور عہد کر رکھا تھا کہ اگلے معرکہ میں جان دے دوں گا۔ جنگ احد میں آپ رضی اللہ عنہ نہایت بے جگری سے لڑے اور کہا کہ مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ آپ کے جسم پر 80 اسی زخموں کے نشان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بہن نے آپ کی انگلی سے آپ کی لاش کو شناخت کیا، (مسلم شریف)۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔ (المستدرک)۔ حضرت سعد بن

معاذ،اس غزوہ میں شدید زخمی ہوگئے اور تمنا کی کہ اگر زندہ رہوں تو کفار مکہ سے جہاد کی نعمت نصیب ہو، ورنہ اسی زخم میں شہادت ہو۔آپ رضی اللہ عنہ کو شہادت نصیب ہوئی۔یہ مومنین کا جذبہ اخلاص اور ایمان تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر رجال یعنی بلند ہمت افراد کا ذکر فرمایا۔

منافقین کے لئے اعلان فرمایا، کہ اگر انہوں نے اپنے اعمال بد یعنی نفاق سے توبہ نہ کی، تو ان کا انجام جہنم ہوگا۔ اگر خلوص نیت اور عمل سے توبہ کریں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں اور چاہے تو رد کر کے ان کے برے اعمال کی سزا دیں چونکہ وہ کلمہ گو ہیں اس لئے ان کو مہلت دی ہے۔

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

اور اللہ نے کافروں کو ان کے ناکامی کے غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی مقصد (فائدہ) حاصل نہ کر سکے اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لئے کافی ہوگا اور اللہ بڑی قوت والا اور نہایت غلبہ والا ہے۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کافروں کی مدد کی تھی انہیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور دوسرے کو قیدی بنا رہے تھے۔

وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

اور اللہ نے تمہیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں، اور اس زمین کا بھی وارث (مالک) بنا دیا جسے تم نے پامال (روندا) نہیں تھا اور اللہ ہر شیء پر خوب قادر ہے۔

آیات مبارکہ میں جنگ کے اختتام کی کیفیت اور جنگ کے بعد کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔کفار کے قبائل، یہود، کفار مکہ اور پھر اندرون مدینہ، بنو قریظہ بھی غداری کر کے کفار سے مل گئے تھے۔ادھر کفار خندق، پہاڑ، اور گھنے جنگلات کی وجہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے ناکام تھے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس شدید لڑائی کی کیفیت جو تقریباً ایک ماہ (25 دن) جاری رہی، کس طرح فتح عطا فرمائی جو غائبانہ امور کی بناء پر تھی۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہترین حکمت عملی کی اور روکاوٹ کے لئے خندق کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۲) مدت محاصرہ طویل پڑ گئی(25دن) کفار کا مواد، غذا کم اور جذبہ قتال ختم ہو گیا۔

(۳) چند بہادر افراد نے خندق پھلانگ کر حملے کی کوشش کی اور سب کے سامنے فوراً ڈھیر (قتل) کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے سامنے ان کا جذبہ کم تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے سب سے زیادہ بہادر کو قتل کر دیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے موسم کے ذریعہ مدد کی۔ سخت سردی ہو گئی۔ راتیں لمبی ہوتی تھی، انتظار اعصاب شکن تھا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے آخر میں شدید آندھی بھیجی، اندھیری رات میں سخت کڑک اور تیز ہوا نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے۔ سرد ہوا جسم کو چیر رہی تھی۔ اونٹ اور گھوڑے بھی بھاگ گئے۔ سامان سارا بکھر گیا۔ چولہے اور کھانے کے سامان الٹ گئے۔ سخت خوف و ہراس تھا، اندھیرا کی کیفیت تھی۔ ریت اُڑنے کی وجہ سے دیکھنا ناممکن ہو گیا اور اندھیرا بھی تھا۔ حیوان بھی ڈر گئے تھے۔ دلوں میں مسلمانوں کے حملے کا خوف تھا۔ بلکہ یوں لگ رہا تھا کہ حملہ کر رہے ہیں اور نعروں کی آوازیں (اللہ اکبر) محسوس ہوتی تھیں (یہ روایات جو لوگ بعد میں مسلمان ہوئے انہوں نے بتائیں)۔ عرب سردار اور دوسرے لوگ اس خوف میں آ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن کو نبی نہیں مانتے تھے) جادو کر دیا ہے اور تمام سرداروں نے واپسی کا اعلان کر دیا اور روانہ ہو گئے۔

(۶) بنو قریظہ اور بنو غطفان میں شک و شبہات پیدا ہو گئے اور حملہ کا پروگرام ناکام بن گیا (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو اس کے لئے کہا تھا)۔ ان تمام امور میں سب سے زیادہ اہم رول آندھی و طوفان کا ہے، جس سے کفار کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے اور وہ واپس چلے گئے تھے۔ مسلمانوں میں صرف چھ افراد شہید ہوئے۔ اللہ نے مسلمانوں کو بغیر کسی بڑے نقصان کے فتح نصیب کی۔

دوسری صبح جب آندھی تھمی، تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سامنے میدان خالی تھا اور لشکر چلے گئے تھے۔ نچلی جانب پتہ کیا تو وہاں سے بھی لوگ چلے گئے اور مسلمان کامیاب و کامران مدینہ شریف واپس لوٹے۔

غزوۃ بنی قریظہ:۔

جونہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کے وقت پہنچے اور گرد و غبار کی وجہ سے نہانے کا پروگرام بنایا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام (فرشتہ) حاضر ہوئے اور عرض کی آپ نے تو ہتھیار اُتار دیئے ہیں لیکن ہم (فرشتوں) نے تو نہیں اتارے۔ بنو قریظہ جنہوں نے دھوکہ دیا اور بنی نضیر کے ساتھ مل گئے تھے اور اب اپنے قلعہ میں ہیں۔ کفار مکہ کے ساتھ وہ پیچھے سے حملے

کا منصوبہ بنارہے تھے۔ان کو سزادیناضروری ہے۔ نبی ﷺ کا پہلے پروگرام تھا کہ بنی قریظہ کوان کی غداری کی سزادی جائے۔

اختلاف رائے میں احترام:۔

آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ بنو قریظہ کے علاقہ میں جاکر نماز عصر پڑھیں کیونکہ ان کا علاقہ کچھ دور تھااور وقت درکار تھا۔ سارے صحابہ ظہر کے بعد چل دیئے۔ مسافت زیادہ تھی اس لئے شام ہوگئی۔ کچھ صحابہ نے نماز بوقت غروب دوران سفر پڑھ لی اور کچھ نے کہا چونکہ حکم تھا کہ عصر بنو قریظہ کے علاقہ میں پڑھیں گے اس لئے نہیں پڑھی۔ان کی نماز قضاہوگئی اور وہاں جاکر نماز مغرب کے بعد قضاادا کی۔ دونوں گروہ اپنی تعمیل میں صحیح تھے۔ نبی ﷺ نے دونوں کے عمل کو منظور کیا۔اس سے فقہی اختلاف میں رواداری اور احترام کا سبق ملتا ہے۔

بنو قریظہ اپنے قلعے میں بند ہوگئے اور مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو محاصرہ کا حکم دیا۔اس سفر میں جھنڈا آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا کیا اور مدینہ شریف میں حضرت ابن مکتوم کو چھوڑا،تاکہ خیال رکھیں۔ بنو قریظہ،نفسیاتی یا عصابی طور مسلمانوں سے خوفزدہ ہوگئے تھے، کیونکہ انہوں نے معاہدہ کی یکطرفہ طور پر بغیر اعلان کے خلاف ورزی کر کے دشمنوں سے مل گئے تھے اور مسلمانوں کے گھروں پر بھی حملہ کر دیا تھا، جسے مسلمان خواتین نے بڑی بہادری سے ناکام بنادیا۔اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی تھی کہ وہ خوف زدہ ہوگئے اور ان کو جان بچانے کے لالے پڑ گئے۔

جب محاصرہ نے طول کھینچا، تو نبی ﷺ نے ان کے درخت کاٹنے کا حکم دیا، جن کو وہ آڑ بناتے تھے۔ جب درخت کٹ گئے اور محاصرہ طویل ہوگیا۔ یہ محاصرہ پچیس(25)دن رہااور بالآخر بنی قریظہ نے کہا کہ وہ قلعہ سے نیچے آ جائیں گے۔ لیکن ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کریں، جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ قبیلہ اوس، قبل از اسلام بنی قریظہ کا حلیف (ساتھی) تھا۔ان کا خیال تھا، کہ حضرت سعد بن مغاذ رضی اللہ عنہ ان کی طرفداری کریں گے۔ نبی ﷺ نے ان کی رائے کو قبول کیا کہ حضرت سعد بن مغاذ رضی اللہ عنہ کو ان کا قاضی بنایا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی تھے اور مسجد نبوی کے پاس خیمہ میں زیرِ علاج تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور آپ نے انصاف کے مطابق فیصلہ کیا (جو رواج اور یہود کے طریقہ کے مطابق تھا) کہ مردوں کو غداری کی بناء پر موت اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کے اموال قبضہ میں لے لئے جائیں۔ چنانچہ فیصلہ پر عمل ہوااور ان کے مردوں کو سزائے موت دی گئی اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیااور لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ چونکہ وہ عورتیں مدینہ کے علاقہ میں رہتی تھیں،اس لئے جن لوگوں سے ان کے مراسم و تعلقات تھے بطور ہمدردی ان کو،ان کے حوالے کر دیا گیااور جن کے مراسم نہیں تھے ان کو ویسے تقسیم

کر دیا گیااور ان کے اموال بھی تقسیم ہو گئے۔ تلاشی کرنے پر پتہ چلا کہ بنی قریظہ نے غزوہ خندق (احزاب) کے لیے، پندرہ سو(1500) تلواریں، تین سو(300) زرہیں، دوہزار(2000) نیزے، پینتیس سو(3500) ڈھالیں فراہم کی تھیں۔ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو صحیح قرار دیااور اس پر عمل ہوا، کیونکہ بنو قریظہ نے حضرت سعد بن مفاذ رضی اللہ عنہ کو حاکم (جج) مقرر کیا تھااور یہ ان ہی کا فیصلہ تھا۔

بنو قریظہ پر بھی مسلمانوں کا خوف اللہ کی مہربانی اور غائبانہ امداد تھی۔ اور مسلمانوں کو کوئی نقصان دیئے بغیر انہوں نے شکست قبول کی۔ ان کی املاک مسلمانوں کو بغیر کسی پریشانی کے مل گئیں۔ مسلمانوں نے بنی نضیر کو ان کی دیت کی مخالفت (تنفیذ عدل) پر سزادی، اسی طرح بنی قریظہ کو، ان کی معایدہ شکنی اور غداری پر سزادی۔ اسلام میں عدل اور عہد کی پابندی لازمی ہیں۔ اس کے بعد مدینہ النبی ، یہودیوں کی مخالفت اور دھوکہ دہی سے صاف ہو گیا۔ البتہ مسلمانوں میں منافق عبداللہ بن ابی اور اس کا گروپ موجود تھے۔

اسی کامیابی کو آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری خوشخبری یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو زمینوں کا مالک بنادیا، جن کو مسلمانوں نے ابھی فتح نہیں کیا تھا۔ اس سے مراد حجاز اور عرب میں مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ مکہ کی فتح، خیبر کی فتح، طائف کی فتح، اور اسی طرح شام اور ایران کی فتوحات تھیں۔ یہ ساری فتوحات نبی ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کے دس سال کے اندر ہی مکمل ہو گئیں، یہ پیشن گوئی پوری ہو گئی۔

غزوہ خندق (احزاب) کی کامیابی کے بعد مسلمان حجاز کی سب سے بڑی طاقت بن گئے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے کہیے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آو میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔

وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر (جنت) کا، تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی کی ازواج (بیویو)! اگر تم میں سے جس نے بھی کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا، اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

بنی نضیر اور بنو قریظہ کے مدینے میں اموال مسلمانوں کے قبضے میں آئے، تو مسلمانوں کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ اس کے بعد خیبر بھی فتح ہو گیا۔ اس کے اموال سے اور اضافہ ہوا، تقریباً ہر گھر خوشحال تھا، مگر نبی ﷺ کے گھر وہی فاقے، اور لباس کی کمی تھی۔ ازواج مطہرات بھی انسان تھیں، ایک لیڈر اور حاکم، کی ازواج ہونے کی حیثیت سے وہ دوسروں سے بہتر ہونے کی بجائے ان کا معیار زندگی کمتر تھا۔ ان کی بھی خواہش تھی کہ ان کے لئے بھی اعلیٰ لباس یا زیورات یا اچھا کھانا ہو، جو کہ ایک فطری خواہش ہے۔ نبی ﷺ کو اموال غنیمت میں پانچویں حصے کا پانچواں حصہ ملتا ، لیکن آپ ﷺ یہ سارا حصہ صدقہ کر دیتے، مانگنے والے کو دے دیتے اور گھروں میں فاقے رہتے۔ تمام ازواج مطہرات نے مل کر آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان کے اخراجات یعنی غذا، لباس میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ بھی دوسروں کے سامنے احساس کمتری محسوس نہ کریں اور آسان زندگی گذار سکیں۔ ان کا مطالبہ انسانی ضروریات اور خواہشات کے مطابق فطری تھا۔ نبی ﷺ ذاتی طور پر فقر کو پسند اور دنیا کی شان و شوکت سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے ان کے مطالبے پر پریشان ہو گئے اور گھر کی رغبت کم کر دی، تقریباً ایک ماہ اسی طرح گذرا اور پھر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر آئے، وہ رسول اللہ ﷺ سے آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر بیٹھے ہیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت طلب کی، ان کو بھی اجازت دی گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ بیٹھے ہیں اور ان کے گرد آپ ﷺ کی ازواج بیٹھی ہیں اور آپ افسردہ اور خاموش بیٹھے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں سوچا کہ میں ضرور کوئی بات کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو ہنساؤں گا، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کاش آپ دیکھتے کہ بنت خارجہ، مجھ سے نفقہ (خرچہ) کا سوال کرے اور میں اس کی گردن مروڑ دوں، پس رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا، ان کو جو میرے ارد گرد، بیٹھا ہوا دیکھ رہے ہو، یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن مروڑنے لگے۔ پھر حضرت عمر، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن مروڑنے لگے (ارادہ کیا) اور وہ دونوں کو کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ ﷺ کے پاس نہیں۔ انہوں نے کہا؛ اللہ کی قسم! ہم آئندہ رسول اللہ ﷺ سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو۔ اس

کے بعد رسول اللہ ﷺ ایک ماہ یا انتیس (29) دن اپنی ازواج سے الگ رہے۔تب یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔(پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں کہ وہ آپ کے دیئے ہوئے پر قناعت کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر خوشی سے عمل کرتی رہیں یا پھر رسول اللہ ﷺ ان کو رخصت کر دیتے ہیں اگر وہ آپ کے دیئے ہوئے خرچہ پر راضی نہیں ہوتیں)۔

نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابتداء کی اور فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کر رہا ہوں، مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو، حتّٰی کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو، پھر نبی ﷺ نے اُن (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سامنے یہ آیت تلاوت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا؛ یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں گی۔ بلکہ میں اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی باقی ازواج کو میرے فیصلہ کے متعلق نہ بتائیں، آپ نے فرمایا، ان میں سے جس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا میں اس کو بتاؤں گا۔ بے شک اللہ نے مجھے، نہ دشوار بنا کر، نہ دشواری میں ڈالنے والا بنا کر، بھیجا ہے۔ لیکن اللہ نے مجھے تعلیم دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔(مسلم/بخاری/ترمذی)۔

نبی ﷺ کی عظمت:۔

یہ واقعہ بڑا اہم اور قابل غور ہے۔اسلام کی اقدار میں دنیا و آخرت کا احساس دلانا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مسلمان دنیا پرست ہو جائے اور کبھی آخرت پرست، کبھی بندہ ہوس و ہوا، اور کبھی بندہ خدا، اللہ کے ساتھ خلوص اور آخرت کی راہ میں رکاوٹ۔ نبی کی تابعداری میں جو رکاوٹ بنتی ہے، اسے کاٹ دیتا ہے۔اسلام دنیا میں آرام اور آسائش کو حرام نہیں سمجھتا، بلکہ ان آسائشوں کی خاطر آخرت اور انسانیت کو بھول جانے کو جرم سمجھتا ہے۔ نبی ﷺ کے صحابہ کرام اور آپ کی ازواج مطہرات، اپنے اخلاص اور آخرت کے ساتھ خلوص اور اتباع نبی میں بلند ترین مقام پر تھے۔اس کے باوجود انسانی خواہشات کو ان نفوس قدسیہ کے اندر ختم نہیں کر دیا گیا تھا۔ وہ دنیا کی آلودگیوں سے صاف تھے۔ لیکن ان میں انسانی (بشری) طبیعت اور میٹھی زندگی موجود تھی۔

بعض انسان، دعویٰ محبت و عظمت میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام، آپ کی اولاد عظام کے لئے غیر حقیقی زندگی کے تصورات اپناتے ہیں یا ہم ان کو انسان کامل نہیں سمجھتے۔ بلکہ تمام انسانی جذبات اور خواہشات ہی سے ان کو پاک کر دیتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم ان کو بلند درجہ دے رہے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔اس طرح ہم ان نفوس قدسیہ کو غیر حقیقی شخصیات بنا دیتے ہیں۔ ہم ان کے گرد اوہام کا ایک ہالہ (خول) بنا

دیتے ہیں، جس کے اندر ان کی کامل درجہ کی انسانی صفات غائب ہو جاتی ہیں اور اس لئے ہمارے اور ان کے درمیان بشری رشتہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ موہومہ شخصیات بن جاتی ہیں۔ ہمارے شعور میں یہ بات آجاتی ہے شاید وہ ایک ایسی مخلوق تھے جو ہمارے جیسے نہ تھے اور انسانی خواص سے عاری تھے۔اس کے نتیجے میں ایک مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم ان کے جیسے کیسے بن سکتے ہیں اور ان کے جیسے کام کر سکتے ہیں۔اس طرح سیرت رسول ﷺ اور سیرت صحابہ کا اہم عنصر ،کردار کی عظمت اور ہمت، ہم سے غائب ہو جاتی ہے۔

اس سے یہ حکمت بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے رسولوں کو انسان اور بشر بنایا۔نہ وہ فرشتے اور نہ ہی کوئی دوسری مخلوق تھے۔وہ خواہشات بھی رکھتے تھے اور جذبات بھی۔انہوں نے اپنے اعلیٰ عمل و کردار سے اپنے باطن کو دنیا کی آلودگیوں سے پاک کر دیا تھا۔انسان کا مرتبہ فرشتے اور نور (روشنی) سے بلند ہے۔

گھر کا ماحول (اختیار طلاق واحترام نسواں):۔

اس واقعہ میں انسانی طبعی خواہشات سامنے آتی ہیں۔ان کے حل کا انداز پیش کیا گیا ہے۔(۱): حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر والد تھے لیکن نبی ﷺ نے انہیں اپنی بیٹیوں کو ضرب لگانے کی اجازت نہیں دی اور نہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج یا خدام کو کبھی ضرب لگائی۔(۲): آپ نے اخلاق کے ساتھ اپنی ازواج کے سامنے ایک متبادل حل پیش کیا۔(۳): آپ نے ازواج کو ایک مناسب وقت دیا، تاکہ وہ غور و فکر اور اپنے مخلصین یا والدین سے مشورہ کر کے ایک صحیح فیصلہ کر لیں۔ یہ مسئلہ انسانی خواہشات کا ہے۔اگر جائز خواہشات ہیں تو ان کو دبانا نہیں چاہیے۔ان کو پورا کیا جانا چاہیے۔(۴): اختیار کا استعمال یا حق آزادانہ ہو، کوئی دباؤ نہ ہو تاکہ نفاذ میں پریشانی نہ ہو۔(۵): اختیار کرتے وقت لمبی مدت اور تھوڑی مدت یعنی دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی اور تھوڑا فائدہ اور زیادہ نفع کے بارے غور و فکر کر کے فیصلہ کیا جائے تاکہ عمل کرنے میں آسانی ہو۔

نبی ﷺ کی ازواج مطہرات نے ان تمام امور پر غور کر کے آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور اپنا اختیار برضا و خوشی استعمال کیا۔دنیا کی زندگی پر آخرت کو ترجیح دی، جس سے آپ ﷺ کو خوشی ہوئی۔

یہ طریقہ ہمیں بھی اپنے معاملات کے حل میں استعمال کرنا چاہیے تاکہ خانگی حالات صحیح ہوں۔گھر کے حالات کو مالی حالت کے مطابق حل کیا جائے اور اگر حل نہ ہو سکیں تو خوشی کے ساتھ علیحدگی کو قبول کیا جائے اور زندگی کو سکون سے گذارا جائے۔

قانون (فقہ) اسلامی میں مرد کو اختیار ہے کہ عورت کو طلاق کا اختیار دے۔اس کے علاوہ عورت کا اپنا حق ہے کہ وہ خلع کی صورت میں یا دوسرے اسباب کی بناء پر طلاق لینا چاہتی ہو تو لے سکتی ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں

موجود ہے۔اختیار طلاق دینے کے بعد مدت اختیار اگر خاوند نے واضح طور پر متعین نہیں کی تو اس میں اختلاف ہے۔جو کتب فقہ میں موجود ہے۔یہ اسلام کی روشن خیالی،انسانی حقوق کی پاسداری ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو وہ حقوق دیئے جو انہوں نے انیسویں صدی کے دوران یورپ میں بڑی جدوجہد کے بعد حاصل کئے ہیں۔

مرتبہ کی اہمیت وذمہ واری۔

جب ازواج مطہرات نے نبی ﷺ،اللہ اور آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے مرتبہ کا،ان کو احساس دلایا جارہا ہے کہ تم تمام مسلمانوں کی عورتوں سے بلند مرتبہ ہو لہٰذا تم سب سے پہلے اپنے اس مقام و مرتبہ کا خیال رکھو۔اس کے تقاضے پورے کرو۔اس کی مثال اسلامی قانون میں یوں ہے کہ ایک غلام مرد یا عورت کی اس کی غلامی اور مجبوری کی وجہ سے سزا آدھی ہے اور ایک آزاد مرد کی سزا اس کے مقام و ازادی کی وجہ سے دوگنی ہے۔اس لئے ازواج مطہرات (ازواج نبی) سے نیکی اور پرہیزگاری زیادہ متوقع ہے اور اگر گناہ کریں تو اس کا عذاب بھی دوگنا ہے۔اسی طرح ثواب کا اجر بھی زیادہ ہے۔اس کا حکم اگلی آیت میں ہے۔یہاں فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کھلی برائی سے مراد گناہ ہے۔علماء نے اس سے مراد خاوند کی مخالفت اور خانگی معاملات میں بے اعتدالی لیا ہے۔اور ازواج نبی کے لئے ایسا عمل جس سے نبی ﷺ کا دل مغموم ہو یا آپ پر تنگی یا دشواری آئے مناسب نہیں اور ایک نیک شعار بیوی کے لئے بھی معیار ہے تاکہ خانگی زندگی آسودہ ہو۔

بائیسواں پارہ

وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور نیک عمل کرے تو ہم اسے اس کا اجر دوگنا دیں گے۔اور اس کے لئے ہم نے اچھا رزق تیار کر رکھا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۳﴾

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔اگر تم پرہیزگار ہو تو کسی غیر محرم سے آہستگی اور لچک دار لہجہ سے بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی غلط امید نہ لگا لے اور تم سیدھی صاف اچھی بات کہا کرو۔

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾

اور اپنے گھروں میں پڑی رہو اور دور قدیم جاھلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کی نمائش نہ کرنا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں بالکل پاک صاف کرے۔

وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت (سنت) کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کرو۔ یقیناً اللہ نہایت باریک بین اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔

اختلاط اور معاملات میں احتیاط:۔

پچھلی آیت مبارکہ میں جس طرح عذاب کو دوگنا کر دیا تھا، اسی طرح نیکی کے اجر کو بھی دوگنا کر دیا ہے کیونکہ عام لوگ اپنے رہبر یا لیڈر کے کردار کو اپناتے ہیں، زیادہ تحقیق نہیں کرتے۔ اس طرح ان کے اچھے کردار کا اثر عامتہ الناس پر پڑتا ہے اور نیکی اور بھلائی پھیلتی ہے۔ اسی وجہ سے حکمران اور علماء کے لئے بھی سزا و جزا میں زیادتی ہے کیونکہ ان کے علم اور ان کے معاشرہ میں مرتبہ کی وجہ سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

یہ مقام غور و فکر ہے کہ یہ احکام اور ڈرانا، ان خواتین کے لئے ہے جو امہات المومنین قرار پائیں۔ جن کے بارے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی ذہنی بیمار کی بیماری یا طمع کا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ احکامات نبی ﷺ کے دور کے ہیں، جن کے مقام اور معیار پر نہ لوگ تھے اور نہ ہوں گے۔ پھر یہ تنبیہ کس دور کے لئے ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ، جس نے انسان کو پیدا کیا، وہ، جانتا ہے کہ عورت اگر دبی، نرم زبان، ناز و انداز سے بات کرے تو لوگوں (مردوں) کے دلوں میں غلط خیالات پیدا کر سکتی ہے اور دلوں میں فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، خصوصاً وہ دل جو پہلے سے مریض ہو فوراً اشتعال میں آ سکتے ہیں اور یہ مریضِ دل ہر دور میں موجود ہوتے ہیں اور ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے مریض ہر عورت کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ کوئی ماحول اس وقت تک پاک و صاف نہیں ہو سکتا جب تک گندگی کے اسباب کا سد باب یا ختم نہ کیا جائے۔ اس لئے اسلام نے جسم ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔

بات کرنے کا یہ معیار مقرر کیا کہ جب ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت ایک دوسرے سے بات کریں

،توان باتوں میں کوئی بری (منکر) بات نہ ہو۔ بعض اوقات نرم لہجے سے گفتگو بھی بے راہ روی پر آمادہ کر دیتی ہے۔لب و لہجہ میں اشارہ نہ ہو۔صاف بات ہو، سنجیدہ گفتگو ہو۔ایسی گفتگو نہ ہو جس کے نتیجے میں، دوسرے امور کی طرف میلان ہو اور غلط راستے پر پڑ جائیں۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مزاج کے بارے بہت اچھا جانتا ہے (باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے) ،اور یہ اللہ کی ذات ہے، جو امہات المومنین سے مخاطب ہے ،جب کہ وہ دور خیر القرون (بہترین معاشرہ) تھا۔ یہ حکم تمام ادوار کے لئے اور تمام مسلمان خواتین کے لئے معیار ہے۔

گھر کی اہمیت:۔

اپنے گھروں میں وقار سے رہو۔(قرن۔قرَنَ،یقرن، کے معنی بھاری ہوا، اپنی جگہ ٹھہر گیا)۔اس کا معنی یا مطلب یہ نہیں کہ گھروں کے اندر بند رہیں اور گھروں سے باہر ہی نہ نکلیں۔ یہ ایک لطیف اشارہ ہے کہ عورت کے لئے بہترین مقام گھر ہے۔اس کے سوا، اگر وہ کہیں پائی جاتی ہے تو یہ حالت عارضی یا مجبوری ہے۔اور طویل مدت کے لئے نقصان دہ ہے۔ محض ضرورت کے مطابق باہر نکلنا چاہیے۔اسلام نے عورت کو اس کے اخراجات، کھانا، لباس، رہائش اور ضرورت کے سامان کے لئے مرد (خاوند) کو پابند بنایا ہے تاکہ اسے ان امور زندگی کے لئے پریشانی نہ ہو۔اسے محنت و مزدوری میں وقت نہ لگانا پڑے۔وہ پوری طرح مطمئن ہو کر بچوں کی نگہداشت و تربیت کرے اور گھر کے نظام، سجاوٹ اور خوشی کو دوبالا کرے۔ وہ عورت جو محنت کر کے، تھکی ہاری ہوئی ہوتی ہے۔ جسے ملازمت کی فکر اور ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔اس کی مصروفیات اور اوقات گھر کے باہر گذرتے ہیں، اس کی ساری توانایاں وہاں خرچ ہو جاتی ہیں۔اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ گھر کو خوشیاں دے سکے۔اپنے ناتواں اور معصوم بچوں کی پوری طرح تربیت کرے، وہ تو نرسریوں کے رحم و کرم پر رہ جاتے ہیں اور گھر ہوٹل بن جاتا ہے۔ حقیقی گھر وہ ہے، جسے ایک گھریلو عورت تخلیق کرتی ہے۔ جس کا ذریعہ صرف ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں ہے۔ جدید تحقیق جو امریکہ میں کی گئی اور کئی ہزار خواتین پر مشتمل سروے کیا گیا۔ جس سے پتہ چلا کہ ملازمت کرنے والی اور آزادانہ مردوں سے ملنے والی عورتوں میں شرح طلاق بہت زیادہ ہے اور اب تو مالی خود مختاری کی وجہ سے عورتیں تنہا رہنا پسند کر رہی ہیں۔ جنسی خواہش گھوم پھر کر، دوستی کے نام پر پوری ہو جاتی ہے اور اولاد کی خواہش کو اس آزادی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ ملکوں میں منفی شرح آبادی ہے۔اس آزادانہ اختلاط سے انسانیت، حیوانیت کی دلدل میں گرتی جا رہی ہے، جہاں صرف جسم کی خواہش کا وجود ہے۔ اس لئے اسلام نے ایک فیملی کے تحفظ اور عورت کی بڑھاپے میں سلامتی کے لئے نکاح اور پردہ کا اہتمام کیا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، بلکہ آوارگی سے منع کیا گیا ہے۔**اس آیت کی بناء پر نبی ﷺ نے اپنے حجرات اپنی زوجات کی ملکیت میں کر دیئے تھے۔اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا**

سے دفن کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ اسی بناء پر یہ فتویٰ ہے کہ عورت جس گھر میں رہتی ہے، طلاق پر اسے وہ گھر دے دیا جائے تاکہ وہ وہاں رہ سکے اور دربدر کی ٹھوکریں نہ کھائے (بحوالہ روح المعانی۔ تحفہ اثنا عشریہ از حافظ غلام محمد الا سلمی)۔ یہی طریقہ فلاحی مملکت کے لئے ضروری ہے اور مغربی ممالک میں حکومتیں کر رہی ہیں۔ اس طرح شرح طلاق بھی کم اور عورت کی زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ دوسری شادی کی صورت میں دوسرا مرد، اس عورت کا ذمہ دار ہو گا (یا گھر تقسیم کر دیا جائے)۔

جاہلیت کی سج دھج سے نکلنا:۔

حکم دیا ہے، کہ جاہلیت کی سج دھج (نمائش) نہ دکھاتی پھرو۔ یعنی اگر ضرورت سے باہر نکلنا ہے تو سادہ طریقے اور وقار سے نکلا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں عورتیں نماز کے لئے نکلتی تھیں اور اب بھی شرعاً ممنوع نہیں۔ ماہواری کے سلسلے کے ختم ہونے پر اور نکاح یا شادی یا مرد کی طلب نہ ہونے پر عورت کا پردہ ضروری نہیں۔ نکلتے وقت جسم کو بہترین انداز میں ڈھانپنا، منہ اور ہاتھ کھلے رکھنا اور ان کو فطری حالت میں رکھنے کے بعد کوئی ممانعت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مومنین کی بیویاں نبی ﷺ سے ساتھ صبح کی نماز میں شریک ہوتیں، پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی واپس ہوتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں (بخاری شریف / مسلم شریف)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عورتوں کے لئے ایک دروازہ مخصوص کر دیا تھا اور مردوں کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں تھی۔

جاہلیت کی سج دھج کی تشریح، علماء نے اس طرح ذکر کی ہے۔ (۱): عورتیں مردوں کے اندر پھرتی تھیں (مجاہد)۔ (۲): ناز و انداز سے چلتی تھیں (قتادہ)۔ (۳): دوپٹے اس طرح ڈالتی تھیں کہ کانوں اور گلے کے زیور نظر آتے تھے (مقاتل)۔ (۴): عورتیں مردوں میں اس طرح نکلتی تھیں کہ اس کا سینہ کھلا ہوتا اور اس کے اوپر کچھ نہ ہوتا۔ بعض اوقات اس کی گردن اور بالوں کی منڈھیاں ننگی ہوتیں اور کان کے بندے ظاہر ہوتے (ابن کثیر)۔

اسلامی معاشرے میں انسانی ذوق کو بھی پاکیزہ، کیا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی جسم کو ننگا دیکھنا ایک ایسا ذوق / خواہش ہے، جو نہایت ہی غلیظ اور پسماندہ ہے۔ اور یہ ذوق سنجیدہ اور ذوق سلیم کے مقابلے بد دیانت، ذوق ہے۔ اس میں روح عفت اور شعور مفقود (گم) ہے۔ جاہلی ذوق، صرف گوشت پوست میں ہوتا ہے اور حقیقی ذوق حسن کے ادراک و شعور، سنجیدگی اور وقار پر مشتمل ہوتا ہے۔

جاہلیت کسی متعین (قبل از اسلام) زمانے کا نام نہیں۔ دراصل زمانہ جاہل نہیں ہوتا لوگ جاہل ہوتے ہیں۔ جاہلیت ایک حالت کا نام ہے۔ اس میں لوگوں کے خاص تصورات ہوتے ہیں اور یہ حالت اور تصورات، یہ رسم و رواج،

ہر زمان و مکان میں ہو سکتے ہیں۔ ہمارا فرض صرف ان سے بچنا ہے۔

عبادات و معاملات:۔

اس فضیلت کے ساتھ نماز یعنی عبادات ربانی اور زکوٰۃ یعنی غرباء مساکین کی خدمت کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بھی واجب ہے۔ اگرچہ آیت میں ذکر ازواج مطہرات کا ہے، لیکن یہ حکم زمانے اور افراد کے لحاظ سے عام ہے اور عام خواتین کے لئے بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔

بد قسمتی سے "گھروں میں ٹھہری رہو" کے معانی ایک گروہ نے غلط نکال لئے۔ نبی ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد حج و عمرہ پر اپنے ساتھ ازواج مطہرات سفر کیا۔ اس کے علاوہ غزوات کے سفر میں بھی ساتھ لے جاتے رہے، اس طرح گھروں میں ٹھہرنے کا مقصد نیک مقاصد کے علاوہ، بازاروں اور عام لوگوں سے اختلاط سے منع ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ضرورت کی بناء پر گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

نبی ﷺ کے وصال کے بعد بھی ازواج نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حج کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ صحابہ کو روانہ کیا یا ان کی حفاظت کے لئے متعین کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حج کے لئے گئیں اور دورانِ سفر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بڑی دردناک طریقہ سے شہادت ہو گئی۔ مدینہ شریف میں امن و احترام ختم ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ کو بڑی کوفت اور دکھ ہوا۔ یہ فتنہ آپ کو بہت دکھ دے رہا تھا۔ اسی دوران حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت کعب بن عمیر اور دوسرے کافی صحابہ رضی اللہ عنھم، قاتلین عثمان کے خوف سے مدینہ شریف سے مکہ شریف چلے آئے۔ قاتلین عثمان بر سر عام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے اور تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کنٹرول سے باہر تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب تک قاتلین مدینہ میں ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے پر قادر نہیں یا ان کو دور کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، آپ لوگ مدینہ واپس نہ جاؤ اور کسی شہر میں رہ کر انتظار کرو، جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ امور کو صحیح طور پر کنٹرول نہ کر لیں۔ ان حضرات، نے اس رائے کو پسند کیا اور بصرہ جانے کا ارادہ کر لیا، جہاں مسلمانوں کی فوج تھی اور ام المومنین سے کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلیں اور یہ واپس اس وقت جائیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت مستحکم ہو جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اصلاح کے مقصد سے اور کبار صحابہ کی حفاظت کے ارادہ سے ان کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ اُن کے ساتھ اُن کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت علی کو یہ خبر غلط انداز میں قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بتائی اور اسے بغاوت ظاہر کیا۔ بغاوت ختم

کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر زور دیا کہ وہ بصرہ جا کر ان لوگوں کو کنٹرول کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج جس میں کچھ قاتلین حضرت عثمان بھی شامل ہو گیے تھے، لے کر بصرہ روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت القعقاع رضی اللہ عنہ کو ام المومنین، حضرت طلحٰہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ ان حضرات نے کہا کہ وہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حد قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ عبرت ناک سزا ہو۔ حضرت القعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اتحاد کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہوئے اور واپسی، کا ارادہ کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحٰہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ دونوں حضرات، پیچھے ہٹ گئے اور صلح تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اسی دوران رات کو قاتلین عثمان کے افراد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کے بغیر، حضرت طلحٰہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے سمجھا، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ خلافی کی، انہوں نے حملہ کا جواب حملہ سے دیا۔ ادھر ان فتنہ بازوں نے مشہور کر دیا، کہ حضرت طلحٰہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حملہ کر دیا ہے اور اس طرح شدت کے ساتھ دونوں طرف جنگ شروع ہو گئی اور تقریباً دس ہزار افراد مارے گئے۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور اس جنگ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمیشہ افسوس کرتے رہے۔ جنگ میں کسی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل (شہید) کر دیا اور حضرت طلحٰہ کو بھی قتل (شہید) کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سفر جنگ کے لئے نہیں تھا۔ ان کا مقصد فریقین میں صلح تھا۔ صحابہ کرام کا مقصد تھا کہ ام المومنین کے احترام کی بناء پر صلح ہو جائے گی، لیکن تقدیر غالب آ گئی اور امت مسلمہ کا بہت نقصان ہوا۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ عظیم ترین سانحہ تھا۔

مقام پاکیزگی:۔

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گندگی کو دور کرنے اور پاک کرنے کا قصد فرمایا ہے۔ اس میں کئی اشارات ہیں۔ سب کے سب محبت، نرمی اور شفقت کے ہیں، ان پر احکام کی پابندی، صلوۃ و زکوۃ اور تعلیم و تعلم کا ذکر ہے۔ سب کا مقصد پاکیزگی ہے گویا عظیم گھرانا اور ہدایت کا مرکز ہے۔ اہل بیت سے مراد، بیت النبی ہے۔ جس طرح بیت اللہ کی مثال ہے۔ قرآن مجید میں اہل بھی ازواج کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس لئے ازواج مطہرات اس میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں اور ایک حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن، حسین، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شامل فرمایا اور چادر میں ڈھانپا تھا۔ اس لئے وہ شامل ہیں۔ بدقسمتی سے ایک فرقہ ازواج مطہرات کو نکال دیتا ہے اور اس کے لئے یہ منطق استعمال کی ہے کہ 'کم' کی ضمیر جمع مذکر مخاطب کی ہے، اس

لئے ازواج شامل نہیں، حالانکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مونث ہیں۔(۱):دراصل عربی زبان میں جہاں مخاطب مذکر و مونث ہوں تو سہولت کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جو کہ سب کو(یعنی ثانیت کو بھی) شامل ہوتا ہے۔(۲):اہل بیت، لفظ بھی مذکر ہے اس لئے ضمیر مذکر کی استعمال ہوئی ہے۔

محبت میں غلو:۔

جہاں بھی محبت میں غلو ہوا ہے، وہاں مذہب میں نقصان ہوا، اور انسانوں کو ماوراء انسان تصور کیا گیا۔ یہی یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیا اور مسلمانوں میں بھی لوگ محبت کے غلو میں مافوق الفطرت حد تک لے جاتے ہیں، جو ان نفوس قدسیہ کی انسانی عظمت، ہمت، اور اعلیٰ کردار کو نظر انداز کرنے کے برابر ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر غلو سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ غلو، تشدد کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق، ان اختلافی امور کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمادیں گے۔ اختلاف ایک فطری عمل ہے، لیکن اس میں تشدد، نفرت کو مذہب میں بنیاد بنانا صحیح نہیں، جب کہ ایک ہی کلمہ، ایک قبلہ، ایک نبی اور ایک کتاب پر سب کا ایمان ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

بلاشبہ مسلمان مرد، مسلمان عورتیں اور مومن مرد، مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد، فرمانبردار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں، صبر کرنے والے مرد، صبر کرنے والی عورتیں اللہ سے ڈرنے والے مرد، اللہ سے ڈرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد، صدقہ دینے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

مساوات جنس:۔

آیات مبارکہ میں مسلمان کی جو خصوصیات ذکر کی ہیں ان میں ہر کردار اور خاصیت کے ساتھ مرد اور عورت کو علیحدہ برابر ذکر کیا گیا ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ اس معاشرہ میں جہاں مرد کو امتیازی حیثیت حاصل تھی وہاں یہ واضح کیا جائے کہ بحیثیت انسان اور ایماندار مسلمان، دونوں (مرد اور عورت) میں کوئی فرق نہیں۔ معاشرے میں جو اسلامی حیثیت مرد کی ہے وہ عورت کی بھی ہے۔اسلامی نظریہ حیات، ایمان، عبادات، اخلاق اور معاشرتی، ہر عمل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔البتہ ہر جنس کے اس کے فطرتی اعضاء وخواص کے مطابق مناسب اعمال ہیں۔ جن کو وہ بہترین انداز میں کر سکتا ہے۔داخلی امور میں ایک سربراہ مقرر کیا ہے تاکہ انتظام آسان رہے۔

شان نزول میں تحریر ہے کہ حضرت ام عمارۃ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی کہ ،مردوں کی طرح ،میں عورتوں کے لئے حکم قرآن مجید میں ذکر کیا ہوا نہیں دیکھتی تو یہ آیت نازل ہوئی۔(ترمذی)۔اس آیت میں مرد و عورت کا ذکر برابر ہے۔جو جنس کے لحاظ سے انسانی مساوات کا ثبوت ہے۔

صفات عالیہ:۔

یہ وہ صفات ہیں جو نفسِ انسانی کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

مسلمان:۔اسلام، اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ جیسے اور جو بھی احکام ہوں ان کو صدقِ دل سے قبول کرنا ہے۔یہ دونوں امور مرد اور عورت کے لئے اساسی ہیں۔

ایمان:۔ایمان کے معنی یقین اور پھر تصدیق، یعنی دل سے قبول کرنے کے ہیں۔ان میں گہرا تعلق ہے اور ہر ایک دوسرے (احکام اسلام اور ان پر یقین) کے ساتھ گہرا ربط و تعلق رکھتا ہے۔ جہاں سچی تصدیق ہو گی تو سر تسلیم خم ہو گا۔ یہ صفت دونوں مرد اور عورت کے لئے برابر اہم ہے۔

قانتین:۔ قنوت کے معنی اطاعت کا حکم ہے لیکن اس اطاعت کے پیچھے ایمان اور اسلام ہو۔اس اطاعت کا محرک داخلی ہو، کسی خارجی دباؤ یا جبر کے ذریعہ نہ ہو۔خوشی ورضا سے ہو۔اکراہ سے نہ ہو۔

صداقت:۔ صداقت اپنے کلام یا قول و فعل میں سچا ہو۔ مسلمان اور مومن کی اہم صفت ہے۔ یہ اساسی صفت ہے۔جو سچا نہیں وہ مومن نہیں۔امت مسلمہ سے خارج ہے۔قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے۔

صبر:۔صبر وہ صفت ہے جس کے بغیر ایک مسلم اور مومن مکمل نہیں ہوتا۔اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتا۔ہر قدم پر صبر کا محتاج ہے۔ نفسانی خواہشات، مقاصد کے حصول میں مشکلات، لوگوں کی اذیت، دلوں کی

کمزوریاں، مشکلات اور امتحانات، غم اور خوشی، عرض ہر صورت میں صبر کا دامن ساتھ ہونا ضروری ہے۔یہ مرد اور عورت دونوں کے لئے برابر ضروری ہے۔

خشوع:۔اللہ کا ڈر اور خوف، خشوع کا تعلق نہ صرف ظاہری اعضاء سے ہے بلکہ دل ودماغ سے ہے۔یعنی قلب اور اعضاء دونوں اللہ کی کبریائی، عظمت کو محسوس کریں اور ڈرتے رہیں۔

صدقہ:۔صدقہ دینا۔اپنے معاشرے کو محروم افراد کا احساس اور ذمہ داری،ان کی تکلیف ودرد کا احساس رکھنا ،ہر مسلم مرد اور عورت کا شیوہ ہے۔ان کا دکھ بٹانا ضروری ہے۔خوشی میں شرکت اہم ہے۔

روزہ:۔روزہ بھی مومن یا مومنہ کی صفت ہے۔روزہ رکھنا۔اس کا استقبال اور اہتمام، مومن کا جزو ہے۔ روزہ کے ذریعہ خواہشات اور ضروریات کی چاہت کو ایک حد تک روکنا مطلوب ہوتا ہے۔اس میں صبر ،ارادہ کی پختگی ،انسانی صفات کا حیوانی جذبوں پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہے تاکہ مسلم معاشرہ، ایک خوبصورت معاشرہ ہو۔

حفظ فروج:۔شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔پاکیزگی اختیار کرنا اور گہرے فطری میلانات یا جنسی خواہشات جو انسانی ذات کا حصہ ہوتے ہیں ان کو قابو میں رکھنا، یہ میلانات اس قدر قوی ہوتے ہیں کہ ان پر قابو وہی افراد کر سکتے ہیں جن کو اللہ کی معاونت (مدد) شامل ہو۔اس کا مقصد مرد اور عورت کا سوسائٹی میں ایک منظم تعلق ،(نکاح) جس سے خاندان استوار ہو، مطلوب ہے۔ جنسی میلانات وخواہشات کو شریعت اسلامی کے تابع کرنا ہے۔ان تمام صفات کے علاوہ جو انسانی اقدار و کردار میں معراج کا درجہ رکھتی ہیں اس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہے۔

ذکر الٰہی:۔یہ ذکر الٰہی انسانی صفات عالیہ کے ساتھ انسان کی پوری زندگی کو مربوط اور پر سکون کر دیتی ہے۔ زندگی سمندر کی طرح پر سکون ہو جاتی ہے۔انسان کا دل ہر وقت اس کا احساس اور شعور رکھتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔اس کا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے۔اس طرح، وہ اللہ کی رسی اور رابطہ کو مضبوطی سے تھام کر پکڑ لیتا ہے۔ اللہ کی یاد سے اس کا دل منور اور زندگی صاف اور روشن ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! مجھ پر اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں، مجھے ایسی چیز بتایئے جس کے ساتھ میں چمٹ جاؤں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (ترمذی/مسند احمد)۔زبان ہر وقت اس لئے پکارے گی کہ اس کا دل ودماغ میں ذکر ہو گا اور ہر عمل کرنے سے پہلے یہ ذکر یعنی ذات خداوندی کے احکام کا خیال آئے گا اور اعمال اس کے مطابق ہوں گے۔

جن لوگوں (مرد اور عورت) میں یہ صفات جمع ہو جائیں ان کی ذات، دنیا اور آخرت میں مکمل، ممتاز اور کامیاب ہو جاتی ہے۔ اے اللہ ہمیں ان میں شامل فرما۔ آمین

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار (باقی) رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔

اسلام، جھک جانا، سلامتی، تسلیم اور قبول کرنے کا نام ہے اور مومن، جس کا درجہ مسلم سے بلند ہے اس کے لئے تسلیم و رضا ایک بنیادی صفت و شرط ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو دل و جان سے ماننا ہی تسلیم و رضا ہے۔ اس میں جبر کو نکال دیا ہے یعنی عمل کرتے وقت مکمل قبول و رضا ہونی چاہیے۔ اسی مضمون پر متعدد بار ذکر آیا ہے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی زینب بنت جحش اور ان کے بھائی عبداللہ نے حضرت زینب کے بارے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ وہ (زینب) ان کے حوالے ہیں۔ آپ نے قبول فرمایا اور پھر ان کو اپنے آزاد کردہ غلام جن کو آپ نے متبنیٰ بنایا ہوا تھا، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کے لئے کہا۔ حضرت زینب اور ان کے بھائی نے کہا کہ وہ قریش یا اعلیٰ خاندان سے ہیں اور حضرت زید اگرچہ آزاد ہیں لیکن غلام تھے۔ لہٰذا وہ ان کو خاندانی لحاظ سے کمتر سمجھتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے انکار کیا۔ اس موقع پر آیت نازل ہوئی۔ آیت کے بارے جب پتہ چلا تو حضرت عبداللہ بن جحش اور زینب نے کہا کہ وہ اپنے فیصلہ سے رجوع کرتے ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ لیکن نکاح کے بعد حضرت زینب کے دماغ میں وہی خیالات رہے اور ازدواجی زندگی تلخ رہی جس کی شکایت حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کرتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے متعلق ہے کہ وہ سب سے پہلی خاتون تھیں کہ جس نے خواتین میں سے ہجرت کی اور خود کو نبی ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا (حوالے کر دیا) تو نبی ﷺ نے ان کا نکاح زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس نکاح پر وہ اور ان کے بھائی ناراض ہوئے اور کہا ہم نے تو رسول اللہ ﷺ سے ارادہ کیا تھا اور آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

انسانی مساوات:۔

عرب کے معاشروں میں تفریق کے بڑے اسباب تھے۔ مثلاً حسب و نسب ایک بہت بڑا سبب تھا۔ لوگ اپنے حسب و نسب پر گھمنڈ کرتے۔ اسی طرح غلام اگرچہ آزاد بھی کر دیئے جاتے تو ان کو حقیر سمجھا جاتا تھا۔ ان کو برابر کی عزت واحترام نہیں ملتا تھا۔ اسلام انسانیت کا مذہب تھا۔ اسلام میں فضیلت حسب و نسب، زبان، رنگ کی نہیں تھی، بلکہ کردار کی تھی۔ اس لئے اس تفریق کو ختم کرنا ضروری تھا۔ اس کی ابتداء نبی ﷺ نے خود اپنے گھر سے کی تاکہ مثالی نمونہ ثابت ہو سکے اور یہ تفریق ختم ہو جائے۔ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی (زینب بنت جحش) اپنے آزاد کردہ غلام اور سابقہ متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اس کے بعد اسی طرح حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کا بھی نکاح کر دیا جو اس وقت کے رواج کے مطابق عالی نسب تھیں۔ نبی ﷺ کے اس عمل پر دوسرے صحابہ کرام نے بھی عمل کیا اور حضرت ابو حذیفہ جو کہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس (قریش) سے تھے نے سالم کو اپنی منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ ایک انصاری عورت کے غلام تھے۔ حضرت ابو خذیفہ نے اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا۔ یہ اسلام کا انقلاب انسانیت آج سے چودہ سو سال پہلے کا تھا جبکہ امریکہ اور یورپ میں اب بھی افریقہ سے آنے والے غلاموں کی اولاد کو وہ مقام حاصل نہیں جو یورپ سے آنے والوں کو ہے اور وہاں کے قدیم سکونت پذیر ریڈ انڈین جن کا رنگ گندمی تھا ان کو تقریباً یورپ سے آنے والوں نے ختم کر دیا تھا یا وہ بھی محکوم بن کر زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی حالت جنوبی امریکہ کے ممالک برازیل اور ارجنٹین میں ہوئی۔ بد قسمتی سے کچھ اہل علم، اسلام کی اس عظمت سے صحیح طور پر آگاہ نہیں اور کفو یا نسب کی اہمیت، کو خلاف اسلام نہیں سمجھتے، حالانکہ نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کو رد کر دیا تھا۔

شادی میں ترجیح:۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی عورت کے ساتھ عام طور پر چار، وجوہ سے نکاح (شادی) کی جاتی ہے۔ (۱): اس کے مال و متاع کی وجہ سے۔ (۲): اس کے خاندانی محاسن کی وجہ سے۔ (۳): اس کے حسن و جمال کی وجہ سے (۴): اس کی دینداری (کردار) کی وجہ سے۔ سو تم دین داری (کردار) میں کوشش کرو۔ تو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (یہ ویسے کلمہ ہے جو کہ مخاطب سے پیار کا مظہر ہے)۔ آپ ﷺ نے ترجیح عورت کے کردار کو دی ہے۔ امانت، صداقت اور اچھے اعمال ہوں اس کے ساتھ علم بھی ضروری ہے۔

یہ امور واضح کرتے ہیں کہ اسلام انسانی مساوات کا مذہب ہے۔ اگر کوئی نسل، نسب کی بناء پر فخر کرتا ہے تو وہ غلط

اور گمراہ کن ہے۔ دولت اور حسن و جمال کی اہمیت بھی عارضی ہے۔ کسی وقت زائل ہو سکتی ہے۔ خاندانی محاسن بھی اس وقت فائدہ مند ہیں جب ان کی وجہ سے کردار اچھا ہو ورنہ بے کار ہیں۔ آج بھی نبی ﷺ کی تعلیمات روشنی کا مینار ہیں۔

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور (اے نبی)! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا نکاح اس سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولوں بیٹوں کی بیویوں کے متعلق اس میں کوئی حرج نہ رہے کہ جب وہ انہیں طلاق دے کر بے غرض ہو جائیں (وہ ان سے نکاح کر سکیں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہونے والا تھا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ۙ

اور نبی کے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے ان لوگوں (انبیاء) میں بھی جو پہلے گذر چکے ہیں۔ اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

ۙ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

آیات مبارکہ حضرت زید بن حارثہ کے حضرت زینب سے طلاق اور ان کی عدت گذر جانے کے بعد نبی ﷺ کے ساتھ زواج کے بارے ہیں۔ حضرت زید پر انعام، ان کی آزادی تھی۔ پھر نبی ﷺ کی رفاقت اور

تربیت جس کے نتیجے میں آپ رضی اللہ عنہ فوراً مسلمان ہو گئے، اس کے بعد آپ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد سے ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو کئی دفعہ سرایا (جنگ) میں سربراہی سونپی۔ حضرت زینب نے قرآن مجید کے احکام، اطاعت رسول کے بعد حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح تو کر لیا، لیکن اپنی نسبی اعزاز میں ہمیشہ گم رہیں اور دل سے قبول نہیں کیا، جس کی وجہ سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی غیر اطمنان بخش تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح کرایا۔ اس کے لئے مہر اور دوسرا ضروری سامان بھی دیا۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت زید بن حارثہ سے پیار تھا اور جب متبنیٰ کے بارے آیت آنے سے پہلے ان کو زید بن محمد کہتے تھے۔ پھر آیت متبنیٰ کے بعد تمام منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی والد کے نام سے پکارا جانے لگا اور حضرت زید بھی زید بن محمد کی بجائے زید بن حارثہ پکارے جانے لگے۔ حضرت زید بار بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت زینب کی شکایت کرتے، ان کا مقصد ان کو طلاق دینا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت یا موافقت لینا تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو صبر کی تلقین کرتے۔ بالآخر حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور طلاق کی عدت گذر گئی۔ طلاق کے بعد حضرت زید کی کوئی حضرت زینب کے لئے میلان یا رغبت نہیں رہی تھی۔ اور نہ جدائی کا احساس ہوا۔ اسی بات کا آیت مبارک میں ذکر ہے کہ جب اس (زید) نے غرض پوری کر لی۔ اس کے بعد کے واقعات کا آیت میں ذکر ہے۔

آیت نے نزول کے بارے مفسرین نے مختلف تفاسیر کیں ہیں۔ لیکن مستند یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوران اختلافات حضرت زینب و حضرت زید بن حارثہ، اللہ کی طرف سے اشارہ ہو چکا تھا کہ جب زید اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو ان کی مطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہو گا۔

یہ حکم اس لئے تھے کہ متبنیٰ کے بارے جو روایات سخت مضبوط تھیں ان کو منہدم کیا جائے۔ پہلا وار تو ان (متبنیٰ) کے اصل والد کے نام سے پکارنا تھا، تاکہ ان کی حقیقی نسبت کا اعلان ہو اور وہ قبول کیا جائے۔ دوسرا، ان کی وجہ سے جو اصل اولاد کو وراثت یا حقوق میں محروم کر دیا جاتا تھا، اس عمل سے روکنا تھا۔ تیسرا ان کو اصل بیٹوں کی طرح قرار دینے سے محرمات اور رشتوں کا جو سلسلہ بن گیا تھا اس کو ختم کرنا تھا۔ اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے اس اعلان کرنے والے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے سے ابتداء مقصود تھی تاکہ یہ ایک حقیقت بن کر جاہلیت کی رسومات کو ہمیشہ کے لئے پاش پاش کر دے۔ ان رسومات کا اثر اتنا گہرا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محسوس کر رہے تھے کہ مسلمانوں پر کس قدر مخالفین کا دباؤ شدید ہو گا اور ان کی ذات کو کس قدر نشانہ بنایا جائے گا۔ مسلمان ویسے بھی منافقین اور یہود، عرب قبائل سے دباؤ کا شکار تھے اور اعتراضات کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ یہ عمل اس کو مزید موقع فراہم کرے گا، لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے جس غلط رواج اور طریقہ کو ختم کر دیا تھا، اس کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے ابتداء بہت

ضروری تھی تاکہ قابل تقلید مثال قائم ہو۔

آپ ﷺ بار بار حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صبر کی تلقین کرتے تھے۔ آپ اس کو مؤخر کرنا چاہتے تھے تاکہ اسلام کی وقتی مزاحمت میں زیادتی نہ ہو اور مسلمان کو منافقین اور یہود کی طعنہ زنی سے بچایا جاسکے۔ آپ کی اس مصلحت اندیشی کو اللہ تعالیٰ نے رد فرمادیا اور نکاح کا حکم دے دیا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ کے ذریعہ پیغام بھیج کر حضرت زینب کو اپنی بیویوں میں شامل کرلیا(ابن جریر،ابن کثیر،روح المعانی)۔

اس مصلحت اندیشی پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کر دی کہ ترک اولیٰ بھی اس مقام سے مناسب نہیں اور اس سے امت مسلمہ کو بھی اطلاع دے دی کہ دین کے معاملات کسی بھی قسم کے ملامت یا دباؤ کو قبول نہ کیا جائے۔ واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ نبی ﷺ کے حضرت زینب کے نکاح کے بعد یہود اور منافقین نے پورا پروپیگنڈا کیا اور یہ بات یہاں ختم نہ ہوئی بلکہ غیر مسلم تاریخ نویس یا مذہبی رہنماؤں بالخصوص یہودی سکالرز آج تک اس پر زہر اگل رہے ہیں۔ واقعات کو غلط رنگ اور غلط تشریحات کرکے،اسلام دشمنی کی آگ ٹھنڈی کر رہے ہیں۔ ''**کان امراً مفعولا**'' بہر حال اللہ کا حکم تو ہونے والا ہی تھا۔ سے واضح ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے نکاح ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس پر ناز کرتی تھیں کہ ان کا نکاح حکم ربانی کا نتیجہ ہے۔ اس نکاح سے آپ کی ازواج کی تعداد چار سے بڑھ گئی اور اس تعداد سے زیادہ ازواج رکھنے کی خصوصی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل گئی جس کی وجہ سے ان کی تعداد گیارہ تک ہو گئی۔ جب کہ آپ عمر کے آخری حصے میں تھے۔

اسی طرح پرانے انبیاء، میں بھی یہ طریقہ رہا ہے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل گویا قضائے مبرم کی طرح (قدرا مقدوراً) ہے اور اس پر عمل لازم ہے، کسی کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں،خواہ ساری دنیا مخالف ہو جائے۔ یہ طریقہ ازواج پرانے انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ پرانے انبیاء علیہم السلام کی بھی ازواج کی تعداد نبی ﷺ کی نسبت بہت زیادہ تھی جو کہ اللہ کی منظوری کے بعد تھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پچھلی آیت مبارکہ (بحوالہ متبنیٰ) گذر چکے ہیں۔ حضرت زینب کی مختصر سوانح یوں ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی ﷺ کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ آپ کے والد کا نام جحش تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ بنو اسد سے تھے (قرطبیؒ)۔ آپ ان خواتین میں سے تھیں، جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی اور مدینے پہنچیں۔ آپ کا پہلے نام 'بردۃ' تھا۔ نبی ﷺ نے تبدیل کرکے زینب رکھ دیا۔ اور کنیت ام

الحکم تھی۔ آپ کے بھائی کا نام عبداللہ بن جحش تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بذریعہ انکے بھائی، اپنے آپ کو نبی ﷺ کے حوالے کیا۔ آپ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا لیکن حضرت زینب اور ان کے بھائی نے اسے اپنے حسب و نسب سے کمتر خیال کرتے ہوئے انکار کیا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یمن کے ایک محترم قبیلے کے فرد تھے لیکن مکہ میں بطور غلام خریدے گئے، اس لئے حضرت زینب ان کو کمتر سمجھتی تھیں۔ پھر ایک آیت کے حکم پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح پر راضی ہو گئیں۔ لیکن ان کے دل میں اپنی عظمت اور خاوند کی تحقیر رہی جس کی وجہ سے خانگی زندگی اچھی نہیں تھی۔ بالآخر حضرت زید نے طلاق دے دی۔ جب نبی ﷺ نے آپ سے شادی کی تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 35 سال تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت نیک، عبادت گذار اور بہت صدقہ و خیرات کرنے والی خاتون تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا 20 ہجری میں فوت ہوئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر پچاس سال تھی (البدایہ والنہایہ)۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

نبی ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو، جب انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو ان کو متبنیٰ قرار دے دیا اور اس کے بعد ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یہ نبوت کے اعلان سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت زید، بالغ افراد میں پہلے مسلمان تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پہلے مسلمان تھے۔ جب متبنیٰ کے لئے آیت نازل ہوئی کہ ان کو ان کے نسبی یعنی حقیقی والد کے نام سے پکارا جائے تو حضرت زید کا نام زید بن حارث ،اعلان ہوا اور اس کے بعد اسی کی تصدیق کے لئے آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ تم میں سے کسی کے بیٹے کے باپ نہیں۔ آپ ﷺ کی اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چار صاحبزادیاں (لڑکیاں) اور صاحبزادے قاسم، طیب، طاہر پیدا ہوئے جو کہ قبل از اسلام دنیا سے وفات پا گئے اور آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ جن میں تین آپ ﷺ کے زمانہ میں دنیا سے وفات پا گئیں اور صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ رہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے ایک اور صاحبزادہ آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جن کا نام ابراھیم تھا اور جو بلوغت سے پہلے وفات پا گئے (ابن کثیر)۔

آپ ﷺ کسی مرد کے نہ شرعی والد، نہ رضاعی والد، نہ کسی کو آپ نے شرعاً بیٹا بنایا کیونکہ شرعاً بیٹا اس کو بنایا جاتا ہے جو مجہول النسب ہو اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارث تھے، مجہول النسب نہیں تھے۔ ان کا نسب معروف تھا۔ آپ ﷺ کسی اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہ تھے۔ نہ نسبی، نہ رضاعی نہ متبنیٰ (روح المعانی)۔

خاتم النبیین:۔

آیت مبارکہ میں واضح طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کا یہ اعزاز ہے، دوسری متعدد آیات میں آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے یعنی قیامت تک نبی، ڈرانے والا، خوشخبری دینے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث میں بھی آپ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ چند احادیث مذکور ہیں، علماء نے اس پر کتب تحریر کی ہیں جن میں احادیث کی تعداد دو سو (200) کے قریب ہے۔

۱۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے حسین و جمیل گھر بنایا مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر کے گرد گھومنے لگے اور تعجب سے کہنے لگے۔ اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛ میں (قصر نبوت کی) وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (بخاری/مسلم/سنن الکبریٰ/مسند احمد)۔

۲۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا؛ بے شک اللہ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا (الیٰ قولہ) عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کا زعم ہوگا کہ وہ نبی ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد/ صحیح مسلم/ سنن الترمذی/ سنن ابن ماجہ اور صحیح بخاری میں ہے عنقریب تیس کذاب نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کا زعم ہوگا کہ وہ رسول اللہ ہے)۔

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول۔ (سنن الترمذی/مسند احمد/مستدرک للحاکم/مسند ابو یعلیٰ)۔

۴۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ (۱): مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں۔ (۲): اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔ (۳): میرے لئے غنیمتوں کو

حلال کیا گیا۔(۴):اور تمام سطح زمین کو میرے لئے ذریعہ عبادت اور نماز کی جگہ بنادیا گیا۔(۵):اور مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔(۶):اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا۔(صحیح مسلم/سنن الترمذی/سنن ابن ماجہ/مسند احمد)۔

قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کی بناء پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، کہ نبی ﷺ (حضرت محمد علیہ الوف والتحیۃ والتسلیم) آخری نبی ہیں اور اس کا انکار کفر ہے۔ نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہے اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں، ان الفاظ میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی اجازت نہیں، اس میں کوئی تاویل یا تخصیص کرنے والا اجماع کا منکر ہے اور کافر ہے۔ اس پر تمام صحابہ کرام، فقہائے امت، محدثین کرام سب کا اتفاق ہے۔

فتنہ جدید:۔

نبی ﷺ کے بعد حدیث کے مطابق کئی افراد نے نبوت کا دعویٰ کیا، لیکن مسلم حکمرانوں نے ان کو اپنے انجام (موت) تک پہنچادیا اور امت مسلمہ محفوظ رہی۔ بد قسمتی سے جب مسلمانوں پر عیسائی، حکمران بن گئے تو انہوں نے امت میں فرقوں اور مختلف افراد کو نبوت کے دعویٰ کرنے پر مدد دی اور ان کے افکار کو پھیلایا تاکہ امت میں افتراق و فساد ہو اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ مہدی سوڈانی، بہائی، مرزائی، علیجاہ، وغیرہ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو ان کو نہ صرف تحفظ دیا بلکہ ان کی مدد کی اور ہر اس فرد کی مدد کی جس نے نبی ﷺ کے بارے غلط اور ہتک آمیز تحریر لکھی تاکہ مسلمانوں میں فساد اور دل آزاری ہو اور اسے آزادی تقریر اور تحریر قرار دیا اور خود ان حکومتوں نے لادینی حکومت ہونے کا اعلان کیا جو ایک بہانہ ہے۔

ختم، اختتام، آخری عمل ہے جس کے بعد اضافہ نہیں ہوتا۔ جس طرح کہتے ہیں کہ خاتم القوم، اخرھم، خاتم القوم سے مراد قوم یا قبیلہ کا آخری آدمی ہے (لسان العرب، المورد)۔

نبی ﷺ کے آخری ایام اور اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد کئی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور سب کا انجام عبرت ناک ہوا۔ خصوصاً مسلمہ کذاب کے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قتال (جہاد) کیا اور ان کے افراد کو کافر قرار دے کر غلام بنایا گیا۔ اس کے علاوہ مختلف ادوار میں مختلف افراد نے جسارت کی لیکن سب کو تہہ تیغ کر دیا گیا، کیونکہ انہوں نے سراسر جھوٹ بولا اور دھوکہ دیا۔ پھر جب مغربی قوتوں نے مسلمان ممالک کو فتح کر کے تابع بنالیا اور مذہب میں افتراق پیدا کر دیا اور افتراق پیدا کرنے والوں کی خوب مدد کی۔ اس طرح فتنے پیدا ہوئے اور بڑھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾

اے ایمان والو! تم کثرت سے یاد کرو۔

وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

اور تم صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے اور مومنوں پر بہت رحم کرنے والا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

جس دن وہ اس (اللہ) سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور اس نے ان کے لئے عظیم اجر تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنے انعام واکرام کا ذکر فرمایا۔ پہلے حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یعنی یاد کرو، یہ ذکر فرائض نماز (پنجگانہ) کے علاوہ ہے۔ یہاں ذکر کثیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایسی یاد ہے کہ دل مشاہدہ جمال الٰہی سے غائب نہ ہو اور حضور قلبی سے غافل نہ ہو۔ ذکر الٰہی میں تقدیس (پاکی) تمجید (بزرگی) تحلیل (تکبیر) اور تحمید (حمد و ثناء) اور دوسری صفات کا ذکر کو تمام اوقات و حالات میں کرنا ہے۔ صبح اور شام کے اوقات کا ذکر ہے جس سے دن اور رات شامل ہیں اور ہر حالت میں خشکی اور سمندر، سفر اور حضر (سکونت) فقر اور غناء، صحت اور مرض، چھپ کر یا اعلانیہ یعنی ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔

ذکر کے درجات:۔

(۱): بعض ذکر کرنے والے زبان سے ذکر کرتے ہیں اور عقل سے اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت اور انس پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ذہن ذکر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ محض بے خیالی اور بے پرواہی سے ذکر کرتے ہیں بلکہ ان کا دل دنیا کی لذت و طلب میں مشغول ہوتا ہے۔ صرف ہاتھ کی تسبیح ہلا رہے ہوتے ہیں اور یہ تصنع ہے۔

(۲): بعض ذکر کرنے والے ذکر کے ساتھ اس کی اہمیت اور مقصود پر غور و فکر کرتے ہیں لیکن ان کی غور و فکر کا درجہ بہت معمولی ہوتا ہے۔ دل میں محبت نہیں ہوتی، استغراق نہیں ہوتا۔ یہی نیک لوگوں کا ذکر ہے۔ پہلے درجہ کی نسبت زیادہ مقبول ہے۔

(۳): کچھ ذکر کرنے والے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ کی عظمت اور نشانیوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ ان کے

دلوں میں اللہ کی محبت ہوتی ہے لیکن روح اللہ کی یاد سے منہمک اور تجلیات میں مستغرق نہیں ہوتی۔ یہ عارفین اور اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔

(۴): بعض کا ذکر نہ صرف زبان بلکہ عقل، قلب اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس طرح لوہے پر زنگ لگتا ہے اس طرح دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا؛ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ زنگ کس طرح صاف ہو گا؟ آپ نے فرمایا؛ کتاب اللہ کی بکثرت (سمجھ کے ساتھ) تلاوت کرنے سے اور اللہ عزوجل کا بہت زیادہ ذکر کرنے سے (کنزالاعمال)۔ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذارش کی کہ اسلام کے احکام زیادہ ہیں، ایسا عمل بتائیں جس کو میں مضبوطی سے عمل کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے (ذکر جاری رہے) ''لا یزال لسانك رَطْبًا من ذكر الله عز وجل'' (ترمذی/ابن ماجہ)۔

انعامات کا ذکر:۔

اللہ کو یاد کرنے والوں کا اعزاز و انعام کا ذکر بھی کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور نہ صرف ذات ربانی مہربانی و اکرام کرتے ہوئے رحمت نازل فرماتی ہے، ساتھ ہی اس کے فرشتے بھی ان کے لئے دعا اور سلامتی کی تمنا کرتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو کوئی میرا ذکر خاموشی (تنہائی) میں کرتا ہے میں اس کو خاموشی میں یاد کرتا ہوں اور جو لوگوں میں ذکر کرتا ہے، میں اس کا ذکر ان سے بہتر لوگوں میں کرتا ہوں (بخاری)۔ ''فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ.''۔ اللہ تعالیٰ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی رحمت (صلوۃ) کا ذکر فرمایا، تو کچھ اصحابِ رسول نے اسی طرح کی رحمت کی ان کے لئے بھی تمنا کی، جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کرتے ہوئے آیت مبارکہ میں ذکر کرنے والوں پر صلوۃ کا ذکر کیا (قرطبیؒ)۔ ''هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ'' کہ وہ ذکر کرنے والوں پر رحمت و کرم اور اس کے فرشتے بھی ان کے رحمت و فضل کی دعا کرتے ہیں۔ مومنین کے ذکر، فرشتوں کی ان کے لئے دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کی تفسیر کفر سے ایمان، جہالت سے علم، گناہوں یا معصیت سے نیکی یا اطاعت کی طرف لے جانا، اسی طرح انسانی بری صفات سے نکال کر اچھی صفات کو غلبہ دینا تاکہ معاشرہ برکت و سلامتی سے بھر جائے۔ دلوں کو دنیا کے رذائل سے نکال کر رحمت کی تجلیات کیطرف مائل کرنا ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کو اپنی زندگی میں

اپنانا ہے۔ پھر قیامت میں دوزخ سے بچا کر جنت میں مقام و سکونت عطا کرنا ہے۔

مومنین پر دنیا و آخرت میں خصوصی رحمت فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا میں بھی کامیابی اور آخرت میں بھی عذاب سے نجاعت ہے۔ ذکر سے مراد حقیقی ذکر ہے کہ ہر عمل کے وقت اللہ کی یاد آجائے اس کے احکام نگاہ میں ہوں اور اگر ان کی خلاف ورزی ہو گئی تو بہت بڑا گناہ ہو گیا۔ ایک حدیث کے مطابق جب کوئی مسلمان گناہ کبیرۃ کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے (ختم ہو جاتا ہے) جب تک وہ توبہ نہیں کرتا واپس نہیں آتا۔ یہ رحمت یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کا انعام یہ ہے وعدہ والے دن ان پر سلامتی یا سلام ہو گا۔

عربی میں تحیۃ یا حیاک اللہ، کا معنی ہیں زندگی و سلامتی کی دعا کرنا۔ نیک دعا کو تحیۃ اور ملاقات کے وقت نیک خواہشات کے اظہار کو تحیۃ کہتے ہیں۔ یہ مومنین کے لئے فرشتے جنت میں استقبال کے وقت دعا پیش کریں گے اور ایک حدیث جو کہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ موت کا فرشتہ (ملک الموت) ہر مومن کی روح قبض کرنے سے پہلے اسے سلام کرے گا۔

اس کے بعد جنت کے اندر بھی انعامات واکرام کا سلسلہ جاری رہے گا۔ جس کا ذکر یوں کیا کہ ان کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اور جنت میں اعلیٰ رہائش، کھانے، لباس، ازواج، اولاد اور دوستوں سے رابطے پھر دوسرے خدام اور خادمائیں، مناظر جمیلہ اور وہ انعامات جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے عطا کئے جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾

اے نبی! بلا شبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔

وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

اور مومنوں کو بشارت دے دیجئے کہ بے شک ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے اور ان کی ایذا رسانی نظر انداز کر دیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ کارساز کافی ہے۔

نبی کی گواہی:۔

آیات مبارکہ میں نبی ﷺ کی صفات و درجات کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ کو گواہی دینے والا فرمایا گیا۔ آپ ﷺ کی گواہی کے مختلف توضیحات ہیں۔ (۱): قیامت کو آپ ﷺ اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے اور بخشش طلب کریں گے۔ آپ نے اپنی امت کو اللہ کا پیغام پہنچایا جس طرح خطبہ حج الوداع کے موقعہ پر آپ ﷺ نے لوگوں سے گواہی لی تھی۔ امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے فرشتے کچھ سیاحت (گھومتے پھرتے) کرتے ہیں جو میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم حدیث بیان کرتے ہو۔ تمہارے لئے حدیث بیان کی جاتی ہے اور وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ جو نیک عمل دیکھتا ہوں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے عمل دیکھتا ہوں ان پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں (مسند البزاز / البدایہ والنہایہ)۔

غیاب اور حضور:۔

حدیث مبارکہ میں فرشتوں کی کارکردگی جو بیان کی گئی ہے، اس کی ایک معمولی مثال آج، مصنوعی عقل (Artificial Intelligance) دکھا رہی ہے۔ اس کی تصویر اہل عقل کو نبی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے بتا دی تھی۔ آج 2022 میں لاکھوں لوگ بیک وقت یوٹیوب (Youtube) اور فیس بک (Facebook) دیکھ رہے اور کئی پلیٹ فارم ایسے ہیں جہاں آواز، تصویر، معلومات ہر وقت میسر ہیں اور وقت اور فاصلے مٹ گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نظام کا اشارہ دیا کہ اللہ کے فرشتے ساری کائنات میں یہ کام کر رہے ہیں۔ فرشتے نور سے بنے ہیں (روشنی یعنی انرجی سے ہیں)۔ مادی وجود نہیں رکھتے اور انہیں ہم دیکھ نہیں سکتے جس طرح ہم الیکٹرومیگنیٹک سگنلز (برقی و مقناطیسی سگنلز) کو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ان کی کارکردگی، آواز، تصویر یا عمل کی صورت میں دیکھ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نظام انسانی پیدا کردہ نظام سے کئی گنا، زیادہ ایڈوانس اور اعلیٰ ہے۔ منکر نکیر کے ذریعے قبر میں سوالات، نبی ﷺ کی زیارت، آپ پر درود و سلام، انسان کے اعمال و خیالات کو انسان کے ساتھ متعین فرشتوں (کراماً کاتبین) کے ذریعے پہنچانا اور محفوظ کرنا، اسی طرح شیطان کے ایجنٹ شیاطین اور جنات کا عمل، جو انسان کے ذہن کو متاثر کرتے ہیں، اب بڑے واضح طور پر ثابت ہو گئے ہیں۔ غیب کے علوم پر جو بحث محض ضد کی وجہ سے نفرت کا سبب بنی، وہ صرف انسانی ضد، لاعلمی اور غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ مذہب کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ساری کائنات میں امور اور ان کے اسباب و

کردار، اللہ کے حکم سے، اللہ کے پیدا کردہ متعین کردہ فرشتے، سرانجام دیتے ہیں، جس طرح حدیث میں ہے کہ فرشتے کائنات میں گھومتے ہیں۔ اخبار (پیغام) پہنچاتے ہیں۔ اولیاء کرام کی بھی مثالی اجسام کے ذریعہ ملاقات اور گفتگو کی جاتی ہے۔ ہدایات دی جاتی ہیں، جن کے لئے، فاصلے اور زمانہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ جس طرح آج ہم جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ دیکھ رہے ہیں، اس کی مثال 3-D ہالوپورٹیشن (Haloportation) کے ذریعے جسم کو دکھانا ہے۔ ہمارے صوفیاء اور علماء نے ہزار سال قبل اس (مثالی جسم) کی اطلاع دی تھی۔ روح اور مقام کا تعلق بھی اسی طرح ہے۔ روح ایک لطیف جسم یعنی ایک انرجی ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ ابھی تحقیق ہو رہی ہے کہ لائیٹ (روشنی / نور) ختم نہیں ہوتی۔ اس کا ثبوت یہ دیا گیا ہے کہ ستارے جو کہ لاکھوں نوری سال زمین سے دور ہیں ان کی روشنی (نور) زمین تک اب ہمارے پاس پہنچ رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ لاکھوں سال سے وہ چل رہا ہے یعنی ایک طرح کا وجود (غیر مادی) قائم رہا ہے اور آگے چلتا رہے گا۔

در حقیقت تمام امور کی قوت، منبع و مأخذ، اللہ کی ذات ہے۔ جس کی ایک تشریح، نظریہ وحدت الوجود بھی ہے۔ دیگر مختلف مظاہر ہیں اور ہر مظہر یا قوت یا عمل کا اپنا اپنا انداز، استعداد اور اثر ہے۔ سب کا ذریعہ، ذات ربانی ہے جو یکتا ہے، بے مثال ہے۔ اس کا کوئی کسی طرح کا مثل نہیں۔ واحد لاشریک ہے اور ہر دوسری ذات اس کی محتاج ہے، خواہ نبی ہے، ولی ہے یا کوئی بھی ہے۔ لہٰذا شرک کا وجود اور اس پر علم غیب و حاضر کی بحث ایک محض تنازعہ اور شیطانی عمل ہے۔ ہاں اگر کوئی بالکل جاہل ہے اور خدا کی عظمت اور وجود کی حقیقت سے لاعلم یا منکر ہے تو وہ شرک کر سکتا ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ ایک کلمہ گو جو کہ کلمہ کے معنی کو سمجھتا اور جانتا ہے۔ اس کو محض تشریح و توضیح میں اختلاف کی وجہ سے کافر کہنا گناہ ہے۔ ہاں غلط کہا جا سکتا ہے۔ یہ مسئلہ ہند و پاک میں چند مذہبی علماء کی اختلافی تشریح کے نتیجہ میں 1858 کے بعد پیدا ہوا اور بڑھتا گیا۔ اب ان کے پیروکار اپنے خیالات کی تشہیر پر ساری قوتیں خرچ کر رہے ہیں۔ انکو، دوسرے کی بات سننا اور غور کرنا بھی گوارا نہیں جو امت مسلمہ (ہند و پاک میں) کی بدقسمتی ہے۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایک اور گواہی دوسرے انبیاء کے عمل تبلیغ، رشد و ہدایت کی ہے۔ جس کی تفصیل حدیث میں ہے جو کہ حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہو گا، ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے، ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے، اس سے کہا جائے گا؛ کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا؛ ہاں۔ پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی، وہ کہیں گے نہیں۔ پھر اس نبی سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے حق میں کوئی گواہی

دے گا؟ وہ کہیں گے محمد ﷺ کی امت، پھر امت محمدیہ (ﷺ) کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا؛ کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ سب رسولوں نے تبلیغ کی ہے (سنن کبریٰ للنسائی)۔

نبی ﷺ نے قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ میں اللہ کے وجود، اس کی نعمتوں، جنت، دوزخ، حساب و کتاب قیامت کے بارے آگاہی دی جو ان امور پر شہادت ہے۔ اسی طرح سفر معراج میں آپ کو ان امور سے متعلقہ مشاہدات بھی کرائے گئے۔

ڈرانے اور خوشخبری دینے والا: آپ ﷺ کی صفات اور اسم میں، بشیر ہے یعنی خوشخبری دینے والا۔ ان لوگوں کو جو اللہ کے احکام اور نبی ﷺ کے طریقے پر چلتے ہیں، ان کو جنت میں اعلیٰ مقام کی خوشخبری دی۔ اللہ کی رضا اور اس کی رحمت کی خوشخبری دی، تاکہ ان کے نیکی کے اعمال میں مزید اضافہ ہو۔ اس وجہ سے مزید ان پر اللہ کے انعام اور اکرام ہوں۔ جو اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں یا اگر اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل نہیں کرتے، منافقانہ رویہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ جہنم کے عذاب، قیامت کی ہولناکی اور دنیا میں بھی عذاب سے ڈرایا اور یہ پیغام تمام کو اپنی زندگی میں پہنچایا۔

سراج منیر: آپ ﷺ کی ذات کو تمام انسانیت اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک روشن منور چراغ بنایا۔ اللہ کے احکام سے انسانیت کو آگاہ کر کے آپ ﷺ نے گمراہی کے اندھیروں، کفر اور جہالت سے ان کو اسلام کے نور کی طرف لے آئے۔ آپ ﷺ کی ذات کی وجہ سے انسانیت نے کرہ ارض پر ایک اعلیٰ سماجی، معاشرتی نظام کو جانا جس میں قیامت تک انسانیت کی راہنمائی ہے۔ اس نور (روشنی) نے انسان کے مرتبہ و مقام کو واضح کیا۔ انسان کے مقاصد، ان کے حصول کے طریقہ کار کو بتایا۔ زندگی کے مسائل کا حل دیا۔ آپ ﷺ اللہ کی طرف بلانے والے یعنی اس نظریہ کے داعی تھے۔ آپ ﷺ ایک عام مبلغ نہیں بلکہ، ایک متعین کردہ مبلغ ہیں، جن کو عظیم قوت (اللہ تعالیٰ) نے متعین کیا ہے۔ لہٰذا آپ کے احکام بھی واجب العمل ہیں۔ ان کا انکار اس قوت عظیم کا انکار ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اعلیٰ کردار سے نہ صرف ثابت کیا بلکہ دس گیارہ سال کے عرصہ میں نظام قائم کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کا کردار و عمل، اس کی گواہ ہے۔ اللہ کے وجود اس کی عبودیت اور وحدانیت، انسان کا مقام، ایک صالح اور پر امن معاشرہ ثابت کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کی ذات سے منور ہونے والے چراغ، آپ کے صحابہ کرام تھے جن میں سے بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انسانیت کے لئے عظیم کارنامے سرانجام دیئے۔

اسلام کے احکام کی تنفیذ میں منافق جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، احکام کی تعمیل سے جان چراتے

تھے۔ دوسری طرف کفار اور یہود ہر معاملہ میں مخالفت کرتے تھے۔ بالخصوص، تحویل قبلہ ہو یا جنگ خندق، غزوۃ تبوک، عورتوں کا پردہ، غلاموں کی آزادی، عورتوں کے حقوق، عدل کا نفاذ، غرباء اور فقراء کی خدمت، متبنیٰ اور پردے کے مسائل، پر احکام کی مخالفت کرتے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی دی گئی، کہ ان کی پرواہ نہ کریں اور اپنے فرائضِ نبوت اور داعی الی اللہ کی دعوت جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، وسائل کا استعمال کریں اور ان کی کمی کے باوجود اللہ پر بھروسہ ہی اہم ہے۔ اور وہی سب سے بہتر کارساز اور خیال کرنے والا ہے۔ یہ تعلیمات جو نبی ﷺ کو فرمائی گئیں ہیں دراصل تمام انسانوں اور بالخصوص دعوت حق دینے والوں کے لئے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں ہاتھ لگانے (عمل زوجیت) سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اس (عدت) کو شمار کرو۔ لہٰذا تم انہیں کوئی فائدہ (مال) دو اور حسن سلوک سے رخصت کرو۔

آیت میں نکاح کے بعد طلاق کے بارے احکام ہیں۔ نکاح کا لفظ عربی شاعری و ادب میں عقد اور کبھی عمل زوجیت (وطی) کے لئے استعمال ہوتا ہے (عقد کے معنی کو ترجیح ہے)۔ بالعموم قرآن مجید نے شائستگی اور حیا کے پیش نظر وطی کے لفظ کے لئے اشارہ و کنایہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جس طرح یہاں چھونا (ہاتھ لگانا) کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن مقصود عمل زوجیت ہے۔

اسلام میں اہل کتاب سے نکاح (شادی) کی اجازت ہے اور اہل کتاب وہ ہیں جو آسمانی کتب پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی یہودی، عیسائی اور ان کے عقائد اب بھی وہی ہیں جو ابتدائے اسلام کے وقت تھے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کا حصہ مانتے ہیں (ردالمختار)۔ مومنات کا ذکر کر کے مسلمان کے لئے مومنہ عورت کے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔

فقہ (قانون شریعت) میں اس آیت کی تشریح میں فقہاء نے مختلف آراء دی ہیں۔ اگر نکاح کے بعد عمل زوجیت ہوا تو پورا مہر دینا ہوگا اور ساتھ مزید تحفہ دیا جائے تو بہتر ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر کسی شخص نے نکاح کیا اور اس کے پاس وہ عورت تنہا رہی جہاں وہ عمل زوجیت کر سکتے تھے۔ اس عمل میں کوئی طبّی، شرعی یا قانونی و سماجی (احترام شخصی و دن و موقعہ) مانع نہیں تھا تو فقہائے احناف کے نزدیک، مرد نے گویا عمل زوجیت حکماً کر لیا اور اس پر پورا مہر دینا لازم ہے۔ اس نے گویا عورت کو ہاتھ لگا دیا۔ کیونکہ عورت کی طرف سے

کوئی مانع نہیں تھا اور اس نے موقع فراہم کر دیا تھا۔ دوسرے فقہاء (فقہ شافعیہ و مالکیہ) کہتے ہیں کہ جب تک عملی طور پر عمل زوجیت نہیں ہو گا پورا مہر لازم نہیں آئے گا اور صرف نصف مہر دینا ہو گا اور اگر ساتھ تحفہ بھی دے تو بہتر ہے، کیونکہ آیت میں حسن سلوک سے رخصت کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ان کی ذات کے بارے عیوب نہ نکالے جائیں۔ عدت نہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ حمل کا امکان نہیں ہے۔ اس لئے عورت فوراً دوسری شادی کر سکتی ہے۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع کیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور آپ کی ان کنیزوں کو جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے دی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ آپ کے لئے حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لئے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ حکم صرف آپ کے لئے مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ بے شک ہم اس چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان (مومنوں) پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے (آپ کے لئے یہ خصوصی حکم ہے)۔ اس لئے کہ آپ پر کوئی دشواری نہ ہو اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہے۔

آیات مبارکہ میں نبی ﷺ کے لئے خصوصی ازواج و نکاح کے احکام ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ حق مہر کے ساتھ نکاح کیا اور حق مہر ادا کیا۔ جب آپ ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو آپ ﷺ کی عمر پچیس (25) سال تھی۔ ان کی وفات تک وہ کم و بیش پچیس سال آپ ﷺ کی زوجہ رہیں۔ پھر ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ایک سن رسیدہ بیوہ (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کی اور جو ایک

سال مکہ میں رہی۔ ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں آپ ﷺ نے نکاح کیا۔ دوسرے سال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت تک آپ ﷺ کی ازواج کی تعداد دو تھی اور آپ ﷺ کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ آپ کا مہر پانچ سو درہم تھا (مجاہد)۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حبشہ میں ہوا، اور نجاشی نے آپ کی طرف سے مہر چار سو دینار رکھا۔ حضرت صفیہ بنت حیي رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر، ان کا آزادی کا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا وہ قیدی بن کر آئی تھیں۔ اسی طرح حضرت جویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت الحارث بنو المصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کا بدل کتابت حضرت ثابت بن قیس کو ادا کیا اور نکاح کیا۔ کنیزوں میں سے حضرت ریحانہ بنت شمعون اور حضرت ماریہ قبطیہ جو مصر سے آئی تھیں انہوں نے نکاح کے بجائے کنیز رہنا پسند کیا اور ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراھیم پیدا ہوئے جو کم سنی میں وفات پا گئے۔

کچھ خواتین نے خود کو ہبہ کیا یعنی ان کی خواہش تھی کہ وہ آپ ﷺ سے نکاح کریں۔ آپ ﷺ کو اس اجازت دی گئی کہ آپ ﷺ کو ان سے بلا مہر ازواج کی اجازت تھی، لیکن آپ نے کسی کو قبول نہیں کیا یا مہر ادا کیا۔ یہ آپ ﷺ کے لئے خصوصی اجازت تھی۔ عام مسلمانوں کے لئے اجازت نہیں جب تک وہ اس کا مہر مقرر کر کے نکاح نہ کرے اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل (معیاری مہر) واجب ہو گا۔ عام مسلمانوں کے لئے چار تک نکاح کرنے کی پابندی ہے بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف و عدل کر سکیں۔ مہر اور گواہان بھی ضروری ہیں اور عورت عاقل و بالغہ ہو اور راضی ہو۔ اگر نابالغ ہونے کی صورت میں اس کے والی (ولی/سرپرست) کی رضامندی ضروری ہے۔ تعدد ازواج کی رخصت صرف نبی ﷺ کے لئے ہے تاکہ ان کے کاموں میں آسانی ہو اور سب سے زیادہ معلومات عورتوں کو عورتوں کے ذریعہ ملیں جن میں ہر عمر کی خواتین، نوجوان اور بوڑھی (ادھیڑ عمر) شامل ہوں، کیونکہ عرب ایک جاہل قوم تھے اور عورتوں کا درجہ بہت کم تھا اور مسائل کے حل کے لئے تربیت کی ضرورت تھی جو امہات المومنین نے پوری کی۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی بیویوں کا تعلق قریش کے اہم خاندانوں سے بھی تھا۔ حضرت صفیہ اور ریحانہ یہودی خاندان سے تھیں۔ آپ ﷺ نے خواتین کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا۔ اس سے اسلام کی وسعت نظری سامنے آئی۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱

آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں مؤخر کریں (چھوڑ دیں) اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جنہیں آپ نے الگ کر دیا، ان میں جسے بھی آپ (اپنے پاس رکھنا) چاہیں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ (اختیار)

اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگیں نہ ہوں اور جو کچھ بھی آپ انہیں دیں وہ سب اس پر راضی ہوں اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، نہایت حلیم ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

اور ان کے بعد آپ کے لئے اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ (جائز ہے) کہ آپ ان (موجودہ بیویوں) کی جگہ اور بیویاں بدل لیں اگرچہ ان کا حسن آپ کو اچھا لگے۔ سوائے ان کنیزوں (لونڈیوں) کے جن کے مالک آپ بنے ہیں (مال غنیمت میں) اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

آیات مبارکہ میں نبی ﷺ سے متعلق احکام ہیں۔ آپ ﷺ پر ازواج کی تعداد کی پابندی اٹھائی گئی۔ پھر ازواج مطہرات کو طلاق کی اجازت بھی دی گئی۔ جسے چاہیں ساتھ رکھیں، سے ایک مراد یہ ہے ازواج کے درمیان آپ مساوات کے پیش نظر باری باری ہر ایک کے پاس رات گذارتے تھے۔ اس میں آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ اگر آپ اس مساوات کو ختم کرنا چاہیں تو کر دیں اور کسی کو دوبارہ شامل کرنا چاہیں تو کر لیں۔ نبی ﷺ کے جب ازواج کی تعداد زیادہ ہوئی تو آپ ﷺ ہر ایک پاس باری باری وقت گذارتے تاکہ انصاف رہے اور ان کے درمیان حسد وغیرہ پیدا نہ ہو۔ اس آیت کے بعد نبی ﷺ کو اس میں تبدیلی کی اجازت مل گئی۔ مگر آپ نے اسے نافذ نہیں کیا بلکہ اسی طرح باری باری جاتے تھے۔ اس میں صرف تبدیلی اس وقت ہوئی جب نبی ﷺ کی بیماری زیادہ ہو گئی۔ تو آپ ﷺ نے دوسری ازواج سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کیا۔

جب آپ کی ازواج نے دنیا کی زینت کے مقابلے میں آپ کے ساتھ زندگی کو ترجیح دی، تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو طلاق دینے سے منع کر دیا۔ نبی ﷺ کے لئے کچھ خصوصی احکام تھے۔ کہیں آپ ﷺ کو مومنین کے مقابلے زیادہ اجازت دی گئی اور کہیں آپ پر اس کے مقابل کچھ پابندیاں لاگو کی گئیں۔

(۱) نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی آل (آل عبد المطلب) پر زکوٰۃ لینا حرام کی گئی۔

(۲) نفلی صدقہ بھی آپ ﷺ پر حرام کر دیا گیا۔ اگرچہ دوسری آل کو اس کی اجازت دی گئی۔

(۳) ازواج کو بدلنا منع قرار دے دیا گیا۔ جب یہ حکم آیا تو آپ ﷺ کی ازواج کی تعداد نو تھی۔

(۴) آپ ﷺ کا کوئی نسبی وارث نہیں۔

(۵) آپ ﷺ کی ازواج آپ ﷺ کے وصال کے بعد نکاح نہیں کر سکتیں (آپ ﷺ کے

نکاح میں رہیں گی)۔

نبی ﷺ کو کچھ خصوصی مراعات دی گئیں

(۱) مال غنیمت کا پانچواں حصہ (1/5) آپ کے اخراجات کے لئے حلال کیا گیا۔

(۲) چار عورتوں سے زیادہ نکاح کی اجازت دی گئی۔

(۳) مکہ میں احرام کے بغیر داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔

ازواج میں مساوات:۔

نبی ﷺ نے خود بھی مساوات کی مثال قائم کی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان ظاہری امور میں پوری پوری مساوات کی جائے اور باریاں مقرر کی جائیں تاکہ نظام قائم ہو۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے عقد میں دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کے جسم کی ایک جانب ساقط ہو گی (متعدد کتب حدیث)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی ازواج کے درمیان جو تقسیم کرتے تھے اس میں عدل فرماتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے؛ اے اللہ! یہ میری ان چیزوں میں تقسیم ہے جن کا میں مالک ہوں سو تو مجھے ان چیزوں کی تقسیم میں ملامت نہ فرمانا جن کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں (یعنی ان کے درمیان محبت میں برابری کرنا جو انسانی بس میں نہیں)۔ متعدد کتب احادیث۔

نبی ﷺ نے ہدایت کی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کنواری عورت سے نکاح کرے تو کنواری کے پاس سات دن رہے، (زیادہ رہے) اور جب اپنی بیوی پر بیوہ سے نکاح کرے تو اس بیوہ کے پاس تین دن رہے۔ (اس کے بعد برابر وقت تقسیم کرے)، (روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ ترمذی/دارمی/ابن ماجہ)۔

نبی ﷺ نے ہونے والی بیوی کو شادی سے پہلے دیکھنے کی بھی اجازت دی ہے لیکن ترجیح یہ ہے کہ بغیر اعلان کے دیکھا جائے تاکہ انکار کی صورت میں اس کی دل شکنی نہ ہو۔ اس لئے انجانے میں دیکھنا چاہیے۔

بکر بن عبداللہ المزنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا؛ اس کو دیکھ لو، تمہارے درمیان دائمی رفاقت کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے (ترمذی/النسائی)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو دیکھ لیں (النسائی)۔

انسانی احترام،انسانی ضرورت کے مطابق، کس قدر خوبصورت اور مفید ہدایات ہیں۔آج مغرب میں جہاں دوسری عورت کی اجازت نہیں وہاں طلاق کی شرح بہت زیادہ ہے اور سنگل والدین یا سرکاری والدین کے ہاں بچوں کی پرورش ہوتی ہے جو ان کی شخصیت اور کردار سازی میں کمزوری پیدا کر دیتی ہے۔ جن ممالک میں غربت ہے وہاں عورتیں روزگار نہ ملنے کی وجہ سے معاشرتی خرابیوں کا سبب بن جاتی ہیں اور ان کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے جبکہ نکاح رہنے کی صورت میں مرد کی ذمہ داری باقی رہتی ہے اور وہ معاشی طور پر کم محتاج ہوتی ہیں۔اسلام میں تنگی کی صورت میں عورت کے نان نفقہ کے مطالبہ کا حق اور طلاق لینے کا بھی حق ہے جسے وہ اپنے مفاد میں استعمال کر سکتی ہے۔یہ حقوق آج سے چودہ سو سال پہلے دیئے گئے۔

نکاح کے لئے رشتوں میں اجازت کے لحاظ سے اسلام کا نظام معتدل ہے۔یہودیت میں آدمی کو اپنے بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی (بھانجی، بھتیجی) سے نکاح کی اجازت ہے۔اور عیسائیت میں چچا کی بیٹی، پھوپھی کی بیٹی، ماموں کی بیٹی اور خالہ کا بیٹی (کزن) سے نکاح جائز نہیں تھا۔اسلام نے ان دونوں کے مقابل متوسط رکھا ہے کہ بھانجی اور بھتیجی سے نکاح منع ہے لیکن کزن (چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیوں) سے نکاح کی اجازت ہے۔

جنگی قیدی:۔

اسلام سے پہلے جنگی قیدی قتل کر دیئے جاتے تھے تاکہ دوبارہ وہ دشمن کی فوج کا حصہ نہ بنیں یا انہیں جنگی قیدیوں کا تبادلہ میں واپس کیا جاتا یا انہیں مالی معاوضہ کے باعث واپس کیا جاتا۔اسلام نے ان دو امور کو جاری رکھا یعنی معاوضہ پر واپسی یا جنگی تبادلہ یا غلامی۔غلامی کو انسانی موت پر ترجیح دی گئی کہ دشمنی کی وجہ سے ان کو ہمیشہ کے لئے زندگی سے محروم نہ کیا جائے۔اس طرح وہ عورتیں جن کے خاوند قتل ہو جاتے تھے ان کی سماجی و معاشی بحالی ایک مسئلہ تھا۔ اس وقت کی حکومت کے پاس اس قدر وسائل نہیں ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ کوئی منظم تنخواہ دار فوج نہیں تھی۔لوگ اپنے سامان حرب کے ساتھ اپنی معاشی جدوجہد چھوڑ کر جنگ پر جاتے اور دفاع کرتے۔اس کے بدلے ان کو مال غنیمت بھی ملتا تاکہ ان کا معاشی نقصان پورا ہو جائے اور پھر وہ عورتیں جن کے خاوند قتل ہو جاتے اور قید ہو جاتیں ان کی بحالی کے لئے حکومت (سربراہ لشکر) قیدی خواتین کو ان فوجیوں (مجاہدین) کے درمیان مساوات سے تقسیم کر دیتا۔یہ ایک طرح کا قانونی عقد ہوتا جس میں اس عورت کی ساری ذمہ داری اس شخص پر ہوتی جس کو وہ ملتی۔اس کا کھانا پینا، لباس اور وہ عورت اس کی خادمہ ہوتی اور اس کے ساتھ وہ ازدواجی (جنسی) تعلقات کی بھی اجازت تھی تاکہ عورت اور مرد دونوں کی ضرورتیں پوری ہو سکیں اور وہ ایک دوسرے کی تسکین کا سامان بنیں گے تو سماجی تعلق بہتر ہو گا۔ان کی تعداد پر پابندی نہیں تھی۔

اگراس عورت کا خاوند بھی قید میں ہوتا تو جنسی تعلقات کی اجازت نہیں تھی۔وہ عورت اپنے مرد کے ساتھ جنسی تعلق رکھے گی البتہ خدمت اس شخص کی کرے گی جس کو وہ بذریعہ عقد ملی ہے۔اگر عورت حاملہ ہے تو بھی اس کے مالک کو اس کے ساتھ جنسی عمل منع ہے،جب تک ولادت نہ ہو جائے۔بعض اوقات مالک اور خادم کے درمیان مشکلات پیدا ہو جائیں،تو ان(غلام) کو ایک دوسرے فرد کے پاس منتقل کرنے کے احکام واجازت تھی تاکہ مالک اور غلام دونوں کے لئے آسانی ہو۔اگر کسی خادمہ عورت کو حمل ہو جاتا اور اولاد ہو جاتی تو وہ ایک طرح سے آزاد ہو جاتی اور بیوی کی طرح تصور ہوتی اسے کسی دوسرے کے پاس منتقل نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اسلام میں تقریباً دس گیارہ ایسے احکامات ہیں جن کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے مثلاً روزہ توڑنا،عورت کو حرام قرار دینا(ظہار)،قسم توڑنے کا کفارہ،قتل خطاء وغیرہ۔اس کے علاوہ غلام کو آزاد کرنا گویا دوزخ سے آزادی حاصل کرنا ہے۔نبی ﷺ نے اپنے غلام حضرت زید ﷺ کو آزاد کیا اور کئی معرکوں میں دستوں یا فوج کا کمانڈر بنایا اور وہ ایک معرکہ میں کمانڈر تھے کہ شہید ہو گئے۔**غلام کو آزادی حاصل کرنے کا حق دیا اور مالک پر واجب کر دیا کہ اگر وہ آزادی طلب کرے تو معاوضہ لے کر اسے آزاد کرے** اور غلام،حکومت سے زکوٰۃ کے فنڈ میں سے رقم لے کر اپنی آزادی لے سکتا ہے یا ادارہ سے صدقہ وزکوٰۃ کے فنڈ میں سے رقم لے کر اپنی آزادی لے سکتا ہے یا افراد سے صدقہ وزکوٰۃ لے کر آزادی حاصل کر لیتا ہے۔یہ رقم قرض نہیں تھی بلکہ اس کا ریاست پر حق ہے یا ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ آزادی حاصل کرے اور آزاد انسان رہے یہ غلامی کو قانونی طور پر ختم کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔اس سے عقل مند غلام آزاد ہو جاتے اور جو غلام محنت سے بچنے کے لیے غلام رہنا آسان سمجھتے وہ غلام رہتے۔اگر غلام دو افراد میں مشترک ہے اور ایک نے آزاد کر دیا تو دوسرے کو آزاد کرنا ضروری ہے۔یہ بھی بڑی رعایت تھی۔

اگر غلام دو افراد میں مشترک ہے اور ایک نے آزاد کر دیا تو دوسرے کو آزاد کرنا ضروری ہے۔

فوری طور پر(بیک وقت) قانون سے غلامی کو اس لئے ختم نہیں کیا گیا کہ ان کی سماجی ومعاشی بحالی کیسے ممکن ہو،جب کہ ریاست کے وسائل کم تھے۔اسلام کے احکام کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام میں بتدریج غلامی ختم ہو گئی۔جب کہ یورپ اور افریقہ میں اٹھارویں صدی عیسوی تک جاری رہی۔اسلام میں غلام اپنی اہلیت پر حکمران بنے اور ہندوستان میں تو ایک خاندان غلاماں کی بادشاہت رہی جس کے سارے بادشاہ،غلام تھے۔لہٰذا اسلام پر الزام محض یورپین سکالرز کا تعصب اور ہٹ دھرمی ہے۔

اب جب غلامی ممنوع ہے تو اسلام میں اس کی ممانعت اول درجہ پر ہے کیونکہ اسلام،انسانیت کے اعلیٰ اخلاق واقدار اور انسانی مساوات وعدل کا دین ہے۔اس وقت غلامی کو برقرار رکھنا انتظامی مجبوری تھی۔

خالق انسان نے انسانوں کے لئے کس قدر فطری نظام دیا ہے جو انسانی طبائع کے مطابق ہے لیکن بد قسمتی ہے کہ انسان اپنی نفسانی کمزوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے شیطان کا شکار ہو کر اپنی دنیاوی اور آخروی زندگی میں ناکامی کا سامنا دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے۔ نہ یہ کہ (وہاں جا کر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو اور لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور (وہیں) باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمہاری یہ روش نبی کو تکلیف دیتی ہے۔ چنانچہ وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق کی بات سے نہیں شرماتا۔ اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے مانگو۔ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا (تکلیف) دو اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم اس (نبی کی وفات) کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمہارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

آیات پردے کے بارے ہیں۔ اس سے پہلے سورۃ النور میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ پردہ پانچ ہجری میں نافذ ہوا۔ اس سے پہلے خواتین کو حجاب کرنا ضروری نہیں تھا۔ حضرت عمر نے نبی ﷺ سے گذارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس نیک اور بد، ہر قسم کے افراد آتے ہیں، اس لئے ازواج مطہرات پردہ کریں تو اچھا ہو گا (بخاری/ مسند احمد)۔ لیکن رسول اللہ ﷺ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے منتظر رہتے اور پھر حکم کے بعد احکام یا قانون کو نافذ فرماتے۔ جب پردے کی آیات نازل ہوئیں تو پردے کا اعلان کر دیا گیا۔ ان آیات کے شان نزول کے بارے تحریر

ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے آپ کی خاطر ایک تھال میں چند افراد کا کھانا بطور ھدیہ دعوت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت انس سے کہا کہ (کھانا رکھ کر) باہر سے صحابہ کو بلا لاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جن صحابہ کو دیکھتے بلا لیتے اس طرح تین تین چار چار صحابہ آ کر کھاتے گئے۔ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی رہیں۔ کئی گروپ میں صحابہ آ کر کھا گئے اور دو تین صحابہ نے کھانے کے بعد بھی وہاں حجرہ میں گپ شپ شروع کر دی اور نبی ﷺ اور زوجہ محترمہ کی ضرورت کا خیال نہیں کیا۔ نبی ﷺ باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آئے تو وہی افراد گپ شپ میں مصروف تھے جب کہ کھانا کھایا جا چکا تھا اور برتن (تھال) اُٹھا لیا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ باہر چلے گئے اور پھر کسی طریقہ سے ان حضرات کو جانے کو کہا گیا تو یہ لوگ واپس گھروں کو گئے (بخاری / مسلم / نسائی / ترمذی)۔

عموماً حضور کے ہاں اگر کوئی کھانا آتا تو آپ ﷺ صحابہ کرام کو بلا لیتے کیونکہ اکثر صحابہ بھوکے ہوتے تھے اور بسا اوقات کھانا پک رہا ہوتا تو کھانے کے انتظار میں آ کر بیٹھ جاتے۔ کبھی کھانے کے بعد بھی بیٹھے رہتے۔ نبی ﷺ صحابہ کی دلداری کے لئے یہ برداشت کرتے، جو آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی تھی۔ آیت مبارکہ کے ذریعہ صحابہ کو تلقین کی گئی صرف جب دعوت کے لئے بلایا جائے تو آئیں اور کھانا کھانے کے بعد نکل جائیں تاکہ اہل خانہ کے لئے تکلیف نہ ہو۔ یہ اصول نبی ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی رہنما اصول تھے۔ چونکہ عرب سوسائٹی جاہلیت کی وجہ سے انسانی حقوق اور احترام سے عاری تھی اس لئے ان کو تربیت دینا بھی مقصود تھا۔

پردہ کا حکم ہوا کہ اگر کوئی چیز مانگنا ہو، استعمال کی چیز ہو یا معلومات، تو پردے کے پیچھے سے مانگا جائے۔ پردہ کرنے کو، دلوں کی پاکیزگی کہا گیا، تاکہ نگاہوں اور خواہشات کے برے اثرات سے معاشرہ محفوظ رہے۔ کچھ منافقین نے کہا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے نکاح کریں گے، جس کی وجہ سے نبی ﷺ کو تکلیف پہنچی اور اس کا حکم ہوا کہ ازواج نبی ﷺ امہات المومنین ہیں اور نبی ﷺ کا عقد دائمی ہے۔ ان سے نکاح کا تصور بھی گناہ ہے۔ ان آیات سے نبی ﷺ کے مقام کی عظمت واضح کی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا کہ تم اگر کوئی بات چھپاتے ہو، تو لوگوں سے چھپا لو گے، لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کے حال اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی سوچ کی سزا بھی ملے گی۔ اس لئے بعض علماء نے لکھا ہے ازواج مطہرات یا نبی ﷺ کے بارے برے خیالات بھی گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

پردہ کا جہاں ازواج النبی ﷺ کو حکم ہے، وہاں عام مسلمان عورتوں کے لئے بھی لازم ہے کہ اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھیں، لوگ گھروں میں جانے سے پہلے اجازت لیں۔ تفصیل سورت النور میں گذر چکی ہے۔ حجاب یا پردہ

کے ساتھ خواتین کو شرعی، طبعی اور دنیاوی ضروریات کی بناء پر باہر نکلنے کی اجازت ہے۔اس کے بارے حدیث مبارکہ بھی ہے بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا(بخاری شریف)۔

آیات مبارکہ کا مقصد جاھلیت کے تین رسومات کو ختم کرنا تھا۔

(۱) بلا تکلف گھروں میں گھس آنااور افراد کا پتہ کرنا۔اس سے کئی اخلاقی و سماجی خرابیاں ہوسکتی ہیں اس لئے پردہ کا نظام لاگو کیا گیاتاکہ پرائیویسی کا اہتمام ہواور جنسی اختلاط کے فسادات و نقائص سے خاندان اور معاشرہ محفوظ رہ سکے۔پردے میں معلومات حاصل کی جائیں۔عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کی وجہ سے متحدہ شمالی امریکہ (USA) میں پچاس فیصد شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں اور خاندان (یعنی بچے) بکھر جاتے ہیں۔ حالانکہ دوسری شادی قانوناً ممنوع ہے۔

(۲)لوگ عام طور پر کھانے کے وقت جاتے، یہ گھر میں رہنے والوں کے لئے ایک پریشان کن کیفیت پیدا کر دیتا۔بعض اوقات نہ کھانا کھایا جاسکتا نہ کھلایا جاسکتا تھا۔اس لئے حکم ہوا کہ صرف دعوت ملنے کی صورت میں کھانے کے وقت جانا چاہیے۔

(۳) کھانے یا کام کے بعد لوگ خواہ مخواہ گھروں کے اندر بیٹھے رہتے بالخصوص وہ افراد جو خاندان کے بہت قریبی نہیں ہوتے، جس کی وقت امور خانہ میں خلل اور وقت کا ضیاع ہوتا۔اس سے منع کیا گیا کہ کھانا کھاتے یا مطلوبہ عمل کے بعد گھر سے باہر آجانا چاہیے تاکہ صاحب خانہ کے لئے پریشانی نہ ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کے معاشرتی و معاشی حالات میں یہ تعلیمات کس قدر اہم ہیں۔آزادانہ نوجوان مردوں اور عورتوں کے اختلاط کے نقصانات کے بارے سورۃالنور میں تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

جن افراد کے لئے پردہ نہیں اور انہیں اندر آنے کی اجازت ہے ان کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآىِٕهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَ لَآ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں اور جن لونڈیاں کی مالک ہیں، سے پردہ نہ کریں اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

آیت میں ان افراد کا ذکر ہے جن کے ساتھ زندگی کا گہرا تعلق ہے،ان کو گھروں میں آنے کی اجازت ہے۔

اگرچہ آیت میں چچایاماموں کاذکر نہیں کیونکہ وہ والد ووالدہ کی طرح ہیں اور جب ان کی اولاد کاذکر ہے تو وہ بھی شامل ہیں۔ اسی طرح دوسری خادمائیں اور عورتیں میل جول رکھ سکتی ہیں ان کے لئے پردے کا کوئی حکم نہیں۔ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ اللہ کی ذات نگہبان اور نگاہ رکھنے والی ہے۔ یہ احکام ہر وقت کے لئے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ خاوند کے وقت پردہ کا اہتمام ہو اور اس کی غیر موجودگی میں اس کو نظرانداز کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت نگہبان ہے۔ اس سے کوئی چھپ نہیں سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت اور درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

نبی اور امت کے افراد کے رشتہ کا ذکر ہے۔ امہات المومنین مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ نبی اور امہات المومنین کے بارے غلط خیالات یا خواہشات ادب کے خلاف ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں نبی کا اللہ تعالیٰ اور امت کے افراد سے تعلق کی نوعیت ظاہر کی جارہی ہے۔

صلٰوۃ کے معنی دعا ہے۔ اس کا ایک معنی عبادت مخصوصہ (نماز) ہے اور نماز میں بھی دعا ہوتی ہے۔ ایک معنی تعظیم کرنا ہے۔ نماز میں بھی تعظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ جب نبی اور مسلمانوں پر صلٰوۃ فرماتا ہے۔ اس کا معنی نبی ﷺ کی شرف وفضیلت اور مسلمانوں پر رحمت وفضل کو ظاہر کرنا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں پر صلٰوۃ پڑھتے ہیں تو اس سے مراد برکت کی دعا کرنا ہے اور فرشتے جب صلٰوۃ پڑھتے ہیں تو اس سے مراد وہ مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں (المفردات للراغب اصفہانی)۔

نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلٰوۃ سے مختلف معانی مراد ہیں (تبیان القرآن)۔ امام بخاری، ربیع بن انس اور حلیمی نے اس کے معانی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کا ذکر بلند کر کے اور آپ کے دین کو غالب کر کے اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر آپ کی تعظیم کو ظاہر فرمائے اور آخرت میں آپ کی تعظیم کو ظاہر فرمائے اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے لئے شفاعت کرنے والا بنائے اور آپ کے اجر وثواب کو زیادہ دوگنا اور چوگنا فرمائے اور آپ کو مقام محمود عطا فرما کر اولین وآخرین پر آپ کی فضیلت کو ظاہر فرمائے اور تمام مقربین پر آپ کو مقدم فرمائے اور صلٰوۃ میں آپ کے ساتھ آپ کی آل اور اصحاب کا ذکر اس معنی کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے اور حساب سے اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے (روح المعانی۔ علامہ سید محمود آلوسی ؒ)۔

صلٰوۃ کا لفظ جب علٰی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معانی ہوتے ہیں: ایک، کسی پر مائل ہونا، اس کی

طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونااور اس پر جھکنا۔دوسرا،کسی کو تعریف کرنا۔تیسرا،کسی کے حق میں دعا کرنا۔

یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے،تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنیٰ میں نہیں ہو سکتا۔کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرنا قطعاً ناقابل تصور ہے۔اس لئے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہو گا۔لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لئے بولا جائے گا۔خواہ وہ فرشتے ہوں یاانسان تو وہ تینوں معنی میں ہو گا۔اس میں محبت کا مفہوم بھی ہو گا۔مدح وثناء کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی۔لہٰذااہل ایمان کو نبی ﷺ کے حق میں صلوعلیہ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ۔ان کی مدح وثناء کرواوران کے لئے دعا کرو۔

سلمٌ، کا لفظ بھی دو معنیٰ رکھتا ہے:ایک ہر طرف کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا،جس کے لئے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔دوسرا صلح،اور عدم مخالفت۔پس نبی ﷺ کے حق میں **سلمو تسلیما** کا مطلب ہے تم ان کی سلامتی کی دعا کرواور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل وجان سے ان کا ساتھ دو،ان کی مخالفت سے پرہیز کرواوران کے سچے فرمانبردار بن کر رہو(تفہیم القرآن)۔

درود کی فضیلت:۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیااوراس نے مجھ پر درود نہیں پڑھااوراس کی ناک خاک آلود ہو جس کے اوپر ماہ رمضان داخل ہوا اوراس کی مغفرت سے پہلے ختم ہو گیا۔اوراس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس اس کے ماں باپ بوڑھے ہوں اورانہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا۔(ترمذی/مسند احمد)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاجو مسلمان بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے۔اللہ میری روح کواس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے حتّٰی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں(ابوداؤد/مسند احمد)۔ ایک روایت(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) میں فرمایااللہ کے فرشتے جو زمین پر گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں(مصنف عبدالرزاق/المستدرک)۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔(ترمذی/مسند احمد)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے۔اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتّٰی کہ تم اپنے نبی ﷺ پر درود پڑھ لو۔(ترمذی)۔

صحابہ کرام، سلام کے بارے جانتے تھے۔ درود کے بارے استفسار کیا، تو نبی ﷺ نے اس کا طریقہ بھی بتایا۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام پڑھنے کا تو ہم نے جان لیا پس آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس طرح پڑھو:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ،

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

(بخاری/مسلم/ترمذی/نسائی/ابن ماجہ)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر رحمت اور فرشتوں کی طرف غایت درجہ محبت اور بلند مرتبے کی دعا، یہ اس وقت امت اور تمام انسانوں کے لئے حکم ہوئی جب دشمنان اسلام و منافقین ہر طرح کے آپ کے کردار پر حملے کر کے، آپ کے اعلیٰ اخلاق کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف تھے۔ اسلام کی عظمت اور کامیابی سے پریشان تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کے نام کو بلند کر رہا تھا اور اس کے فرشتے آپ کی تعریفوں کے چرچے کر رہے تھے۔

دوسری طرف انسانوں کو حکم تھا کہ جن کو محمد ﷺ کے ذریعہ ہدایت ملی، جہالت سے نور کی طرف آئے، ظلم سے عدل ملا، وحشت و حیوانیت سے انسانیت کی معراج ملی، انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا راستہ ملا، اس سراپا خیر، رحمت مجسم، ھادی اعظم کی قدر و منزلت کو جانو، اس کی محبت و اطاعت کا دم بھرو۔ جہاں اللہ کی ذات ان پر رحمت نازل کر رہی ہے اور اس کے فرشتے ان کے ثناء خواں اور دعا گو ہیں تم بھی ان کے حق میں وہی دعا گو اور ثناء خوانی کرو جس طرح فرشتے کر رہے ہیں۔ ان کے دین کو سربلند کرو اور ان کے مقام محمود کی دعا کرو۔ ان کی اعلیٰ درجہ کی محبت رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حق و مقام کے مطابق رحمت و فضل کے عطا کی درخواست کرو۔

نبی ﷺ نے اپنے پر درود و سلام پر اپنی ذات پر ہی فضل کو مخصوص نہیں کیا بلکہ اپنی ازواج، ذریت اور آل کو بھی شامل فرمایا۔ ازواج اور ذریت میں اہل یعنی خاندان شامل ہے اور آل میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو آپ کے طریقے پر چلیں۔ جو آپ کے ساتھی، متبع ہوں اور آل سے ہر وہ شخص خارج ہے جو آپ ﷺ کے طریقہ پر نہ ہو۔ جو آپ ﷺ نے پیروکار ہیں اور نسبی تعلق رکھتے ہیں وہ بدرجہ اولیٰ آل میں بھی شامل (قرآن مجید میں آل کا لفظ اہل کے علاوہ ساتھی اور پیروکاروں کے لئے استعمال ہوا ہے)۔ آپ نے رحمت و مہربانی کی مثال حضرت ابرھیم علیہ السلام اور آل ابراھیم فرمائی ہے یعنی جو نبوت و وحی کو مانتے ہیں وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور ہنما مانتے ہیں جس میں یہودی،

عیسائی اور مسلمان ہیں۔اور بعد میں آنے والوں میں جو شخص وحی و نبوت کو ماننے والا ہو آپ ﷺ پر ایمان لانے سے محروم نہ رہ جائے۔

آیت مبارکہ میں درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے اس لئے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عمر میں ایک بار نبی ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے لیکن یہ امر بار بار کرنے کا تقاضا نہیں کرتا۔کلمہ کی طرح ایک دفعہ پڑھنے سے فرض پورا ہو جائے گا۔

امام شافعی کا مذہب ہے کہ تشہد اخیر میں درود پڑھنا واجب ہے۔

امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کے قول کو اختیار کیا۔

امام طحادی کا مسلک یہ ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کا ذکر کیا جائے، آپ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے اور صحیح ہے کہ اگر ایک مجلس میں ذکر بار بار ہو رہا ہے تو ایک دفعہ درود پڑھنا واجب اور ہر بار اگر پڑھا تو مستحب ہے۔

صحابہ کرام اور سلف صالحین ہر بار آپ ﷺ کے ذکر کے ساتھ درود نہیں پڑھتے تھے۔اسی طرح قرآن مجید کے پڑھتے وقت، جمعہ کا خطبہ سنتے وقت، تسبیح واوراد اور دینی کتب کے مطالعہ کے وقت پڑھنا ضروری نہیں۔

جمہور امت کے نزدیک نبی ﷺ کے سوا کسی بھی نبی کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ درست نہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا پہنچائیں جب کہ انہوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو تو یقیناً ان لوگوں نے بہتان اور کھلا گناہ کا بوجھ اُٹھایا۔

نبی ﷺ پر درود وسلام اور آپ کی اتباع کے بعد ان افراد کا ذکر ہے جو اتباع و محبت سے محروم ہیں۔اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا تو ناممکن ہے لیکن اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا، اس کے وجود سے انکار کرنا، یا اس کی صفات و قوت سے انکار اور شرک کرنا، انسانی عمل کے اعتبار سے، اللہ کے خلاف عمل ہے۔اسی طرح نبی ﷺ کے احکام کا انکار بھی، اللہ کے احکام کا انکار ہے۔نبی ﷺ کی باتوں کو نہ ماننا، آپ ﷺ کے خلاف منصوبے بنانا، جس طرح یہود اور

منافقین کرتے تھے، یہ سب آپ کو ایذا دینا ہے۔ان اعمال کرنے والوں کی سزا بہت سخت ہے۔ نبی ﷺ اکثر اوقات صحابہ کرام سے رائے لیتے۔اس میں اختلاف رائے، سوئے ادب و ایذا نہیں، بلکہ نبی ﷺ خود اس کے بارے پوچھتے تھے۔ایذا کی صورت، آپ ﷺ کے فیصلوں سے انکار ہے۔ مسلمان اور مومنین، مرد و عورت کا احترام بہت ضروری ہے۔ان کے بارے غلط گفتگو کرنا، کسی آدمی کے بارے کوئی بات منسوب کر دینا جو واقع میں نہیں تھی، بہتان ہے۔جو قصور نہ کیا ہو، وہ اس کے ذمے لگا دینا بھی ہے۔ حدیث مبارک کے مطابق نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا' ذِکْرُ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہ'۔ تیرے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اسے ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا اور اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو؟ فرمایا: اگر اس میں وہ عیب موجود ہے جو تو نے بیان کیا، تو، تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں نہیں، تو، تو نے اس پر بہتان لگایا۔ یہ فعل صرف اخلاقی گناہ کبیرہ نہیں (بہتان و غیبت)۔ جس کی سزا آخرت میں ملے گی۔ بلکہ اسلامی ریاست میں جھوٹے الزامات لگانے پر جرم اور ہرجانہ طلب کیا جا سکتا ہے۔(یہ آیات اس کی دلیل ہیں)۔

بد قسمتی سے کچھ امت کے افراد، صحابہ کرام کے بارے غلط الزامات لگاتے ہیں، اسے آلِ رسول کی محبت کہتے ہیں اور رسول کو ایذا دیتے ہیں، یہ عمل بھی گناہ ہے۔ درود و سلام کے نبی ﷺ تک پہنچنے کا تعلق احادیث میں فرشتوں کے حوالے بتا دیا گیا ہے اور آج کی سائنس کی ترقی نے وقت اور فاصلے ختم کر دیئے ہیں۔ ہم آواز اور تصاویر ہر وقت دنیا کے کسی حصے سے آنے والی اُسی وقت دیکھ لیتے ہیں اور ماضی کے فلمیں وڈرامے اور واقعات یا جو ریکارڈ یا محفوظ کئے گئے ہوں، دکھائے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا نظام ان چیزوں سے بہت بلند و برتر ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ یہ (بات اس کے) زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں (کہ یہ آزاد ہیں) اور انہیں ایذا نہ پہنچائی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾

اگر منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اور (مدینہ میں) جھوٹی افواہیں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ آپ کے پاس اس (شہر مدینہ) میں

تھوڑی مدت ہی رہ سکیں گے۔

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

وہ ملعون ہیں جہاں بھی وہ پائے جائیں پکڑ لئے جائیں اور بری طرح قتل کر دیئے جائیں۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے۔ ان لوگوں سے پہلے جو گذر چکے ہیں۔ اور آپ اللہ کے طریقہ میں ہر گز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

ملازمت اور پردہ:۔

پردے کے احکام کے بارے آیات ہیں۔ اس زمانہ میں عورتیں رات کو قضائے حاجت کے لئے باہر جاتیں تو اوباش لوگ ان کو تنگ کرتے۔ اس وقت دو طرح کی خواتین رہتی تھیں۔ ایک وہ جن کو ان کے اہل خانہ سارے اسباب خورد و نوش گھر پر میسر کرتے اور انہیں باہر کام کاج کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ان زمانوں میں عموماً عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت کم ہوتی تھی۔ دوسری وہ خواتین تھیں جو خادمائیں تھیں اور کام کاج کے لئے ان کو باہر نکلنا پڑتا تھا۔ اسلام نے عدل کے پیش نظر کام کاج کرنے والی خادماؤں (اماؤں) کے لئے پردے میں نرمی رکھی۔ ان کے لئے پردہ صرف یہ تھا کہ ان کا لباس پنڈلی تک ہو۔ چہرہ ننگا ہو، کپڑا ڈھیلا ہو اور بازو بھی کہنی اور کلائی کے درمیان تک ننگے ہوں، تا کہ ان کو سہولت رہے اور ان کی حرکت آزادانہ یعنی کام کاج کے لئے آسانی ہو۔ اس کے علاوہ ان کے لئے زنا کی سزا بھی نصف کر دی گئی کیونکہ خطاء کے امکانات زیادہ تھے۔ اس کی دوسری مثال غیر شادی شدہ اور شادی شدہ کا زنا کی صورت میں سزا کا فرق ہے۔ غیر شادی شدہ کے لئے 80 کوڑے ہیں کیونکہ شادی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جنسی ضرورت پوری نہیں ہوتی دوسری طرف شادی شدہ کے لئے رجم ہے کیونکہ شادی کی وجہ سے اس کی جنسی ضرورت پوری ہوتی ہے لہٰذا اس کا جرم بڑا ہے۔ یہ اسلام کے ضرورت اور حالات میں مناسب طریقہ عدل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالخصوص اگر، یہ خادمائیں پردے والا لباس پہنتی تو ان کو منع کرتے (روح المعانی بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ) تا کہ سزا و جزا میں اشتباہ کی وجہ سے غلطی نہ ہو جائے اور کام کرنے والی اور نہ کام کرنے والی کا پتہ چل سکے۔

موجودہ دور میں جب عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ غلامی تو ختم ہو چکی (اسلام غلامی کے سخت خلاف ہے) لیکن اب وہ خواتین جن کے معاش کے وسائل نہیں اور انہیں گھر میں سب کچھ میسر نہیں کیا جا سکتا، ان کے لئے کام کرنے والی عورتوں کے قوانین نافذ کرنے کے لئے علماء کو اسی طرح اجماع کرنا چاہیے جس طرح انہوں نے قرآن مجید پڑھانے یا نماز پڑھانے کی اجرت، جو کہ قرآن و حدیث میں ممنوع ہے، میں تبدیلی برائے فلاح امت کے نام

سے کر کے جائز قرار دیا ہے۔اسی طرح ملازم عورتوں کے لئے پردے میں نرمی کا بھی اجماع کے ذریعے فیصلہ کر دینا چاہیے اور ان کو بھی خادماؤں پر قیاس کر کے پردہ کا نفاذ اور سزا کا اصول اپنانا چاہیے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں تمام دنیا میں مردوں سے زیادہ ہیں۔علم و اہلیت رکھتی ہیں۔نان و نفقہ کے لئے جب تک خود کام نہیں کریں گی ان کے معاشی مسائل بڑھیں گے اور اخلاقی جرائم میں اضافہ کا سبب ہوں گے۔اجماع کے لئے قیاس کی مثال (نظیر) نماز و قرآن کی اجرت لینے کی اجازت (فتویٰ/اجماع) ہے۔یہ بہت ضروری ہے کہ علماء حقائق پر غور کریں۔اس سے پردہ منسوخ نہیں بلکہ اس کا حقیقی نفاذ ہے۔اور وہ عورتیں جو کام نہیں کرتیں اور ان کی ساری ضروریات ان کے خاوند اور والی ایک مناسب معیار زندگی پر مہیا کر رہے ہیں ان کے لئے آزاد خواتین کے پردے اور جلبات (ڈھیلا عبایا) کا حکم ہو گا۔یہ بھی ضروری ہے کہ کام کرنے والی خواتین ڈھیلا لباس پہنیں تاکہ جسم کے اعضاء کی شناخت یا شکل واضح نہ ہو۔چہرے پر میک اَپ نہ ہو جس کی وجہ سے ہیجان پیدا ہو اور جنسی جرائم کو برانگیختہ کر دے۔

بد قسمتی ہے برقعے اور سر کے دوپٹے یا جوڑے کے بھی فیشن ہو گئے ہیں اور کئی ملکوں میں تو ان کے فیشن شو، بذریعہ خواتین ہوتے ہیں جب کہ دوسری طرف اسلامی شعار کا بہانہ بنایا جاتا ہے اور انداز و طریقہ سارا غیر اسلامی اور فحاشی کی ترویج ہے۔آیت میں ازواج اور بیٹیوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔یہی تاریخی حقیقت کا الہامی ثبوت بھی ہے کہ نبی ﷺ کی چار بیٹیاں حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں اور بلوغت کو پہنچیں، مسلمان تھیں اور آپ ﷺ کے زمانے میں تینوں نے وفات پائی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔بد قسمتی سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی محبت و اعزاز میں لوگ نبی ﷺ کی اولاد کو ایذا پہنچاتے ہیں جو غلو کی وجہ سے گناہ ہے اور غلط بیانی ہے۔

ان امور کے نفاذ میں مشکل بھی پیش آسکتی ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ منافقین ایک طرف تو احترام نسواں میں پیچھے تھے بلکہ مجرمانہ انداز اپنائے ہوئے تھے۔اس کے ساتھ وہ مسلمانوں کے خلاف خوب پروپیگنڈا کرتے اور اندرونی طور پر مسلمانوں کو نبی ﷺ کے خلاف بھڑکاتے بالخصوص حضرت زینت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے معاملہ میں پروپیگنڈہ کیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ میں پروپیگنڈہ کیا۔ یہودیوں سے ساز باز کی۔مسلمانوں پر ہر وقت کفار کے حملہ کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے تھے۔اگر لشکر کسی غزوۃ پر جاتا، تو شکست کی پیشن گوئی کرتے۔ان کے مکروہ اعمال کو ظاہر کیا گیا اور انہیں ان کے خوفناک انجام کے بارے بتایا گیا تاکہ وہ اپنا رویہ بدل لیں، ورنہ ان کا انجام بھی یہود و کفار کی طرح ہو گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سزا دینے کا اعلان تھا۔نبی ﷺ نے منافقوں کو سزا نہیں دی، بلکہ صرف

لعنت ملامت کی بلکہ آخر میں عبداللہ بن ابی کے جنازے کے بعد کئی ہزار منافق تابع ہو گئے۔ پہلی امتوں میں بھی جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی وہ تباہ ہو گئے۔اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تقدیر یا احکام بدل دیتے ہیں لیکن نظام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اللہ کے طریقے(سنت):۔

نظام کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک سسٹم ہے،جو بھی اس کے مطابق چلے گا وہی کامیاب ہو گا اور جو اس کے مطابق نہیں چلے گا ناکام اور تباہ ہو گا۔انسان کو عقل و سمجھ دی گئی ہے اس کی وجہ سے انسان اسے کچھ حد تک سمجھتا ہے اور سائنسی ترقی ان نظاموں کو جاننے کی وجہ سے ہے۔ہوا کی اُٹھان کو اگر قدرت کے نظام کے مطابق استعمال کیا تو جہاز اڑیں گے ورنہ گریں گے۔اسی طرح پانی کی اچھال کو سمجھ کر فائدہ اُٹھایا تو سمندر میں کشتیاں چلیں گی ورنہ نہیں۔زمین پر ہر چیز اس کی کشش ثقل سے گرے گی۔زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنے کے لئے بڑی زوردار قوت کی ضرورت ہے جس طرح سورت رحمان میں ہے کہ اگر انسان کشش زمین کی حدود سے نکلنا چاہے تو بہت قوت درکار ہے(**لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ**ۚ) جو راکٹ کے ذریعے ملتی ہے۔وہ معاشرے جن میں انسانی تفریق اور ظلم ہو گا تباہ ہو جائیں گے۔ عدل وانصاف اور مساوات والے معاشرے خوشحال ہوں گے۔محنت والے آگے جائیں گے اور نالائق ناکام ہوں گے۔ زیادہ دباؤ یا قوت سے کم دباؤ یا قوت کی طرف چیزیں جاتی ہیں۔زندہ وجودوں نے ختم ہونا ہے۔ہمارے فزکس، انجینئرنگ کے وہ سارے اصول اللہ کے قوانین کے مطابق ہیں،اس لئے کامیاب ہیں۔اللہ کے ان قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ممکن ہے قیامت کے لئے کچھ قوانین کو ختم کر کے زمین اور نظام شمسی کو ختم کر دیا جائے گا۔(جس طرح آیات میں ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ ہی سب سے صحیح جانتے ہیں)۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

لوگ آپ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں کہہ دیجئے اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے۔آپ کو کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾

بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے خوب بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾

وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ (اپنا) کوئی دوست مددگار نہ پائیں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾

جس دن آگ میں ان کے چہرے الٹ پلٹ کئے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اللہ کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

اے ہمارے رب ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت (زیادہ) لعنت کر۔

کفار مکہ قیامت پر یقین نہیں رکھتے تھے ان کے لئے قیامت اور حساب و کتاب ایک انوکھی خبر تھی۔ وہ اس کا مذاق اُڑاتے۔ اس نظریہ کی انسانی کردار پر اہمیت کی وجہ سے، وہ اس کو نظر انداز اور اس کی مخالفت کرتے اور اس کو کمتر دکھانے کے لئے مختلف سوالات کرتے کہ کب آئے گی؟ کیسے آئے گی؟ اس کا جواب ہے، کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ احادیث میں آثارِ قیامت (نشانیاں) اور ہولناک کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ قیامت کا علم کسی اور پاس ہے یا نہیں؟ اس پر بحث کر کے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس کو کسی کی عظمت کے معیار کا پیمانہ بنانا چاہیے، بلکہ اس کے لئے اپنی زندگی میں اعمال صالحہ کا اضافہ اور حساب و کتاب کے بارے سوچنا چاہیے۔ سائنسی دنیا ہمارے نظام شمسی کے ایک دن تباہ ہونے کا اقرار کرتی ہے کہ سورج جب اندھا یعنی اس کی حرارت پیدا کرنے کی قوت ختم ہو جائے گی تو سیارے آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ باہمی کشش اور توازن ختم ہو جائے گا اور زمین پر تباہی آ جائے گی۔

نبی ﷺ نے قیامت کے آثار میں فرمایا، حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جب میری امت یہ کام کرے گی تو ان پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت (سرکاری مال) کو ذاتی مال بنالیا جائے گا اور امانت کو مال غنیمت بنالیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھ لیا جائے۔ جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں (ماں کے حقوق کی ادائیگی نہیں کریں گے) اور جب دوست کے ساتھی نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے۔ (باپ کے حقوق ادا نہ کریں گے) اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی (جھگڑے ہوں گے) اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنایا جائے گا اور جب کسی شخص کی شر کے ڈر سے اس کی عزت کی جائے گی، شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور

گانے والیاں اور ساز رکھے جائیں گے اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو برا کہیں گے۔اس وقت تم سرخ آندھیوں زمین کے دھنسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔(عذاب الٰہی۔سنن الترمذی)۔ایک حدیث کے مطابق یہ جمعہ کے دن واقع ہو گی۔قیامت،اللہ کے وجود اور جزاوسزا کے بارے مشرکین غیر ضروری سوال کرتے ان کو جواب دیا گیا ہے ان کو ان کے اعمال کے بارے وارننگ دی کہ جس چیز کی قیامت کے دن اہمیت ہے۔وہ ایمان واعمال ہیں اور وہ ان سے محروم ہیں۔ لہٰذا وہ آگ میں جلیں گے۔ان کے چہرے الٹ پلٹ کر کے جلائے جائیں گے اور اس عذاب میں وہ اپنی غلطی اور گناہوں کو تسلیم کریں گے اور اس کا الزام دوسروں کے سر تھوپیں گے کہ ہمارے راہنما،ہمارے سردار،ہمارے بزرگ جس طریقے پر تھے ان کی وجہ سے ہم گمراہ ہو گئے۔چونکہ انہوں نے اللہ اور نبی کے پیغام و نصیحت کو ٹھکرایا تو وہ درخواست کریں گے کہ ان کے رہنماؤں،بزرگوں کو دوگنا عذاب ہو کیونکہ ان کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔

انسانی نفسیات اور بہانہ بازی کا اظہار ہے کہ علم و عقل کے باوجود اس نعمت عقل کو استعمال نہیں کیا۔کلام نبی اور کلام الٰہی،پر غور نہیں کیا،اپنی مرضی کی اور پھر الزام دوسروں پر دے دیا۔یہ نصیحت نہ صرف اس وقت کے کفار مکہ کے لئے ہے،بلکہ تمام آنے والے انسانوں کے لئے ہے۔کیونکہ اللہ کا پیغام (قرآن) اور نبی ﷺ کی تعلیمات (احادیث) موجود ہیں جن پر عمل کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی اور دردناک عذاب سے بچا جاسکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تھی۔پھر اللہ نے اسے (موسیٰ کو) اس (جھوٹی بات) سے بری کر دیا،وہ اللہ کے نزدیک بڑے رتبے والا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کیا کرو۔

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

وہ (اللہ) تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

کفار کی ذہنی کیفیت کے بعد ایمان لانے والوں کے بارے بھی معلومات دی گئیں کہ پہلی امتوں نے اپنے انبیاء کے لئے اذیت کے عمل کئے جن میں بنو اسرائیل کا ذکر ہے۔روایات کے مطابق بنو اسرائیل اکٹھے نہاتے تھے اور

برہنہ (بغیر لباس) کے ہوتے۔ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شرم وحیا کی وجہ سے ہمیشہ تنہائی میں نہاتے۔ بنی اسرائیل نے خواہ مخواہ شک شروع کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جسمانی عارضہ (خرابی) چھپانے کے لئے تنہائی میں نہاتے ہیں (مثلاً برص کی بیماری وغیرہ)۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہا رہے تھے کہ پتھر پر کپڑے رکھے۔ پتھر بھاگنے یا لڑھکنے لگا اور دور جا لگا، جس کے پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کپڑے لینے کے ننگا بھاگنا پڑا اور اس طرح اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسمانی صحت کا علم ہو گیا اور ان کا شک رفع ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۃ حنین کے بعد مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ (طائف) کو زیادہ مالِ غنیمت ان کے مؤلفۃ القلوب (رغبت اسلام) کے لئے دے رہے تھے، جس پر ایک صحابی نے کہا کہ یہ تقسیم عادلانہ نہیں کیونکہ نئے مسلمانوں کو زیادہ دیا جا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس طرح تکالیف دی گئیں تھیں۔ چونکہ اس صحابی کو حکمت معلوم نہیں تھی اس لئے وہ سمجھ نہ سکے۔

صحیح معلومات:۔

آیت میں ایک اہم پیغام دیا کہ جب بھی کوئی بات کی جائے تو اس کے تمام پہلوؤں کو دیکھ کر اس کی حقیقت کو جان کر اس کے بارے کوئی رائے دی جائے تاکہ سننے والوں کو غلط پیغام نہ پہنچے۔

یہ ہدایت ذرائع ابلاغ، گواہی اور دوسری معلومات پہنچانے والوں کے لئے بنیادی اصول ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پروپیگنڈہ کا کتنا برا اثر پڑتا ہے۔ بات اخلاص سے کی جائے اس میں کوئی دھوکہ دہی کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔ بالکل حقیقت یا واقعہ کے مطابق ہو یعنی سچی ہو۔ ان حالات میں اگر کسی سے اس میں نادانستہ طور پر خطا بھی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔

ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کی کامیابی اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گذارنے میں ہے۔ یہ کامیابی اتنی عظیم ہے کہ دنیا کی زندگی بھی کامیاب گذرتی ہے اور آخرت میں بھی کامیابی یعنی دوزخ سے نجاعت اور جنت میں ٹھکانہ ہے۔ اللہ کے احکامات پر صحیح عمل اس طرح ہے کہ جیسے شریعت نے احکام کی ترتیب لزومی رکھی ہے۔ اس پر عمل کیا جائے یعنی فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ کے مطابق اعمال کو سمجھا اور عمل کیا جائے اور غلو سے بچا جائے۔ یہ کامیابی کی بہترین اور مقبول صورت ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ

اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۳﴾

بلاشبہ ہم نے (اپنے احکام کی تنفیذ کی امانت) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے (پورا کرنے کے خوف) سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور وہ (احکام کی تنفیذ کی ذمہ داری) انسان نے اُٹھالی۔ یقیناً وہ (انسان) بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۴﴾

(اس امانت میں خیانت پر) اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر رحم فرمائے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔

امانت الٰہی:۔

انسانی عقل وہمت اور اس کے استعمال کے بارے آیات مبارکہ نشاندہی کر رہی ہے۔ عالم ارواح میں یا کسی بھی زمانہ میں، اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت یعنی زمین پر رہنے والوں کے لئے انصاف، عدل، دیانت داری، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کی ذمہ داری اپنی عظیم مخلوقات پر پیش کی۔ مخلوق میں شامل زمین، آسمان (ستارے وسیارے) اور پہاڑ تھے یہ سارے وجود انتہائی عظیم تھے اور اس ذمہ داری کو اچھے طریقے سے ادا کرنے پر انعام اور نہ کرنے پر سزا کا اعلان کیا۔ اس ذمہ داری کو امانت کہا گیا تا کہ اس کو اچھی طریقہ سے ادا کیا جائے۔ اس کی بناء پر حدیث مبارکہ ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق یہ امانت معاملات میں دیانت وصداقت ہے۔ (هِيَ فِيْ اَمَانَاتِ الْاَمْوَالِ كَالْوَدَاعِ وَ غَيْرُ هَا وَ رُوِّيَ عَنْهُ اِنَّهَا فِيْ كُلِّ فَرَائِضِ وَاَشَدُّ اَمَانَةِ الْمَالُ) (قرطبیؒ/المحرر الوجیز)۔ ان عظیم وجودوں نے جب انعام اور سزا کا سنا تو عرض کی کہ ہم احکام کے مطابق کام کر رہے ہیں اس لئے اس کو نہیں اُٹھاتے۔ مزید انعام کی خواہش نہیں۔ انسان کو شعور کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائکہ بھی ہوا اور زمین وآسمان (فضاء) کے اندر اس کی عقل کی بناء پر حکمرانی بھی ہے۔ اس نے عقل کی خاطر اس چیلنج کو قبول کر لیا، لیکن شیطان نے اسے بہکا کر اسے پوری طریقہ سے ادا کرنے سے ناکام رکھا (بحوالہ حدیث قرطبیؒ)۔ جس کی وجہ سے اسے ظلوماً، کہ حق ادا نہیں کر رہا اور جہولا، کہ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ شیطان کے فریب کی وجہ سے ناکام ہو جائے گا۔ اس امانت کا وقت وہ بھی ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا اور چاہا کی اپنی مخلوقات میں یہ نعمت کس کو دوں کیونکہ اس انعام کے ساتھ ذمہ واری اور فریضے (امانات) بھی تھے جس کا ایک حدیث میں ذکر ہے۔ پھر یہ (

علم و عقل)انسان کو ملی اور انسان کے لیے ایک ازمائش بن گئی جس کا آیت میں اشارہ ہے۔

علماء نے امانات کی بہت ساری تفاسیر کی ہیں، لیکن سب میں احکام الٰہی بالخصوص امانت (معاملات) کو ذکر کیا ہے اور یہی آثار کی روشنی میں مناسب معلوم ہوتی ہے۔ پہاڑ، زمین، آسمان میں اجرام سماوی، سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں اور پیدا کرنے والا اپنی پیداوار (مصنوع) کو جانتا ہے اور اس سے رابطہ کس طرح کرنا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ ہمارے علم میں کچھ نہیں۔ البتہ اب سائنس اور ٹیکنالوجی نے دریافت کیا ہے کہ جمادات (پتھروں) سے الیکٹرانک سگنلز نکلتے ہیں (مثلاً یورینیم کے پتھر، چونے، ماربل، لوہے کے ذخیرے سے اور اسی طرح ستاروں سے ریڈیو سگنلز آتے ہیں۔ ابھی جدید سیسمو گرافی سے پتہ چلا ہے کہ زمین کی اندرونی گرم تہہ سے بھی سگنلز نکلتے ہیں اور یہی سگنلز ہی ایک طرح کی پیغام رسائی کا کام کرتے ہیں جس طرح ہم ریڈیو یا الیکٹرانک لہروں کے ذریعہ رابطے کرتے ہیں۔

ہم اگر انسانی زندگی اور جو معاشرے قائم ہیں ان کی تاریخ اور حال کو دیکھیں تو اکثر معاشرے اور انسان، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام، معاملات اور پھر عبادات پر پورے نہیں اترتے۔ اکثریت خلاف ورزی کر رہی ہے اور یہی وجہ ہوگی کہ انسان اور جن مل کر جہنم کو بھر دیں گے (بحوالہ قرآن کریم)۔

جو اللہ کے احکام یا اس کی وحدانیت یا وجود کا انکار کرنے والے ہیں وہ مشرک (کافر) ہیں اور کچھ انسان جو اللہ کے وجود کے اقرار کرنے والے اور احکام پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے والے ہیں لیکن اس پر صحیح عمل نہیں کرتے وہ منافق ہیں۔ یہ دو گروہ اپنے اعمال کے سبب عذاب بھگتیں گے اور اس کے مقابل، اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے والے (امانت کا حق ادا کرنے والے) مومنین کو اللہ تعالیٰ انعام عطا فرمائیں گے وہ بخشے جائیں گے اور اللہ کے رحم کی وجہ سے مزید درجات حاصل کریں گے۔ انسان کے بحیثیت مخلوق مرد اور عورت کے برابر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث کے صیغے علیحدہ برابر استعمال کئے ہیں (مشرک/مشرکات، منافق/منافقات، مومن/مومنات) ہر ایک اپنے عمل سے اپنا ذمہ وار ہے۔ رحم اور بخشش کا ذکر کر کے انسان کی معمولی کمزوریوں کو درگذر کرنے کا بھی عندیہ دیا ہے۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع پر ہوئی تھی کہ کافروں اور منافقوں کی ملامت کی پرواہ نہ کریں وہ اسلام کے خلاف ہیں اور سورت کی انتہاء اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے انعام اور نہ عمل کرنے پر سزا کے اعلان پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیاں اس کے احکام کے مطابق گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سورۃ احزاب بفضل اللہ اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمام تفسیر کو مکمل کرنے اور صحیح انداز میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے لئے توشہ آخرت اور قارئین کے لئے ذریعہ نجاعت و کامیابی بنائے۔ آمین

تاریخ 27 اگست 2022 بمطابق 28 محرم الحرام 1444 ھجری۔

34- سورۃ سبأ

تعارف:۔

سورت سبأ، مکہ شریف میں نازل ہوئی اور مکہ کا درمیانی دور ہے۔اس میں چوون (54) آیات اور چھ (6) رکوع ہیں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اٹھاون (58) اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے چونتیس (34) نمبر پر ہے۔ مضامین سورۃ احزاب سے ملتے ہیں۔ یہ سورت الزمر سے پہلے اور سورت لقمان کے بعد نازل ہوئی۔ یہ دور مکہ میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا دور تھا۔

سورت کا نام سورت میں قوم سبأ کے ذکر کی وجہ سے ہے جو کہ آیت نمبر 15 میں مذکور ہے۔ سبأ،، یمن کے ایک علاقے کا نام ہے جو صنعاٗ اور حضر موت کے درمیان ہے۔اس کا مرکزی شہر مأرب ہے۔اس علاقہ کو سبأ،اس میں رہنے والے قبیلہ سبأ بن یشحب بن یعرب بن قحطان، کی وجہ سے کہتے ہیں۔ یہ علاقہ کثرتِ باغات، ہریالی اور زراعت کی وجہ سے مشہور تھا۔لوگوں نے نعمت پر شکر کے بجائے نافرمانی اختیار کی جس کی وجہ سے تباہی آئی اور لوگ ہلاک ہو گئے۔ سورت میں توحید کے دلائل ہیں، قیامت کا ذکر اور کیفیت، مرنے کے بعد زندگی ہونے کے بارے ذکر کیا گیا۔

ہر زمانہ میں خوشحال اور امیر طبقہ کی انبیاء کی مخالفت اور ان کے سرکشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کے بارے فرمایا کہ ان کو مجنوں کہنا اور افتراء کا الزام لگانا غلط ہے۔ وہ تو ،ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے ہیں اور اس دین کی تبلیغ پر کوئی اجر کے خواہش مند نہیں۔ مشرکوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ وحی الٰہی پر ایمان لے آئیں اور نیک اعمال کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے اور آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے۔ وہ نہایت حکمت والا اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔

یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ﴿۲﴾

وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ نہایت رحم کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡہُ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡبَرُ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۳﴾

اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ کہہ دیجئے: کیوں نہیں؟ میرے عالم الغیب رب کی قسم! بلاشبہ وہ تم پر ضرور آئے گی۔ اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ نہ آسمانوں اور نہ زمین میں، اور کوئی چیز جو ذرہ سے بڑی ہو یا چھوٹی ایسی نہیں جو واضح کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج نہ ہو۔

زمین وآسمان:۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے جلال و کمال سے ہوئی ہے۔ حمد سے مراد تعریف و تحسین ہے خواہ اس کے مقابل کوئی نعمت ہو یا نہ ہو۔ منکرین حق (کفار مکہ) کو اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کے بارے بتایا جارہا ہے، انسان کے سامنے دو موجودات اہم ہیں۔ خلاء میں آسمان جس میں ستارے، چاند، سورج، بادل، بارش، ہوا، بجلی کی کڑک اور چمک، برف، سورج کی تیز روشنی، رات کو چاند کی دھیمی روشنی، فضاء میں نکلنے والے شہابیئے، ستاروں سے آنے والی تابکاری شامل ہیں۔ جوں جوں انسان کے پاس علم میں اضافہ اور معلومات حاصل کرنے والے آلات حاصل ہورہے ہیں اسی طرح ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ سب موجودات کو پیدا اور کنٹرول کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی طرح

ساری زمین اس کے کنٹرول میں ہے۔ جو زمین سے نکلتا ہے اس کی معمولی جھلک یہ ہے کہ پودوں کی 435000 اقسام موجود ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق 3.04 ٹریلین درخت زمین پر موجود ہیں۔ اسی طرح پودوں میں 369400 ایسے ہیں جو پھول اگاتے ہیں۔ غذائی اجناس کی 120 اقسام پیدا ہوتی ہے۔ 70 قسم کے معدنیات زمین سے نکلتے ہیں (گوگل 2022)۔ یہ سب زمین کی استعداد کے بارے معلومات ہیں اور ان میں وقت کے ساتھ اضافہ ہوگا۔ اسی طرح فضاء سے آنے والی بارش سے انسانی وجود، پانی کے ذخیرہ، پھر زراعت اور بادل اس سے موسم، موسم سے فصل، عرض ایک سلسلہ ہے جس کا ابھی تک انسان بہت معمولی علم رکھتا ہے اس سب کا خالق ایک ہے۔ ورنہ اتنے مختلف نظام، اعمال، موجودات، سیارے اور فضاء میں ستارے اگران کو مختلف قوتیں کنٹرول کرتیں تو کب سے یہ نظام ختم ہو چکا ہوتا۔ سائنسدان نئی دور بینوں (جمیز ویب اور ھبل، سکائی آئی) کی وجہ سے خود حیران و پریشان ہیں۔ یہ سب ایک ذات کے کنٹرول میں ہیں اور رب السمٰوت والارض (اللہ کی ذات) ہے جو واحد و یکتا اور معبودِ خلائق ہے۔ زمین سے نکلنے والے مختلف نباتات، حیوانات، حشرات، پرندے اور انسان ہیں جو اس خشکی پر رہتے ہیں۔ حیوانات کی تعداد 8.7 ملین ہے۔ اسی طرح کئی حیوانات پانی، کچھ پانی اور خشکی دونوں میں رہتے ہیں۔ اگران کا ذکر کیا جائے تو لاکھوں کتابیں بھر جائیں اور بھری پڑی ہیں۔ یہ سب اس ذات کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں جو ان سب کو پیدا کرنے والا ہے۔ زمین کے اندر معدنیات گیس، تیل، لوہا، تانبا (70 اقسام) ہیں۔ ان کے وسیع ذخائر ہیں۔ زمین کی کشش کی قوت بڑی شدید ہے۔ جو سب کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ تمام سائنسی علوم قرآن مجید میں اشارۃً ذکر ہیں تاکہ اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگ ان پر غور کریں، اپنے ایمان میں اضافہ کریں اور نہ ایمان رکھنے والوں یا اللہ کے وجود سے انکار کرنے والوں کو دلائل سے سمجھائیں۔ اللہ کی ذات بڑی بخشنے والی اور رحم کرنے والی ہے۔ وہ خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

آسمان کے موجودات میں سورج کی حرارت سے زندگی، چاند کی روشنی سے زندگی کی مٹھاس ہے۔ سمندر کا مد و جزر، ہواؤں کا چلنا، آب و ہوا، بارش، بخارات، بادل، گرمی اور سردی کا وجود ہے۔ یہ سب اس ذات باری تعالیٰ کے وجود کے دلائل ہیں اور اس قدر طاقت والی ذات سے انکار انسان کا ظلم عظیم ہے۔ پھر اس قدر مخلوقات کو پیدا کرنے والی ذات انسان کو بھی دوبارہ پیدا کر سکتی ہے۔ اُس ذات کے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ سارا وجود تو زمین میں دفن ہو گیا۔ پھر اس ذات کا کمال ہے کہ ہر چیز جو کہ کم سے کم اکائی ہے، جس کا انسان کو صحیح ادراک نہیں، اب ہماری فزکس میں سب سے کم ذرہ، جو کہ قوارک (Quarks) کہلاتا ہے۔ یہ تقریباً ایک ایٹم کے اجزاء نیوٹرون اور پروٹون سے دس ہزار گنا (10,000 time) چھوٹا ہوتا ہے (بی بی سی 2022)۔ ان سب ذرات کا علم، بارش کے گرنے والے قطرے اور برف کے گرنے والے گولے، سب اللہ نے لوح محفوظ کتاب مبین میں رکھا ہوا اور کوئی چیز بھی اس کے علم یا کنٹرول

سے نہ چھپی ہے اور نہ بغیر اندارج کے ہے۔ کس قدر عظیم ذات ہے اور کتنا عظیم ریکارڈ ہے۔اس سے انسان پر ریکارڈ (ڈیٹا) کی اہمیت بھی واضح کی ہے۔

کفار مکہ جو اتنی قوت والے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے آنے کا انکار کرتے ہیں۔اس کے کلام یا پیغام کا انکار کرتے ہیں وہ سراسر گمراہی پر ہیں۔ان کو بتایا جارہا ہے کہ قیامت ہر صورت میں واقع ہو کر رہے گی اور اس کی تیاری کریں کہ اس کے بعد حساب و کتاب ہو گا اور انسان سے اس کی کارکردگی کے بارے انعام و سزا ہو گی۔ لہٰذا اس دنیا کی زندگی کی ابتداء میں بھی اللہ کی حمد و ثناء اور پھر آخرت و قیامت میں بھی اس کی حمد و ثناء ہو گی اور وہی ہر حمد و ثناء کے لائق ہے۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں جزادے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ان کے لئے مغفرت اور معزز روزی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان لوگوں کے لئے سخت ترین درد ناک عذاب ہے۔

وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے دیکھتے (یقین رکھتے) ہیں کہ جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور (اللہ) غالب، تعریف والے کے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

قیامت کیوں اور کیسے:۔

قیامت کے وقوع کے بارے بتایا جارہا ہے کہ اللہ کی ذات بڑی طاقت والی ہے، جس نے زمین کے اوپر، اس کے اندر، آسمانوں اور فضاؤں (خلاء) میں عظیم قوت و طاقت رکھتی ہے اور اس کے پاس ہر ذرہ کا حساب ہے۔اس نے انسانوں کو اعزاز بخشا، عقل، فیصلہ کرنے اور اختیار کرنے کی قوت دی۔ ہدایت کے لئے کتابیں اور رسول بھیجے، کامیابی کا راستہ بتایا۔ انسان نے اپنے اعمال کئے، اچھے کئے یا برے کئے، سارے اعمال کا بدلہ اس کو اس زمین پر زندگی میں نہیں ملتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر زمین پر انسان کو مرنے سے پہلے یا عمل کے فوراً بعد سزا مل جائے، جس طرح حکومتی قوانین میں ہوتا ہے تو بہت سارے اپنے اعمال وہ خوف کی وجہ سے نہیں کرے گا، اور اپنا اختیار پورا استعمال نہیں ہو گا۔

اس لئے اسے قیامت کے بعد جزاو سزا کی خبر دی گئی ہے اور وہ قیامت یا اس کے بعد جزاو سزا کے عمل کو نہیں دیکھتا۔اس لئے اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اپنی مرضی کر کے دوسرے انسانوں کے لئے مشکلات پیدا کرتا ہے۔ پھر اپنے خالق پر یقین نہیں کرتا اور دوسروں کو اپنا معبود بنالیتا ہے، خواہ اس کی خواہشات ہوں۔ حکمران یا دوسرے اجسام ہوں۔ انبیاء کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتا۔ایسے لوگ، خاص کر طاقت والوں کو بدلہ یعنی سزا دینے کے لئے حساب و کتاب اور دوبار زندگی ہو گی۔ یہ افراد جو اللہ کے احکام کا انکار کرتے تھے۔ اللہ کی بنائی ہوئی نشانیوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، انبیاء کی مخالفت کی، انسانوں پر ظلم کئے، اپنا عقل و فکر بھی نہیں استعمال کیا، صرف اپنی خواہشات کی تسکین ان کا ہدف رہا ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

دوسری طرف وہ انسان جو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں یا کیا تھا۔ اللہ کے ارسال کردہ رسولوں کی تعلیمات پر یقین کیا اور اللہ کی وحدانیت اور معبودیت پر پورا ایمان تھا۔ ان کا کردار اللہ کے عطا کردہ، سیدھے راستے پر تھا۔ ان کے لئے بخشش ہے اور ان کے لئے اعلیٰ رزق ہے، یعنی جنت میں بغیر کسی مشقت کے رزق ملے گا اور ساری خواہشات پوری ہوں گی۔ جو اہل علم ہیں، اہل کتاب سے ہوں یا اس وقت کے مسلمانوں یا آج کل کے اہل علم حضرات، جو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، اگر غور کریں تو وہ یقین کر لیں گے کہ قرآن پاک اور نبی ﷺ بالکل صحیح ہیں۔ ان کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ قرآن کی صداقت بھی ان کو مل جائے گی۔

قرآن مجید کا راستہ ہدایت کا راستہ ہے، جو انسان کے لئے سب سے زیادہ مناسب اور کامیاب ہے۔ یہ راستہ ایک مومن کو کائنات کے قریب کر دیتا ہے۔ کائنات، اللہ کے متعین کردہ راستے پر گامزن ہے۔ اور یہ کائنات اپنے خالق کی طرف اشارے کر رہی ہے اور انسان کائنات کو سمجھ کر خالق کائنات کو پالیتا ہے۔ یہ قرآن مجید، انسان کو ایک طریقہ زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انسان کی تربیت کرتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے معاشرے سے ہم آہنگ ہو کر دوسرے معاشروں سے بھی ہم آہنگ ہو کر دنیا میں بھلائی اور خیر کے نظام کو رائج کرتا ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا هَلۡ نَدُلُّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۞

اور کافروں نے کہا: کیا ہم تمہیں ایک ایسا شخص بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو بے شک تم از سر نو پیدا کئے جاؤ گے۔

اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ۞

کیا اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا ,یا اسے جنون لاحق ہے؟(قطعاً نہیں!) بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور بڑی گمراہی میں پڑے ہیں۔

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝۹

کیا پھر انہوں نے کبھی اس آسمان وزمین کو نہیں دیکھا جو انہیں آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے؟ ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسادیں یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرادیں۔ بلاشبہ اس میں رجوع کرنے والے بندے کے لئے ایک نشانی ہے۔

کفار مکہ نبی ﷺ کی استہزاء کرتے اور بالخصوص قیامت اور حساب وکتاب کے بارے سوالات کرتے کہ جب انسان مٹی میں مل جائے گا تو دوبارہ کسطرح مکمل انسان بن کر زندہ ہو کر نکلے گا اور حساب وکتاب ہو گا۔ اس کو وہ ناممکنات میں خیال کرتے اور اس کلام یا دعویٰ کو وہ جنون (پاگل پن) کی حرکت سمجھتے, یا ایک ایسی بات جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور اللہ کے نام کے ساتھ منسوب کر دی جائے، کیونکہ قیامت اور حساب وکتاب اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا تھا۔ آج بھی بہت سارے انسان یہی سوچتے ہیں۔ سائنسدان اگرچہ نظام شمسی کی تباہی کا تو یقین کرتے ہیں, لیکن دوبارہ زندہ ہونا اور پھر حساب وکتاب کا یقین نہیں کرتے کیونکہ اکثر اللہ کے وجود سے بھی انکار کرتے ہیں۔ اکثر ممالک میں لادینی حکومتیں ہیں۔ لہٰذا تعلیم کی بنیاد لادینیت پر ہے۔

سائنس، نظام شمسی کی تباہی کے نظریہ تک زمین پر قیامت کو قبول کرتی ہے کہ زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر ہم ساری کائنات پر غور کریں اور جو دلائل اس آیت میں ہیں۔

(۱): زمین کے ارد گرد فضاء ہے یعنی آسمان ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ملتا ہے کہ زمین کروی (گول طرح) کی شکل میں ہے جس کو آسمان (خلاء) نے ہر سمت سے گھیر رکھا ہے۔

(۲): زمین کے اندر لاوا ہے۔ کہیں اندر خلاء بھی ہے۔ زمین کئی دفعہ اور کئی جگہوں پر دھنس چکی ہے اس کے علاوہ اس میں کئی زلزلے آئے ہیں۔ اس طرح کا عذاب ممکن ہے۔ پھر آسمانی عذاب بھی ممکن ہیں، جس طرح بارش یا بجلی کی کڑک سے تباہی ہو۔ قرآن مجید کی ان ساری معلومات کو سائنس تسلیم کرتی ہے۔ سیلاب اور سونامی بھی عذاب کی شکل ہے۔

(۳):ان تمام قوتوں کی مالک ذات جو زمین اور آسمان اور ان کے اندر تمام موجودات کو کنٹرول کرتی ہے اس کے لئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔جب کہ اس کے وجود کے سارے ذرات (اجزاء) اسی زمین کے اندر ہیں۔

دوبارہ زندگی کیسے:۔

نبی ﷺ نے اس علمی گوشہ پر آج سے چودہ سو سال پہلے لب کشائی فرمائی، جو انتہائی اہم ہے اور اہل علم کی تحقیق کے مشعل راہ ہے۔ قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر قیامت سے تمام زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔(سمندر والی جگہ پہاڑوں سے بھر جائے گی۔ پانی خشک ہو جائے گا، تمام ذی روح ختم ہو جائیں گے)۔ پھر زمین پر مسلسل چالیس سال بارش ہوتی رہے گی اور بارش سے دلدل اور کیچڑ بن جائے گا۔اس کیچڑ میں انسانی جسم کے اعضاء جہاں جہاں وہ ختم ہوئے ہیں، دوبارہ اکٹھے ہوں گے (خشکی یا پانی میں) اور وہیں سے دوبارہ مل کر کیچڑ سے کھڑے ہو جائیں گے۔ انسانوں کی اکثریت کی اپنی آبادی کے علاقوں میں موت ہوئی ہے اور وہیں سے کھڑے ہو کر اپنا حساب و کتاب دیں گے (روح المعانی)۔

اہل علم اگر ان تمام دلائل کائنات پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی قوت پر ایمان مکمل ہوتا ہے اور قیامت اور حساب و کتاب پر یقین آتا ہے اور نیک لوگوں کے لئے یہ بڑی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا قیامت کے بارے استہزاء یا خیال کو سختی سے رد کیا ہے۔ قیامت کی خبر نہ تو جنون ہے، نہ اللہ تعالیٰ پر غلط خبر کی وجہ سے الزام ہے، بلکہ اللہ کی قدرت کا اقرار و اظہار اور نہ ماننے والوں کے لئے سخت عذاب کا اعلان ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝۱۰

اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا۔(ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو (تم بھی) اور ہم نے ان (داؤد) کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۱۱

کہ تم مکمل زرہیں بناؤ اور مناسب انداز سے ان کی کڑیاں جوڑ دو اور تم نیک عمل کرتے رہو۔ بے شک میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کے مختصر حالات پہلے گذر چکے ہیں۔ آپ حضرت جالوت کے بعد بادشاہ بنے۔ آپ بہت عادل اور عوام کا خیال رکھنے والے تھے۔ لوگوں سے حال پوچھتے اور ان کی تکلیفیں دور کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو انسانی صورت میں بھیجا۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب گشت کر رہے تھے تو اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے حکومت کے بارے رائے پوچھی کہ داؤد کی حکومت کیسی ہے۔ اس نے کہا وہ بہت اچھے ہیں اور ان کی

حکومت بھی اچھی ہے مگر ایک کمی ہے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کونسی؟ تو اس نے کہا کہ وہ اپنا اور اہل خانہ کا گذارہ بیت المال سے کرتے ہیں۔ اگر وہ خود اپنی آمدنی سے گذارہ کریں، تو ان کے لئے بہت اچھا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بات کو صحیح جانا اور گھر جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ آپ کو کوئی ہنر سکھائے تاکہ آپ ہنر کے ذریعہ روزی کمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو آپ کے لئے نرم کر دیا اور اس کے ساتھ لوہے کی انجینئرنگ کا علم دیا کہ کس طرح انسانی جسم کے لئے زرہوں میں لچک پیدا کی جائے اور کڑیاں ملا کر لباس بنایا جائے جو تلوار اور نیزے یا تیر کی چوٹ سے انسان کو بچائے اور پہننے کے بعد جسم پر زخم یا تکلیف بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو اپنے زمانہ میں لیڈر بناتا ہے اور ان میں لیڈر شپ اور صاحب امتیاز انسان کی ساری صلاحیتیں عطا فرماتا ہے۔

آپ زِرّہ بنا کر چار ہزار درھم میں فروخت کرتے۔ دو ہزار درھم اپنے لئے اور باقی فقراء و غرباء کو صدقہ کر دیتے۔ بہت کم کھانا کھاتے، تاکہ غرباء کا خیال رہے۔ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے روزہ اور آپ علیہ السلام کے رزق کی تعریف کی ہے۔ آپ بہت زیادہ عبادت گذار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حد درجہ شکر گذار تھے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ کس طرح آپ کی عنایات و کرم نوازی کا شکر ادا کروں جبکہ شکر ادا کرنے کی توفیق بھی آپ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ علیہ السلام کی التجاء پسند آگئی اور فرمایا تم نے شکر ادا کر دیا (اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچان لیا)۔

لوہے کو نرم کرنے کے بارے ایک صورت ہے کہ گرم لوہا آپ علیہ السلام ہاتھوں سے پتلا یا موڑ توڑ لیتے۔ یا خام لوہے سے کچھ کم درجہ حرارت پر لوہے کو پگھلا کر مطلوبہ اشیاء بنا لیتے۔ اس طرح آپ کا پیشہ، آہن گر کا تھا۔ تمام پیشے اہم ہیں اور پیشوں کی بناء پر تفریق یا تقسیم غلط ہے۔ یہ تقسیم ہندومت میں ہے۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (بخاری/ابن ماجہ)۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی۔ آپ کی آواز بہت سریلی تھی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی آواز اس طرح سریلی تھی گویا ستر (70) قسم کے سریلے ساز گلے میں بند ہیں۔ آپ علیہ السلام بہت دل کے ساتھ مناجات پڑھتے اور تنہا پہاڑوں میں پڑھتے۔ جب آپ علیہ السلام حمد و ثناء کرتے تو باآواز بلند اور آپ علیہ السلام کی سریلی آواز کے سحر سے پرندے رک جاتے اور آپ کے ساتھ حمد و ثناء کرتے۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ اواز کی دلکشی اور اثر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔

پہاڑوں کی ثناء کی ایک توجیہ یہ ہے کہ عموماً عمودی (سیدھی کٹی ہوئی) چٹان یا کٹا ہوا پہاڑ کے درمیان آواز کی گونج پیدا ہوتی ہے۔ آپ جب حمد و ثناء کرتے تو عام پہاڑ (ڈھلوان میں) پر بھی گونج اور حمد و ثناء کی آواز پیدا ہو جاتی۔

صوفیاء کے نزدیک جبال سے مراد، عالم الملک (ارضی) اور طیر سے عالم ملکوت کا اعزاز ہے۔ حدید سے مراد قلب ہے اور سابغات سے مراد دل کے افکار کا زبان سے اظہار ہے۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾

اور ہوا، کو سلیمان کے لئے تابع کر دیا۔ اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ (کی مسافت) تھا اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک ماہ (کی مسافت) تھا۔ اور ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور بعض جِنّ (اس کے تابع کر دیئے) جو اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کا عذاب چکھاتے۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

جو وہ (سلیمان) چاہتا وہ (جِنّ) اس کے لئے بنا دیتے۔ عالی شان عمارتیں اور مجسمے اور حوضوں جیسے (بڑے بڑے) لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں۔ اے آل داؤد! نیک عمل کرو شکر کے طور پر۔ اور میرے بندوں میں شکر گذار تھوڑے ہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

پھر جب ہم نے اس (سلیمان) پر موت کا فیصلہ (نافذ) کیا تو ان (جنّوں) کو زمین کے کیڑے (دیمک) کے سوا کسی چیز نے بھی اس (سلیمان) کی موت کی اطلاع نہ دی، وہ اس لاٹھی کو کھاتا رہا۔ پھر جب وہ گر پڑا تو جنّوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو وہ (جنّ) اس رسوا کن عذاب (مشقت) میں پڑے نہ رہتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعامات و اکرامات کا ذکر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر سورۃ النمل میں گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا یعنی ہوا کا تیز اور آہستہ ہونا، بالکل رک جانا، آپ کے حکم سے ہو جاتا۔

تیز ہوا کی وجہ سے ہوائی جہاز اوپر اُٹھ جاتا ہے اور پھر اوپر جہاں ہوا کی اُٹھان زیادہ اور مزاحمت بہت کم ہوتی ہے وہاں اُڑتا ہے اور پھر اسی طرح ہوا کی مزاحمت پیدا کر کے اس کی رفتار کم اور اس کی بلندی کم کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اتر جاتا ہے۔ آپ کا تخت بھی اللہ کے حکم سے اسی طرح اُٹھ جاتا۔ ہوا پر اُڑتا اور ہوا، اسے آپ کے حکم سے اُٹھاتی، دھکیلتی اور پھر اتار دیتی اور یہ تخت بہت وسیع تھا۔ اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کہ بہت سارے بلند ستونوں جن کی تعداد ہزاروں تھی اور بہت وسیع علاقہ پر پھیلے تھے کے اوپر پڑا ہوتا تھا یا ایک روایت ایک بلند پہاڑی (چٹان) کے وسیع اور چوڑی چوٹی پر رکھا ہوتا تھا۔ ہوا کی وجہ سے آپ کا سفر جو انسان ایک ماہ میں کرتا آپ نصف دن میں کرتے۔ یعنی فلسطین (بیت المقدس) سے یمن جاتے اور اسی طرح وہاں سے عراق کے مشرقی کناروں تک جاتے۔ اسی طرح شام کو بھی آپ ایک ماہ کی مسافت طے کرتے اور سارے اپنے ملک کو کنٹرول کرتے۔ بحیرہ روم سے بحیرہ عرب تک کے علاقوں پر آپ کی حکومت تھی اور عدل و انصاف کا بول بالا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو فولاد اور لوہے کے بارے علم اور ٹیکنالوجی عطا ہوئی۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے تانبے کے ذخائر کھول دیئے۔ تانبے کا مواد انتہائی نرم ہوتا اور آپ علیہ السلام اس سے مختلف اشیاء بنواتے۔ آپ نے بیت المقدس کی عمارت کو مکمل کیا اور بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ تانبے (چونکہ بہترین موصل حرارت کنڈکٹیو ہے) اس سے بڑی بڑی تماثیل (مجسمے) یعنی فن کی چیزیں بنوائیں۔ آپ علیہ السلام کے لشکر کی عظمت کی بناء پر حوض نما، ٹب تھے جن میں کھانا بنتا اور بھٹیوں کے نمونہ پر آپ علیہ السلام کی دیگیں ہوتیں جن میں سالن بنتا یا غذا پکتی۔ ان تمام کاموں جو انسانی بساط یا طاقت سے باہر تھے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنوں کو مقرر کر دیا تھا۔

جنّ اللہ کی مخلوق ہے جو کہ انرجی یعنی آگ (حرارت) سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی رفتار تیز ہوتی ہے اور بجلی یا کسی اور انرجی کی صورت میں قوت بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ کچھ جنّ اللہ تعالیٰ نے ایک معجزہ کے طور پر آپ کے تابع کر دیئے اور وہ ہر وقت آپ کے زیر کمان رہتے، چونکہ وہ آگ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کو نیند اور تھکان نہیں ہوتی ہے۔ جنّوں کو بھی اختیار ہے، عقل ہے اس لئے اگر کوئی جن اپنے کام میں سستی یا انکار کرتا تو اس کو سزا دی جاتی اور قیامت کو بھی جنّوں کو ان کے اعمال بد کے بدلے جہنم کی آگ میں سزا دی جائے گی۔

جدید دور میں مصنوعی عقل (Artificial Intelligance) کے استعمال سے آلات میں مصنوعی عقل لگا کر بھاری، سخت گرمی یا سخت سردی (ٹمپریچر) کی حالت کے کام ان سے لئے جاتے ہیں اور اب اس کا دائرہ زمین سے نکل کر خلاء یعنی (فضاء) آسمان کی حدود تک جا چکا ہے۔ اس کی ایک مثال یوں ہے کہ سافٹ ویئر (مصنوعی عقل) کے ذریعے ایشیاء میں بیٹھا شخص شمالی یا جنوبی امریکہ میں مشین کو ٹھیک کر لیتا ہے۔ یعنی ہارڈ ویئر ٹھیک ہو جاتا ہے اور

مرمت کرنے والا اور مرمت ہونے والی مشین دونوں اپنے اپنے مقاموں (موقعوں) پر رہتے ہیں۔ روبوٹ ایک ایسی انجینئرنگ ہے جس میں مصنوعی عقل استعمال کر کے مصنوعی جسم کے ذریعے انسان کی کام کرنے میں مدد کی جاتی ہے۔ لہٰذا فرشتوں، جنّوں کا وجود ان کے ذریعہ پیغام رسانی یا دوسرے امور کے بارے ایک عملی صورت انسان کو مل چکی ہے۔ فضاء میں متحرک اُڑن طشتریاں (UFO) بھی اب ایک وجود تسلیم کر لی گئیں ہیں۔ جو سائز، رفتار اور بلندی بدلتی رہتی ہیں۔

محراب سے مراد بلند عمارت ہے۔ مسلمانوں کی مسجد کا محراب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شروع کیا جو کہ مسجد کی دیوار کے وسط میں امام کے لئے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ امام اور مقتدی کا ایک مقام پر نماز ادا کرنا ضروری ہے، اس لئے امام کے پاؤں محراب سے باہر ہوں تا کہ جماعت کا حصہ معلوم ہو۔ محراب کا مقصد خوبصورتی بھی ہے جو اب علامت بن چکی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اکثر ایام اپنے حجرہ میں عبادت کرتے اور اعتکاف کی طرح بیٹھے رہتے۔ آپ نے حجرہ میں عصاء پر ٹیک لگائی ہوئی تھی کہ موت آگئی اور روح پرواز کر گئی۔ جسم کا وزن ٹانگوں اور عصاء پر تقسیم ہو گیا اور کافی ایام آپ اسی صورت میں کھڑے رہے کیونکہ جسم روح نکلنے کے کچھ عرصہ (وقت) بعد سخت ہو جاتا ہے حتٰی کہ دیمک نے آپ علیہ السلام کے عصاء کو کھالیا اور جب عصاء کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تو آپ گر پڑے۔ پھر جنوں کو پتہ چلا کہ حضرت سلیمان ،اس دنیا سے چلے گئے ہیں اور وہ کام چھوڑ کر بھاگ گئے کیونکہ اب ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سزا کا خوف نہیں تھا۔ اس لئے یہ بھی واضح ہوا کہ جنات، امور غیب (یعنی اللہ کے فیصلوں) سے مطلع نہیں ہوتے، وہ چوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن فرشتے ان کی کوششوں کو (شہاب ثاقب کے ذریعے) ناکام کر دیتے ہیں۔ کیونکہ شہاب ثاقب جلتے ہوئے خلاء میں ٹکرے ہیں جو بہت تیزی سے دوڑتے ہیں۔

دیمک کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ معمولی مخلوق بعض اوقات قوی مخلوق کو علم مہیا کرتی ہے۔

نیک اعمال بھی شکر ہیں:۔

اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام جو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر تھے ان کی وجہ سے ان کو شکر ادا کرنے کی تاکید کی۔ اور شکر ادا کرنے کے لئے اعمال کا ذکر کیا کہ وہ نیک اعمال کریں مثلاً غریبوں کی فلاح، انصاف و عدل کرنا، جہاں تک انسان کا بس ہے۔ سچی گواہی، کمزوروں کی مدد ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور انسانی فلاح کا تاریخ کا اعلیٰ ترین ادوار میں سے گذرا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے جو ارشاد فرمایا وہ روشنی کا مینار ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ منبر پر چڑھے۔ آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۴﴾) پھر فرمایا؛ جس شخص کو تین نعمتیں دی گئیں اس کو آل داؤد کی نعمتیں دی گئیں۔ ہم نے پوچھا وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا؛ رضا اور غضب کی حالت میں عدل کرنا اور فقر و غنا میں درمیانہ روی قائم کرنا اور تنہائی اور مجلس میں اللہ سے ڈرنا۔ (نوادر الاصول۔ للترمذی)۔

دراصل نعمت کا اعتراف، نعمت کا صحیح استعمال، یعنی اللہ کے لئے لوگوں کی بھلائی میں خرچ کرنا، شکر ہے اور اسی طرح نعمت کا انکار اس کا غلط استعمال ہے جو کفران نعمت ہے۔ نعمت پر شکر کرنے کے جو انسانی صحت اور سکون پر اثرات و فوائد ہیں، کے بارے ذکر کیا جا چکا ہے۔

بد قسمتی ہے کہ اکثر لوگ اپنے خالق و مالک کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس کی بے پناہ نعمتوں کو جو انسانی جسم میں موجود ہیں۔ اور ہمارے ارد گرد ہیں مثلاً ہوا، پانی، دھوپ، زمین پر پیداوار کی صلاحیت اور درخت ان کا کوئی شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اس کے وجود کے ہی منکر ہیں۔ ان سب کو ایک خود بخود بننے والی مخلوق سمجھتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں ہے کہ بہت کم لوگ شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر گذار بندوں میں شامل فرمائے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

سبأ قوم کے لئے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی۔ دائیں اور بائیں طرف دو باغ تھے۔ (ہم نے کہا) تم اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ یہ پاکیزہ شہر ہے اور رب بڑا بخشنے والا ہے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

پھر جب انہوں نے (راہ حق) سے منہ موڑا، تو ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے دونوں باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بدذائقہ پھل (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درخت تھے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے بعد قوم سبأ کا ذکر ہے۔ سبأ یمن کا علاقہ ہے جو صفاء اور حضر موت کے درمیان ہے اس کا اہم شہر مأرب تھا۔ اس علاقہ کو سبأ، کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سبأ بن یشجب بن یعرب بن قحطان، قبیلہ کی شاخ آباد تھی۔ قوم سبأ، یمن میں رہتی تھی۔ ملکہ بلقیس بھی یہیں کی رہنے والی تھی۔ ملکہ بلقیس کے مسلمان ہونے سے پہلے یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ایک حدیث (روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) کہ نبی نے فرمایا؛ سبأ ایک مرد کا نام تھا اور اس کے دس بیٹے تھے ان میں سے چھ یمن میں چلے گئے اور چار شام میں چلے گئے۔

یہ علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ پہاڑوں سے چشموں کی وجہ سے زمین سیراب ہوتی تھی۔ زراعت بہت تھی، تجارت بھی تھی۔ بحری اور بری دونوں راستوں سے تجارت ہوتی تھی۔ حکمرانوں نے دو پہاڑوں کے درمیان بند بنا کر پانی کو روک دیا جس کی وجہ سے مزید آبپاشی اور زراعت بہت بہتر ہو گئی۔ ہر قسم کے پھل اور اجناس میسر تھے اور یہ علاقہ خوشحالی کے لئے مشہور تھا۔ ملکہ سبأ کے بعد یہ لوگ مسلمان رہے اور یہ خوشحالی طویل مدت رہی۔ حتٰی کہ پھر لوگ گمراہ ہو گئے۔ عرم، ڈیم یا بند کو کہتے ہیں۔ اس ڈیم کا نام مأرب تھا اور شہر کا نام بھی مأرب تھا۔ جب یہ قوم گمراہ ہو گئی تو اللہ تعالٰی نے ان پر عذاب اس طرح نازل کیا کہ ڈیم ٹوٹ گیا اور ڈیم کے ٹوٹنے کے ساتھ سارے باغات تباہ ہو گئے۔ درخت بہہ گئے۔ گھر گر گئے اور بہہ گئے اور اس کے بعد اس زمین پر پھلدار درختوں کے بجائے جنگلی پودے کثرت سے اُگ آئے جن کا کوئی پھل نہیں تھا اور یوں ساری خوشحالی بدحالی میں بدل گئی۔

روایت کے مطابق ان کی طرف دس بارہ نبی آئے تھے۔ انہوں نے ہدایت کا پیغام پہنچایا مگر دولت کے نشے میں انہوں نے اپنی من مانی کی اور شیطان کے بہکاوے میں آکر حق سے پھر گئے۔ نیکی کے اعمال ختم کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارا شہر اُجڑ گیا اور وہاں کے افراد کچھ شام اور کچھ یمن میں عدن کی طرف چلے گئے، کچھ حضر موت کی طرف منتقل ہو گئے۔ یہ ان کے برے اعمال کی سزا تھی جو انہوں نے شروع کر دیئے تھے۔ یہی ناشکروں کی سزا ہے۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان (اہل سبأ) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی۔ کئی بستیاں باہم متصل (سرِ راہ آباد) رکھی تھیں اور ان میں ہم نے سفر کی منزلیں مقرر کر دیں تھیں (ہم نے کہا) تم ان میں راتوں اور دنوں میں امن سے سفر کرو۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

پھر انہوں نے کہا؛اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر میں دوری پیدا کر دے اور انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا چنانچہ ہم نے انہیں افسانہ بناڈالا اور انہیں مکمل طور پر ٹکڑے کر دیا۔ بلاشبہ اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے عظیم نشانیاں ہیں۔

اہل سبأ پر انعام واکرام کا ذکر ہے کہ سارا ملک بہت آباد تھا، زراعت و تجارت زوروں پر تھی۔ محل وقوع کی وجہ سے ایک طرف بحر عرب تھا تو دوسری طرف بحیرہ احمر تھا اور خشکی کی تجارت شام، عراق اور حجاز کی طرف ہوتی تھی۔ برکت والی زمین سے مراد شام کی زمین ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بستیوں کی تعداد سات ہزار سے زیادہ تھی اور یہ بستیاں سارے راستے یعنی شاہراہ کے کنارے آباد تھیں۔ان کی وجہ سے مسافروں یا تاجروں کو سامان خورد ونوش نہیں اٹھانا پڑتا تھا۔ کیونکہ ہر مناسب فاصلہ پر گاؤں آباد تھا جہاں ان کی ضروریات مل جاتی تھیں۔ سفر بڑا پر سکون اور محفوظ ہوتا تھا۔ مختلف افراد خدمات کے لئے مل جاتے تھے اور تجارت میں اضافہ ہوتا تھا۔ان کی سمندری تجارت بحیرہ احمر اور بحیرہ عرب کے نقطہ باب المندب کی وجہ سے کنٹرول میں تھی۔ خشکی کی تجارت یمن سے شام براستہ حجاز اور عراق و ایران کی طرف بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے وہ زیادہ خواہشات اور شیطان کے تابع ہو گئے اور سفر میں آسانی کے بجائے دوری اور زیادہ فاصلوں، مشقت کی تمنا کر دی۔

انسان دراصل کمزور ہے اور نفسانی خواہشات اور تبدیلی کی خواہش کی وجہ سے بعض اوقات نقصان دہ امور کی طرف چل پڑتا ہے۔ان کو، ان کی ناشکری کی سزا ملی۔ اور ڈیم کی تباہی کے بعد سارا شہر تباہ ہو گیا۔ سارے باشندے غذا اور رہائش کے مسائل کی وجہ سے تتر بتر ہو کر حجاز، شام، اردن اور فلسطین کی طرف بکھر گئے۔ ساری بستیاں بھی اس تباہی کی وجہ سے اجڑ گئیں اور ساری قوم ہلاکت کا شکار ہو گئی۔ یہ عروج و زوال، انسانوں کی ناشکری اور بے صبری کی داستان سناتا ہے اور اہل صبر و شکر ان واقعات سے درس عبرت حاصل کر کے اپنے رب العالمین کے آگے سر بسجود اور شکر گذار رہتے ہیں۔ تکالیف میں صبر کا دامن تھامے رکھتے ہیں اور وہی اس دنیا میں اور آخرت میں کامیاب ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور ابلیس نے ان پر اپنا خیال یقیناً سچ کر دکھایا۔ چنانچہ سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے سب نے اسی کی اتباع (پیروی) کی۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۲﴾

اور ابلیس کا ان پر کوئی زور نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے کفر کیا) وہ (زور) اس لئے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ تھلگ کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں (یقین نہیں رکھتے) اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اعمال بد کا محرک:۔

آیات مبارکہ میں قوم سبأ کے عروج وزوال کی داستان ہی نہیں، بلکہ انسان کے اعمال کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ ابلیس آگ سے پیدا ہوا ہے۔ جنات اس کی ایک طرح اولاد ہیں کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور اکثریت اس کے خیالات پر عمل کرتی ہے۔ چونکہ اس کو قیامت تک ڈھیل ملی ہے اور پھر وہ غیر مادی مخلوق ہے۔ انرجی (آگ) سے ہے۔ وہ انسان کے دماغ تک رسائی کر لیتا ہے اور ہمارے دماغ کے نیورون میں حرکت پیدا کر کے خیالات ڈالتا ہے۔ اور وہ خیال بار بار انسان کو آتا ہے۔ اب اس خیال پر عمل کرنا یا نہ کرنا انسان کا اپنا اختیار ہے۔ شیطان یا جنّ کے پاس یہ طاقت نہیں کہ انسان سے بالجبر کوئی کام کرائے۔ شیطان صرف وہ خیالات جن میں ساٹھ فیصد نقصان ہوتا ہے اور چالیس فیصد فائدہ ہوتا ہے ان کو اس دھوکہ کے ساتھ انسان کے دماغ میں تصویر اتارتا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ ساٹھ فیصد فائدہ ہے اور جب عمل کرتا ہے تو نتیجہ میں نقصان نکلتا ہے۔ عمل کرنے کا فیصلہ انسان کا اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس لوامہ کی قوت دی ہے، جس سے بہتر تجزیہ کر کے فیصلہ بدلا یا صحیح فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اہل عقل و فکر نفس لوامہ یعنی تجزیہ و تحقیق کے عمل کو استعمال کر کے صحیح فیصلہ کرتے ہیں۔

شیطان ظاہری حالات کو زیادہ اہمیت دلاتا ہے۔ دنیا کے فوائد پر توجہ دلاتا ہے۔ چونکہ آخرت کے بارے انسان کے پاس موجود شواہد نہیں، صرف ایمان بالغیب ہے۔ اس لئے شیطان جو سامنے موجود ہے اس کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر ، آخرت کی فکر اور اس کی حقیقت سے منکر کر دیتا ہے اور انسان پھر صرف دنیا کی لذت اور خواہشات کا نشانہ بن جاتا ہے اور یہی وہ حربہ ہے جو شیطان (ابلیس) انسان پر استعمال کرتا ہے۔

آخرت کا یقین ہی وہ نظریہ ہے، جو انسان کو راہ ہدایت پر رکھتا ہے۔ عمل سے پہلے احکام الٰہی کی طرف دیکھتا ہے اور آخرت کی کامیابی کو ہی اصلی کامیابی قرار دیتا ہے۔ دنیا کے معاملات کو آخری حد نہیں سمجھتا۔ مومن دنیا میں اپنا حصہ اور کردار ضرور ادا کرتا ہے لیکن اس کے ہاں دنیا کی زندگی کے بجائے آنے والی زندگی زیادہ اہم ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب آخرت (قیامت حساب و کتاب) پر پورا یقین ہو۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے؛ انہیں پکارو جنہیں تم نے اللہ کے سوا معبود خیال کیا تھا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ) کا مددگار ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

اور اس کے پاس صرف اس کی شفاعت (شفارش) نفع دے گی جسے وہ (اللہ) اجازت دے گا۔ حتٰی کہ جب ان (شفاعت کرنے والوں) کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو وہ (طالب شفاعت) کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں حق سچ کہا ہے اور وہ بہت بلند، بہت بڑا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

کہہ دیجئے؛ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہہ دیجئے: اللہ ہی اور بلاشبہ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر ہیں۔

گمراہی کے اسباب اور گمراہوں کے ذکر کے بعد، کفار کو دلائل سے قائل کیا جارہا ہے کہ، تمہیں زمین اور پھر آسمان سے رزق کون دیتا ہے۔ زمین پر پھل اور اجناس پیدا ہوتے ہیں اور آسمان سے بارش کی وجہ سے یہ ہریالی ہوتی ہے۔ لیکن جن بتوں کو تم خدا سمجھتے ہو وہ تو نہ زمین پر اور نہ آسمان پر کچھ کام کر سکتے ہیں اور نہ اللہ کے اس نظام میں کوئی بھی عمل دخل (مدد) کر سکتے ہیں۔ قیامت کو جب گمراہوں (جو بتوں پر ایمان رکھتے ہیں) کو عذاب ملے گا، یہ بت کچھ مدد (یعنی شفاعت و بخشش) نہیں کر سکیں گے۔ مشرکین کا یہ عقیدہ کہ بت ان کی سفارش کریں گے کو، ردّ کیا ہے۔ قیامت کو اللہ کے دربار میں وہی سفارش کرے گا جس کو اللہ تعالٰی نے شفاعت کا اختیار دیا ہے۔ شفاعت کرنے والے، انبیاء یا فرشتے ہوں گے۔ شفاعت کرنے والے فرشتوں یا انبیاء کی یہ حالت ہوگی کہ جب کوئی اللہ حکم دے گا تو وہ جلال الٰہی اور احکام کی شدت سے گھبرا جائیں گے اور جب ان سے کوئی پوچھے گا تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ کے احکام حق اور سچ ہیں۔ جب ذات الٰہی سب کو رزق دینے والی ہے۔ آخرت میں اس کے حکم سے ہی کسی کو شفاعت نصیب ہوگی۔ فیصلہ یہ کرنا ہے کہ جو اللہ کی ذات کو معبود ماننے والے ہیں، وہ ہدایت پر ہیں یا بتوں کو ماننے والے حق پر ہیں، جب کہ بت کچھ بھی

نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا اور بخشنے والا ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو ماننے والے ہی حق پر ہیں لہٰذا مسلمان حق پر اور مشرکین مکہ کھلی گمراہی پر ہیں۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

کہہ دیجئے؛ جو ہم نے جرم کیا تم سے اس کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا اور جو تم عمل (جرم) کرتے ہو نہ ہم سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

کہہ دیجئے! ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا اور پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا وہی بہتر فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

کہہ دیجئے؛ تم مجھے وہ (معبود) دکھاؤ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ (ایسا) ہر گز نہیں۔ بلکہ وہی اللہ نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔

کفار (مشرکین مکہ) کو وارننگ دی جارہی ہے کہ ان کے اعمال (جو حق کے خلاف ہیں) کے بارے ان سے پوچھا جائے گا اور مسلمانوں سے ان کے اعمال کے بارے پوچھا جائے گا۔ کون حق پر ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب آدمیوں کا حساب و کتاب ہو گا تو فرمائیں گے۔ اب غور کرو جو بت ہیں ان کو خالق کائنات کے برابر جاننا بالکل غلط ہے اور اللہ کی ذات بہت طاقت والی ہے۔ ساری کائنات اس کے قبضے میں ہے اور بہت حکمت والا ہے کہ سارا نظام کائنات ایک مربوط طریقے سے چل رہا ہے۔ اس کا فیصلہ ہی حق اور صحیح فیصلہ ہو گا۔

فتاح اس حاکم کو کہتے ہیں جو مغلق، مشکل اور بظاہر نہ سمجھ میں آنے والے مقدمات کا فیصلہ کرے۔ امام غزالیؒ نے کہا، الفتاح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر بند معاملہ کھل جائے اور جس ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جائے۔ وہ کبھی اپنے انبیاء کے لئے دشمن کے قبضہ سے ملکوں کو نکال کر ان کو عطا کر دیتا ہے اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اُٹھا دیتا ہے اور ان کے لئے اپنی کبریائی کے جمال اور اپنی صفات کی معرفت کے ابواب کھول دیتا ہے۔ اس لئے بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے، اس کا ذکر کرتا رہے۔ علیم، عالم کا مبالغہ ہے۔ اس سے مراد وہ ہے جو ہر چیز کا جاننے والا ہو اور اس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

رہنمائے انسانیت:

کفار کی ہٹ دھرمی کے بعد نبی ﷺ کے مقام کا اعلان کیا کہ آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے ہدایت دینے والا بنایا۔ آپ اللہ کی نافرمانی پر ڈرانے اور اس کی فرمانبرداری پر جنت کی خوشخبری دینے والے ہیں لیکن اکثر لوگ اپنی ضد، انا یا جہالت، دنیاوی مفادات کی وجہ سے اس کو نہیں جانتے۔ اس سے مراد قبول نہیں کرتے تاکہ اپنی مرضی کر سکیں۔

یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ الفرقان آیت 1۔ وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندہ پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو (تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ)۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر 107: (وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر 158 (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا) اے نبی کہہ دیجئے: اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ یہی مضمون متعدد احادیث میں فرمایا گیا (۱): بُعِثْتُ إلى الأحمَرِ والأسوَدِ؛ میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں (مسند احمد)۔ (۲): وكانَ النبيُّ يُبْعَثُ إلى قَوْمِهِ خَاصَّةً وبُعِثْتُ إلى النَّاسِ عَامَّةً؛ پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں (بخاری و مسلم)۔ (۳): بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ۔ میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں پھر آپ نے دو انگلیاں اُٹھائیں۔ (بخاری و مسلم)۔ مطلب یہ تھا کہ جس طرح دو انگلیوں کے درمیان کچھ نہیں اسی طرح میری نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی نبوت نہیں اور میں قیامت تک رہنے والا نبی ہوں۔

مفسرین نے العالمین سے نبی ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے زمانہ کو کہا ہے کہ آپ ﷺ قیامت تک تمام انسان اور جنات کے لئے نبی بھیجے گئے ہیں (سورہ الفرقان آیت نمبر 1)۔ بعض علماء نے العالمین میں فرشتوں کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض نے تمام مخلوقات بھی لی ہے۔ لیکن مکلف یعنی احکام کے پابند انسان اور جنات ہیں جن کو اعلیٰ عقل اور اختیار دیا گیا ہے (روح المعانی)۔ یہ آپ ﷺ کا دوسرے انبیاء کے مقابلے میں امتیاز ہے۔ معجزات میں روایات کے مطابق حیوانات و جمادات اور اشجار نے بھی آپ کو سلام پیش کئے۔

نبی ﷺ انسانوں کو ان کے اچھے اعمال کی خوشخبری اور برے اعمال پر سزا کے بارے بتاتے۔اس کا آخری وعدہ قیامت کا تھا جس کے بارے کفار مکہ اور آج بھی لوگ انکار کرتے ہیں یا اسے محال سمجھتے ہیں۔اگلی آیت میں اس کا ذکر ہے کیونکہ کفار مکہ بار بار کہتے کہ وہ عذاب یا دن جس سے ڈرایا جاتا ہے کب واقع ہوگا؟

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور وہ (کفار) کہتے ہیں؛ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (قیامت) کب پورا ہوگا۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

کہہ دیجئے؛ تمہارے لئے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکو گے نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکو گے۔

ہر کام کے لئے ایک معین وقت یا معیار ہے جو کہ اپنے مقرر وقت پر آتا ہے، جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔اس میں جلدی یا تاخیر ممکن نہیں، اور نہ کسی کی خواہش کا اس میں دخل ہے۔دنیا میں کوئی کام بے فائدہ یا بے مقصد نہیں۔نہ اتفاقاً ہے، بلکہ ہر واقعہ اللہ کا تخلیق کردہ اور تقدیر کے مطابق ہے اور اس کا تعلق بھی آخرت سے ہے۔اللہ کی تقدیر، ان واقعات کو اپنی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر لاتی ہے اور انسان اس سے اتنا واقف ہے، جتنا اللہ تعالیٰ نے اسے علم دیا ہے اور اللہ کی حکم کا زیادہ حصہ چھپا ہوا ہے (غیر معلوم ہے)۔اللہ کے کسی وعدے اور سزا میں جلدی کرنے کا مطالبہ، درحقیقت انسان کی اپنی جہالت اور لاعلمی ہے کیونکہ وہ حکمت الٰہی سے باخبر نہیں ہوتا اور جلد بازی سے کام لیتا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا؛ ہم اس (قرآن) پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان (کتابوں) پر جو اس سے پہلے آئیں اور (اے نبی!) کاش آپ دیکھیں؛ جب ظالم لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔جب کہ ان کا ہر ایک دوسرے کی بات کو رد کر رہا ہوگا۔تو جو کمزور لوگ ان متکبرین (طاقتوروں) سے کہیں گے۔اگر تم نہ ہوتے تو یقیناً ہم مومن ہوتے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور جو متکبرین (طاقتور) تھے ان کمزور (جو محکوم تھے) لوگوں سے کہیں گے، کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا، جب وہ تمہارے پاس آگئی تھی؟ بلکہ تم (خود ہی) مجرم تھے۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا بَلۡ مَکۡرُ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ نَجۡعَلَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَ جَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۳﴾

اور کمزور (محکوم) لوگ ان متکبرین (طاقتوروں) سے کہیں گے: (نہیں) بلکہ تمہاری رات اور دن کی چالوں نے ہی (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور وہ (سب دل میں ندامت سے) پچھتائیں گے جب عذاب دیکھیں گے اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جنہوں نے انکار (کفر) کیا۔ انہیں صرف جو وہ عمل کرتے تھے، اس کا بدلہ (سزا) دیا جائے گا۔ (ظلم نہ ہوگا)۔

قیامت میں حساب وکتاب کی منظر کشی کی جارہی ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والا اس کیفیت سے آگاہ ہو اور درس عبرت حاصل کرے۔ اہل ثروت وطاقتور، اپنے مفاد کے لئے، اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں اور ان کے ماتحت کمزور اور لالچی افراد محض اپنے مفادات کے لئے، ان کے ساتھ گمراہی پر چلتے ہیں تاکہ ان کی خوشنودی حاصل کر کے فائدے اُٹھالیں۔ قیامت میں جب دونوں کو سزا ملے گی۔ تو کمزور لوگ جن کو حق کی معلومات تھیں لیکن انہوں نے اپنے حکام اور طاقتور لوگوں کو خوش کیا، ان پر الزام دیں گے کہ تمہاری خوشی کے لئے ہم نے تمہارا ساتھ دیا اور احکام الٰہی یا نبی ﷺ کی دعوت واحکام کو ٹھکرایا۔ تم ہی ہمارے اس عذاب کا سبب ہو۔ وہ ان کو جواب دیں گے کہ ہم نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا۔ تم اپنے مفاد کے لئے ہمارے ساتھ چلے اور انکار کیا۔ لہٰذا تم اپنے گناہ کے ذمہ وار ہو۔ ہم پر الزام نہ دو، پھر دونوں مجرموں (کمزور اور متکبر) کے گلے میں طوق ڈال کر گھسیٹا جائے گا اور دونوں گروپوں کو ان کے برے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات انصاف وعدل قائم رکھیں گے۔ یہ منظر اس وقت کے کفار مکہ کے لئے تھا اور آج بھی جو لوگ اپنے دنیاوی وعارضی مفادات کی وجہ سے احکام الٰہی کو ٹھکراتے ہیں ان کے لئے اعلان ہے کہ اپنے آپ کو اس حالت زار سے بچائیں جب کوئی بھی مجرموں کو بچانے والا نہ ہوگا۔ نبی ﷺ بھی اپنے امتیوں میں سے جو ان کے احکام اور طریقہ کو نظر انداز کرتے ہیں کوئی شفاعت نہیں کریں گے۔

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۙ اِنَّا بِمَآ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے جس بستی میں بھی ڈرانے والا (رسول) بھیجا تو اس کے خوشحال (طاقتور) لوگوں نے یہی کہا؛ بلاشبہ جس چیز کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

وَ قَالُوۡا نَحۡنُ اَکۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا ۙ وَّ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۳۵﴾

اور انہوں نے کہا (رسول سے)؛ ہم (تم سے) مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾

(اے نبی) آپ کہہ دیجئے؛ بلاشبہ میرا رب جس کے لئے چاہے رزق کشادہ (زیادہ) کرتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ (کم) کرتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسباب گمراہی:۔

گمراہ لوگوں کے دلائل، ان کے رویہ اور قیامت میں ان کی حالت زار کے بعد قرآن مجید، ایک انسانی نفسیات کی حقیقت قارئین کو بتارہا ہے کہ اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے اور یہ تاریخ انسانی سے واضح ہے۔ اگر ہم تمام انبیاء کے حالات پڑھیں تو یہ سب میں مشترک ہے اور آج کی دنیا میں بھی یہ واضح ہے۔ اس دنیا میں شروع سے آدمی کو اپنی بقاء اور رزق کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے اور جن کے پاس رزق زیادہ یا طاقت ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں۔ ان کی خوشحالی دلوں کو سخت کر دیتی ہے۔ احساس ختم ہو جاتے ہیں۔ مزاج بدل جاتے ہیں، وہ خواہشات اور نفس امارہ کے نیچے دب جاتے ہیں۔ انہیں انسانیت کی پند و نصائح، احکام الٰہی، کمزوروں کا احساس، نظر نہیں آتا اور نور انسانیت ان کے سینے میں ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی جھوٹی قدروں جن کی بنیاد دولت اور طاقت کا ناجائز استعمال ہوتا ہے، سے چمٹے رہتے ہیں اور آخرت کے حساب و کتاب کو بھول جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں طاقت و دولت ہی سب کچھ ہے اور یہ ان کی کامیابی ہے۔

قرآن مجید اس نظریہ کو یکسر ٹھکرا دیتا ہے۔ یہ نظریہ آج بھی اہل طاقت و ثروت کا سہارا ہے۔ قرآن مجید کا معیار ،اللہ کے احکام پر چلنے اور اللہ کو راضی رکھنے کا ہے۔ رزق کی زیادتی اور طاقت، نہ کسی آدمی کو اللہ کے عذاب سے بچاتی ہے بلکہ جزاو سزا کا معاملہ تنگدستی اور مجبوری، طاقت و کمزوری پر منحصر نہیں بلکہ ایمان اعمال صالحہ اور غیر صالحہ پر ہے۔

رزق کی کمی وبیشی:۔

دولت، امارت، غربت و مجبوری، ہمارے سامنے نظر آتی ہے۔ ہم اس سے گذرتے ہیں اور اس کا شدت سے احساس کرتے ہیں۔ پھر شیطان ہمارے نفس امارہ (انسانی خواہشات کا سمندر) کے ذریعے بھڑکاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی مقام پر واضح کیا ہے تاکہ انسان غور و فکر اور حقائق دنیا کو دیکھ کر اس نفسیاتی پریشانی سے بچ جائے۔ بسا اوقات آدمی دھوکہ کھاتا ہے کہ یہ دولت شاید ایک بڑا انعام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جزاو سزا کا معاملہ رزق کی تنگدستی یا دولت مندی سے نہیں۔ اہل باطل کی شان و شوکت دیکھ کر اہل حق اور نیک لوگ جو اس سے محروم ہیں، وہ پریشان نہ ہوں اور نہ ہی یہ سمجھا جائے کہ تنگدستی اور فقر ہی پاکبازی یا نیکی کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے تحت رزق کی فراوانی کرتا ہے یا تنگی دیتا ہے۔ بعض اوقات ایسے شخص کو رزق کی فراوانی دیتا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کو دیتا ہے جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔ بعض اوقات اہل شر اور اہل خیر دونوں تنگی رزق کا شکار ہوتے ہیں۔ ان سب حالات میں ان کے اسباب ایک طرح نہیں ہوتے۔ بعض اوقات اہل شر کو رزق کی فراوانی، مزید گمراہ کرنے کے لئے ملتی ہے تاکہ زیادہ سزا ملے اور اسی طرح اہل خیر کو زیادہ رزق ملتا ہے کہ مزید نیکی اور بھلائی کے کام کریں اور مزید نیکیاں کمائیاں، کبھی محروم کئے جاتے ہیں تاکہ صبر اور شکر کو آزمایا جائے اور ان کو آخرت میں اعلیٰ مقام دیا جائے۔ کبھی اہل شر کو کمی دے کر مزید وہ جرائم کرتے ہیں۔ ناداری کی وجہ سے ظلم اور فساد کی حد کو پار کرتے اور سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں مرتبہ واجر کا معیار رزق نہیں بلکہ مال اور اولاد میں تصرف یعنی استعمال کا ہے اسی طرح تنگی کی صورت میں صبر کا امتحان ہوتا ہے۔

یہ آیات مبارکہ اس وقت صحابہ کرام کے لئے تھیں اور آج تمام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کے لئے ہیں۔

وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۪ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں جو تمہیں ہمارا مقرب بنادیں۔ مگر (مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے۔ تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا دوگنا بدلہ ہے۔ اور وہ بالاخانوں (جنت) میں امن سے رہیں گے۔

وَ الَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ ہمیں عاجز کرنے کے لئے ہماری آیتوں (کو جھٹلانے) میں کوشش کرتے ہیں۔ وہی عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ یَقْدِرُ لَہٗ ؕ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ ۚ وَ ھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

کہہ دیجئے (اے نبی!) بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا بدل دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

رزق کی کمی و بیشی میں حکمت اور اس کے معیار کے بارے تعلیمات جاری ہیں۔ رزق کی کمی بیشی اہم نہیں، اولاد زیادہ ہونا اور کم ہونا کوئی اہم نہیں۔ اللہ کے ہاں معیار، ان کے استعمال اور کردار کا ہے۔ اگر رزق کو بھلائی اور مسکینوں کے لئے استعمال کیا اور شکر ادا کیا تو وہ باعث نجاعت ہوگا۔ اگر فساد اور شر کے لئے استعمال کیا، شکر ادا نہیں کیا تو یہی رزق وبال جان ہوگا۔ اسی طرح اولاد اگر نیک ہے تو والدین کے لئے باعث ثواب واجر ہے اور اگر گنہگار ہے تو باعث سوال و جواب ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنے اعمال کے بارے اسی دنیا میں فیصلہ کر لینا چاہیے تاکہ آئندہ زندگی میں پریشانی نہ ہو۔ جو لوگ اللہ کے لئے مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مال میں بھی برکت عطا کرتے ہیں اور جو اولاد کی نیک تربیت کرتے ہیں اور اولاد نیک اور بھلائی کے کام کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو مزید انعام واکرام دیتا ہے۔

جو لوگ اپنی توانایاں اپنی ذات، تکبر، فساد اور انسانوں پر ظلم کرنے کے لئے صرف کرتے ہیں وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے اور احکام کا انکار کرنے والے ہیں ان کا انجام عذاب پر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہی تمام انسانوں اور جانداروں کو رزق دینے والا ہے۔ جو بھی اخراجات اللہ کی رضا کے لئے، اس کی مخلوق پر غرباء، فقراء مساکین پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ خرچ کرنے والے کو عطا کرتے ہیں۔ اس کی صورت، اس کی روزی میں فراخی، زندگی میں آسانی، امراض سے شفا، کاروبار میں اضافہ، اولاد کی طرف سے سکون و اطاعت کی صورت میں ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور مسکین کے لئے کوشش کرنے والا ہو وہ اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔ رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی مثل ہے (بخاری / مسلم)۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے؛ اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا (بخاری / مسلم)۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اَھٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا۔ پھر وہ فرشتوں سے کہے گا کیا یہی لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

وہ (فرشتے) کہیں گے؛ تو پاک ہے۔ تو ہمارا مالک ہے، نہ کہ یہ۔ بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان میں اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

(کہا جائے گا) پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے اور ہم ظالموں سے کہیں گے۔ اب تم اس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

کفار مکہ کے عقائد اور اس کے نتیجے میں عذاب کا ذکر ہے۔ مشرکین مکہ، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں، سمجھتے تھے۔ قیامت کا منظر ہے کہ کفار و مشرکین کے سامنے جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان سے پوچھا جائے گا کہ یہی کیوں تمہاری عبادت کرتے تھے۔ فرشتے مشرکین کو جھٹلائیں گے۔ کہیں گے تو پاک ہے۔ ہم تو تیرے غلام اور بندے ہیں۔ تو ہمارا، والی ہے۔ ہمارا ان کے شرک سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ کفار تو جنوں کی بھی عبادت کرتے جو شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ کفار مکہ کی بندگی اور عبادت ایک لغو اور گناہ تھا، جس سے ان کے معبودوں نے بھی نفرت کی۔ فرشتوں کے اس جواب پر حکم ہو گا کہ آج تم میں سے کوئی بھی کچھ طاقت حیثیت نہیں رکھتا اور کوئی منکرین کو عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ تم ہمارے احکام کو جھٹلاتے اور انکار کرتے تھے لہٰذا تم ظالم تھے آج آگ یعنی دوزخ کا عذاب اُٹھاؤ۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ تو (کفار) کہتے ہیں یہ شخص تو تمہیں صرف اس چیز سے روکنا چاہتا ہے جس کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہا یہ (قرآن) صرف من گھڑت جھوٹ ہے اور کفر کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا یہ تو کھلا جادو ہے۔

وَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾

اور ہم نے ان (مشرکین مکہ) کو کوئی کتابیں نہیں دی تھیں کہ وہ انہیں پڑھتے ہوں اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا بھی نہیں بھیجا۔

وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا، جبکہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا اس کے دسویں حصہ کو بھی یہ نہیں پہنچتے۔ پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ان پر میرا عذاب آیا تھا۔

قریش مکہ کے رویہ کا ذکر ہے۔ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا اور ارد گرد کے علاقوں، شام اور فلسطین میں انبیاء آتے رہے۔ اس لئے انہیں کسی کلام الٰہی کے بارے کوئی علم نہ تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حق کی دعوت دی۔ بتوں کی عبادت سے منع کیا اور قرآن مجید پیش کیا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون اور قرآن پاک کو جھوٹے افسانے قرار دیا، حالانکہ ان کو الہامی مذاہب کے بارے کوئی معلومات نہیں تھیں۔ اپنے پرانے غلط عقائد کی وجہ سے سراسر مخالفت کی۔ ان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ قوم شعیب، صالح، لوط، فرعون، یہ سب اقوام، ان (اہل مکہ) کے مقابل زیادہ طاقتور اور مستحکم تھے۔ ان کو اللہ کے رسولوں کی مخالفت پر سزا ملی، تو قریش کا بھی اسی طرح برا انجام ہوگا۔ وقت ہے کہ اللہ کے کلام کو مانیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں۔ مخالفت کو چھوڑ دیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

کہہ دیجئے؛ بس میں تو تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو اور ایک ایک (ہو کر) کھڑے ہو جاؤ، پھر تم غور کرو۔ تمہارے ساتھ (نبی) میں کوئی دیوانگی (کی بات) نہیں۔ وہ تو تمہیں صرف ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾

آپ کہہ دیجئے؛ میں نے تم سے کوئی معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ میرا صلہ تو اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ ہر شي (چیز) پر شاہد ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾

کہہ دیجئے؛ بلاشبہ میرا رب ہی حق بات نازل کرتا ہے۔ وہ تمام چھپی (پوشیدہ) باتوں کو جاننے والا ہے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾

آپ کہہ دیجئے؛ حق آگیا۔ باطل کے لئے نہ اب آغاز ہے نہ انجام۔

کفار کو ان کے دعویٰ اور مخالفت کے بارے دلائل دیئے ہیں، کہ یہ نبی مکہ میں پیدا ہوئے، یہیں بڑھے۔ صادق اور امین کہلائے۔ اگر تم آپس میں غور کرو تو ان کا کردار جھوٹ کا نہیں اور نہ ان میں کوئی طبّی یا دماغی خرابی ہے۔ حلف الفضول کے اہم معاہدہ میں شامل تھے، انہوں نے حجر اسود کو لگایا، جو کلام پیش کرتے ہیں، وہ بھی مربوط اور اعلیٰ ہے، نہ تم سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں، بلکہ تمہاری ہی بھلائی کے لئے تمہیں دعوت دے رہے ہیں۔ اور اپنا صلہ، وہ اپنے اللہ سے مانگیں گے۔ یہ سارے حقائق اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ وہ حق کے راستہ کو دکھا رہے ہیں اور جو کلام ان پر القاء ہوتا ہے وہی کلام الٰہی بتاتے ہیں۔ اللہ کی ذات تمام اسرار کو جانتی ہے۔ اب حق واضح ہو گیا اور باطل کہیں رہ نہیں سکے گا اور اس کا انجام عبرتناک ہو گا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر حق کے دامن میں پناہ لو۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

آپ کہہ دیجئے؛ اگر میں (بالفرض) گمراہ ہوں تو میری گمراہی کا وبال صرف مجھ پر ہی ہو گا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے وہ خوب سننے والا اور نہایت قریب ہے۔

تمام دلائل کے بعد نبی ﷺ نے کفار کو آخری وارننگ دی کہ اگر کلام الٰہی صحیح نہیں اور نبوت کا دعویٰ بھی ٹھیک نہیں تو اس سب کا وبال ان کے ذمہ ہو گا۔ کفار کو اپنی فکر کرنی ضروری ہے۔ اور اگر ہدایت پر ہیں تو ان کی رہنمائی ،اللہ تعالیٰ کی ذات، وحی کے ذریعے کرتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات بہت سننے والا اور بہت قریب ہے۔ اس کے عذاب سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾

اور کاش! آپ دیکھیں (کفار کو) جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے تو وہ (بھاگ کر) بچ نہ سکیں گے۔ اور وہ قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

اور وہ (کفار) کہیں گے ہم اب اس پر ایمان لائے ہیں اور ان کے لئے اتنی دور جگہ سے (ایمان کا حصول) کہاں ممکن ہو گا۔

وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

حالانکہ انہوں نے اس سے پہلے (دنیا میں) اس کا انکار کیا تھا اور وہ دور کی جگہ سے اٹکل پچو سے باتیں کرتے تھے۔

وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

اور ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے، جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے۔

قیامت کا منظر دکھایا جارہا ہے جو انکار کرنے والوں (کفار) پر گذرے گی۔ وہ عذاب کی خبر پر گھبرائے ہوئے ہوں گے اور بھاگنے یا بچنے کی سوچ رہے ہوں گے اور فوراً پکڑے جائیں گے۔ پھر کہیں گے کہ ہم قرآن اور توحید الٰہی، نبی کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں اور یہ اس وقت ممکن نہ ہوگا کہ ایمان لانے کا وقت دنیا کی زندگی میں تھا جو گذر چکی تھی۔ دنیا میں وہ انکار کرتے رہے۔ مختلف بہانے اور کلام الٰہی کے بارے نازیبا گفتگو کرتے تھے۔ رسول خدا کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اب ان کی عذاب سے بچنے کی شدید خواہش، ایمان لانے کی تمنا، یہ ایک خیال ہی رہے گا اور ان کی سزا ان پر لاگو ہو جائے گی، جس طرح ان کفار مکہ سے پہلے جو لوگ دوسرے انبیاء کے احکام کا انکار کرتے تھے۔ ان کو سزا یعنی دوزخ میں جلنے کا حکم ہوا تھا۔

ان کو حکم دیا جارہا ہے کہ اس تکلیف دہ حالت سے اگر بچنا ہے تو دنیا ہی کی زندگی میں ایمان لانا ہوگا اور اعمال صالحہ، نبی ﷺ کی اطاعت میں ہی عذاب سے بچاؤ ہے اور جنت کا انعام واکرام ہے۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت اور کائنات پر اس کی حکومت سے ہوئی۔ قیامت کے انکار کرنے والوں کو آگاہ کیا گیا کہ یہ آکر رہے گی اور سورت کی انتہاء انکار کرنے والوں پر سزا و عذاب کی کیفیت پر ہوئی ہے۔

آج مورخہ 4 ستمبر 2022 بروز اتوار الموافق 8 صفر 1344 ہجری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمام تفسیر کی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

35- سورۃ فاطر

تعارف:۔

سورت فاطر کا نام، لفظ فاطر (پیدا کرنے والا)، کی وجہ سے ہے، جو کہ ابتدائے آیت میں ہے۔ اور دوسرا نام ا لملائکۃ ہے۔ یہ لفظ بھی آیت میں موجود ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ دور نزول، مضامین کے لحاظ سے وسطی دور ہے، جب مخالفت بہت شدت پکڑ رہی تھی اور سرداران مکہ مکمل طور پر مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ مسلمان کمزور تھے اور بڑھ رہے تھے۔

اس سورت میں پینتالیس (45) آیات ہیں اور پانچ رکوع ہیں۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر پینتیس (35) ہے اور ترتیب نزول کے لحاظ سے تینتالیس (43) ہے۔

سورت میں تخلیق ارض وسماء اور ملائکہ (فرشتوں) کا ذکر ہے۔ قریش ملائکہ کو پوجتے بھی تھے۔ اس کی تردید کی گئی ہے کہ وہ تو صرف پیغامات یا دوسرے امور کرنے پر مامور ہیں اور خود عبادت کرنے والے ہیں۔ حشر ونشر کی طرف اشارہ ہے۔

توحید الٰہی پر مختلف دلائل دیئے ہیں۔ انکار کرنے والوں کے بارے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ نبی ﷺ کی تسلی فرمائی گئی کہ ہدایت اور گمراہی کا تعلق انسان کے کردار اور اس کی تقدیر سے ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں، تمام انبیاء کے ساتھ انکی قوموں نے مخالفت کی۔ مخالفت کرنے والوں کو ایک مدت تک مہلت دی جاتی ہے اور پھر سزا کا وقت آتا ہے تو کوئی بچا نہیں سکتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے۔ جو دو، دو، تین، تین اور چار، چار پروں والے ہیں۔ وہ اللہ جو چاہے اپنی مخلوق میں زیادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کا ذکر ہے کہ زمین و آسمان یعنی ساری کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ پہلے کچھ نہ تھا، سوائے ذات باری تعالیٰ کے، پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف مخلوقات اور وجود پیدا کئے۔ ہر ایک کا اپنا انداز و ڈیزائن ہے۔ ان میں زمین و آسمان بھی ہیں۔ ستارے و سیارے بھی ہیں۔ فرشتوں کو پیدا کیا، جنّوں کو پیدا کیا اور زمین پر مخلوقات (نباتات و معاون) پیدا کیں۔ پانی میں مخلوق پیدا کیں۔ انسانوں کو پیدا کیا۔

فرشتے:۔

اس آیت میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں جو مادی وجود نہیں رکھتے بلکہ روشنی (نور) سے پیدا کئے گئے ہیں۔ فرشتوں کا ذکر تمام الہامی کتب میں ہے۔ کفار مکہ فرشتوں کی عبادت بھی کرتے تھے۔ کبھی اللہ کی بیٹیاں کہہ دیتے۔ ان کی تردید کی ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق اور اللہ کے احکام کے تابع ہیں اور ان کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا اور تکوینی کام سرانجام دینا ہے۔

فرشتوں کی صفت میں پروں کا ذکر ہے۔ دراصل یہ اس وقت اور آج بھی ہمیں اشارہ دے رہی ہے کہ فرشتے ایسی مخلوق ہیں جو خلاء یا فضاء میں آتے جاتے ہیں یعنی ان کے لئے انسانوں یا دوسرے حیوانات کی طرح اُڑنا مشکل نہیں۔ اُڑنے سے مراد ان کی خلاء میں حرکت ہے، چونکہ وہ روشنی سے بنے ہیں اس لئے ان کی رفتار بھی روشنی کی طرح ہوگی۔ دوسری خاصیت ان کی قوت ہے۔ یعنی ان میں مختلف درجات ہیں، کچھ دو پروں والے یعنی کم استعداد والے اور کچھ ان سے بڑے تین اور کچھ ان سے بڑے چار والے ہیں۔ ہر قسم، اپنی قوت و طاقت کے مطابق اللہ کے احکام کو نافذ کرتی ہے۔ فرشتوں میں بڑے فرشتے حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ ہیں۔ نبی ﷺ حضرت جبرئیلؑ کے متعلق فرمایا کہ ان کے پروں کی تعداد چھ سو تھی اور ان کا پر زمین سے لے کر آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ (الصحیح البخاری)۔ اس کا مطلب ہے، کہ وہ زمین اور نظام شمسی سے بھی آگے تک یعنی ستاروں تک ان کا پھیلاؤ تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت عزرائیلؑ کے بارے بتایا کہ ساری زمین ان کے سامنے ایک تھالی کی طرح

ہے اور ایک وقت میں زمین پر کتنے افراد کی روح نکالتے ہیں۔

انسان نے مصنوعی عقل کی دریافت اور ترقی کے بعد بہت ساری باتیں معلوم کرلی ہیں۔ فرشتوں کا وجود غیر مادی ہے لیکن اس کا ثبوت اس مصنوعی عقل کے ذریعہ سے ثابت ہے۔ صرف سمجھنے کے لیے مثال کے طور پر انسان کے بنے سوفٹ ویئر ہیں جو ایک غیر مادی وجود ہے لیکن انسان کے احکامات کی لاکھوں میل دور خلا یا فضا میں تعمیل کرتا ہے جیسے مصنوعی سیارچے، چاند گاڑی یا مارس روور ہے جو چاند اور مارس پر کام کرتی ہیں۔ احادیث مبارکہ میں فرشتوں کے اوصاف کا ذکر ہے کہ کائنات کے امور، بارش، برفباری، طوفان، انسانی زندگی (روح) و موت، انسان کے حالات (اعمال) سارے فرشتوں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ فرشتے اسباب پیدا کرتے ہیں مثلاً ہوا کا دباؤ زیادہ کرنا، کم کرنا، جس سے بادل، بارش، اولے اور برف باری ہوتی ہے۔ سورج کی گرمی یا ریڈیائی لہریں کمی و بیشی، زمین کی کشش ثقل وغیرہ یہ تبدیلی جو بظاہر نظر آئے یا مکمل طور پر مخفی ہو، انہی فرشتوں کے ذریعہ مکمل ہوتی ہے۔ زلزلے، سونامی وغیرہ کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ ستاروں، سیاروں کی کشش اور قوت گریز کے امور، اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرشتوں کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ فرشتے، انسانی جسم کی صورت بھی اختیار کرتے ہیں۔ جس طرح حضرت ابراھیمؑ اور حضرت لوطؑ، حضرت مریمؑ کے سامنے آئے۔ اس کی مثال جدید دور میں مصنوعی عقل کے ذریعہ 3D کی صورت میں اجسام کو پیدا کرنا ہے یا Holoportation ھالوپورٹیشن ٹیکنالوجی ہے (اس کا ذکر کیا جاچکا ہے)۔

کمی و بیشی:۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہیں زیادتی اور کمی کرتے ہیں۔ مثلاً جو بھی مخلوق ہے اس کا ایک معیار ہے، اس معیار کے اندر جو مختلف اوصاف، کمیات، حالات یا کیفیات ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تبدیلی کمی یا بیشی کرتے ہیں۔ یعنی مکمل اختیار اور کنٹرول ہے۔ یہ مخلوق جنّ ہوں، فرشتے ہوں، انسان ہوں، حیوانات ہوں، سیاروں یا ستاروں کی کیفیات داخلی یا خارجی ہوں۔ تفاسیر میں علماء نے اس وقت کے حالات کے مطابق انسانی خصوصیات اور فرشتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر یہ اصول لاگو ہے۔

انسان یا حیوانات یا زمین پر موجودات میں اضافہ اور کمی کو جاننا، انسان کے لئے زیادہ آسان ہے دوسری مخلوقات کے بارے انسانی معلومات بہت ہی محدود ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آیت مبارکہ میں صرف زیادتی کا ذکر لیکن اللہ کی قدرت کاملہ میں وجود، عدم، زیادتی و کمی سب ممکن ہے اور یہ اس کی قدرت و عظمت کی دلیل ہے۔ یہی توحید الٰہی کا ثبوت اور الوہیت کی دلیل ہے۔

الحمدللہ، سے سورت کی ابتداء، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اہمیت واضح کرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت

کی تفصیل بتائی گئی تاکہ حمد وثناء کی مزید اہمیت واضح ہو۔اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہر وقت لازم ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲

اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے تو اس کو بند کرنے کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳

اے لوگو! جو تم پر اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کیا کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو زمین اور آسمانوں میں رزق دے۔اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔پس تم کہاں بہکائے جاتے ہو۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴

اور اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو بے شک آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کو جھٹلا دیا گیا اور تمام کام اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی قوت کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ، اگر انسان پر اپنا فضل و کرم فرمائیں، تو اس کرم کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر کسی نعمت سے انسان کو محروم کر دیں، تو وہ نعمت کوئی انسان کو دے نہیں سکتا۔اللہ کی نعمتیں بہت ہیں۔زندگی، صحت، سلامتی، ایمان، رزق، علم، اولادِ صالحہ، سب نعمتیں ہیں جن پر شکر لازم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کا وجود اللہ کی نعمتوں میں گھرا ہے، جس طرح مچھلی پانی میں گھری ہوتی ہے اور ان نعمتوں کے لئے ہر وقت اللہ کی تعریف اور شکر کی بہت ضرورت ہے۔اللہ کی حمد اس کی نعمتوں کا اعتراف ہے۔احادیث میں متعدد دعائیں حمد وثناء کی موجود ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ سانس کے آنے اور جانے پر شکر ہے۔قرآن مجید اور نبی ﷺ کی ذات بہت بڑی رحمت ہے۔

انسان کو زمین پر اس کے رزق کے لئے تمام اسباب مہیا کر دیئے گئے ہیں۔بارش بہت بڑی رحمت و نعمت ہے جس کی وجہ سے نباتات، حیوانات، اجناس، دریا، جھیلیں وغیرہ ہیں، بارش سے زمین پر فصل اُگ آتے ہیں اور ہر چرند، پرند، انسان اس سے رزق حاصل کرتا ہے۔آسمان سے رزق آنے کی تفسیر فضاء میں بادل اور بارش اور برف ہے۔جس کی وجہ سے زمین پر نباتات ہیں۔ان سب نعمتوں کے دینے والے کے بجائے بتوں، سورج، فرشتوں کی عبادت بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ ان کی عبادت گویا بھٹکنا اور گمراہی ہے۔پھر قرآن اور نبی ﷺ کی راہنمائی کے باوجود گمراہی کتنی بد نصیبی ہے۔

نبی ﷺ اپنی تبلیغ میں پوری طرح مصروف تھے مگر اہل مکہ ہر وقت گمراہی اور اپنے بتوں کے دفاع میں لگے

رہتے۔ آپ ﷺ کو تسلی دی گئی، مسلمانوں کو بھی بتادیا گیا، کہ سب انبیاء کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ سابقہ امتوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا اور پھر ان کا انجام تباہی ہوا۔ یہ منکرین محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے اتنے واضح دلائل کو نہیں مانتے اور اپنے عقائد میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کا انجام کار قیامت کو اللہ کے حضور لوٹنا یعنی حاضر ہونا اور اپنی سزا یا جزا پانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵

اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے چنانچہ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور تمہیں شیطان بھی اللہ کے بارے دھوکے میں نہ ڈالے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لہٰذا تم اسے دشمن ہی جانو۔ بس وہ تو اپنے گروہ کو اس لئے بلاتا ہے کہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

جزا و سزا:۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں توحید، رسالت اور آخرت کا عقیدہ بڑا اہم ہے۔ آخرت میں قیامت پر اعمال کی جزا و سزا ہے اور جب تک یہ عقیدہ یا اس پر ایمان انسان کے اندر، مستحکم نہ ہو اس وقت تک اعمال صالحہ کا پیدا ہونا بہت مشکل ہے اور انسان شیطان کا بڑی آسانی سے نشانہ بن جاتا ہے۔ آیت میں تاکید کی گئی ہے کہ لوگ قیامت اور آخرت کے جزا و سزا کو نہیں مانتے، لیکن یہ ایک سچا وعدہ ہے جو ہو کر رہے گا۔ چونکہ یہ مستقبل کی بات ہے اس لئے لوگ موجودہ زندگی کی خواہشوں، نعمتوں یا آسانیوں اور لذتوں جن کو دیکھ یا استعمال کر رہے ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان میں گم ہو جاتے ہیں۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ صرف اپنی خواہشات یا کسی خوف کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ شیطان انسانی ذہن میں جا کر اس کی کیفیت کو مختلف طریقے سے استعمال کرتا ہے۔ وہ انسان کو مستقبل کے واقعات

کے بارے شکوک و شبہات میں ڈالتا ہے۔ انسانی خواہشات کو بار بار ذہن میں بھڑکاتا ہے۔ ضروریات اور لذات دنیا کی اہمیت بتاتا ہے اور آخرت سے مکمل طور پر غافل کر دیتا ہے اور یہی اس کا دھوکہ ہے۔

اعمال کا دھوکہ :۔

شیطان کی ایک چال یہ ہے کہ انسان کے اعمال کو توڑ موڑ کر ان کی حقیقت بدل دینا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ انسان کے ذہن میں خیالات پیدا کرتا ہے۔ اس کی خواہشات کو بھڑکاتا ہے۔ انسان کے اندر سفلی جذبات مثلاً دولت کی حرص، تکبر، خود نمائی، شہرت، کو ایک ضرورت بنا کر پیش کرتا ہے اور ایسے اعمال کی طرف ترجیح دیتا ہے جو ان گناہوں (تکبر، خود نمائی، ظلم) کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اکثر اوقات معمولی اچھے کاموں کو بڑھا کر بڑے کاموں سے غافل کر دیتا ہے جس کی مثال تہجد کی نماز پڑھنا ہے لیکن فجر کی نماز قضا کر دینا ہے۔ مثلاً کسی عرس کو ثواب سمجھ کر فرائض سے غفلت کرنا۔ میلاد کے جلوس میں شامل ہونے کو ہی نبی ﷺ کی محبت کا معیار قرار دینا، لیکن آپ کے کردار، عبادات، اخلاق کے طریقہ کی طرف کوئی توجہ نہ کرنا۔ نمازیں نہ پڑھنا، جھوٹ بولنا، والدین کے حقوق پورے نہ کرنا، ہمسایوں کے حقوق ادا نہ کرنا۔ لوگوں کے حقوق کی پرواہ نہ کرنا، اس کے مقابل ختم دلانا، عمرے کرنا، مسجدوں میں جلسوں کے لئے چندے دینا یا سبز لباس، سبز ٹوپی، سفید عمامہ یا سفید لباس، پہن کر عشق یا محبت رسول یا محبت الٰہی کا دعویٰ کرنا۔ اہل بیت کی محبت میں، اصحاب رسول اور ازواج مطہرات کو برا بھلا کہنا اور یہ خیال کرنا کی حق محبت ادا کیا جا رہا ہے۔ یہ سب ایک خیال و وہم ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ میں نہ ڈالے کہ ذات خداوندی حساب و کتاب کے بغیر ہی معاف کر دے گا اور عدل نہیں ہو گا۔ یہ وہ دھوکہ ہے کہ معمولی کام پر آدمی خوش ہو جاتا ہے اور عین فرض یا اہم کام چھوڑ دیتا ہے اور حساب و کتاب کے دن وہ نقصان میں رہ جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ شریعت نے جو ترتیب لزوم و اہمیت رکھی ہے، یعنی فرض، واجب، سنت اور مستحب ہے۔ اسی طرح حرام، گناہ کبیرہ، گناہ صغیرہ اور مکروہ ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے اگر اس شرعی ترتیب کو اپنی خواہشات کی وجہ سے نظر انداز کر دیا، تو حساب و کتاب میں سخت خسارہ رہے گا۔ کیونکہ یہ ترتیب اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق بنی ہوئی ہے۔ بد قسمتی ہے، اہل علم اور غیر اہل علم دونوں ، شیطان کا شکار ہو جاتے ہیں، صرف اس کے شکار کرنے کا انداز مختلف ہے۔ قرآن مجید اور نبی ﷺ نے بار بار اس کی تاکید کی ہے کہ شیطان کے خیالات اور عمل سے بچا جائے اور استغفار کیا جائے۔

انہی اعمال کی بناء پر قیامت میں سزا اور انعام ملے گا، یعنی نیک کاموں پر عمل کرنے اور برے (ممنوع) کاموں سے بچنے پر انعام اور درجات، اس کے خلاف برے کام کرنے پر سزا یعنی جہنم ٹھکانہ ہو گا اور وہ اُخروی زندگی دائمی ہے۔ دنیا کی مدت زندگی تو انسان کی موت تک ہے، لیکن قیامت کے بعد موت نہیں آئے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت یا

جہنم میں رہنا پڑے گا۔ دونوں صورتوں کو قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے۔ تنبیہ کر دی ہے اور فیصلہ انسان کے اختیار پر ہے۔ پھر اس کے اختیار پر عمل کرنے پر، انسان کے لئے وہ راستہ کھول دیا جاتا ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۫ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸

پھر وہ شخص جس کے لئے اس کا برا عمل پر کشش بنا دیا گیا، سو اس نے اس کو اچھا سمجھا (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے؟ نہیں!)۔ چنانچہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ لہٰذا آپ کی جان، ان پر افسوس کرتے ہوئے نہ جاتی رہے۔ یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ میں انسان کو شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے جو اعمال میں دھوکہ ہوتا ہے اس کی نفسیاتی کیفیت بیان کی ہے۔ انسان ایک غلط کام کرتا ہے، لیکن شیطان اسے اس کی ضرورت بنا کر اس کو اس پر عمل کرا دیتا ہے، جب کہ عمل اس کا اپنا اختیار تھا۔ وہ برا عمل، انسان کے لئے کسی بہانہ سے پر کشش بنا دیتا ہے۔ انسان اسے جائز سمجھ لیتا ہے، جب کہ وہ گناہ ہوتا ہے۔ یہ انسان کی غلطی ہوتی ہے۔ جب یہ عمل انسان شیطان کے اکسانے پر جو سراسر غلط ہوتا ہے، کرتا ہے، توبہ نہیں کرتا اور پھر کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ عمل آسان بنا دیتا ہے، انسان اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ ٹھیک کر رہا ہے۔ وہ تجزیہ اور غور نہیں کرتا، اپنے نفس لوامہ (ضمیر) کی بات نہیں سنتا، اس کے لئے ہدایت ختم ہو جاتی ہے اور سزا اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ یہ نظام اعمال، اللہ نے اپنی تمام طاقتوں کے باوجود قائم رکھا ہے تاکہ اختیار کے استعمال پر جزا و سزا ہو۔

سورت کے زمانہ نزول کے دوران کفار مکہ، نبی ﷺ کی تعلیمات کے باوجود، اپنے کفریہ اعمال پر ڈٹے ہوئے تھے اور ان اعمال کو صحیح جانتے تھے۔ نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال بد، پر حسرت و افسوس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر اور آپ کی تبلیغ کی جدوجہد سے بھی آگاہ ہے۔ یہ اپنی سزا پائیں گے، اور ہر داعی حق کے لیے یہی اصول ہے۔

وَ اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے وہ بادل اُٹھاتی ہیں تو ہم اسے (بادل کو) مردہ شہر (علاقہ) کی طرف لے جاتے ہیں۔ پھر زمین کو مردہ (بنجر) ہونے کے بعد (بارش سے)

زندہ کر دیتے ہیں۔اسی طرح (انسانوں کا) دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

دوبارہ زندگی:۔

انسان عموماً موت کے بعد زندگی پر یقین نہیں کرتا، کیونکہ ایسے واقعات سامنے نظر نہیں آتے اور اس زمانے میں اتنی تحقیق نہیں تھی۔اب جدید تحقیق سے DNA کا بانڈ کسی بھی ہڈی میں 6.8 ملین سال تک قائم رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد تباہ یا ضائع ہو جائے گا۔سائنسدانوں نے اب تک گرین لینڈ کے برفانی علاقہ میں پودوں اور کیڑوں کے 8 لاکھ سال پرانے DNA کو حاصل کیا ہے (گوگل 10 اکتوبر 2012)۔یہ DNA ہڈیوں، کھال (Shell)، اوپر والی سخت کھال کا حصہ میں رہتے ہیں۔حدیث مبارکہ میں اس طرح کی اطلاع آج سے چودہ سو سال پہلے دی گئی تھی۔ حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ عجب الذنب کے سوا انسان کا پورا جسم بوسیدہ ہو (گل) جاتا ہے۔اسی سے اس کا جسم (دوبارہ) بنایا جائے گا (بخاری شریف)۔ایک حدیث جو کہ صحیح مسلم میں ہے اس کے راوی بھی حضرت ابوہریرۃؓ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ انسان کی ایک ہڈی ایسی ہے جس کو زمین نہیں کھاتی، قیامت کے دن انسان اسی سے بنایا جائے گا۔صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سی ہڈی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ عجب الذنب ہے۔(مسلم شریف)۔کمر کے نچلے حصے میں جو باریک ہڈی ہوتی ہے اس کو العجس اور عجب الذنب کہتے ہیں۔انسان میں سب سے پہلے اسی ہڈی کو پیدا کیا جاتا ہے اور اسی ہڈی کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ دوبارہ انسان کا جسم اسی سے بنایا جائے گا، روح اسی ہڈی کے ذریعے جسم کی پہچان کرے گی۔(شرح نووی، صحیح مسلم)۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں دوبارہ زندگی کے عمل کی مثال، بارش کے بعد بنجر زمین پر دوبارہ پودوں کا نکلنا بتایا ہے۔جدید زراعت میں تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ایک گرام مٹی کے اندر کئی اقسام کے کروڑوں کی تعد میں جراثیم یعنی بیکٹیریا پایا جاتا ہے جو کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں جب مٹی خشک ہو جاتی ہے تو یہ بیکٹیریا حالت سکوت (Dormant) میں چلا جاتا ہے۔یعنی مردہ حالت میں ابتدائی ارتقائی تخلیقی (Genetic Code) میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر جیسے بارش ہوتی ہے اور پانی ان جراثیم (بیکٹیریا) تک پہنچتا ہے تو یہ جرثومے (Microbes) زندہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔جس سے مٹی میں نائٹروجن بننے کا عمل حرکت میں آتا ہے جو کہ نباتات کی نشوونما کے لئے مطلوبہ کھاد مہیا کرتا ہے اور پانی میں ہائیڈروجن آئنز (ions) مٹی میں نباتاتی زندگی شروع کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔جو زمین میں نامیاتی کوڈ (Genetic Code) موجود تھا وہ بارش کی بدولت حرکت میں آکر دوبارہ پودوں کی شکل میں نکل آتا ہے اور زمین دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے (قرآن ایک معجزہ ہے از محمد عبدالرحمٰن)۔

روح اور جسم کا دوبارہ ملاپ:۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر دوبارہ زندگی کے بارے بارش کے بعد بنجر زمین سے نباتات کے نکلنے سے تشبیہ دی ہے۔ایک حدیث بھی اسی کو بیان کرتی ہے۔ابو زرینؓ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی؛ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔آپ ﷺ نے فرمایا؛ کیا تم کبھی ایسی وادی کے پاس سے نہیں گذرے جو پہلے بنجر اور خشک ہو اور دوبارہ اس کے پاس سے گذرے تو وہ سرسبز اور لہلہا رہی ہو (مسند احمد)۔ یعنی بغیر انسانی کوشش کے بارش سے وہاں دوبارہ نباتات اُگ آتے ہیں اور یہی انسان کے لئے ہے کہ اس کے تحلیل شدہ اجزاء یا ہڈی کے کسی جینز کا DNA دوبارہ اس کی زندگی کا ذریعہ ہوگا۔

امام ابن ابی الدنیا نے کتاب البعث میں حضرت ابو سعید حذری سے روایت کیا ہے آپ ﷺ سے پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ عجب الذنب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ رائی کے دانہ (Microbe) کی مثل ہے۔آدمی کے جس جزو کی سب سے پہلے تخلیق کی جاتی ہے وہ یہی جزو ہے اور اسی جزو کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اسی سے انسان کا دوبارہ جسم بنایا جائے۔اس جزو کو باقی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ فرشتے پہچان سکیں کہ اس جزو میں فلاں انسان کی روح داخل کرنی ہے۔جس طرح حضرت عزیرؑ کے گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا گیا تھا۔اگر فرشتوں کے لئے اس جزو کو باقی نہ رکھا جاتا، تو پھر بعینہٖ اسی جسم میں روح داخل نہ ہوتی، بلکہ اس کی مثل میں داخل ہوتی۔اس جزو، کو باقی رکھنے کی وجہ سے یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی جزو کی تخلیق ہوتی تھی۔اور جو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدمؑ کے سر کی سب سے پہلے تخلیق کی گئی تھی۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرت آدم کی خصوصیت ہے۔ان کی اولاد کے اسی جزو کی سب سے پہلے تخلیق کی گئی تھی (عمدۃ القاری جلد ۹، تبیان القرآن)۔یہ احادیث مسلم سائنسدان کے لئے نشان راہ ہیں۔

وروى ابْن أبي الدُّنْيا فِي كتاب (البَعْث) من حَدِيث أبي سعيد الخُدْرِيّ، قيل: يا رَسُول الله! ما العجب؟ قالَ: مثل حَبَّة خَرْدَل. انْتهى. ويُقال لَهُ: عجم، بِالمِيم كلاب ولازم، وهُوَ أول مَخْلُوق من الآدَمِيّ، وهُوَ الَّذِي يبْقى ليركب عَلَيْهِ الخلق، وفائِدَة إِبْقاء هَذا العظم دون غَيره ما قالَه ابْن عقيل: وهُوَ أصل الذَّنب وهُوَ عظم لطيف فِي أصل الصلب، وهُوَ رَأس العصعص، ويقال له عجم (بالميم) وهواول ماتخلق من الادمى وهوالذى يبقىٰ منه ليعاد تركيب الخلق عليه قوله

علیہ السلام (کل من آدم یا کلہ تراب الاعجم الذنب)۔ عمدۃ القاری شرح بخاری نمبر 5394+4184، مسلم 2955

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝

جو شخص عزت چاہتا ہے پس عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح انہیں اوپر اُٹھاتا ہے اور جو لوگ بری چالیں چلتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور انہی لوگوں کی چال ہی برباد ہو کے رہے گی۔

عمل کی اہمیت:۔

ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا مقام بلند ہو، وہ دوسروں سے ممتاز ہو۔ جو لوگ، حکمران یا قبائلی سردار ہوں وہ اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہیں۔ سب کی اطلاع کے لئے فرمایا کہ تمام کی تمام عزت و مرتبہ اللہ کے لئے ہے۔ ہر انسان کو کہیں نہ کہیں اس سے بڑھ کر مقابلہ پیش آتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ و مقام والی ذات، اللہ کی ہے، جس کے آگے سب کے سب سرنگوں ہیں اور یہ ذات، جو افراد نیکی کرتے ہیں ان کی عزت و مقام میں اضافہ فرماتی ہے اور جو گناہ کرتے ہیں ان کے مقام کو کم کرتی ہے۔ سارے پاکیزہ کلمات اس کی طرف جاتے ہیں یعنی ان کی قبولیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کلمات طیبات ایک وسیع المفہوم لفظ جو تمام نیک اعمال کو شامل ہے۔ احکام الٰہی کی اتباع بھی ہے۔ عبادت ذکر و اذکار بالخصوص ''لا الہ الا اللہ'' ہیں۔ نیک اعمال مثلاً صدقہ، صلہ رحمی، اطاعت والدین وغیرہ بھی شامل ہیں۔ **اس کے علاوہ اعمال صالحہ کا علیحدہ ذکر کر کے انسان، بالخصوص مسلمانوں کے لئے اعمال کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔** اس کی توضیح دو طرح سے ہے، کہ اعمال صالح کی وجہ سے نیک اقوال کی قبولیت میں اضافہ ہوتا ہے، یعنی اعمال کا وجود، اقوال کی قبولیت کے لئے ضروری ہے اور دوسری توضیح ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو اوپر اُٹھاتے ہیں۔ یعنی عمل صالح، کا مرتبہ و مقام یا ثواب، قول (یعنی محض ذکر) سے زیادہ ہے۔

جو لوگ اسلام یا اللہ کے خلاف یعنی اللہ کے احکام کی تنفیذ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں وہ اپنی سازشوں میں ناکام ہوں گے۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس سے کفار مکہ کو وارننگ دی جا رہی ہے کہ وہ دشمنی اسلام چھوڑ دیں انہوں نے نبی ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ موجودہ انسانوں کو بھی ہدایت ہے کہ شر و فساد پھیلانے سے گریز

کریں۔وہ بھی ناکام ہوں گے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور اللہ نے ہی تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر اس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا اور جو بھی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے اسے اس کا علم ہوتا ہے۔اور بڑے عمر والے کی عمر بڑھائی جاتی ہے یا اس کی عمر کم کی جاتی ہے۔وہ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں (ریکارڈ) ہے۔بلاشبہ یہ (بات) اللہ کے لئے نہایت آسان ہے۔

انسان کی پیدائش، نطفہ سے حمل سے ولادت تک، ایک علمی عجوبہ ہے۔جو خالق انسان کی عظمت کی دلیل ہے۔جدید جنیٹک انجینئرنگ اور مائیکرو بیالوجی نے جدید تحقیقات کے ذریعے اس حقیقت سے کئی پردے آشکارا کئے ہیں اور قرآن مجید نے بار بار اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے وجود کے دلائل میں اس کا ذکر کیا۔اس سے اس کی اہمیت، ان تحقیقات کے بعد مزید واضح اور ثابت ہو گئی ہے۔دراصل انسانی ساری زندگی ہی اللہ تعالیٰ کے کمال کا اظہار ہے۔اس کا ذکر سورۃ المومنون میں کیا گیا ہے۔

تخلیق انسان:۔

انسانی نطفہ ایک دفتی نیوکلس میں بند ہوتا ہے اور جھلی ایک اور چھلکے (ممبرین) میں محفوظ ہوتی ہے۔اس خول میں اربوں تعداد میں سیل ہوتے ہیں۔اس میں پھر نر و مادہ میں جذب و انجذاب ہوتا ہے۔X (ایکس) اور Y (وائی) کروموسیل مادہ کی بیضہ دانی میں X کروم سیل سے ملتے ہیں۔نر کے لئے Y (وائی سیل) اور مادہ کے لئے X (ایکس سیل) سے ملتا ہے۔پھر نیا سیل بنتا ہے۔اس طرح پھر تقسیم در تقسیم ہو کر کچھ مدت میں سینکڑوں سیل کا کلسٹر بن کر رحم مادہ میں داخل ہو کر ایک شگوفے کی طرح ہوتا ہے۔جسے قرآن مجید نے علقہ اور سائنس (بیالوجی) میں زائیگوٹ (Zygote) کہا ہے۔پھر وہاں سے بڑھ کر مضغہ یعنی Embryo ،بنتا ہے اس کے بعض حصے گوشت، رگیں، پٹھے، ہڈیاں بنتے ہیں۔وقت کے ساتھ شکل نکلتی ہے۔اعضاء بنتے ہیں اور پھر نو ماہ بعد ایک نفس انسانی دنیا میں قدم رکھ دیتا ہے۔پھر یہ سلسلہ نر اور مادہ کے ذریعے آگے بڑھتا ہے۔اسی لئے اللہ نے جوڑے بنائے ہیں پھر وہی سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے انسانوں کی تعداد پیدائش سے بڑھتی اور موت سے گھٹتی رہتی ہے۔پھر وہی نومود، بچپن، پھر لڑکپن، پھر جوانی، اور پھر بڑھاپا اور پھر بدتر بڑھاپے کو پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔

اعمال کا ریکارڈ:۔

آج سے چند سو سال پہلے تو اتنا ریکارڈ رکھنا بڑا مشکل نظر آتا تھا، مگر اب تو انسان کے اپنے ریکارڈ محفوظ کرنے کی مدت اور ریکارڈ کی معلومات میں اس قدر توسیع ہو چکی ہے کہ ساری قرآن مجید کی آیات حقیقت نظر آتی ہیں۔انسان نے گولڈن ریکارڈ کو، وائج 1 (1977) کے ذریعہ جو خلاء میں بھیجا ہے اس کی مدت تقریباً 5 ملین سال تک ہے۔ سائنسی تخمینہ کے مطابق ہمارا سورج ساڑھے تین ملین سال میں اندھا بے نور ہو جائے گا اور نظام شمسی ختم ہو جائے گا، پھر یہ انسانی پیدا کردہ اور ارسال کردہ ریکارڈ کائنات میں موجود ہو گا۔(اگر کسی طریقہ سے تباہ نہ ہو گیا)۔45 سال سے یہ سیارہ چل رہا ہے۔اب یہ نظام شمسی کو عبور کر کے آگے چلا گیا ہے۔(بقول معلومات NASA) اگست 2022۔

اسی طرح ڈیٹا کا سائز (2012) میں ایک، 20nm (نینو میٹر یعنی میٹر کا ایک بلین حصہ) میں 128 گیگا بائٹ، ڈیٹا سٹور ہوا۔اب اس کا سائز (دس سال بعد) اس سے بہت آگے ہو گا۔ یہ انسان کا نظام ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا نظام یعنی لوح محفوظ کے بارے ہمارا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ جو قرآن مجید نے ذکر کیا وہ حق ہے اور علمی طور پر ممکنات سے ہے۔اس میں کوئی علمی طور پر شک کرنے کی گنجائش نہیں۔انسان کی عمر میں جو کمی و بیشی (بچپن یا انتہائی بڑھاپے) میں ہو، اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ تقدیر کا حصہ ہے۔ جس کے غیر مبرم ہونے کی صورت میں تبدیلی ہوتی ہے اور مبرم ہونے کی صورت میں نہیں ہوتی۔ یہ سارے امور کائنات، جن میں انسان کے اعمال یا زمین پر امور بہت معمولی ہیں، اس کتاب مبین کا حصہ ہیں۔اللہ تعالیٰ کے لئے نظام کائنات اس کی تنفیذ بہت معمولی اور آسان ہے۔

زمین سے انسان کے پیدا ہونے سے مراد انسانی حیات کے بنیادی اجزاء زمین پر موجود ہیں، پھر اس زمین پر ہی انسان اپنے وجود کی بقاء کے لئے خوراک، آب و ہوا اور رہائش رکھتا ہے۔ سب مواد مٹی (زمین) سے پیدا ہوتا ہے اور پھر اسی زمین میں مر کر مل جاتا ہے۔اور پھر اسی زمین سے دوبارہ اُٹھے گا۔(تبارک اللہ احسن الخالقین۔ بہت بزرگی والا اور بہترین تخلیق کرنے والی اللہ کی ذات ہے)۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور دو سمندر (پانی کے ذخیرے) برابر نہیں ہیں۔ ایک بہت میٹھا ہے اس کو پینا خوشگوار ہے اور دوسرا سخت کھاری اور تم ہر ایک (ذخیرے) سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیور نکالتے ہو جس کو پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس (اللہ) کا فضل

تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی عظمت، اس کی نعمتوں کا احساس دلا رہی ہیں۔ سمندر کا پانی دریاؤں سے آتا ہے جبکہ دریاؤں کا پانی میٹھا ہے اور سمندر کا سخت کھارا ہے۔ دریاؤں کا پانی جب سمندر میں ملتا ہے تو دونوں دور تک علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ ملتے نہیں، دریا والا میٹھا اور سمندر والا کھارا رہتا ہے۔ زمین پر بھی کبھی کھارے پانی کے کنویں ہوتے ہیں جبکہ ساتھ ندیاں میٹھے پانی کی بہہ رہی ہوتی ہیں۔ ادھر دریا، جھیل یا سمندر کی مچھلی کا ایک ہی جیسا گوشت ہے جب کہ پانی کی خصوصیات بالخصوص ذائقہ بالکل الگ ہے۔ اسی طرح سے سمندروں سے موتی نکلتے ہیں۔ سیپیوں کے اندر پانی اور ریت کے ذرے اندر جاتے ہیں تو پھنس کر ایک خاص مدت کے بعد سیپی کے کیڑے سے کیمیائی عمل کے بعد وہ موتی بن جاتے ہیں۔ اسی طرح مرجان کا پودا بھی زیورات بنانے کے کام آتا ہے اور سمندر میں اگتا ہے۔ سمندر آکسیجن کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ کشتیاں سمندر میں پانی کی اُچھال اور کثافت کے خاص درجہ کی وجہ سے چلتی ہیں اور تجارت کا پرانا ذریعہ ہے۔ اب بھی ستر فیصد (70%) مالیت اور اسی فیصد (80%) حجم کے لحاظ سے دنیا کی تجارت بذریعہ بحری راستہ ہوتی ہے۔ جس سے کروڑوں افراد کا رزق وابستہ ہے۔ یہ سارے خواص زمین کے ہیں اور زمین کو پیدا کرنے والا اور اس پر نباتات، پانی، جمادات، حیوانات کو پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ہے جو تمام تعریفوں اور عبادت و شکر کے لائق ہے۔ یہ دلائل اس وقت کفار مکہ کے لئے تھے اور آج بھی وہ افراد جو ذات الٰہی پر یقین نہیں رکھتے مگر اپنی ذہنی تسلی کے لئے فطرت کا سہارا لیتے ہیں، ان کے لئے ہیں۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾

وہ (اللہ) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر (مقرر) لگا دیا۔ ہر ایک مقررہ مدت (وقت) تک چل رہا ہے اور یہی تمہارا رب ہے اسی کی بادشاہی ہے اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کی باریک جھلی کے برابر اختیار نہیں رکھتے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن بھی لیں تو وہ تمہیں جواب نہیں

دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے (اس) شرک کا انکار کر دیں گے اور کوئی آپ کو خبیر (اللہ) کی مانند خبر نہ دے گا۔

آیات مبارکہ سائنسی دلائل پیش کر رہی ہیں۔ یہ دلائل کئی دفعہ دہرائے گئے ہیں۔اس کی وجہ ان کی اہمیت اوران کا بدیہی وجود ہے۔ ہر بڑا یا چھوٹا انسان ان کو دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے۔ان کے فوائد سے مستفید ہوتا ہے۔ان کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔اس کے جاننے کے لئے کوئی بڑی تعلیم کی ضرورت نہیں لیکن اگران پر غور کیا جائے تو حقائق کا ایک سمندر ہے جس کی تہہ آج تک انسان معلوم نہیں کر سکا اور نہ شاید کر سکے گا۔ مکی سورتوں میں منکرین حق کے لئے دلائل دیئے گئے ہیں۔

رات کی آمد سکون کی آمد ہے۔ تھکا ہارا انسان سکون پکڑتا ہے۔ نیند اور آرام کا ماحول ملتا ہے اسی طرح صبح کی آمد ایک خوشخبری، ایک نئے دن کا آغاز، نئی جدوجہد، نیا ولولہ لے کر انسان نکلتا ہے۔ دن کی روشنی انسانی جسم کے کام کرنے کے لئے ذہنی اور جسمانی صلاحیت مہیا کرتی ہے۔ رزق، تحقیق، علم سب دن کے کام ہیں۔ یہ دن اور رات کیسے بنتے ہیں، یہ غور طلب معاملہ ہے اور اس کی تفصیل میں جانے پر خالق کائنات کے وجود کے بارے پتہ چلتا ہے۔ یہ سورج اور زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔ زمین کی گردش ایک اس کے محور پر ہے جس سے دن ورات ہیں اور ایک گردش سورج کے گرد ہے جس سے موسم بنتے ہیں۔ چاند ایک سیارہ ہے جو کہ زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، سورج کی روشنی سے رات کو چمکتا ہے لیکن دن کو نظر نہیں آتا۔اس کی تفصیل سورۃ النور (تفسیر آیت 94) میں مذکور ہے۔ چاند زمین کے ارد گرد 27.332 دن میں اپنا چکر پورا کرتا ہے اور 29.5 دن کے بعد نیا چاند (کریسنٹ) نظر آتا ہے۔ چاند کے سائز اور اوقات طلوع وغروب سے مہینے کی تاریخ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کی قوت وعظمت کا اظہار ہیں اسی لئے صرف اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہیے۔ جو لوگ دوسرے بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ تو بے جان اشیاء ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کو قوت گویائی اور وجود دے کر ان سے سوال کیا جائے گا۔ کہ لوگ تمہاری عبادت کرتے، منتیں مانتے تھے تو وہ اس کا انکار کریں کریں گے کہ وہ تو خود بے جان تھے ان کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ یہ لوگوں (ان کے ماننے والوں) کی اپنی غلطی تھی۔ ان کی موجودہ دنیا میں تو کوئی حیثیت نہیں کیونکہ انسان کے بنے ہوئے ہیں۔ جہاں رکھا گیا وہاں پڑے رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔اس کی مثال کھجور کی گٹھلی پر ایک بہت کمزور جھلی ہوتی ہے۔ یہ اتنی ہلکی ہوتی ہے کہ اگر ہوا میں اُڑ جائے تو زمین اسے اپنی طرف نہیں کھینچتی اور پر سکون ہوا میں بھی وہ تیرتی رہتی ہے۔ یہ بتوں کی قوت وحیثیت کی مثال ہے۔

نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ساری معلومات ماضی کے زمانوں اور آنے والے زمانہ قیامت کے بارے، زمین و آسمان کی حرکات، آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات جو علیم و خبیر ہے وہ بتاتی ہے۔ دوسری طرف کفار مکہ کو بھی بتایا گیا کہ یہ واقعات سچے ہیں اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی، کے ذریعے معلومات دی جاتی ہیں۔ نبی کو جھٹلانا گویا اللہ کی باتوں اور احکام کو جھٹلانا ہے۔ جس کا انجام دوزخ کی بھڑکتی آگ میں جلنا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بالکل بے نیاز قابل تعریف ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق (انسان) لے آئے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾

اور اللہ کے لئے یہ (کام) کچھ مشکل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کائنات اور زمین پر قوت و عظمت کے بعد کفار مکہ اور دنیا کے انسانوں کو بتایا جا رہا ہے۔ جو اللہ کے وجود اس کے احکام سے انکار کرتے ہیں ان کو وارننگ ہے کہ وہ سرکش انسانوں کو ختم کر کے دوسرے انسانوں یا قوم کو قوت و طاقت دے سکتا ہے۔ دوبارہ سب کو پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سارے امور اس کی قدرت میں ہیں، کوئی مشکل نہیں۔ لہٰذا اس کے احکام کو ماننا ضروری ہے اور اسی میں انسان کی دنیا و آخرت میں سلامتی و نجاعت ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور کوئی بوجھ لدا شخص اپنا بوجھ اٹھانے کو بلائے گا تو اس (کے بوجھ میں) سے کچھ بھی نہ اُٹھایا جائے گا۔ اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہو۔ بس آپ تو انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے رب سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور جو پاکیزہ ہوا تو وہ اپنے لئے پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ اور نہ اندھیرا اور نہ روشنی (برابر ہو سکتے ہیں)۔

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (برابر ہو سکتے ہیں)۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں بے شک اللہ جسے چاہے سنواتا ہے اور آپ ان کو سنوانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ آپ صرف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔

حساب وکتاب کا اصول:۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ یوم قیامت لوگوں کا محاسبہ بطور جماعت نہیں ہوگا، اگرچہ دنیا میں ظلم کرنے والے کے ساتھ, ظلم نہ کرنے والا بھی سزا پاتا ہے، کیونکہ ظلم کے روکنے میں اس نے کردار ادا نہیں کیا۔ لیکن قیامت کے دن محاسبہ انفرادی ذمہ داری کے اصول پر ہوگا۔ اور یہ محاسبہ انسان کے سارے اعمال پر ہوگا، وہ اپنے اچھے اعمال پر اچھی جزا اور برے اعمال پر سزا پائے گا۔ دوسرے افراد کیا کرتے تھے، اس کی ذمہ داری نہیں، البتہ اگر اس کا کوئی کردار یا عمل اس سے متعلق ہوا، تو اس کے مقابل وہ سزا کا حصہ پائے گا۔ انفرادی جزا و سزا کا یہ اصول انسانی اخلاقیات پر گہرا اثر رکھتا ہے۔ یہ شعور بڑا ضروری ہے کہ انسان کو انعام یا سزا، اس کے عمل پر ملے گی کسی دوسرے کی بد عملی کی اس کو سزا نہیں ملے گی اور نہ اپنے اعمال بد سے وہ بچ کر نکل سکے گا۔ جب انسان اس اصول کو سمجھ لیتا ہے تو اس کے لئے عمل آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کے مقابل انسان کی عبادت بہت معمولی ہے اور واضح کر دیا کہ اگر کوئی حق کی راہ اور پاکیزہ کردار اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے فائدہ مند ہے۔ اللہ کی ذات انسانوں، جنوں کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قبولیت انسان کے لئے ایک اعزاز ہے۔

انسانی کردار کے فرق کی اہمیت:۔

آیات مبارکہ میں انسانوں کے رویہ کا تجزیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے والوں کو سزا اور تابعداری یا احکام ماننے والوں کو انعام دیتے ہیں۔ اس کا موازنہ کیا گیا ہے جس طرح روشنی اور اندھیرا میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اندھیرے میں انسان آنکھوں کے باوجود اندھا ہو جاتا ہے اور روشنی سے دیکھتا ہے۔ یہ دو حالتیں مختلف ہیں اسی طرح دیکھنے والا انسان اور اندھا انسان دونوں کی زندگی، حالت، کیفیت مختلف ہیں۔ اسی طرح گرمی میں سایہ اور بغیر سایہ کے زمین بڑی مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح زندہ انسان اور مردہ انسان بڑے مختلف ہیں۔ زندہ انسان کام کرتا ہے اس کا فائدہ ہے۔ اس کا معاشرے میں کردار ہے لیکن مردہ بالکل مردہ ہے۔ نہ بول سکتا نہ اُٹھ کر مدد کر سکتا ہے نہ جواب دے سکتا ہے۔ بالکل یہی مثال انسان جس کا کردار اچھا ہے اللہ کے احکام پر عمل کر کے انسانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ معاشرے میں صدقات اور

نیکی سے برکت پھیلاتا ہے، اللہ کی عبادت وذکر کرتا ہے۔ دوسرا انسان جو اللہ کے احکام کا منکر، اپنی خواہشات کا بندہ ہے، خود غرض متکبر اور دوسروں کے مال سے فائدہ اُٹھا کر، زندگی کو عیش سے گزارنا چاہتا ہے، دونوں اگرچہ انسان ہیں شکل ایک جیسی ہے لیکن اعمال کی وجہ سے بالکل مختلف ہیں اور ان کے اعمال کا صلہ یا بدلہ بھی مختلف ہوگا۔

یہ کیفیت اس وقت کفار مکہ کی تھی اور سارے زمانوں میں رہے گی۔ نبی ﷺ چونکہ تبلیغ کے لئے پوری جدوجہد کر رہے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ معاشرہ میں چلنے پھرنے والے انسان، بظاہر زندہ اور متحرک ہیں لیکن اللہ کے احکام آپ کی دعوت پر غور اور عمل کے لحاظ مردوں کی طرح ہیں اور جس طرح مردہ اپنی قبر میں اپنا ردعمل ظاہر نہیں کر سکتا، اسی طرح یہ بھی ان تمام ہدایات سے محروم ہیں۔ آپ ﷺ ان کے رویہ پر پریشان نہ ہوں ان کو مردہ دل سمجھتے ہوئے ان کے رویہ کو نظر انداز کریں۔ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ آپ کا فرض ان کو اللہ کی نافرمانی پر آنے والے عذاب سے ڈرانا ہے۔ آپ ان کی مکمل ہدایت کے ذمہ وار نہیں اور یہی راہنمائی ہر مبلغ دین کے لئے ہے۔ انسانی کردار کا کس قدر خوبصورت تجزیہ ہے۔

صوفیاء کے نزدیک اندھے سے مراد کافر اور دیکھنے والا مومن ہے۔ اندھیرا، کفر اور نور، ایمان ہے۔ سایہ سے مراد جنت اور گرمی سے جہنم کا عذاب، اسی طرح زندہ سے مراد علماء اور ذاکرین، مردے سے مراد جُہلاء اور غافل لوگ ہیں۔ جس طرح یہ امور آپس میں مختلف ہیں، اسی طرح اللہ کی طرف جانے والے اور اس کے جمال و جلال میں مشغول کے مقابل، دلوں پر پردہ والے اور غفلت والے برابر نہیں۔ (انوار القرآن از ملا علی قاری)۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا (آیا) ہو۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾

اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان لوگوں نے بھی تو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے ہوئے ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

پھر میں نے ان کو پکڑ لیا (سزا دی) جنہوں نے کفر کیا، پس (دیکھو) میرا عذاب کیسا عبرتناک تھا۔

نبی ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ کی تبلیغ کے مقابل کفار کا مکر اور ظلم وستم کا رویہ نیا نہیں ہے۔ انسان

کا قدیم طریقہ رہا ہے۔ جو آپ ﷺ سے پہلے بھی نبیوں، رسولوں کے ساتھ ہوا۔ جن کو صحائف جیسے حضرت ابراھیمؑ اور حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء کرام جن کو کتابیں دی گئیں تھیں، جیسے حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ تھے اور ہر امت (قبیلہ/علاقہ) کی طرف ایک ڈرانے والا یعنی نبی بھیجا گیا تا کہ انسانوں کو راہنمائی ملے۔ گمراہی سے بچ سکیں اور قیامت کے روز جب ان کی نافرمانی پر عذاب ہو گا تو دلیل قائم ہو کہ یہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہے۔ پھر جن قوموں نے گناہ کئے، نافرمانی کی ان پر سخت پکڑ آئی اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا جیسے قوم ھود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام۔ یہ جہاں نبی ﷺ کی تسلی تھی وہاں کفار مکہ (منکرین اسلام) کے لئے ایک وارننگ بھی تھی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی (ایسے ہیں کہ) جن کے رنگ مختلف ہیں، بس اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ نہایت غالب اور بہت بخشنے والا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ایسے پھل لگائے جن کے رنگ مختلف ہیں اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ دھاریاں (چٹانیں) ہیں۔ ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہری سیاہ بھی ہیں۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کا ذکر ہے۔ فضاء میں ہر وقت بادل اُڑ رہے ہوتے ہیں جو لاکھوں ٹن پانی کے بخارات اور برقی قوت اُٹھائے پھر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بادل بارش کا سبب بنتے ہیں اور بارش زمین پر زندگی یعنی نباتات و جنگلات، اجناس کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے، جس سے حیوانات، حشرات، پرندے اور انسان رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر مختلف رنگ کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ہر ایک پھل کا اپنا رنگ، اپنا ذائقہ، اپنی جسامت ہے اور ہر ایک کا موسم بھی علیحدہ اور خواص بھی علیحدہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کمال کا اظہار و ثبوت ہے۔

پہاڑوں میں رنگ:۔

اس کے علاوہ پہاڑ ہیں۔ جن کی جسامت بہت طویل و عریض ہے۔ جو ایک سلسلہ کی طرح پھیلے ہوتے ہیں۔ کئی پہاڑ بالکل خشک اور چٹیل ہیں ان کا رنگ مٹی نما ہے۔ کچھ بارشوں کی کثرت اور زمین کی قوت کی وجہ سے جنگلوں

درختوں سے پُر ہیں سبز نظر آتے ہیں۔اور کچھ چٹانیں سیاہ ہیں اور سیاہ نظر آتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی ایک ہی پہاڑ کے اندر مختلف رنگوں کی لہریں یا خط ہیں (جُدد)۔ شمال مغربی چین میں اس کے صوبے غانسو(Gansu) میں زانقی دانشیا (Zhangye)جیالوجیکل پارک میں قوس قزح کے رنگ کی طرح پہاڑ ہیں۔ مختلف رنگ کی لہریں یا چٹانیں ہیں۔



اسی طرح پیرو(Peru) جنوبی امریکہ میں کوسکو کے قریب بھی مختلف رنگ کے پہاڑ ہیں یعنی ایک ہی پہاڑ کے اندر چٹانوں کا رنگ مختلف ہے۔قرآن مجید کی آیت کی تصدیق جب سے معلومات کا ملنا آسان ہوا ہے،ثابت ہو رہی ہے۔

یہ جمادات میں ہی نہیں بلکہ جس طرح پھلوں میں رنگ ہیں اسی طرح انسانوں اور جانوروں میں مختلف رنگ ہیں۔ زرافہ، زیبرا، چیتا، مختلف طوطے اور پرندے، مور، عرض ہر قسم دوسری قسم سے رنگ، ڈیزائن، جسامت میں مختلف ہیں۔اسی طرح انسانوں کے اندر بھی مختلف رنگ ہیں کوئی بالکل سیاہ ہیں جو عموماً خط استواء کے قریب علاقوں کی وجہ بتائی جاتی ہے۔ دوسرے لوگ گندمی رنگ کے ہیں جو کہ ٹراپیکل خط سرطان جنوبی اور خط جدی شمالی کے درمیان رہتے ہیں۔ جو لوگ انتہائی شمال کی طرف ہیں وہ زیادہ تر سفید ہیں جو کہ سرد علاقوں میں رہتے ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کے مطابق یہ سارے انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور برابر ہیں، صرف امتیاز تقویٰ (انسانی اچھے کردار) پر ہے۔(ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم)حدیث۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت وکمال کے کرشمے ہیں وہی لائق عبادت ہے اور پھر دوبارہ زندہ کر کے انصاف کیا جائے گا۔

علمائے حق:۔

واضح طور پر ذکر کیا گیا کہ جو لوگ اللہ کی ذات پر اس کی قوت وطاقت پر یقین وایمان رکھتے ہیں وہ اصحاب علم و فضل ہیں۔اور ان کے دل خوف خدا سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہر کام سے پہلے وہ دیکھتے کہ ان کے خالق و مالک کی کیا ہدایات ہیں۔ اور اس کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ خواہشات نفس کی اہمیت اس حد تک ہے، جہاں تک اجازت خداوندی ہے۔کائنات پر غور و فکر کرتے ہیں تو قدرت الٰہی آشکار ہوتی ہے۔ جس اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت پتہ چلتی ہے۔

تخلیق کے عجائبات دیکھ اللہ کی عظمت کا شعور جاگ اُٹھتا ہے۔ وہ اللہ سے صحیح معنوں میں ڈرتے ہیں اور اس کی بندگی اس کے خوف اور اس کے فضل و کرم کی بناء پر کرتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ زبردست قوت اور درگذر فرمانے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی خطاؤں کو جو اس کی بندگی میں ہو جاتی ہیں معاف کر دیتا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علماء کی تین قسمیں ہیں (۱): عالم باللہ بامر اللہ؛ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ (۲): عالم باللہ لیس بامر اللہ؛ یہ عالم اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن حدود و فرائض سے بے علم ہوتا ہے۔ (۳): عالم بامر اللہ باللہ؛ یہ حدود و فرائض سے باخبر ہوتا ہے لیکن خشیت الٰہی (اللہ کے خوف) سے بے خبر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، عالم وہ ہے جو شرک نہ کرے، حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے۔ اللہ کے احکام کی حفاظت کرے اور حساب و کتاب پر مکمل ایمان ہو۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں خشیت (خوف خدا) یہ ہے کہ انسان اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے اور گناہ سے روک دے۔ حضرت حسن بصری کے بقول عالم اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اللہ کی پسند پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کی ناپسندیدہ امور سے بچتے ہیں (ابن کثیر)۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہو گی۔

لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ ﴿۳۰﴾

وہ (اللہ) انہیں ان کے اجر پورے پورے دے اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا اور نہایت قدر دان ہے۔

آیات میں انسانی اعمال و کردار کا تجزیہ فرمایا گیا۔ انسان عموماً فائدے کے لئے بھاگتا ہے۔ دنیا میں زندگی کی کشمکش میں ہر آدمی اپنا فائدہ دیکھتا ہے خواہ کھیتی باڑی ہو، صنعت یا حرفت یا ملازمت۔ اسی طرح انسان کو اپنی دائمی زندگی کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے اور عمل کرتے تھے (امم سابقہ) اور موجود قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ کتاب کی تلاوت سے مراد جہراً (بلند آواز) یا خاموشی سے پڑھنا نہیں، بلکہ اس پر غور کرنا اس کا ادراک اور کلام کو سمجھنا، اس سے متاثر ہو اور احکام پر عمل کرے۔ نماز قائم کرتے ہیں یعنی وہ نماز جو ان کو برائیوں سے روکتی ہے۔ دکھاوے کی نماز نہیں ، بلکہ اللہ کے احکام کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ اپنے اموال میں غریبوں، محتاجوں، یتیموں پر خرچ کرتے ہیں۔ کہیں دکھا کر جس طرح فرض عمل، زکوٰۃ ہے تاکہ دوسروں کو بھی احساس

ہو اور کہیں چھپا کر یعنی نوافل صدقہ وغیرہ تاکہ نمود و نمائش (ریا) نہ ہو اور دوسرے افراد کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ یہ کام جہاں نیکی ہے وہاں ایک تجارت کی طرح فائدہ مند ہے۔ یہ ایسی تجارت ہے جس میں خسارہ نہیں، جب کہ دنیا کی ہر تجارت میں خسارے کا امکان ہے۔ لیکن یہ خسارہ سے پاک ہے، تو کیوں نہ آدمی اس کو اختیار کرے اور اس سے دنیا اور آخرت میں فائدہ اُٹھائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم مزید عطا کرتا ہے کہ جنت میں دائمی درجات میں بلندی عطا ہوتی اور معاوضہ سے زیادہ انسان کو دیا جاتا ہے۔

وَ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾

اور (اے نبی) ہم نے جو کتاب آپ کی طرف وحی کی وہی حق ہے، ان (کتب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہیں۔ بے شک اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے۔ انہیں خوب دیکھنے والا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں میانہ رو ہیں اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں یہی بہت بڑا فضل ہے۔

کتابوں کے ذکر میں قرآن مجید کا ذکر ہے۔ قرآن مجید حق ہے، سچائی ہے۔ انسان کی نفسیاتی حالت اور جسمانی عوارض کو دیکھ کر خالق انسان نے انسانوں کے لئے حق اور ہدایت کا پیغام دیا ہے، جو قرآن مجید ہے۔ یہ اس سے پہلے الہامی کتب و صحف (تورات۔ زبور۔ انجیل) کی تصدیق کرتا ہے۔ اس میں نہ صرف انسان بلکہ تکوین کائنات کی معلومات، معاشرے کی اصلاح، انسانوں کے حقوق، کا ذکر ہے جس پر عمل کر کے انسانیت سنور سکتی ہے۔

امت مسلمہ کا اعزاز:۔

امت مسلمہ کو اعزاز دیا کہ ان کو قرآن مجید اور نبی آخر الزماں عطا ہوئے۔ اور اس حق کلام، کا وارث بنایا گیا۔ یہ ایک عظیم مرتبہ اور ذمہ داری ہے جس کا احساس ہونا ضروری ہے۔ بالخصوص اہل علم، مسلمین و علماء دین کا فرض ہے کہ وہ اسلام کا پیغام مخلوق خدا تک اس طرح حکمت سے پہنچائیں کہ کم از کم وہ غور سے سنے، پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔

انسانوں بالخصوص مسلمانوں (اہل کتاب) کی کیفیت بیان فرمائی کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، کیونکہ ہدایت کے باوجود، ذمہ داری دینے کے باوجود، نہ پیغام دیتے ہیں اور نہ عملی نمونہ بنتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں خسارہ اُٹھائیں گے۔ مفسرین کے بقول اکثریت ان پر مشتمل ہو گی کیونکہ ان کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ دوسری قسم وہ افراد ہیں، جنہوں نے پیغام سنا اور عمل کی کوشش کی اور کچھ امور میں عمل کیا۔ فرائض وغیرہ اور دوسرے امور کو اچھے طریقہ سے ادا نہ کر سکے لہٰذا ان کا کردار متوسط ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مقام اعراف پر ہوں گے۔ جہاں نیکی اور بدی برابر ہونے کی وجہ سے لوگ رحمت الٰہی کے منتظر ہوں گے یا کوئی کیفیت ہو گی، اللہ بہتر جانتے ہیں۔ ان کی تعداد پہلے (اہل ظلم) سے کم ہو گی جو ترتیب کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر تیسری قسم ان افراد کی ہے جنہوں نے احکام پر غور کی اور مکمل عمل کیا اور نیکوں، بھلائیوں میں سبقت لے گئے اور انعام و اکرام کے مستحق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کے لئے آسانی پیدا فرمائیں گے کہ سزا کے بعد اہل ظلم کو نکالا جائے گا اور اہل وسط کو انعام دے کر اگلے درجہ پر فائز یا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا عظیم انعام ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ حدیث کے مطابق خیر القرون کے افراد انعام و اکرام والے ہیں اور بعد والے متوسط (درمیانے) ہیں اور آخر والے اہل ظلم سے ہیں۔

(۱) ظالم وہ ہے جس کو نعمت مل جائے تو وہ دوسروں کو دینے سے منع کرے۔ مقتصد (میانہ رو) وہ ہے جو نعمت کو مل جانے کے بعد اس کو خرچ کرے۔ سابق (سبقت لے جانے والا) وہ ہے جو نعمت نہ ملے پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور مل جائے تو دوسروں کو دے دے۔

(۲) ظالم وہ ہے جو اپنے نفس (خواہشات) سے محبت کرے۔ مقتصد وہ ہے جو اپنے دین سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرے (تفسیر قرطبیؒ)۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾

یہ لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے اور انکو وہاں سونے کے کنگن اور موتی (ہیرے) پہنائے جائے گا اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہو گا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾

اور کہیں گے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہی ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ بے شک ہمارا رب بڑا بخشنے والا خوب قدر دان ہے۔

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا

لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

جس نے اپنے فضل سے ہمیں دائمی گھر (مقام) میں ٹھہرایا، اس میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور اس میں کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

اہل جنت کی کیفیت ظاہر فرمائی کہ وہ جنت میں خوش و خرم ہوں گے۔ دنیا میں جو بہترین نعمتیں ہیں جن کے لئے وہ اپنی زندگی میں محروم تھے، ان کو عطا ہوں گی۔ عالیشان رہائش (محل) اعلیٰ لباس (ریشم و دیباج) اور اعلیٰ زینت کا سامان زیورات وغیرہ تاج، یہ تمام انعامات مرد اور عورتوں کے لئے برابر ہیں پھر اس زندگی میں کوئی تھکن ذہنی یا جسمانی بیماری اور پریشانی یا روحانی تکلیف نہیں گی۔

دنیا کی زندگی میں ریشم و سونے کو منع کرنے کی حکمت یہی ہے کہ لوگ اس کی طلب کم کریں اور وہ رقم جو ان قیمتی دھاتوں یعنی زیورات اور لباس پر خرچ ہوتی ہے اس کو غرباء اور فقراء کے لئے میسر کیا جائے۔ اسی لئے فقراء کے خرچ کو نفع مند تجارت فرمایا۔ عورتوں کی خواہش فطری کے لئے ان کو زیب و زینت کی اجازت دی جس کا اظہار ان کے محرم (جن سے نکاح نہیں ہو سکتا) افراد تک کے لئے ہے یا اپنے گھر میں اپنے خاوند کے لئے ہے۔

یہ سارے انعامات کو اہل جنت اللہ کا فضل قرار دیں گے اور اقرار کریں گے کہ ان کے اعمال اس فضل کے قابل نہ تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سارا فضل و کرم ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ ٹھیک ٹھیک اور درست عمل کرو اور یقین رکھو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور اللہ کا سب سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل ہے جو دائمی ہو (ہمیشہ کیا جائے) خواہ کم ہو (بخاری/مسلم)۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت ہے کہ انسان کے اعمال اس کے شکر کے لئے کافی نہیں۔ لہٰذا صرف اعمال پر بھروسہ صحیح نہیں اور عمل وہ اچھا ہے جو ہمیشہ کیا جائے تاکہ ثواب ہمیشہ ملتا رہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ ان کی موت (قضا) کا فیصلہ ہو گا کہ مر جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی اور ہم ہر بڑے ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

وَ هُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾

اور وہ اس (جہنم) میں چلائیں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب! تو ہمیں (اس سے) نکال۔ (اب) ہم نیک عمل کریں گے نہ کہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے۔ (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمریں نہیں دی تھیں کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہو تو نصیحت حاصل کر لیتا؟ اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، اب تم عذاب کا مزا چکھو پس ظالموں کے لئے کوئی مدد گار نہیں۔

نصیحت حاصل کرنا ضروری ہے:۔

جہاں اہل جنت کا ذکر تھا، اس کے ساتھ اہل جہنم کا ذکر ہے۔ یہ جزا و سزا انسانی اعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کا موازنہ اس لئے دیا گیا ہے تاکہ قاری اپنے اعمال کا محاسبہ کر سکے، کہ اس کا کیا انجام ہو گا۔ اہل جہنم جب سزا بھگتیں گے تو چیخیں چلائیں گے۔ معافی وزاری کریں گے۔ موت کی تمنا کریں گے تاکہ ان کا عذاب ختم ہو، جس طرح دنیا میں موت کے بعد آدمی بیماری یا غم سے نجاعت پاتا ہے۔ لیکن موت نہیں آئے گی۔ وہ دوبارہ دنیا میں لوٹ کر جانے کی آرزو کریں گے، کہ اب جا کر احکام الٰہی پر عمل کر کے فرمانبردار بندے بنیں گے۔ اور پہلے کی طرح گناہوں میں ملوث نہ ہوں گے۔ لیکن جواب میں فرمایا جائے گا اپنی عمر کا اندازہ لگاؤ، جو عمر تمہیں دی گئی تھی وہ کافی تھی۔ تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے تھے، جنہوں نے تمہیں بتایا تھا، یہ ڈرانے والے انبیاء علیہم السلام ہیں، جن کو ڈرانے والے کہا گیا ہے۔ علمائے حق ہیں، اسی طرح بڑھاپا ہے یا قریبی مرنے والے لوگ، بھی موت کی یاد دلاتے ہیں۔ تم نے ان سے کوئی فائدہ یا سبق نہیں سیکھا تھا، اس لئے اب اپنے عمل کی سزا بھگتو اور وہ عذاب میں پڑے رہیں گے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا؛ جس شخص کی موت کو مؤخر کر کے، اس کی عمر ساٹھ (60) سال کر دی گئی تو اللہ نے اس پر سب سے زیادہ حجت پوری کر دی (کوئی عذر نہیں چھوڑا)۔ بخاری شریف۔ کچھ علماء نے چالیس سال کی عمر کو کہا ہے، کیونکہ اس وقت انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور علم بھی کافی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل کی خاطر یہ حجت تمام کی ہے کہ عمر اور سہولت دی گئی، لیکن فائدہ نہ اُٹھایا گیا۔ لہٰذا اب صرف سزا ہی عدل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہے۔ بے شک وہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾

وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا، پھر جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور کافروں کا کفر صرف ان کے نقصان کو زیادہ کرتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾

آپ کہہ دیجئے بھلا بتاؤ، اپنے جن شریکوں (معبودوں) کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین سے کیا کچھ پیدا کیا ہے یا ان کا آسمانوں (کی پیدائش) میں کوئی حصہ ہے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے۔ اور وہ اس کی کسی واضح دلیل پر قائم ہیں، بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو محض پُر فریب وعدے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر ہے کہ کائنات (زمین و آسمانوں) میں ہر چیز اسے معلوم ہے۔ اس کے لئے کوئی چھپی ہوئی نہیں اور سب سے چھپی چیز انسان کے اندر کے خیال کو بھی وہ جانتا ہے، جو ابھی صرف دماغ و دل کے اندر ہوتا ہے، باہر بھی نہیں نکلتا۔ اس رب عظیم، نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ انسان جسامت میں کم ہونے کے باوجود، ساری زمین کی مخلوقات پر حاوی ہے۔ ساری زمین اور فضاء پر اس کا حکم چلتا ہے۔ یہ حکم کی قوت انسان کو اللہ نے عطا کی۔ یہ عقل و سمجھ کو قوت ہے۔ جس کے ذریعہ وہ دوسری مخلوقات پر حاکم ہے۔ ان انعامات کے باوجود انسان، جب اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے یا اس کے ساتھ کسی اور کو الوہیت میں شریک بنا دیتا ہے تو یہ سارا گناہ اس کے سر پر ہے۔ اس کی سزا وہ اُٹھائے گا۔

کفار مکہ اور دوسرے انسان جو مختلف اجسام کو اپنا معبود بناتے یا نمائندہ بناتے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے، کہ یہ غور طلب بات ہے کہ یہ بت یا اجسام (ستارے، سورج) ان کا اس کائنات میں کیا رول ہے۔ کبھی غور کیا ہے۔ کیا یہ آسمان، زمین یا زمین کا کچھ حصہ، انہوں نے پیدا کیا؟ کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی الہامی کتاب میں بتوں یا کسی اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت میں شراکت یا حصہ دار ہونے کا ذکر کیا ہے؟ جو کہ نہیں ہے، پھر یہ کفار مکہ یا دوسرے منکرین خدا، کیوں دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی وہ دھوکہ کھاتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں۔ اس سے ان کا برا انجام ہوگا، یہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ فریب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا ان کو کوئی اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا۔ بے شک وہ (اللہ) بڑا حلم والا بہت بخشنے والا ہے۔

زمین و آسمان کے ذکر کے ساتھ سورج چاند اور زمین جو کہ اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ آسمان اپنے مقام و حدود میں قائم ہے کے بارے فرمایا کہ یہ معبودان باطل جن کو اہل مکہ اور دوسرے منکریں اسلام، خدا کا شریک سمجھتے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ زمین، سورج، چاند، ستارے جو اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک نظام کے ساتھ مربوط کیا ہوا ہے اور اگر ان میں کوئی کمی آجائے، تو اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی ان کو اپنے مدار میں لا نہیں سکتا۔

کچھ علماء قدیم نے، جس وقت یونانی فلاسفر کے نزدیک زمین کے گرد سورج چکر لگا رہا تھا اور زمین کو ساکن سمجھا جاتا تھا، اس آیت میں یمسک پکڑنے سے مراد زمین کو ساکن سمجھا ہے، جب کہ اس سے مراد زمین کی حرکت کا متعین مدار اور اس پر اس کا چلنا ہے، جس طرح ایک اور آیت سے زمین کا ساکن ہونا ثابت نہیں، بلکہ پرانے نظریہ کے ساتھ چمٹے رہنے کی مثال ہے۔ بہت سارے پرانے نظریات اس لئے غلط ہیں کہ وہ صرف فکری اور تخیلاتی تھے۔ تحقیق کے جدید آلات نہیں تھے جو آج موجود ہیں اور نہ انجینئرنگ کی زیادہ ترقی یافتہ تعلیم تھی۔ بہت سے سائنسی حقائق قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے وجود کے لئے ذکر کئے ہیں۔ صرف ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾

اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آگیا تو وہ دنیا کی کسی امت کی بہ نسبت ضرور زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، پھر جب ان کے پاس عذاب سے ڈرانے والا آگیا تو اس کی آمد نے ان کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

زمین پر ان کے تکبر اور ان کی بری سازشوں کو زیادہ کیا اور بری سازش کا وبال صرف سازش کرنے والے پر پڑتا ہے۔ وہ صرف پہلے لوگوں کے ساتھ جو طریقہ تھا۔ اس کا انتظار کر رہے ہیں (کہ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی ہو)، سو آپ اللہ کے دستور (طریقہ) میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں

پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو ہر گز نہ ٹلتا ہوا پائیں گے۔

دھوکہ کا نتیجہ:۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے۔ جب اہل مکہ، یہودیوں کو ان کے نبی اور دوسرے انبیاء جو ان کی قوم میں آئے۔ الہامی کتابیں، تورات اور زبور پھر حضرت عیسیٰ اور انجیل جو عیسائی مذہب کی بنیاد تھی کا خیال ان کو آتا، تو یہ تمنا کرتے ، کہ ان کے ہاں بھی اللہ کی طرف سے کوئی نبی یا ڈرانے والا ہدایت دینے والا آتا، تو وہ بھی یہود یا عیسائیوں کی طرح ان کی پیروی کرتے۔ اب ان کو یاد دلایا جارہا ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنا نبی اور ڈرانے والا بھیجا، تو انہوں نے اس کی مخالفت اور اس کے خلاف ہر قسم کی سازش کی۔ اس وقت قریش مکہ، ان کے مرکز دارالندوۃ میں مسلمانوں کے خلاف حتٰی کہ نبی ﷺ کو شہید کرنے کی بھی سازش کی تھی۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ جو دنیا میں فساد کرنے کے لئے سازشیں کرتے ہیں۔ حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں ان کا انجام برا ہوتا ہے۔ جس طرح ضرب المثل ہے جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ اسی میں گرتا ہے۔

حدیث و آثار کے مطابق مومن، سازش، فریب اور خیانت نہیں کرتا۔ امانت و دیانت مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر ایک کے ساتھ واجب ہے اور جو مسلمان اس میں کمزور ہے وہ مومن کے درجہ پر نہیں۔ نبی ﷺ قبل از اسلام بھی صادق و امین کا لقب رکھتے تھے۔

کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ اصولوں پر چل رہا ہے۔ زمین پر انسانوں کا عروج و زوال، آثار قدیمہ دیکھیں۔ حکومتوں اور سلطنتوں کی تبدیلی، انسانوں کی خواہشات پر نہیں، بلکہ خالق کائنات کے اصولوں پر ہے اور جو ان اصولوں کو نظر انداز کرتا ہے وہ درس عبرت بن جاتا ہے۔ لہٰذا ان اصولوں میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ حتٰی کہ قیامت آ جائے گی اور ایک اصول ہے کہ کفر رہ سکتا ہے، ظلم نہیں رہ سکتا۔ عدل کرنا، اللہ کا حکم ہے۔ حق نے ہمیشہ کامیاب اور باطل نے ناکام ہونا ہے۔ اس میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾

اور کیا انہوں نے کبھی زمین میں سفر نہ کیا۔ پس وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیسا انجام ہوا۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ سخت اور طاقت ور تھے اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی چیز اس کو عاجز کر دے، بے شک وہ بہت علم والا بڑی قدرت والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اگر اللہ لوگوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت کرتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں ڈھیل دے رہا ہے۔ پس جب ان کا وقت آجائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا۔

عذاب خداوندی، کفار مکہ اور پھر تمام انسانوں کے لئے نشان عبرت ہے۔ تاریخ کے حقائق سے سبق سیکھیں ، کئی تہذیبیں، سلطنتیں، افراد، آئے اور تاریخ کا حصہ بن گئے۔ ان کے اعمال اور نتیجہ پر غور کریں۔ اہل مکہ کو بتایا جارہا ہے، کہ شام کی طرف سفر ہو یا یمن کی طرف وہ راستوں میں ، پرانی اقوام کی ہلاکت کے آثار دیکھتے ہیں (قوم عاد، ثمود، لوط، شعیب وغیرہ)۔ یہ قومیں بڑی معاشی طور پر طاقتور تھیں۔ دفاعی طور پر مضبوط تھیں، لیکن اللہ کے اصولوں کے خلاف زندگی گذار رہی تھیں اور ڈرانے والوں (انبیاء) کی ہدایت سے منکر تھے اور اعمال کے نتیجہ میں تباہ ہو گئے۔ اس کائنات میں بادشاہی اور طاقت اللہ تعالیٰ کی ہے اور ساری کائنات اس کے تابع ہے اور اس کے احکام پر چلنے میں کامیابی ہے۔

اللہ کی رحمت وسیع ہے۔ اس کا نظام ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو پوری فرصت اور موقع دیتا ہے، تاکہ وہ اپنے اعمال کو اختیار کریں اور اس کے مطابق ان کو جزا و سزا ملے گی۔ جو اس کے احکام کے خلاف عمل کرتے ہیں، ان کو پوری فرصت یا مہلت دی جاتی ہے تاکہ اپنے سارے اختیارات اور قوت استعمال کر لیں اور جب ان کا معین وقتِ سزا آجاتا ہے، تو ان کو سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا انسانوں کو دھوکہ دیا جاسکتا، اللہ کی ذات بہت قوت، خبر رکھنے والی ہے۔

سورت کی ابتداء، اللہ تعالیٰ کی تخلیق سماوات وارض اور فرشتوں کی قوت و کارکردگی کے ذکر سے ہوئی۔ مخلوق میں اضافے اور کمی بھی وہی کرتا اور انتہا اس اعلان پر ہوئی، کہ وہ سزا دینے میں ڈھیل دیتا ہے۔ توبہ کی مہلت و فرصت دیتا ہے۔ جب عذاب کا فیصلہ ہو جائے تو پھر کوئی مہلت نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر وقت توبہ اور تعمیل احکام ضروری ہے۔

آج مورخہ بدھ 14 ستمبر 2022 کو سورۃ کی تفسیر مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق دے اور اسے قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

36- سورۃ یٰسین

تعارف:۔

سورت یٰسین کا نام اس کے پہلے لفظ کی بناء پر ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ یہ غالباً وسطی یا آخری مکہ کا دور تھا جب کفار مکہ پوری طرح اسلامی عقائد کے خلاف تھے۔ سورت میں تراسی (83) آیات ہیں۔ آیات کا انداز مختصر اور خوبصورت ہے۔ اس میں پانچ (5) رکوع ہیں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر اکتالیس (41) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے چھتیس (36) ہے۔

سورت یٰسین کے فضائل میں متعدد احادیث ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یٰسین قرآن کا قلب ہے، جو شخص بھی اللہ کی رضا اور آخرت کے لئے پڑھے گا، اللہ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔ تم یٰسین کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو۔ (ابن ماجہ/ابوداؤد)۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس میت کے پاس بھی یٰسین کو پڑھا جائے گا، اللہ اس پر آسانی فرمادے گا۔ (امام ویلمی/ابن ماجہ ،مردویہ)۔ سورت میں موت، حشر و نشر اور دلائل حشر و نشر کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو عربی نہ جان سکیں، ان کے لئے عربی متن کے ساتھ ترجمہ پڑھنے سے ایمان میں زیادتی ہو گی۔ یہی مقصود حدیث ہے کہ سکرات موت آسانی سے ہو گی۔ یٰسین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بھی ہے۔

قسم کے ساتھ ابتداء کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو جھٹلاتے ہیں وہ غفلت میں ہیں اور ان کا انجام عبرت ناک ہو گا۔ اللہ سے غائبانہ ڈرنے والے کے لئے ہدایت اور کامیابی ہے۔ اصحاب قریہ کے قصہ سے نافرمانوں کو انجام کے بارے تنبیہ کی گئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق اُڑانے والوں کو کائنات میں اللہ کی نشانیوں کے ذریعہ سمجھایا گیا۔ قیامت کے بارے تفصیل سے نقشہ کشی کی گئی اور نافرمان افراد کے عبرت آموز واقعات کا حوالہ دیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کے بارے واضح کیا گیا کہ یہ شاعری نہیں اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر ہیں۔ سورت میں اللہ کے وجود کے دلائل ہیں۔ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں کو اپنا معبود بناتے ہیں ان کا انجام افسوس ناک ہے۔ انسان کا وجود اور پھر موت اس کی دوبارہ زندگی کی دلیل ہے۔ اللہ کی عظمت و قوت ساری کائنات پر ہے۔ دوسرے جہاں کو پیدا کر سکتا ہے اور انسان کا وجود پیدا کرنا تو بہت معمولی ہے۔ جملوں اور کلمات کا انداز دل نشیں اور بلیغ ہے اور موضوعات کی اہمیت سے اسے قرآن مجید کا دل کہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰسٓ ﴿۱﴾ یٰسین۔

وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ قسم ہے قرآن حکیم کی۔

اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ بلاشبہ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ سیدھے راستے پر ہیں۔

تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۵﴾ یہ (قرآن) نہایت غالب، خوب رحم کرنے والے (اللہ) کا نازل کیا ہوا ہے۔

لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾

تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے۔ وہ (دین سے) غافل ہیں۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے۔ یا۔ سین۔ ان حروف کا مقصد کلام کی اہمیت ہے۔ اس کے معانی اور اسرار کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ بعض مفسرین نے ان کے بارے ظنی معانی بیان کئے ہیں کہ ان حروف سے اشارۃ یہ معانی نکل سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یٰسین، اللہ کے اسماء سے ہے۔ اور اس نام سے اللہ نے قسم کھائی ہے۔ ایک روایت ہے کہ یٰسین، کا معنی حبشی زبان میں اے انسان ہے۔ ایک روایات کے مطابق ، طٰہٰ، یٰسین نبی ﷺ کے ناموں میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے نام سے قسم کھائی۔ یہ آپ ﷺ کا خصوصی اعزاز ہے اور کسی نبی کے نام سے قسم نہیں کھائی گئی۔ قریش مکہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ نبی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ اس کلام کا رد فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں اور آپ سیدھے راستے پر ہیں یعنی آپ ﷺ جو تبلیغ اور ہدایت دے رہے ہیں وہی انسانیت کے لئے سیدھا راستہ ہے۔ سیدھا راستہ سے مراد شریعت اسلام ہے۔ جو زندگی گذارنے کے لئے راہنمائی کرتی ہے۔ تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت پر (حضرت نوح، ابراھیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام) اسلام تھیں اور اب آخری شریعت نبی ﷺ کی ہے جو کہ قیامت تک ہے۔ ان احکام پر عمل نہ کرنے والوں کو سزا دی جائے گی، کیونکہ ذات خداوند بڑی طاقت اور غلبہ والی ہے (العزیز) اور جو احکام پر عمل کریں گے ان کے لئے رحم و کرم (رحیم) ہے۔

قریش مکہ کے علاقہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام آباد ہوئے اور تبلیغ کی اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ دوسری طرف

شام کے علاقوں میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد سے بہت سارے انبیاء آتے رہے۔ عرب کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھی تشریف لائے۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے کافی عرصہ پہلے ان کو ہدایت دینے کے لئے کوئی نبی نہیں تھا۔ اور گمراہی (بت پرستی) میں مبتلا ہو گئے۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تشریف لائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید ورسالت کے ذریعہ ہدایت دکھائی، جس کی کفار مکہ انکار و مخالفت کر رہے تھے۔آیت مبارکہ میں ان کو بتایا جارہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری بھلائی اور ہدایت کے لئے ہے۔ مخالفت کے بجائے اس کی اطاعت کی جائے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ان میں سے اکثر کے متعلق ہماری خبر ثابت ہو چکی ہے۔ سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝

بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں جس سے ان کے سر اوپر اُٹھے ہوئے ہیں۔

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار کھڑی کر دی۔ پھر ہم نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

وَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لئے برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

کفار مکہ کے کفر اور ان کی ذہنی حالت کی تصویر کھینچی ہے۔ کفار اپنی دولت پر اکڑتے تھے اور اکڑ کے انداز میں گردن کو اکڑا کر سر اُٹھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ گردن ان کی اس طرح اُٹھی ہوئی ہے جس طرح کوئی کسی کی گردن میں بھاری طوق ڈال دے جس کی موٹائی ٹھوڑی سے زیادہ ہو اور پھر انسان کو طوق اس بات کا پابند کر دے کہ وہ گردن میں ٹھوڑی کو اُٹھا رکھے اور جھکا نہ سکے۔ یہ کیفیت و صورت غیر فطری ہے، کیونکہ چہرے کا توازن قائم نہیں رہتا اور انسان سامنے یا نیچے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی نگاہ آسمان پر اٹکی رہتی ہے۔ جس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ راستے کے پتھر، کنویں، سانپ، کوئی اور نقصان و نفع، سے آنکھوں کے ہوتے ہوئے اندھے انسان کی طرح ہے۔ کفار کی ذہنی کیفیت کا تجزیہ ہے، کہ حق اور انسانیت، اسلام کی صورت میں موجود ہے، لیکن اکڑی گردن کی طرح، وہ اس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم ہیں۔ دوسری طرف یہ ایک مجرم کی سزا ہے کہ اس کی گردن میں بھی طوق ہو اور ٹانگوں میں بھی بیڑی لگی ہوئی ہو۔

اگلی کیفیت بھی اسی طرح ہے کہ ان کے آگے اور پیچھے دیوار ہے، جس طرح آگے دیوار ہو تو انسان آگے راستے، واقعات منظر کو نہیں دیکھ سکتا اور اسی طرح اگر پیچھے بھی دیوار ہو تو آدمی پیچھے جہاں سے آیا ہے وہاں واپس نہیں جا سکتا۔ یہ ایک قیدی کی کیفیت و حالت ہے۔ اس پر مزید یہ ظلم یا سزا ملی کہ آنکھوں پر پٹی ڈال دی گئی اور آدمی کہیں جانے کے قابل نہ ہو۔ یہ کفار مکہ کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت تھی۔ وہ اپنے اعمال کی بناء پر گناہوں اور جرائم خداوندی کی دو دیواروں کے درمیان پھنس گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے، جو ان کی طرف نبی ﷺ اور قرآن کی صورت میں ہدایت دی گئی، سے بالکل منہ موڑ لیا اور شدید مخالفت کر رہے تھے اور تمام شواہد و دلائل جو دیئے جا رہے تھے، ان سے آنکھیں بند کر کے ضد اور مخالفت پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ان کے اس عمل اور اس پر اصرار سے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت یا ایمان لانے سے محروم کر دیا ہے اور فرمایا کہ آپ جتنی بھی تبلیغ کریں گے، وہ اپنی ضد اور مخالفت میں بڑھیں گے اور ان کا انجام کفر اور عذاب پر ہے۔ لہٰذا آپ اپنا کام جاری رکھیں اور پریشانی کی ضرورت نہیں اور ایسا ہی ہوا۔ ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور مخالفین اسلام کفر پر ہی مرے اور یہ ان کے اعمال کا نتیجہ تھا۔

آیات کا شان نزول یوں ہے کہ سرداران قریش (ابو جہل، عتبہ، شیبہ) نے کہا کہ اگر انہوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، تو پتھر سے گردن توڑ دیں گے اور اس کام کے لئے وہ اُٹھے اور کرنا چاہا لیکن سب کے سب اندھے اور ناکام ہو گئے، گویا دیوار آ گئی۔ (زاد المسیر/روح المعانی)۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾

اور آپ کا ڈرانا صرف اس (شخص) کے لئے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے تو آپ اس کو مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیجئے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۚ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور وہ عمل آثار (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیئے اور ہم نے ہر چیز کو (ریکارڈ) واضح کتاب (لوح محفوظ) میں محفوظ کر رکھا ہے۔

آیات مبارکہ میں انسانی نفسیات و کردار کا ذکر ہے۔ قریش کے سردار عتبہ، شیبہ، ابو جہل شدید مخالفت کر رہے تھے۔ عمومی عقل و سمجھ رکھتے تھے، لیکن آباؤاجداد کے رسم و رواج کو وہ عقل کے ذریعے پرکھنے کے بجائے، اس کی

تقلید کو اہمیت دیتے تھے اور اسلام کے مخالف ہو گئے۔ سب سے اہم عقیدہ، حساب و کتاب کا ہے، جس کے لئے دوبارہ زندہ ہونا ،بنیادی ضرورت ہے تاکہ حساب ہو، اور پھر انعام یا سزا ملے۔ اس کو وہ نہیں مانتے تھے۔ آج بھی کئی لوگ نہیں مانتے ہیں۔ مرنے کے بعد مٹی میں گل جانا اور ہڈیوں کا بچ جانا، پھر انسان کیسے زندہ ہو گا؟ اس کو محال سمجھتے تھے، کیونکہ ان کو، خدا کی قدرت یعنی طاقت و عظمت پر یقین نہیں تھا۔

دوسری طرف مسلمان، جو اللہ کو دنیا میں شواہد کائنات، آسمان، ستارے، سورج، چاند، بارش، بادل، پیدائش و موت کے واقعات و اسباب پر غور کر کے مان گئے تھے۔ ان کے لئے اسلام کا پیغام بہت آسان تھا۔ لہٰذا یہ افراد جنہوں نے خدا کو بن دیکھے تسلیم کیا، اس کے احکام مانے ان کی قدر و منزلت بیان فرمائی کہ آپ انہیں ان کے اس عمل کے اجر عظیم کی خوشخبری سنادیں۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو حساب و کتاب کا اہتمام کر رکھا ہے اس کا ذکر ہے، کہ ہم انسان کو مرنے کے بعد زندہ کریں گے۔ ہم اس کے سارے اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں، تاکہ اس کو صحیح اور حق و عدل کے ساتھ انعام و سزا دی جاسکے۔ اس کے لئے دو فرشتے اس کے جسم میں موجود ہیں جن کا قوت اعصاب (ذہن) کے ساتھ لنک ہے۔ جس طرح آج کل ٹیکنالوجی میں آپ جسم میں چِپ (Chip) رکھ دیں۔ (جس طرح جسم میں دل کے ساتھ (Pacer) رکھا جاتا ہے)۔ یہ فرشتے، ہر عمل کی آواز اور تصویر ریکارڈ کر رہے ہیں۔ انسان جو بھی دنیا میں عمل کرتا ہے اس کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے وہ اعمال جن کا اثر اس کے مرنے کے بعد بھی ہے۔ اس کا بھی ریکارڈ رکھا جاتا ہے تاکہ اس عمل کی بناء پر جو اچھائی یا برائی وجود میں آئی ہے اس کا حصہ بھی اس کو ملے اور یہ سارا ریکارڈ ، بڑے واضح، احسن طریقے سے ایک کھلی کتاب میں موجود ہے۔ جس کو لوح محفوظ کہا گیا ہے۔

لفظ کتاب، مثال ہے کہ جس طرح حساب و کتاب کے لئے ایک رجسٹر ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو پیدا فرمایا اور اس میں یہ سارے اعمال جمع (سٹور) کئے جا رہے ہیں اور بوقت قیامت آدمی کو دکھائے جائیں گے۔ ان کے ریکارڈ رکھنے کا انداز اور طریقہ بڑا واضح، صاف اور آسان ہے۔ موجودہ دور میں ٹیکنالوجی کی وجہ سے ریکارڈ رکھنے کا معاملہ ایک معمولی بات ہے اور ریکارڈ کو کسی دور مقام تک بھیجنا بھی بڑا واضح ہو گیا ہے، کیونکہ خلاء میں پیغاموں کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے اور خلائی جہازوں تک مختلف احکامات بھیجے جاتے ہیں، جن پر مصنوعی عقل کے ذریعے عمل کیا جاتا ہے ۔ یہ آیات مبارکہ اپنی صداقت، اب وجودی حقائق کے ساتھ ثابت کر رہی ہیں، بڑا ضروری ہے کہ قاری یا سامع ان پر غور کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کرے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور آپ ان کے لئے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب ان کے پاس (اللہ کے) بھیجے ہوئے (رسول) آئے۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جب ہم نے ان کے پاس دو رسولوں کو بھیجا، تو انہوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان کی تائید کی، سو ان تینوں نے کہا ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

ان لوگوں نے کہا تم تو صرف ہماری ہی طرح بشر ہو اور رحمٰن نے تم پر کوئی چیز نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

انہوں (رسولوں) نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

وَ مَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

اور ہمارے ذمہ تو واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

انہوں نے کہا ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگ سار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

انہوں (رسولوں) نے کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔ کیا تم نصیحت کرنے کو برا (منحوس) سمجھتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے گذرنے (بڑھنے) والے ہو۔

وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور شہر کے آخری کنارے سے ایک آدمی (مرد) دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم! تم رسولوں کی پیروی کرو۔

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی صلہ (معاوضہ) کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اصحاب قریہ:۔

اصحاب قریہ کا قصہ ہے یہ کون سا قریہ یا شہر تھا، اس کے بارے متقدمین مفسرین نے مختلف روایات لکھی ہیں جو کہ مسیحی لٹریچر سے لی گئی ہیں۔ اس کے بارے زیادہ تر رائے، الطاکیہ کی ہے۔ پھر اس کے بارے بھی اختلاف رہا کہ ان پیغامبروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کے لئے روانہ کیا تھا۔ لیکن واقعہ کی صداقت واضح ہے اور اس سے جو سبق ہے وہ بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارسال کردہ پیغامبر جب ہدایت کا پیغام لے کر جاتے ہیں تو کس طرح کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس علاقہ کے لوگ بت پرست تھے جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کہا گیا تو انہوں نے انکار کیا اور انکار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ تم ہماری طرح انسان ہو۔ تم کس طرح نبی، یا اللہ کے ارسال کردہ پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ ان لوگوں کے نزدیک اور آج بھی کچھ لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر ہونے کے لئے انسان کے, بجائے مافوق الفطرت ذات ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ انسان کا امتیاز تمام مخلوقوں سے اعلیٰ ہے۔ انسانوں کو عملی تعبیر دینے کے لئے انسان کا ہونا ضروری ہے۔ انسانی نفسیات کے مطابق ایک انسان دوسرے انسان سے ہی سیکھ سکتا ہے۔ اس لئے نبی کا کردار عظیم ہوتا ہے۔ وہ عملی نمونہ پیش کرتا ہے کہ اس کی تقلید کی جائے اور نظام الٰہی کی عملی تعبیر پیش کی جاتی ہے۔ اس کی زندگی ایک کھلی کتاب ہوتی ہے۔ اس کی استعداد عمل، اس کی کردار کی بلندی، اس کے ارادے کی پختگی، اس کو انسان ہونے کے باوجود اس اہم منصب کے لئے استعداد و قوت عطا کرتی ہے اور وہ وحی الٰہی کو وصول کرتا اور آگے منتقل کرتا ہے۔

انہوں نے اپنے رواج اور طریقہ کو جاری رکھا، ان رسولوں کو جھٹلایا اور دھمکی دی کہ تمہارے خیالات غلط ہیں اور اگر تم نے اپنا کام بند نہ کیا تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے۔ ان کے وجود کو اپنے لئے بُری فال (منحوس) قرار دیا۔

فال اور نحوست:۔

یہ باطل کا ایک نفسیاتی رویہ ہے، وہ اپنے تکبر اور اس نظام سے فائدہ اُٹھانے کی وجہ سے کسی بھی تبدیلی کا مخالف ہوتا ہے، تاکہ اس کا اثر و رسوخ اسی طرح قائم رہے، اس لئے نیا طریقے کی مخالفت کرتا ہے اور رسم و رواج کا بہانہ بناتا ہے۔

ناکامی یا نحوست، انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کسی دوسرے کی طرف اس کو منسوب کرنا

،جاہلیت اور خرافات ہے۔ خیر اور شر کے بارے انسان کے اندر قوت ورجحان ہے۔انسان اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ خیر یا شر میں نکلتا ہے۔ کسی بات، کسی مقام یا کسی وجود سے نحوست کا تعلق بنانا، ایک ذہنی کمزوری اور وہم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور انبیاء کرام نے ہمیشہ اس کی تردید کی ہے۔ یہ سارے بہانے، حق کی رکاوٹ کے انسانی مفاد اور ظلم وزیادتی کے بہانے ہوتے ہیں۔

جہاں کچھ افراد، بالخصوص حکمران اور مراعات یافتہ مخالفت کرتا ہے، وہاں دوسرے افراد اپنی فطرت سلیمہ کی وجہ سے اچھائی کو فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ان رواج ورسم کے نقصانات سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور تبدیلی کی صداقت کو قبول کر لیتے ہیں۔ جو اچھائی یا صداقت کو بیان کرنے کا شعور رکھتے ہیں اور برملا اظہار کرتے ہیں، ان کو پرکھنے کا ،ایک معیار یہ ہے، کہ کیا تبلیغ کرنے والا، جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر اس کا عمل ہے یا نہیں اور پھر کیا وہ اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ یا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ کوئی ذاتی فائدہ حاصل نہیں کرتا اور اس کا اخلاص ہے، تو یقیناً وہ دوسروں کے بھلے کے لئے ساری جدوجہد کر رہا ہے جو کہ صداقت کی دلیل ہے اور سچائی کی خاطر وہ تکالیف کو برداشت کرتا ہے۔

بستی کے دوسرے حصے جہاں ان دو رسولوں کی مخالفت ہو رہی تھی تو یہ شخص ان کی تصدیق کا اعلان کرتا ہوا آیا، کہ یہ سچے ہیں، ان کی بات سنو، اس پر عمل کرو۔اسی میں ہم سب کی کامیابی وفلاح ہے۔ قدیم مفسرین نے اس کا نام حبیب نجار، ذکر کیا ہے۔ نام پر بھی اختلاف ہے۔اہم عمل تو تصدیق تھی اور عزم وہمت جس نے اس کو صداقت کا اعلان اور رسولوں کی تصدیق اور ان کی تعلیمات پر عمل کی قوت عطا کی تھی۔

تئیسواں پارہ

وَ مَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس نے کہا؛ مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

کیا میں اس (اللہ) کے سوا دوسروں کو معبود بنالوں؟ اگر مجھے رحمان تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت میرے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔

اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ یقیناً میں اس وقت کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾ بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں لہٰذا تم میری بات سنو۔

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ۙ

(اسے) کہا گیا تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔اس نے کہا کاش! میری قوم جان لے۔

بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾

(یہ بات) کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور اس نے مجھے معزز لوگوں میں (شامل) کر دیا ہے۔

جب بستی/شہر میں لوگ، آئے ہوئے رسولوں کی تکذیب کر رہے تھے۔ان کو قتل یا سنگسار کی دھمکی دے رہے۔ان کی تعلیمات کی سخت مخالفت کر رہے تھے۔ضد اور تکبر کی وجہ سے ہدایت سے منہ موڑ رہے تھے، تو اس بستی کے دوسرے کونے میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام مفسرین نے حبیب نجار، تحریر کیا ہے۔اس کو جب معلوم ہوا، تو وہ حق کا ساتھ اور لوگوں کو اپنی رائے دینے کے لئے وہاں سے بھاگم بھاگ آیا اور لوگوں سے مخاطب ہوا۔یہ اسی قوم میں سے تھا۔لوگ اس کو سالوں سے جانتے تھے، اس لئے اس نے ان کو مخاطب ہو کر رائے دی اور کہا ان رسولوں کی بات مانو، کیونکہ یہ کام کسی لالچ کے لئے نہیں بلکہ تمہارے فائدے اور اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں۔اس کے ساتھ اس نے اپنے بارے اطلاع دی تاکہ ان کو تسلی آئے اور اعتماد پیدا ہو کہ میں بھی ان کی باتوں کو صحیح سمجھتا ہوں، کیونکہ میں کیوں نہ اس خدا کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا کیا، تم سب کو پیدا کیا اور پھر مرنے کے بعد، ہم اس کے پاس جائیں گے (موت کا علم تو ہر ایک کو تھا)۔اس کے ساتھ میرا معبود (اللہ تعالیٰ) بڑی قوت والا ہے۔اس نے سب کو پیدا کیا اور یہ بت جنہیں ہم خدا یا وسیلہ سمجھتے ہیں، ان کی کوئی طاقت نہیں کہ کسی انسان کے لئے بھلا کر سکیں، اگر اللہ تعالیٰ انسان کو نقصان یا ضرر دینے کا ارادہ کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کو کوئی سفارش نہیں کر سکتے ہیں۔ان کی عبادت کا کوئی فائدہ نہیں اور عقل و سمجھ کے خلاف ہے۔اگر میں ان بتوں کی عبادت کروں (جن کی وہ قوم کرتی تھی) تو میں بڑی غلطی پر ہوں گا اور اس سے میں پناہ چاہتا ہوں۔اس نے رسولوں اور جو لوگ وہاں ان کے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے، سب کے سامنے اعلان کیا کہ میں بھی ان رسولوں کے رب پر ایمان لایا ہوا ہوں اور تم ان کی اور میری بات سنو یعنی ایمان لاؤ۔

یہ ایک سلیم الفطرت انسان کا کردار ہے کہ جو تمام لوگوں کی خیر خواہی اور صحیح دعوت کو مانتا ہے۔اپنی سوچ اور فکر کے ساتھ قدرت پر غور کرتا ہے اور اس کے خالق و مالک کا اعتراف کرتا ہے۔لیکن یہ اس وقت ممکن ہے کہ انسان اپنے تکبر، ضد اور لاعلمی جو محض رواج کی بناء پر قائم ہوتی ہے اس سے نکل کر غور و فکر کرے۔

اس شخص کے اس اعلان پر لوگ اس کے بھی خلاف ہو گئے کہ وہ ان میں سے تھا اور روایات کے مطابق اس

کو قتل کر دیا۔ کس طرح قتل کیا،اس کے بارے مختلف روایات ہیں۔الغرض اس نے حق کے اعلان کے ساتھ اپنی جان دی اور اس کی موت پر اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔ جس کے بارے پھر اس نے خواہش کی کہ کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو کہ یہ رسول حق کہہ رہے ہیں اور ان کی اتباع میں ان کے لئے آخرت میں جنت ہے اور جو اس کو اکرام واعزاز ملا،اس کے بارے اگر ان کو علم ہو تو وہ گمراہی سے فوراً تائب ہوں۔ یہ اس کی اپنی قوم کے بارے محبت اور اخلاص کا اظہار تھا۔اس لئے ایک مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے مخالف رویہ کے باوجود ان کی اصلاح اور بھلائی کی دعا کرے اور ان کو ان کی زیادتیوں پر درگذر کرتا رہے۔ ایک مومن اور سلیم الفطرت انسان کا یہی رویہ ہوتا ہے اور ہمارے نبی ﷺ نے اس کی تاکید کی۔ کئی موقعوں پر جب آپ ﷺ سے بدعا کے لئے کہا گیا، مثلاً طائف کا سفر تھا اور انتہائی ظلم ہوا، تو آپ ﷺ نے بددعا نہیں کی اس طرح غزوہ احد میں آپ ﷺ کے چہرے پر زخم آئے اور ایک دانت شہید ہو گیا، تو بھی آپ ﷺ نے بددعا نہیں کی۔ یہ سب کردار ہمارے لئے برائے تقلید واتباع ہیں۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نازل نہیں کی اور نہ ہی ہم نازل کرنے والے تھے۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

وہ تو صرف ایک ہولناک چیخ تھی پھر یکایک وہ سب بجھ کر رہ گئے۔

روایات کے مطابق اہل شہر نے جب اس شخص جو رسولوں کی تصدیق کے لئے آیا تھا، اپنے مسلمان ہونے کے اعلان پر قتل کر دیا گیا،اس کے بعد ان لوگوں نے رسولوں کو بھی شہید کر دیا۔ جب اللہ کے رسولوں کے ساتھ یہ ظلم ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کے لئے ایک فرشتہ کو مقرر کیا، جس سے فضاء میں ایک زبردست دھماکہ یا چیخ ہوئی، جس سے ہائی سپر سانک شاک ویوز پیدا ہوتی ہیں اور یہ لہریں انسان کے جسم میں داخل ہو کر خون کے دوران کو تیز کر کے دل کی دھڑکن کو ختم کر دیتی ہیں۔ یہ ساری تبدیلی شاک ویوز کی وجہ سے انسانی ہارمون میں پیدا ہوتی ہے۔ جدید سائنس اور انجینئرنگ نے اس کے لیبارٹری میں تجربات کئے ہیں۔اس سے بڑی بڑی عمارتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ یہ بات اس کی دلیل ہے، کہ فرشتوں کے ذریعہ عذاب کی یہ صورت جو اس قوم یا دوسری اقوام کے ساتھ ہوئی، قدرت کے نظام میں اس کا وجود ثابت ہے۔

اس عذاب کے نتیجہ میں ساری قوم تباہ ہو گئی ان کا نام ونشان مٹ گیا اور سامان عبرت بن گئے۔

کفار مکہ اور وہ افراد جو اللہ کی قوت پر یقین نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے تنبیہ ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے بم بالخصوص ہائیڈروجن وغیرہ جن کی تابکاری اور ایٹم کے ٹوٹنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے اسی طرح کا عمل ہے جس میں

شاک ویوز بھی پیدا ہوتی ہیں اور انسانوں اور بلڈنگوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قوت انسانوں کے اسباب وذرائع اور طاقت سے بہت زیادہ ہے، اس لئے ہر وقت توبہ کرنی چاہیے۔

یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾

ہائے افسوس انسانوں پر ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق ہی اُڑاتے رہے۔

اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ اِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۳۱﴾

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔

وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۳۲﴾

اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کئے جائیں گے۔

آیات مبارکہ میں، انسانوں کے اعمال اور ان کے نتائج پر حسرت کا اظہار کیا ہے۔ حسرت ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ آدمی نقصان اُٹھاتا ہے، پریشان ہوتا ہے، لیکن پریشانی یا نقصان پورا نہیں ہوتا۔ انسانوں کے برے اعمال کی وجہ سے ان کو سزا ہو گی۔ حالانکہ اچھے اعمال کر کے، وہ نیکی حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن شیطان کے جال میں پھنس کر محروم ہو گئے۔ سزا کے مستحق ہو کر تباہ ہو گئے۔ یہ مقام حسرت ہے۔ انہوں نے رسولوں کا مذاق اُڑایا، ان کی ہدایات کی پرواہ نہ کی، بلکہ ان پر ظلم کئے اور پھر اپنے کئے پر پچھتا رہے ہیں۔

اہل عقل و خرد کے لئے، آثار قدیمہ اور کتابوں میں گذشتہ اقوام کے احوال موجود ہیں۔ اور یہ ان کو پیغام ہے کہ ان کے احوال (تباہی) سے سبق حاصل کریں، لیکن انسان، شیطان کے خیالات پر عمل کرتے ہوئے سبق نہیں سیکھتا۔ ضد، تکبر کی وجہ سے اسی راستہ پر گامزن رہتا ہے اور ہدایت کے باوجود سیدھے راستے سے محروم ہو جاتا ہے۔ حساب وکتاب کے لئے سارے انسان، جو تھے، ہیں یا آئیں گے، خواہ مسلمان ہوں یا کافر، قیامت کو سب اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوں گے اور اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ ۖ اَحۡيَيۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ﴿۳۳﴾

ان کے لئے مردہ زمین ایک نشانی ہے۔ ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس سے (اناج کا) دانہ نکالا پھر وہ اسی سے کھاتے ہیں۔

وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ وَّفَجَّرۡنَا فِيۡهَا مِنَ الۡعُيُوۡنِ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے اس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے اور ہم نے ان میں چشمے جاری کئے۔

لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور وہ پھل ان کے ہاتھوں نے نہیں بنائے، پھر کیا وہ شکر نہیں کریں گے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

پاک ہے وہ ذات جس نے سب کے سب ،ان چیزوں، سے جوڑے پیدا کئے ،کہ جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان (انسانوں) کے اپنے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جنہیں وہ (انسان) نہیں جانتے۔

جوڑے:۔

آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل ہیں۔ یہ دلیل بدیہی (واضح) ہے اور بہت گہری علمی بھی۔ نبی ﷺ اور اس کے کافی بعد کے زمانہ تک جب انسان نے انجینئرنگ میں ترقی نہیں کی اور اس طرف اس کی توجہ نہیں تھی، تو یہ کائنات کے حقائق ہر آدمی، خواہ عقل سلیم رکھتا تھا یا معمولی سمجھ، کے لئے واضح تھے، کہ زمین, بارش کے بعد پودے اگاتی ہے۔ اسی طرح پھل اور اجناس اُگتے ہیں اور انسان بھی ان کو اپنی غذا کے لئے اگاتے ہیں۔ زمین کی خاصیت فصلوں کے اگانے میں بڑی اہم ہوتی ہے۔ زمین میں اگر فصل اگانے کی خاصیت نہ ہوتی تو فصل نہ پیدا ہوتے اور انسان اور حیوان کہاں سے غذا حاصل کرتے۔ نبی ﷺ نے غذا کے استعمال پر بہت توجہ فرمائی اور غذا کو ضائع کرنے سے منع فرمایا اور اس کو دوبارہ استعمال کرنے کی ہدایت کی۔ روایت (حضرت جابر۔ سنن الترمذی)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا نبی ﷺ نے فرمایا روٹی کی تعظیم کرو۔ (المستدرک)۔ ایک حدیث میں روٹی سالم آٹا (صحیح) سے پکائی جائے۔ یہ سارے احکام وہدایت انسانی فلاح کے لئے ہیں اور آج دنیا میں غذا ایک اہم مسئلہ ہے جس کے لئے غذا کا اہتمام ضروری ہے۔

جنگلوں میں یہی درخت اور پھل حیوانات کے کام آتے ہیں جن سے انسانوں اور حیوانوں کی زندگی رواں دواں ہے۔ انسانوں کے اندر جوڑے ہیں۔ یعنی مرد اور عورت جن سے آگے نسل انسانی چلتی ہے۔ اسی طرح حیوانات کا سلسلہ ہے۔ تمام حیوانات میں جوڑے ہیں۔ اسی طرح پرندوں میں جوڑے ہیں۔ نر اور مادہ یہی حال حشرات، کیڑوں وغیرہ (سانپ) کا ہے، جس میں توالد اور تناسل ہوتا ہے۔ درختوں میں اس وقت کھجور کے درخت کے بارے نر اور مادہ درخت کا علم تھا جس کے ذریعہ پولن ملتا اور درخت پر پھل اُگتا ہے۔

پھر جب سائنس یعنی انسان، نے زراعت، صحت کی طرف توجہ دی اور اللہ کی دی ہوئی استعداد علم سے فائدہ اُٹھایا، کیونکہ یہ استعداد علم و تجزیہ انسان کا امتیاز تھا، جس وجہ سے فرشتوں نے سجدہ کیا، (علم ادم الاسماء کلھا) یعنی تمام علوم انسان (آدم) کو سکھادیئے، تو مزید جوڑے کے انکشافات ہوئے۔ تمام پودوں اور درختوں میں بھی، ان کے پھولوں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں جو مختلف طریقوں سے ملاپ کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ایک ہی پودے میں ہوتے ہیں یا پھول میں ہوتے یا مختلف پھولوں میں ہوتے ہیں اور ہوا اور مکھیوں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں۔ زراعت میں اللہ کے نظام کو سمجھنے کے بعد، انسان نے بہت ترقی کرلی ہے۔ اس کے بارے سابقہ سورتوں میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ نر حصہ پھول میں سٹیمن Stemen کہلاتا ہے اور سٹگما Stigma مادہ حصہ ہے جہاں بیج پیدا ہوتا ہے۔

جوں جوں انسان غور و فکر علم و تحقیق و تجزیہ سے اللہ کے نظام کائنات کے مختلف اعمال و نظام سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسی طرح ترقی کرتا ہے جس کی مثال بجلی، مقناطیسیت، کشش کی دوسری چیزیں، مائع، گیس، ٹھوس کے خواص، زمین کی کشش ثقل، بجلی اور مقناطیسیت کا تعلق، روشنی، بجلی اور مقناطیسیت کا اپس میں تعلق، کم دباؤ اور زیادہ دباؤ، یہ سب امور، کائنات کے اللہ کے جاری کردہ نظام کا حصہ ہیں، جو فرشتوں کے ذریعے نافذ ہوتے ہیں اور پھر جاری رہتے ہیں۔ انسان جوں جوں ان سے آگاہ ہو رہا ہے، وہ ترقی کر کے کائنات کے رازوں سے آگاہ ہو کر اپنی پرواز بلند کر رہا ہے۔ حتٰی کہ دجال کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔ مصنوعی عقل (Artificial Intellegence) اس کی اعلیٰ مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جوڑے پیدا کئے اس کی ابتدائی مثال انسان کے وجود کے اندر مذکر اور مونث کا وجود اور اس کے آگے نسل انسانی کا تسلسل ہے۔ اسی طرح حیوانات دودھ دینے والوں میں بھی سلسلہ ہے جن سے انسان مختلف فائدے لیتا ہے

پرندوں میں بھی جوڑوں کو انسانوں نے دیکھا۔ اسی طرح دوسرے رینگنے والے (Reptile) جانوروں میں بھی انسان کو پتہ چلا اس کے بعد پودوں اور درختوں میں نر اور مادہ اجزاء کا پتہ چلا۔ اسی طرح کیڑوں (حشرات) میں پتہ چلا پھر بجلی میں مثبت چارج اور منفی چارج کا پتہ چلا۔ پھر یہی جوڑے کا سلسلہ کم دباؤ اور زیادہ دباؤ کم، قوت انجذاب (کشش) اور زیادہ قوت گریز (دور ہونا) میں ہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں اور متعدد اشیاء ہیں جن کے جوڑوں کے بارے ابھی انسان کو معلومات نہیں جس طرح آیت میں ذکر ہے۔

ستاروں اور خلاؤں، سیاروں کے بارے ابھی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ سارے حقائق اپنے خالق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اور اس کی عظمت و طاقت کے بارے چیخ چیخ کر انسان کو آگاہ کر رہے ہیں۔ بڑی بدنصیبی ہے کہ انسان، خالق کائنات کو چھوڑ کر محض فطرت (نیچر) کا سہارا لیتا ہے اور ایک حدیث کے مطابق زمانہ (نیچر) کو برا نہ کہو،

وہی خدا ہے۔ آیات مبارکہ، مسلمانوں کو ان کی ذمہ واری کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ وہ تحقیق میں آگے بڑھیں اور اللہ کی کائنات میں جہاں فائدہ اُٹھا رہے ہیں وہاں اس کی ذات کو تسلیم کریں اور کرائیں، اس کا شکر ادا کریں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے ہم اس سے دن کو کھینچ نکالتے ہیں پھر (دن ختم ہونے پر) یکایک وہ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

اور سورج اپنی مقررہ منزل پر رواں دواں رہتا ہے۔ یہ نہایت غالب اور بے حد علم والے کا نظام ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

اور چاند کی ہم نے منزلیں (مدار) مقرر کر رکھی ہیں حتٰی کہ وہ پرانی ٹیڑھی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور نہ سورج کے لئے ممکن ہے کہ وہ چاند سے مل جائے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک (سیارہ) اپنے مدار میں تیرتا پھرتا ہے (تیر رہا ہے)۔

سبحان اللہ! چار آیات مبارکہ نے تمام کاسمولوجی (علوم کائنات Cosmology) کو بند کر دیا ہے اور آنے والے ہزاروں سال اس کی تشریح کرتے رہیں گے۔ قرآن مجید کے کلام الٰہی اور اعجاز کی واضح دلیل ہے۔

یہ موضوع متعدد دفعہ، قرآن مجید میں یاددہانی کے لئے بیان ہوا، تاکہ انسان اس پر غور کر کے، خالق کائنات جس کو وہ جسم کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، اسے عقل کی آنکھ سے دیکھ کر اس کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی کامیابی حاصل کرے۔

اللہ تعالٰی نے اندھیرے کو پہلے پیدا فرمایا، یعنی روشنی کے ذرائع، روشن ستارے بعد میں پیدا ہوئے، جن میں سورج بھی ہے۔ پھر جب روشنی پیدا ہوئی، تو اندھیرے سے دن کو نکالا۔ زمین پر انسان کے لئے دن کے ساتھ، آرام کے لئے رات بھی مہیا کی تاکہ انسانی زندگی اچھی طرح گذر سکے، دوسرے جاندار بھی اچھی زندگی گذار سکیں۔ اس سارے نظام کے لئے نظام شمسی کو قائم کیا، جس میں ہماری زمین، چاند، سورج ہے اور دوسرے سیارے بھی ہیں جن کا تعلق انسان سے نہیں۔ انسان کی زندگی کے لئے صرف زمین، چاند، سورج ہیں، اسی لئے ان کا ذکر اکثر کیا گیا ہے۔

سورج کا مستقر:۔

سورج کو اللہ تعالٰی نے روشنی کا ذریعہ بنایا، جو زمین کو روشنی اور حرارت دیتا ہے۔ اب رات کی خاطر زمین کو

اپنے کناروں (ایکسز) پر حرکت دی اور ایک خاص زاویہ سے ڈھلوان بنائی جس کے ذریعے یہ گھومتی ہے اور کبھی ایک حصہ سورج کی طرف آہستہ آہستہ آتا ہے تو دوسرا حصہ آہستہ آہستہ اندھیرے میں چلا جاتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ نے آیت میں بیان فرمایا کہ ہم اسے نکالتے ہیں۔ نسلخ کہتے ہیں جس طرح کھال سے، آدمی حیوان کو ذبح کرنے کے بعد اس کا جسم نکالتا ہے، تو اس کا جسم آہستہ آہستہ کھال سے باہر آتا ہے۔ اس طرح رات اور دن کو اللہ تعالیٰ نے ایک نظام کے تحت پیدا فرمایا، جو اس کے حکم تک چلتا رہے گا اور ہم زمین پر اوقات کا فرق دیکھتے ہیں۔

یہ سیارے اپنے مدار (فلک) میں تیر رہے ہیں۔ ان کے اندر انجذاب کی طاقت پیدا کی، تاکہ ایک دوسرے کے قریب رہیں۔ لیکن ایک فاصلہ متعین کیا، جس کی وجہ سے زمین میں حرارت ضرورت کے مطابق ملتی ہے۔ موسم بنتے ہیں، اگر اس فاصلہ میں کمی ہو جائے تو زمین سورج کی گرمی سے جل جائے اور تمام جاندار ختم ہو جائیں اور اگر اس میں فاصلہ بڑھ جائے تو سردی کی وجہ سے زندگی ختم ہو جائے۔ یہ تقدیر العزیز العلیم ہے۔ یعنی ایک بہت طاقت اور بڑے علم والے، کا نظام ہے۔ پھر ان میں تیرنے کے لئے ایک دائرے میں حرکت سے مرکز کی کشش اور مرکز سے گریز کی قوت رکھ دی، یہ بھی ایک جوڑا ہے۔ اور ان دونوں قوتوں کے تناسب سے دن کا فاصلہ برابر چل رہا ہے اور اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور قیامت نہیں آتی۔

سورج کا مدار (مستقر) بھی ہے، وہ اپنی کہکشاں کے مدار میں چل رہا ہے۔ اس کا تعلق ہمارے لئے بہت معمولی ہے۔ ہمارے نظام کے سیاروں میں سورج سب سے بڑا ستارہ ہے اور اس کی قوت کشش، نظام شمسی جس میں ہماری زمین شامل ہے، چلا رہی ہے۔ ساری کائنات میں بہت سارے نظام ہیں، جو سب آپس میں مربوط ہیں، یہ ایک ہی خالق کی دلیل ہیں۔ کئی کہکشائیں ہیں۔ ہماری کہکشاں آسمان اوّل پر ہے اور فلک آسمان ایک دائرہ ہے، ایک حد ہے، جس کے اندر مختلف سیارے یا ستارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ نے عرض کی؛ اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر (مقام) پر پہنچ کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر اسی حالت میں اس وقت تک رہتا ہے، یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا، پس وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ یہ معمول یونہی جاری رہے گا اور لوگ اس میں کچھ فرق محسوس نہیں کریں گے یہاں تک کہ ایک دن جب سورج عرش کے نیچے سجدہ کرے گا۔ تو اس سے کہا جائے گا، بلند ہو اور اپنے مغرب سے طلوع ہو، پھر صبح کو مغرب کو طلوع ہو گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ کیا تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہو گا؟ یہ وہ دن ہو گا جس دن کسی ایسے شخص کا

ایمان قبول نہیں ہوگا جو اس سے پہلے مسلمان نہ ہو چکا ہو، جس نے اس سے پہلے ایمان لا کر کوئی نیکی نہ کی ہو (متعدد کتب احادیث / بخاری / مسلم وغیرہ)۔

نبی ﷺ کے زمانے اور اس کے بعد کئی سو سال تک جب تک دوربین ایجاد نہیں ہوئی لوگ اور ماہر فلکیات آسمان پر سورج ستاروں چاند کے بارے اپنی نگاہ کی بنیاد پر مختلف نظریات اختیار کرتے رہے یا الہامی کتابوں یا اصحاب کرامات کی کشف کی بناء پر معلومات تھیں۔ نبی ﷺ نے معراج کا سفر فرمایا اور آپ ﷺ کی معلومات سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ نبی ﷺ کی ذات مصلح اور ہادی انسانیت تھی۔ آپ ﷺ نے صرف آسمانی اور زمینی حقائق کو، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت اور اسلامی عقائد کی حقیقت بالخصوص قیامت، جزا و سزا (دوزخ و جنت / ملائکہ / جن) کے بارے مختصراً اور اشارۃً ارشاد فرمائے کیونکہ وہ اصلاحی موضوع تک تھے۔ مقصد صرف، اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنا تھا۔ کوئی تحقیقی یا سائنسی نظریات کے بارے اطلاع دینی مقصود نہ تھی، لیکن چونکہ حقائق (واقع) پر مبنی تھے اس لئے ہمیشہ کے لئے تمام تحقیقات و انکشافات ان کی حدود کے اندر ہی صحیح ہوں گے اور اسی طرح قرآنی آیات بھی ہیں اور یہ آیات بھی ہیں جن کی تشریح کی جارہی ہے۔

پچھلے علماء فلکیات اور فلاسفر نے آسمان کو ایک مدار تصور کیا ہے۔ ان کے اس وقت، ذرائع معلومات کے مطابق، پہلے آسمان پر قمر (چاند) کا مدار ہے، دوسرے میں عطارد تیسرے آسمان میں زحل کا مدار ہے۔ یہ سات کواکب (سیارے) گردش کرنے والے ہیں۔ ان کے بعد آٹھواں آسمان ہے جس کو فلک اطلس یا فلک البروج کہتے ہیں۔ اس میں وہ ستارے جو ثابت ہیں گردش نہیں کرتے۔ ان ستاروں میں مختلف شکلیں بھی بن جاتی ہیں جن کے نام پر بارہ برج فرض کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس کو فلک البروج کہا جاتا ہے۔ یہ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ہیں۔ آٹھویں آسمان کو کرسی اور نویں کو عرش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ جدید تحقیق دوربین اور بالخصوص ریڈیو اور الیکٹرانک دوربین James Webb Telescope جیمز ویب ٹیلی سکوپ کی وجہ سے مزید انکشافات ہوئے۔ کمپیوٹر کے استعمال سے فاصلوں اور ٹراجیکٹری Trajectory کے استعمال سے زیادہ صحیح فاصلے ماپے گئے ہیں۔ کشش ثقل، مقناطیسیت، روشنی اور بجلی کے ذریعے ایجادات بالخصوص کمپیوٹر کے ذریعہ حساب و کتاب نے بہت آسانی پیدا کر دی ہے۔ آسمان کے بارے جدید تصور یہ ہے کہ یہ فضاء خلاء میں ایک حلقہ (دائرہ)، جس کا مادی وجود نہیں، لیکن اس کے اندر ہونے والے سگنلز دوسرے حلقہ سے مختلف ہوتے ہیں اور آخری حد پر روکاوٹ ہوتے ہیں۔ موجودہ کہکشاؤں کی لمبائی کی پیائش کئی اربوں روشنی کے سال پر محیط ہے۔ روشنی کی رفتار 300000 (تین لاکھ) کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ کائنات میں 93 بلین نوری سال مسافت ہے۔ بلکہ جانے والے سگنلز واپس بھی نہیں

آتے اور انسان کے سگنلز کی تشریح اور توضیح، فضاء کی کیفیت، لہروں کی کثافت کے لئے جو آلات (Spectroscopy) اور کمپیوٹر کے ذریعے مختلف سگنلز کی تشریح web telescopy observations پر decode یا decrypt کے ذریعے کیا جاتا ہے۔اس میں بھی اختلاف آجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریح کرنے کا نظریہ سو فیصد صحیح نہیں، ورنہ مختلف جواب نہ ہوتا (مجلہ Nature Austronomy۔ستمبر 22 M.I.T ہاورڈ شمالی امریکہ)۔

عرش الٰہی سب سے بلند مقام ہے اور تمام کائنات اس کے نیچے ہے اور ہر ستارہ سیارہ اس کے نیچے ہے۔اور سیارے اجرام فلکی اور زمین، اللہ کے تابع ہیں۔انسان کا سجدہ اس کے جسم اور علم کے مطابق ہے۔حیوانات کا ان کے جسم اور اہلیت کا مطابق ہے۔اشجار اور جمادات کا ان کے مطابق اسی طرح سیاروں اور ستاروں کا ان کے مطابق ہے۔

سائنسی آیات کی تشریح اور احادیث کی تطبیق و توضیح علامہ محمد آلوسی مرحوم مصنف روح المعانی (1270 ہجری) نے آج سے تین سو سال پہلے اس وقت کی معلومات کے مطابق کی تھی۔اب یہ معلومات بہت آگے جاچکی ہیں۔ فلسفیانہ بحث سے نکل کر حقیقت اور شواہد میں داخل ہو چکی ہیں۔

انسانی فہم کے لئے سورج کا نکلنا (طلوع) اور اوپر نکلنا (زوال تک) وقت قیام ہے۔ڈھلنے کا وقت (عصر) رکوع کی مثال ہے اور غروب، انسان کے سجدہ کی مثال ہے کہ سطح زمین سے غایب ہو جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کی علمی قوت و استعداد اور عمومی انسانوں کی معلومات کے لئے یہ تشبیہ و استعارے ارشاد فرمائے ہیں، جن کا مقصد ان تمام اجرام فلکی سورج و چاند اور ستاروں کا اللہ تعالیٰ کی قوت اور طاقت کے تابع ہونے کا اعلان ہے۔اور اس کی دلیل وہ نظام ہے، جس کے مطابق یہ سارا نظام، لاکھوں سالوں سے قائم ہے اور سارے امور رواں دواں ہیں۔ہر سیارے یا ستارے کے وجود کا عمل، اللہ کے حکم اور اس کے نظام یعنی احکام کے مطابق ہے۔سورج جب ایک طرف ڈوبتا ہے تو ساتھ دوسری طرف طلوع ہوتا ہے، اس لئے قرآن مجید میں مشرقین اور مغربین کا ذکر ہے۔اور حدیث کے مطابق جب ایک علاقے سے سورج دور ہوتا ہے اس کی شعاعیں غائب ہوتی ہیں، تو یہ سارا عمل زمین کی سورج کی نسبت سے اپنے محور پر حرکت سے ہے۔جب اس علاقہ کو سورج کی شعاعیں چھوڑ دیتی ہیں تو وہ اجازت ہے اور جب دوسرے علاقہ پر شعائیں پڑنا شروع ہوتی ہیں، تو یہ بھی اجازت ہے گویا قیام ہے، سورج کی شعاعوں کا غائب ہونا گویا سجدہ ہے۔یہ سلسلہ روز و شب، حدیث کے مطابق اس وقت چلتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ نے ایک وقت متعین کر رکھا ہے۔پھر جب سورج کو مغرب سے ہمارے سامنے ظاہر ہونا ہو گا، تو زمین کی اس کے کناروں (ایکسز) پر حرکت اب جو کہ انٹی کلاک ہے پھر اس سے مختلف ہو جائے گی اور اس کی قوت مقناطیسیت الٹی ہو جائے گی۔اس طرح

سورج کی شعاعوں دوسری طرف واپس نظر آئیں گی، یہ بھی اللہ کے حکم سے ہوگا۔اس کی تصدیق جدید سائنس نے کر دی ہے، کہ زمین کے اندر اس کے قطبین (شمال اور جنوبی کناروں) میں قوت مقناطیسیت دوسری طرف منتقل ہو رہی ہے، لیکن ان کو معلوم نہیں کب یہ مکمل طور پر الٹ ہو جائے گی اور جب الٹ ہو گی تو سورج کی شعاعیں، مشرق سے نظر آنے کی بجائے مغرب سے نظر آئیں گی۔ اور نبی ﷺ نے اس کو آثار قیامت میں بتایا ہے، کہ اس کے بعد ان مداروں میں نظام شمسی کی حرکت میں بھی اختلاف آئے گا اور کسی وقت یہ سارا نظام ارضی ختم ہو جائے گا۔ سائنس کے مطابق، یہ تباہی سورج کے اندر جو تابکاری پیدا ہو رہی ہے اور روشنی کا ذریعہ ہے، جب تابکاری ختم ہو جائے گی تو واقع ہو گی اور سورج اندھا یعنی (Dawarf) ستارہ (ستاروں کا اندھا ہونا قرآن میں مذکور ہے۔ سورۃ المرسلات: 8) بن جائے گا، اور مداروں میں تصادم کا سبب بنے گا۔ انسان نے جدید آلات کے ذریعہ ایک سیکنڈ کے ملین (دس لاکھ) تک تقسیم یا اجزاء بنا لئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نظام میں اس سے بھی زیادہ ہوں گے اور ہر لمحہ اللہ کے احکام نازل ہوتے ہیں یہ وقت کی حد، تمام سیاروں اور ستاروں کے لئے ہے اور یہی اللہ کے حکم ہیں جو ہر وقت ان تمام اجرام سماوی کو فرشتے پہنچا رہے ہیں اور ساری کائنات چل رہی ہے۔ سائنس بھی ایک ایسی قوت کو مانتی ہے جو کائنات میں ہر جگہ موجود ہے اور غیر مرئی ہے (سورۃ النور۔ آیات 41 تا 44)۔

چاند کی منازل (مدار):۔

منزل کے معنی موقع نزول یعنی ٹھہرنے کی جگہ، لوگ جب ایک ملک سے دوسرے ملک یا دور شہر سفر کرتے تو دن کے سفر کے بعد پڑاؤ کرتے اور وہ منزل ہوتی ہے۔ اسی طرح چاند کی بھی زمین کے ارد گرد چکر لگانے کے سفر کو منزل فرمایا ہے۔ چاند زمین کے گرد 28 سے 30 دن میں پورا کرتا ہے اور آخری ایک دو دن نظر نہیں آتا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ نیا چاند نظر نہ آئے (اگر کسی مہینہ کے آخری دنوں میں مطلع ابر آلود کئی دن رہے) تو قمری مہینہ تیس دنوں کے بعد اگلا شروع کر دیا جائے۔ چاند کے ان دنوں کے مطابق اس کی ایک خاص زاویہ جو کہ اس کا سورج کی نسبت سے بنتا ہے، روشنی منعکس ہوتی ہے اور ابتدا میں یہ روشنی ایک قوس کی طرح ٹیڑھی ہوتی ہے اور پھر ہر تاریخ کے ساتھ بڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ پھر دو ہفتوں کے اندر پورا چاند چمک اُٹھتا ہے۔ اس کے دو ہفتوں بعد ہی روشنی دوسری طرف (چاند کی گولائی، ڈسک) میں کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور کم ہو کر پھر ایک قوس کی طرح رہ جاتی ہے جس کو آیت میں **العرجون القدیم** فرمایا (سوکھی ہوئی ٹیڑھی ٹہنی)۔ اس کے بعد ایک یا دو دن چاند، سورج کے زاویہ شعاع

سے اوجھل ہو جاتا ہے (یعنی زمین حائل ہو جاتی ہے) اور نظر نہیں آتا۔ پرانے علماء نے ان اٹھائیس دنوں کی 28 منازل کو اس طرح متعین کیا تھا۔ (۱) سرطان۔ (۲) بطین۔ (۳) ثریا۔ (۴) دبران۔ (۵) ھقعہ۔ (۶) ہنعہ۔ (۷) ذراع۔ (۸) نثرہ۔ (۹) طرف۔ (۱۰) جبہہ۔ (۱۱) خراتان۔ (۱۲) صرف۔ (۱۳) عواء۔ (۱۴) سماک۔ (۱۵) غفر۔ (۱۶) زبانیان۔ (۱۷) اکلیل۔ (۱۸) قلب۔ (۱۹) شولہ۔ (۲۰) نعائم۔ (۲۱) بلدہ۔ (۲۲) سعد الذابح۔ (۲۳) سعد بلع۔ (۲۴) سعد السعود۔ (۲۵) سعد الاخبیہ۔ (۲۶) الفرغ المقدم۔ (۲۷) الفرغ المؤخر۔ (۲۸) بطن الحوت۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ)۔

جدید تحقیق میں چاند زمین کی طرح اپنے کناروں (ایکسز) پر نہیں گھومتا، بلکہ بالکل ساکت ہے۔ اس لئے اس کی ایک ہی طرف زمین کی طرف رہتی ہے، وہی چمکتی اور رات کو روشنی مہیا کرتی ہے۔ چاند اپنا یہ دائرہ 27.322 دنوں میں مکمل کرتا ہے۔ اس کا دائرہ زمین کے ارد گرد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے چاند کے دائرہ سفر کو اس طرح ترتیب دیا ہے، کہ یہ سورج سے ہر وقت روشنی لے کر زمین پر منعکس کرتا ہے، لیکن دن کو سورج کی روشنی کی وجہ سے، چاند کی روشنی نظر نہیں آتی ہے، نہ ستاروں کی نظر آتی ہے۔ جب سورج کی روشنی غائب ہو جاتی ہے تو چاند کی روشنی اس کے خاص زاویہ سے، جو کہ زمین کے ارد گرد چلتا ہے اور پھر سورج اور زمین کے دائرہ سے ایک خاص زاویہ کی بناء پر چاند کا حصہ جو زمین پر چمکتا ہے، گھٹتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا فرمایا، کہ لوگوں کو تاریخ کے تعین میں آسانی ہو۔ چاند کی روشنی اور اس کے نکلنے (نظر آنے) اور غروب (غائب) ہونے کے اوقات، اس کے چمکنے والے حصے (ٹکی) کے سے تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ قمری مہینوں کا کیلنڈر اسی پر مبنی ہے۔ اسلامی تہوار اور یہودیوں کے تہوار بھی چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہیں۔ یہ سارا نظام **التقدیر العزیز العلیم** کی منہ بولتی تصدیق و تصویر ہے۔ چاند کا بھی محور انٹی کلاک وائز ہے۔ (طواف کعبہ کی بھی جہت انٹی کلاک وائز ہے)۔

چاند کی گولائی دوران محور سورج 6.7 ڈگری ہے اور سورج کے ساتھ پورا چاند 160 ڈگری پر اور پھر 135 ڈگری اور 90 ڈگری کے حساب سے بڑھتا گھٹتا ہے۔ زمین کے ساتھ چکر میں اس کا زاویہ 5.145 ڈگری ہوتا ہے۔ تفصیل فلکیات کی کتب میں موجود ہے (گوگل 2022)۔

یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت، حکمت کا اظہار ہیں۔ یہ اجرام فلکی اپنے مدار اور اپنے اعمال میں، اللہ کے تابعدار اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور اس کے حکم جو ان کے لئے متعین کیا گیا ہے، کے مطابق رواں دواں ہیں۔ پرانے علمائے ہیت، فلکیات اور صوفیاء کرام نے اجرام فلکی میں عقل کے بارے لکھا ہے اور جدید سائنس بھی اس کو اب قبول کر رہی ہے۔ سجدہ سے مراد تابعداری ہے، جس طرح سورۃ یوسف میں حضرت یوسف کو چاند ستاروں نے سجدہ کیا

اور اس کی تعبیر ان کے برادران کی تابعداری تھی۔ اسی طرح زمین کو طوفان نوح کے بعد حکم ہوا کہ پانی کو ہضم کرے۔ (یاارض ابلعی مایئک۔ ھود 64۔)۔ اجرام فلکی کا ،اپنے مدار میں گھومنا، چلنا، دوڑنا، سب احکام پر عمل، ان میں عقل و سمجھ کی دلیل ہے (روح المعانی/ شیخ اکبر)۔

قرآن کریم میں متعدد ایات میں اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (سورۃ الرحمٰن: 5/ سورۃ فاطر: 41/ سورۃ الرمز: 5/ سورۃ یٰسین: 8-37/ سورۃ الانبیاء: 33)۔ ان امور کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دی گی کہ وہ کائنات کے سربستہ رازوں سے دنیا کو آگاہ کر کے اللہ کی عظمت اور اس کی معبودیت کے دلائل سے ان کو اقرار کرائیں۔

بدقسمتی سے انسان نے اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنی جہالت سے ستاروں، چاند، سورج کو پوجنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے مقام سے غافل ہو گیا۔ اس کے لئے بھی یہ تنبیہ ہے کہ یہ سب اللہ کے تابع فرماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات صرف عبادت کے لائق ہے، یہ دلائل رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے نور ہدایت ہیں۔

وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝

اور ان کے لئے نشانی ہے کہ بے شک ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں سوار کیا۔

وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝

اور ہم نے ان کے لئے ویسی ہی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝

اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر نہ تو، ان کی فریاد سننے والا ہو گا اور نہ ان کو بچایا جا سکے گا۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

مگر ان کی نجاعت ہماری رحمت سے ہی ہے اور ایک مدت تک فائدہ پہنچانا ہے (ایک خاص مدت تک فائدہ ہے)۔

انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعام کا ذکر ہے۔ انسانوں کا بھری کشتی کے ذریعہ سفر سب سے پہلے سفر تھا، جو پانی پر کیا گیا۔ اسی کشتی کے ذریعہ طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچایا اور باقی سارے کافر مر گئے تھے۔

اس کے علاوہ بڑی کشتی / جہاز سے ایک ملک سے دوسرے ملک جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے حمل و نقل کے لئے حیوانات پیدا کئے جن میں گھوڑا، گدھا اور اونٹ زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ بیل بھی بیل گاڑی میں جوتے جاتے ہیں۔ اب جدید دور میں ریل، کاریں، ہوائی جہاز اور بڑے سمندری جہاز ذرائع حمل و نقل ہیں۔

حیوانات کے ذریعہ حمل و نقل بھی، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق کے ذریعہ سے، اسی طرح پانی میں حمل و نقل

بھی پانی کی قوت اچھال سے ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی تو کوئی چیز بھی سطح تک نہ رہتی بلکہ چیزیں ڈوب جاتیں۔ ہوائی جہاز بھی ہوا کی اُٹھان کی وجہ سے ہے۔ یہ سارے وسائل، اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بنائے ہیں، جو اس کی قوت و کنٹرول کا ثبوت ہیں۔ یہ ساری سہولیات، ایک مدت تک انسان کو ملتی ہیں اور پھر ان کو ختم کر دیا جاتا ہے اس سے ان کا فائدہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں، تو یہ ساری سہولتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ سمندری طوفان اور فضاء کے طوفان ، جہازوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ حیوانات بھی نافرمان اور سخت ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ضروری ہے۔ انسان اپنی زندگی تک ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے لیکن شکر نہیں کرتا۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ مَا خَلۡفَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۵﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس (عذاب) سے بچو جو تمہارے سامنے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَ مَا تَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾

اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو وہ اس سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے یا وہ انسان جو اللہ کو بھولے ہوئے، اس کی معبودیت سے منکر ہیں۔ ان کو جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے بتایا جاتا ہے جو سامنے واقع ہوتے ہیں تاکہ ان کو دیکھتے ہوئے غور و فکر کریں اور بچیں۔ اسی طرح قیامت کے دن اور اس کے بعد آنے والے عذاب کے بارے بھی کہا جاتا ہے تاکہ نیک عمل کریں اور اللہ کے رحم و کرم کے مستحق بنیں، لیکن اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کے مخالف بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید، نبی ﷺ کی ذات اور دلائل کائنات سے ان کی ہدایت کا اہتمام کیا ہے۔ اس سے منہ موڑا ہوا ہے اور اپنے لئے سزا کا انتخاب کر رہے ہیں۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۷﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے تم اس میں سے خرچ کرو تو کفار (انکار کرنے والے) ایمان والوں سے کہتے ہیں؛ کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو کھلا دیتا؟ تم تو کھلی گمراہی میں ہو۔

وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾

اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہو گا۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وہ صرف ایک ہولناک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں آ پکڑے گی جب وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾

پس نہ وہ اس وقت کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔

شیطانی افکار:۔

منکرین حق کا ذکر ہے ان کے کردار اور رویہ کی تصویر ہے۔ ہدایت کے پیغام کو وہ مذاق بناتے ہیں۔ زمانہ کی عبرت ناک واقعات اور آفاقی شواہد (کائنات میں دلائل) سے منہ موڑتے ہیں اور ان کو جب کسی نیکی یا بھلائی کا کہا جاتا ہے، تو مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غریبوں اور محتاجوں کو جو ہمارے معاشروں میں ہیں ان کی مدد کا حکم دیا ہے۔ بجائے اللہ کے حکم پر عمل کریں، وہ ایک شیطانی خیال کو اہم سمجھتے ہیں، کہ اگر اللہ قادر مطلق ہے تو اس نے ان کو کیوں محتاج رکھا ہوا ہے اور جب اس نے محتاج رکھا ہوا ہے تو ہم ان کی کیوں مدد کریں۔ کس قدر منفی خیال ہے۔

قسمت اور حکم الٰہی:۔

یہ ایک شیطانی خیال ہے، جس کے ذریعہ شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے اور انسان عقل و سمجھ کے باوجود غور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت (فیصلہ) ہے کہ زمین پر انسان آباد ہوں۔ انسان کو اس کی زندگی گذارنے کے لئے غذا، لباس، سکونت کی ضرورت پڑتی ہے اور جس کے لئے اسے عمل کرنا پڑتا ہے تاکہ یہ ضروریات پوری ہوں۔ اس کے ساتھ اس کی ضروریات کے لئے سارا سامان زمین پر مہیا کر دیا گیا ہے۔ یہ انتظامات، اللہ نے کئے ہیں، پھر لوگ اپنی صلاحیت و طاقت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہو اور تعاون کے ساتھ انسانی زندگی کو پر سکون بنایا جائے اور اس کے لئے مختلف حقوق، قوانین اور رہنمائی عطا کی گئی ہے کہ جس پر چل کر انسان اعلیٰ مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ غریبوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، محروموں کو دینا، کمزوروں کی مدد کرنا، بھی اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں تاکہ معاشرہ خوبصورت اور پر امن ہو۔ اس لیئے ان کو دینا، اللہ کے احکام پر عمل ہے اور لوگوں میں اختلاف رزق، صلاحیت و قوت، اللہ کے نظام کا حصہ ہے۔ شیطان ایک خیال جس کا مجموعی طور پر نقصان اور بظاہر ایک مناسب بات لگتی ہے، اس کو بڑھا چڑھا کر دھوکہ دیتا ہے اور انسان کو اعلیٰ مقصد و مرتبہ سے محروم کر دیتا

ہے۔اسی لئے ہر وقت اپنے خیالات کا جائزہ لیناچاہیے۔اپنی خواہشات کواللہ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق جانچناچاہیے اوراس کے موافق کاموں پر عمل اوراس کے خلاف،خواہشات وارادوں پر عمل نہیں کرناچاہیے۔معاشی اور سماجی نظام میں عمومی مساوات، برابر کے مواقع،انصاف وعدل،کو اسلامی نظام میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ محروم افراد کو ہر طرح کی سہولت اسلامی ریاست کی ترجیح ہے۔اسلام میں بلا تفریق، نسل، رنگ، زبان اور مذہب ساری انسانیت اللہ کا کنبہ ہے(الخلق عیال اللہ۔حدیث)۔

آیت مبارکہ کے موقع نزول کے بارے مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غرباء کی خدمت کرتے،تو ابو جہل نے کہا کہ جب اللہ نے ان کو غریب رکھاہے تو تم کیوں ان کی مدد کرتے ہو،جب کہ خدا کر سکتاہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے کہااللہ کا حکم ہے کہ امیر (مالدار) غریبوں کی مدد کریں اور غریب صبر کریں۔اس نے جواب دیا تمہارا خیال گمراہی ہے۔آیت مبارکہ اس طرز فکراور عمل کی سختی سے تردید کررہی ہےاوراس ذہنیت جوانسانیت کادرد نہیں رکھتی کو قابل سزا عمل قرار دیاجارہاہے۔آیت مبارکہ نے ایک انسانی ذہنی کیفیت اور منفی کردار کے بارے آگاہ کیاہے تاکہ اس سے بچا جائے۔

وقوع قیامت:۔

کفار مکہ، قیامت کا مذاق کرتے،کہ وہ کیسے اور کب آئے گی اور پھر اگر سچ ہے تو کیوں نہیں آرہی۔اس کا جواب دیاجارہاہے کہ واقع ہو کر رہے گی اوراس کی کیفیت یہ ہو گی کہ ایک سخت ہولناک دھماکہ یاچیخ ہو گی۔ جس کی دنیا میں مثال سپر سانک شاک ویوز ہیں، جن سے دیواریں ٹوٹ اور انسانی ہارمون ختم ہو جاتے ہیں۔اس طرح کی کیفیت ہو گی اور تمام دنیاکے لوگ اس کے اچانک آنے کی وجہ سے ختم ہو جائیں گے۔یہ اس قدر اچانک آئے گی کہ ایک حدیث کے مطابق دو آدمی خرید وفروخت میں کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے فروخت مکمل نہیں ہوئی ہو گی اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ،دوھ کر جارہاہو گااور ابھی اس نے پیا نہیں ہو گا کہ قیامت آجائے گی اور ایک شخص اپناحوض ٹھیک کررہا ہو گا ابھی اس نے اپنے حوض سے پانی بھی نہیں پیاہو گا کہ قیامت آجائے گی اور ایک شخص اپنالقمہ اُٹھا کر اپنے منہ میں رکھے گااوراس کے کھانے سے پہلے اس پر قیامت آجائے گی(روایت حضرت ابوہریرہ: بخاری ومسلم)۔یہ عمل اس قدر اچانک اور خوفناک ہو گا کہ ساری امیدیں، منصوبے، پروگرام جوانسان کے دماغ میں ہوں گے ختم ہو جائیں گے وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا اور جہاں اور جیسے ہو گا ختم ہو جائے گا۔اس چیخ یادھماکے کے لئے جس فرشتہ کا نام تحریر ہے وہ اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

صرف(خرچ کے فوائد):۔(اللہ نے جو تمہیں رزق دیاہے تم اس میں سے خرچ کرو۔ایت)

اسلام میں نبی ﷺ نے زکوٰۃ کے علاوہ، صدقات کے لئے تاکید کی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ،بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنی ہتھیلی کا منہ بند نہ رکھو (خرچ کرو) ورنہ اللہ بھی تم سے اپنے خزانے کا منہ بند رکھے گا اور ایک روایت ہے تم گن گن کر نہ دو، ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا۔ (بخاری/النسائی)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو فرشتے نازل ہو کر دعا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے؛ اے اللہ! بخیل نے جو مال بچا کر رکھا ہے اس کو ضائع کر دے ۔(بخاری/مسلم)۔

نبی، نے اعتدال کی تلقین کی ہے اور اس صدقہ کرنے سے منع کیا ہے، جس کی وجہ سے آدمی خود اور اس کے اہل و عیال محتاج ہو جائیں۔ خرچ کرنے کے بڑے معاشی فوائد ہیں۔ معاشی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ خرچ کرنے سے طلب (ڈیمانڈ) بڑھتی ہے، جس کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ معاشی عمل زور پکڑتا ہے، روزگار ملتے ہیں اور معاشرہ بہتری کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ خرچ کے ساتھ ناگہانی ضرورت کا اہتمام بھی ضروری ہے اس لئے اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جب صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی سے دوڑیں گے۔

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؕ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾

وہ کہیں گے؛ ہائے ہماری بربادی! کس نے ہمیں خواب گاہ سے اُٹھا دیا؟ یہی تو ہے جو رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

وہ تو بس ایک ہولناک چیخ ہو گی۔ پھر یکایک وہ سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔

فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

پس آج کسی جان (شخص) پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے تھے۔

دوبارہ زندگی:۔

قیامت کے بعد حشر و نشر کا ذکر ہے۔ حشر و نشر کے بارے اس وقت کے قریش مکہ بھی، متذبذب تھے اور آج بھی لوگ اسی تذبذب کا شکار ہیں۔ چونکہ لوگ، آدمیوں کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھتے، اسی لئے یقین نہیں آتا۔ احادیث میں جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ بڑا حقیقی معلوم ہوتا ہے۔

پہلی صور (چنگھاڑ و چیخ۔ سپر سانک شاک ویوز) کے بعد دوبارہ (دوسری) فرشتہ اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اور اس دفعہ صور کی پھونک سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کر پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں میدان میں دوڑیں گے۔ یکایک نکلنے کے بعد خوف کا منظر ہو گا اور انہیں سمجھ نہیں آئے گا کہ جسمانی کیفیت بالکل ویسی ہو گی جس طرح دنیا میں مکمل صحت کی صورت تھی۔ برزخ کی حالت ختم ہو چکی ہو گی اور اس سے وہ پریشان ہوں گے۔ کہیں گے یہ کیا ہوا؟ کہ ہم دوبارہ انسانوں کے جم غفیر کو دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح زندگی میں دیکھتے تھے اور پریشانی کی وجہ سے کہیں گے یہ تو ہماری بدبختی ہے کہ جس چیز کا ہم زندگی میں انکار کرتے تھے، یعنی دوبارہ زندگی آج وہ ایک حقیقت بن گئی ہے۔ پھر انہیں سب ہدایات انبیاء اور علماء اور الہامی کتابوں میں حشر و نشر، حساب و کتاب کے بارے جو کہا گیا تھا، یاد آئے گا اور کہیں گے جسے ہم نہیں مانتے تھے، وہ آج ایک حقیقت ہے۔ جو کچھ انبیاء اور الہامی کتابوں میں کہا گیا تھا، وہ سچ تھا اور ہم غلط تھے، یہ ان کو مزید خوف و دہشت میں مبتلا کر دے گا۔

دوسری چیخ میں سب لوگ زندہ ہو کر جہاں جہاں ان کی تدفین یا موت ہوئی تھی اور ان کے اجزاء جسم زمین میں گھل گئے تھے وہاں سے وہ، دوبارہ اُٹھیں گے۔ چیخ کی طوالت اتنی لمبی ہو گی کہ سب جسموں میں زندگیاں اسی طرح لوٹ آئیں گی جس طرح بجلی کا سوئچ کھولنے سے سارے بلب روشن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تمام روحیں، اپنے اپنے اجسام کو دوسری صور، کے دوران جو زمین کے کیچڑ میں اکٹھے ہو کر پڑے ہوں گے اور ان کو، جسم کی سب سے نچلی ریڑھ کی ہڈی (عجب الذنب) کے مقام سے پہچانا جائے گا۔

چونکہ گوشت اور کھال سب گھل مل جاتے ہیں، لیکن انسانی ہڈی اور بالخصوص عمود فقری (ریڑھ کی ہڈی) کا نچلہ حصہ نہ جلتا ہے اور نہ مٹی میں گھلتا ہے۔ اسی حصہ کے ذریعہ ہر روح اپنے جسم کو ڈھونڈ لے گی اور اس میں داخل ہو کر اسے متحرک (زندہ) کر دے گی۔ آج بھی فوسائل (Fossil، زمین میں دفن شدہ مادہ) کی صحیح تحقیق ہڈی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

انسانوں کو عدل الٰہی کے بارے بتا دیا جائے گا کہ آج ہر آدمی اپنے اعمال کا بدلہ لے گا، کسی کو کسی اور کے جرم کی سزا نہیں ملے گی اور نہ کوئی دوست، رشتہ دار کسی کی مدد کر سکے گا۔ حقیقی انصاف ہو گا۔ دنیا کی طرح کسی مراعات کا

تصور تک نہیں، بلکہ ہر شخص اپنے عمل کے مطابق بدلہ پائے گا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوبارہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا: اے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ! چالیس دن یا چالیس ماہ؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا؛ چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی وہ دم کی ہڈی کا سرا (عجب الذنب) ہے (ریڑھ کی ہڈی کا آخری نیچے والا حصہ) اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا (بخاری/مسلم)۔ یعنی اس ہڈی کے ذریعہ روح انسانی جسم کو پہچان لے گی۔ یعنی فرشتے ہڈی کو پہچان کر اس میں روح ڈالیں گے اور وہی انسان زندہ ہوگا۔ ایک روایت چالیس سال بارش کا ذکر ہے۔ یہ بڑی حد تک علمی ہے کہ زمین پر سمندر گرمی سے خشک ہو جائے گا۔ زلزلہ قیامت سے پہاڑ اڑ کر تمام نچلی کھائیاں (سمندر کا علاقہ) بھر دیں گے۔ زمین کی سطح ہموار ہو جائے گی (چٹیل میدان کی طرح)۔ پھر بارش سے کیچڑ ہوگا۔ اس کیچڑ کے اندر تحلیل شدہ انسانی اجزاء، دوبارہ اکٹھے ہوں گے اور ہڈی کے ساتھ ملیں گے، جسم بن جائے گا۔ اس ہڈی کی علامت جو اللہ کے ریکارڈ میں ہے (جس طرح ہم DNA کہتے ہیں)، فرشتے اس کو پہچان کر اس کی روح کو، جو پہلے موجود تھی، اسی کے جسم میں داخل کر دیں گے۔ آدمی بغیر لباس کے کیچڑ سے نکلے گا، جس طرح بیج سے پودا نرم زمین سے نکلتا ہے۔ آدمی تنے کی مانند باہر نکلیں گے اور اپنے حساب و کتاب کے خوف سے دوڑیں گے۔

اس کی واضح مثال یوں ہے کہ کروڑوں افراد کے موبائیل سگنلز، اپنے اپنے موبائیل نمبر پر بیک وقت جارہے ہوتے ہیں اور کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا نظام، انسانی نظام سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن احادیث شریف میں صرف علامتی راہنمائی ہے تاکہ جستجو کرنے والے مسلمان آگے بڑھیں اور سربستہ رازوں کو کھول کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا دنیا کو اقرار کروائیں۔

حساب و کتاب:۔

حساب و کتاب کے بارے جس طرح احادیث میں ذکر آیا ہے۔ جدید الیکٹرانک اور مصنوعی عقل کی ایجادات نے اس کو عملی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ جو افراد نابالغ مرے ہیں یا جو مجنون اور مکمل معذور تھے، وہ احادیث کے مطابق حساب و کتاب سے معاف ہیں۔ صرف بالغ افراد اور صحیح العقل افراد کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ جس طرح آج کل، ایک پیغام بیک وقت لاکھوں/کروڑوں افراد تک پہنچ جاتا ہے۔ جن افراد کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ خوش ہوں گے اور برقی رفتار سے پل صراط سے گذر کر جنت میں داخل ہوں گے۔ جن کے اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملیں گے

ان کا حساب و کتاب ہو گا۔ فرشتوں کی تعداد انسانوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ لہٰذا ہر آدمی کا بیک وقت حساب و کتاب جاری ہو گا اور اس کے اعمال اور اخلاص کی بناء پر جزا و سزا ملے گی۔

یہ وہ حقائق ہیں جو قرآن مجید اور احادیث نے بتائے ہیں۔ فہم و فراست کے لحاظ سے دن بدن ان کی حقیقت واضح اور ثابت ہو رہی ہے۔ اسی لئے ایمان کامل کے لئے آخرت اور حشر و نشر کا یقین ضروری ہے اور ہمیں انسانی توہمات جن کی اساس، شیطانی تصور، یعنی خود دیکھنے کے مطالبہ کی صورت میں ہوتا ہے، نظر انداز کرنا چاہیے۔ عقیدہ آخرت کے بغیر انسان کے صحیح اعمال ہونا بڑے مشکل ہیں اس لئے بار بار اس کی تاکید آئی ہے۔

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ ۚ﴿۵۵﴾

بے شک اہل جنت آج دلچسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے۔

هُمۡ وَ اَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ ۝﴿۵۶﴾

وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے۔

لَهُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ ۚ﴿۵۷﴾

ان کے لئے اس (جنت) میں میوے (پھل) اور ہر وہ چیز جس کی وہ خواہش کریں گے۔

سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ ۝﴿۵۸﴾

رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام کہا جائے گا۔

جنت کی زندگی:۔

اہل جنت کے حالات کی نقشہ کشی فرمائی گئی ہے۔ اہل جنت اپنے اعمال صالحہ اور اللہ کے فضل کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ جنت میں خوش و خرم ہوں گے۔ زندگی کی ہر عیش و خواہش جو انسانی وجود کے لئے فائدہ مند اور فرحت بخش ہوتی ہے وہ ان کو ملے گی۔ ان کے محلات عالیشان، ان کے اندر فرنیچر خوبصورت، سبزہ زار لان، بہتے چشمے، اپنی بیویوں کے ساتھ (جو جنت کی اہل ہوں گی) جنت میں زندگی گذاریں گے اس میں ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے، پھل ہوں گے ہر خواہش اور تمنا پوری ہو گی۔ بیویاں اور جنتی مرد دونوں نوجوان ہوں گے اور ان کے عمروں کے تناسب برابر ہوں گے۔ ہر قسم کی غذا ہو گی اور اس کا فضلہ، پسینہ کی صورت میں جسم سے باہر آجائے گا۔ نظام ہضم میں تبدیلی اور غذا کی نوعیت میں تبدیلی ہو گی۔ لیکن ذائقہ عالی شان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی کرم ہو گا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اہل جنت (یعنی مرد اور عورتیں) جوان، بے ریش اور سرگیں آنکھوں والے ہوں گے۔ ان کے کپڑے زمیلے (چمک دار) ہوں گے اور نہ ان کی جوانی فنا ہو گی

۔(ترمذی/دارمی)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل جنت نہ پیشاب کریں گے، نہ ان کی ناک سے رینٹ نکلے گی، نہ وہ پاخانہ کریں گے، ان کو صرف ڈکار آئے گی اور جس طرح ان میں سانس ڈالا جاتا ہے اس طرح ان کو تسبیح اور حمد کا الہام کیا جائے گا۔(صحیح مسلم/دارمی)۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو ' فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾؛ پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے کیا کیا نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جو ان کے نیک اعمال جزا ہیں۔(السجدۃ: 17)۔(صحیح البخاری/مسلم)۔

ایک اور حدیث جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا بڑی آنکھ والی حوریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ دنیا کی عورتیں بڑی انکھوں والی حوروں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح جسم کا ظاہر، جسم کے باطن (اندرونی) سے افضل ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے لئے نمازیں پڑھیں اور اللہ کے لئے روزے رکھے، اللہ عزوجل ان کے چہروں پر نور پہنادے گا اور ان کے اجسام ریشم کی طرح نرم ہوں گے، ان کا رنگ گورا ہوگا، ان کے کپڑے سبز رنگ کے ہوں گے۔ وہ کہیں گی سنو ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں اور ہم کبھی نہیں مریں گی۔ سنو ہم ہمیشہ نعمتوں سے مالا مال رہیں گی اور کبھی ہم خوف زدہ یا غم زدہ نہیں ہوں گی۔ سنو ہم ہمیشہ یہاں پر قیام کریں گی اور کبھی یہاں سے سفر نہیں کریں گی۔ سنو ہم ہمیشہ راضی رہیں گی اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ اس کو خوشی اور مبارک ہو جس کے حصہ میں ہم آئیں اور وہ ہمارے لئے ہوگا۔(المعجم الاوسط)۔

ایک اور حدیث کے مطابق، انسانی نفس کے تمام منفی عوارض (خصوصیات) حسد، کینہ، جھوٹ، دھوکہ، نفرت بغض، کنجوسی، سب ختم ہو جائیں گے اور جنت میں محبت، اخلاص، سچائی، فیاضی، تعاون کے خواص ہوں گے اس لئے جنت انتہائی پر مسرت مقام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ، اہل جنت پر اپنا فضل و سلام فرمائیں گے جو خصوصی اعزاز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا؛ اے اہل جنت! وہ کہیں گے۔ ہم تیرے پاس حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمربستہ ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے، تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کیں جو تو

نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیں۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا؛ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے افضل اور کون سی نعمت ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا؛ میں تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیتا ہوں۔اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہو گا۔(بخاری/مسلم/ترمذی)۔کس قدر اعلیٰ انعام اور محبت کا اظہار ہے۔ (سَلٰمٌ ۢ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾)۔

وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۰﴾

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم میری ہی عبادت کرو۔یہی سیدھا راستہ ہے۔

وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾

اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

ولقد اضل منکم جبلا کثیرا افلم تکونو تعقلون۔ (ایت ۶۲ سے)

اور بے شک اس (شیطان) نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ یہ ہے وہ جہنم جس کی تم کو وعید سنائی گئی تھی۔

اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اس میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔

قرآن مجید میں انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے اچھائی، برائی، حق اور باطل، صحیح اور غلط، فائدہ مند یا نقصان دہ، امور کا مقابلہ کیا جاتا ہے تاکہ قاری ان کی تفصیل اور نتیجہ کو سمجھ کر فیصلہ کرے اور اللہ کی دی ہوئی عقل و سمجھ کے ساتھ اپنے اختیار سے صحیح اور اس کے لئے جو مفید ہے اس کو اختیار کرے۔ان آیات میں اصحاب جہنم کی کیفیت و حالت بیان کی گئی ہے۔ان کو دوسرے افراد سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔عربی میں تمیز اور امتیاز کا مطلب ہے، ملی جلی چیزوں سے علیحدہ کرنا۔سارے انسان جن میں مسلمان، غیر مسلم، پھر مسلمانوں میں مشرک اور موحد، منافق اور صالح اور مخلص ملے جلے ہوں گے اور ان کو ان کے اعمال نامے مل چکے ہوں گے ان کی علامات بھی واضح ہوں گی۔

اس وقت ان گنہگاروں کو علیحدہ کر دیا جائے گا اور وہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں، ساتھیوں کے سامنے اپنی حالت زار سے گذریں گے۔استاد اور شاگرد، حاکم اور محکوم، پیر و مرید، اپنے اپنے اعمال کی بناء پر اپنی رسوائی اور عزت دیکھیں گے۔دنیا میں تو بہت سارے امور چھپ جاتے تھے، لیکن وہاں حقیقی عدل کی بناء پر سب ظاہر ہو گا۔ان کی اس

حالت کا سبب ان کے اعمال اور ان کے اعمال کے پیچھے جو محرکات ہوں گے ،ان کو سامنے لایا جائے گا، بلکہ وہ وہاں بطور ثبوت موجود ہوں گے۔

شیطان کی عبادت (گمراہی):۔

ان کو یاد دلایا جائے گا، کہ ہدایت کا سارا سامان مہیا کیا گیا تھا۔ عقل و سمجھ دے کر صحیح فیصلہ کی قوت عطا کی گئی تھی۔ اللہ کی عبادت کا وعدہ، روح کو یا بذریعہ عقل و خرد سمجھا دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی انسانوں کو اس کے دشمن شیطان کے بارے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ انسان کے عقل و امتیاز، علمی برتری کی وجہ سے انسان کا حاسد ہے۔ اسے، آگ (انرجی) کی مخلوق ہونے کی وجہ سے انسان کے دماغ تک رسائی ہے۔ خیال پیدا کرتا ہے۔ اس میں کوئی عقل و سمجھ کے لئے معمولی فائدہ یا لالچ شامل کرتا ہے اور پھر بڑے فائدہ یا کامیابی سے انسان کو محروم کر دیتا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ جس طرح وہ جہنم میں سزا پائے گا، انسان بھی اسی طرح جہنم میں سزا پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا مرتبہ، اپنی الہامی کتابوں اور انبیاء ورسل کے ذریعہ آگاہ کیا ہے کہ اس سے بچو، وہ ہر طریقہ سے گمراہ کرے گا۔

شیطان کی پیروی کو شیطان کی عبادت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کے احکام پر عمل کرنا عبادت ہے۔ عبادت سے مراد صرف سجدہ دینا نہیں، بلکہ کسی کے تمام احکام کی تعمیل کرنا ہے، جو کہ حقیقی عبادت ہے۔ اللہ کی عبادت حقیقی تب ہو گی، جب انسان اس کے سارے احکام کو مانے گا اور ہر کام سے پہلے اللہ کے حکم یا تعلیمات کے معیار پر اپنے عمل کو جانچے گا۔ اگر اللہ کے احکام کو چھوڑ کر کسی اور کے احکام مانے مثلاً حکمران یا انسانی نفس امارہ جو سراسر شیطانی خواہشات کے تابع ہے تو گویا وہ شیطان کی عبادت ہے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک زندگی کی مہلت مانگ لی ہے جو اسے مل گئی تھی، جس کی وجہ سے قیامت تک وہ انسانوں کو گمراہ کرتا رہے گا۔

اسلام میں، یعنی نبی ﷺ نے والدین اور نظام حکومت یا حکمران کے احکام کی تعمیل کا حکم دیا ہے لیکن اس کا معیار مقرر فرمایا کہ اگر اللہ کے احکام (یعنی فرائض، واجبات اور ممنوع) کے خلاف ہوں، تو ان کی تعمیل نہ کی جائے۔ اگر حکمران تعمیل پر مجبور کرے، تو اس زمین/شہر یا علاقہ کو چھوڑ دیا جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر اس عمل کو اگر کیا بھی جائے تو اپنے دل میں اسے برا جانے اور عہد کرے کہ جونہی موقعہ ملے گا، اس کو چھوڑ دے گا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے۔ اسلامی قوانین کا اصول تکلیف حسب استطاعت وطاقت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان شخص پر لازم ہے کہ وہ حکام کے احکام سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ خواہ وہ احکام ان کی خواہش کے موافق ہوں یا مخالف ہوں، سوائے اس صورت کے ،کہ ان کو اللہ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیا جائے۔ (مسلم/بخاری)۔

اگر انسان سے غلطی یا گناہ ہو جائے، پھر توبہ بہت ضروری ہے۔ توبہ کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے اور وہ بخش دیتے ہیں، بشرطیکہ انسان توبہ میں مخلص ہو۔ اسلام کا راستہ ہی آسان اور انسانیت کے لئے مفید ہے۔ اسی پر چلنے کی اللہ تعالیٰ نے بھی تاکید کی ہے۔ سارے احکام میں انسانی معاشرے کی فلاح پنہاں ہے۔ فلاح میں افراد کے بجائے، اجتماعی مفاد مقدم رکھا گیا ہے۔ حکمرانوں کے لئے واجب ہے، کہ نئے قوانین بناتے وقت شریعت کے اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

آیات مبارکہ ایک انسانی حقیقت آشکارا، کر رہی ہے کہ اتنی ھدایات اور تاکید، اس کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل و سمجھ کی نعمت اور اختیار کی قوت کے بعد، انسان اپنی نفسانی کمزوری اور خواہشات کی وجہ سے صحیح عقل کے استعمال کے بجائے، سطحی اور ظاہری فوائد میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ شیطان، انسان کو اس کے انفرادی یا گروہی مفادات کے تحت، اللہ کے احکام سے دور کر دیتا ہے اس لیئے انسانوں کی اکثریت ہمیشہ نافرمان رہی ہے۔، یہی وجہ ہے کہ ہر چند سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر علاقہ و زبان میں اپنے نبی بھیجے تاکہ لوگوں کو یاد دہانی کرائی جائے اور اب آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اب دنیا میں ذرائع مواصلات و علم اس قدر ترقی پاگئے ہیں کہ فاصلے اور زمانے کے اختلاف ختم ہو گئے۔ قرآن مجید، نبی ﷺ کی زندگی میں تحریر اور مدون کر دیا گیا تھا، جو رہتی دنیا تک ہدایت ہے اور ساتھ نبی ﷺ کے فرمودات و تعلیمات کو بھی تحریر کر دیا گیا۔ دوسرے لوگوں تک منتقل کر دیا اور اب یہ نور ہدایت کے مینار رہتی دنیا تک قائم ہیں۔ اس لئے کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ علمائے حق کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو یاد دہانی کراتے رہیں۔ ریاستوں میں حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ سہولتیں میسر کریں۔ اس لئے فرمایا کہ عقل عطا کرنے کے باوجود انسان نے اسے صحیح استعمال نہیں کیا، اپنی نفس امارہ کی خواہشات اور شیطان کی ترغیبات پر چل کر گمراہ ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں وہ واصل جہنم ہوں گے اور پھر قیامت کو کہا جائے کہ اپنے اعمال و کردار کے نتیجے میں اس جہنم میں چلے جاؤ اور دھکیل دیئے جائیں گے اور یہی وہ جہنم ہے جسے انسان دنیا میں بھول جاتے ہیں اور جس کا تمام الہامی کتابوں میں ذکر اور انبیاء علیہم السلام نے ڈرایا ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹادیں پھر وہ دوڑیں راستہ تلاش کرنے کو تو وہ کیونکر دیکھ سکیں گے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اگر ہم چاہیں تو انہی کی جگہوں پر ان کی صورتیں مسخ کر دیں، پھر وہ آگے چلنے کی طاقت نہ رکھیں اور نہ لوٹ سکیں۔

قیامت کے دن حقیقی انصاف ہو گا اور انصاف کے لئے گواہی ضروری ہے۔اس لئے حکومتیں، ویڈیو کیمرے لگاتی ہیں کہ تصویر اور آواز کے ذریعے گواہی میسر کی جائے، کیونکہ انسانی گواہ نہیں ہوتا۔ قیامت میں جب گنہگاروں کو ان کے گناہوں کی تفصیل (حساب و کتاب) ملے گا، تو وہ انکار کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کی درخواست کریں گے۔ان کا بیان جھوٹ ہو گا، جس طرح دنیا میں جھوٹ بول کر آدمی اپنا جرم چھپالیتا ہے لیکن پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبان کو بند کر دیں گے، جس طرح ہمارے ہاں مختلف بیماریوں کے نتیجے میں زبان کے پٹھے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور بات نہیں نکل سکتی۔ پھر ان کے سامنے ان کے جرم کے عمل میں جو جسم کا حصہ استعمال ہوا تھا وہ گواہی دے گا، یعنی ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ اور وہ بولیں گے کہ یہ جرم فلاں وقت کیا گیا اور ساتھ ہی دو فرشتوں (کراماً کاتبین) کی بھی رپورٹ (ویڈیو، حساب و کتاب) ہو گا۔ حدیث مبارک میں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا ہوں۔ ہم نے عرض کی؛ اللہ کو اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے بندہ کی اپنے رب سے اس بات پر ہنسی آئی ہے کہ بندہ کہے گا؛ اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ فرمائے گا؛ کیوں نہیں۔ آج میں اپنے خلاف کسی اور کو گواہی دینے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اللہ فرمائے گا آج تمہارے خلاف تمہاری اپنی گواہی کافی ہو گی یا کراماً کاتبین کی گواہی کافی ہو گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا تم بتاؤ۔ پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال بیان کریں گے۔ پھر اس کے اور اس کے کلام کے درمیان تخلیہ کیا جائے گا۔ پھر وہ اپنے اعضاء سے کہے گا، دور ہو، دفع ہو، میں تمہاری طرف سے ہی جھگڑ رہا تھا۔ (صحیح مسلم/سنن الکبریٰ)۔

اعضاء کی زبان یا گفتگو کے بارے آج سے چودہ سو سال پہلے، تو یہ ایک اچھوتا خیال تھا اور لوگ عقیدہ کی بناء پر اس پر یقین کرتے تھے اور دوسرے نہیں مانتے تھے۔ اب جب انسانی جسم کے بارے حقائق اور معلومات بالخصوص اندرونی اعضا کے بارے مختلف آلات کی مدد سے تحقیق ہو رہی ہے تو یہ معلوم ہوا کہ انسان کے دماغ کے علاوہ انسانی

اعضاء کا اپنا ایک نظام ہے، جس میں سمجھ ہے۔ جس کی وجہ سے اس عضو کو تکلیف یا ضرورت کی صورت میں پیغام انسانی دماغ کو بھیجا جاتا ہے اور پھر وہ اس کو بیان کرتا ہے۔ اسی طرح بیماری اور دوسری انسانی جسمانی ضروریات کا علم ہوتا ہے۔ انسانی جسم کا یہ نظام سمجھ، دوسرے حیوانات کے اجسام کے اعضاء سے بہتر ہے۔ جس طرح انسان کا عقل و دماغ حیوانات سے بہتر ہے۔ قیامت کو اسی نظام پیغام کو اللہ تعالیٰ وہ زبان دیں گے یا فرشتوں کے ذریعہ اس کو عام زبان میں منتقل کر کے آواز کی صورت میں ثابت کیا جائے گا۔ ہم اب بھی دیکھتے ہیں کہ ایک بے جان تار ایک آواز پیدا کر دیتی ہے۔ انسان سے ساتھ لگے ہوئے فرشتے (کراماً کاتبین) کے علاوہ یہ دوسری گواہی ہو گی۔

اس کے علاوہ، جو اعضاء اللہ تعالیٰ نے علم اور سمجھ کے لئے دیئے ہیں، وہ ہماری زندگی میں بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ہم مختلف امراض میں دیکھتے ہیں، بینائی ختم ہو جاتی ہے، آنکھ موجود رہتی ہے یا آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں اور جسم کی دوسری حرکات ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان کی استعداد عمل دنیا میں بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ یہی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر یہ حالت کر دی جائے تو انسان کی حیثیت و طاقت بالکل ختم ہو جائے گی اور وہ خود بہت ہی محتاج بن جائے گا۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس کے اعمال بد کے باوجود اس کو دنیا میں اسی وقت سزا نہیں دی جاتی۔

اندھے کس طرح اپنا راستہ معلوم کریں گے، جب تک ان کی کوئی راہنمائی نہ ہو اور اس طرح پتھر کی طرح ساکن بن جانے والے اجسام کسی طرح حرکت کریں گے۔ دونوں صورتوں میں ہدایت یا صحیح راستے پر چل کر منزل پر پہنچنا محال ہے۔ یہی حال اس انسان کا ہے جو ہدایات الٰہی کے مطابق زندگی نہیں گذارتا اور خواہشات کے پیچھے چلتا ہے اسی لئے اس کا انجام جہنم کی سزا ہو گی۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی حالت کو ابتدائی حالت کی طرف الٹ دیتے ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھتے (عقل کے ساتھ)۔

انسانی کردار اور اس کی زندگی کے بارے موضوع جاری ہے۔ انسان جہاں اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے اور احکام الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا یہ عرصہ ساری عمر نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس وقت تک ہے جب تک اس کے اعضاء صحیح کام کرتے ہیں۔ اگر اس دوران ان میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو وہ انسان مجبور اور معذور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کی زندگی بغیر کسی نقص کے چلتی ہے تو بھی یہ سلسلہ بڑھاپے میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور مزید بڑھاپے میں (لمبی عمر کی صورت) انسان ہر چیز کے لئے ایک ننھے بچے کی طرح محتاج ہو جاتا ہے۔ بصارت، سماعت، ہاتھوں اور جسم کی طاقت ختم

ہو جاتی ہے۔ اُٹھ بیٹھ نہیں سکتا، کھا پی نہیں سکتا۔ یاداشت و حافظہ ختم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے اپنے پیشاب اور پاخانہ کا پتہ نہیں چلتا، جس طرح ایک نو مولود کو پتہ نہیں چلتا اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ حالت ہم اپنے بزرگوں اور بوڑھوں میں دیکھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس ارذل عمر سے، اللہ سے پناہ طلب کی ہے۔ عمر کا وہ حصہ جس میں اعضاء سلامت ہوں بہت اہم ہے اور یہی وہ وقت ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے۔ دنیا و آخرت کو بہتر کیا جائے تاکہ اعمال کے حساب و کتاب میں آسانی ہو۔

حضرت عمر بن میمون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا؛ پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو۔ (۱): اپنی زندگی کو موت کے آنے سے پہلے۔ (۲): اپنی فراغت کو اپنے مشغول ہونے سے پہلے۔ (۳): اپنی خوشحالی کو اپنی تنگدستی سے پہلے۔ (۴): اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے۔ (۵): اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے۔ (المستدرک / مشکوٰۃ)۔ سبحان اللہ! کس قدر خوبصورت انداز میں انسان کو اسی زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور اچھے طریقہ سے گذارنے کے بارے ہدایت ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا؛ ابن آدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک قدم نہیں ہٹا سکے گا جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے۔ (۱): اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی (گذاری)۔ (۲): اس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا۔ (۳): اس نے کہاں سے مال حاصل کیا۔ (۴): اور کن مصارف (جگہوں) پر خرچ کیا۔ (۵): اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا۔ (ترمذی / المعجم الکبیر)۔ یہ احادیث انسان کی بہتر زندگی گذارنے کے لئے مینار نور ہیں۔ کاش ہم ان سے راہنمائی لے کر اپنی زندگی بہتر کریں۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا؛ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ساٹھ (60) سال تک پہنچادی، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر حجت پوری کر دی اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ (مسند احمد)۔ یعنی اس کو اچھے یا برے اعمال کرنے کا پورا پورا موقع ملا، قیامت کے دن وہ وقت کی قلت کا بہانہ نہیں کر سکے گا۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾

اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ اس کے لائق ہے۔ یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

تاکہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے۔

کفار مکہ، قرآن مجید کے اعجاز کے جواب میں جب ناکام ہوتے تو نبی ﷺ کو کہتے کہ آپ شاعر ہیں۔ کبھی

کہتے جادو گر ہیں۔ آیت مبارکہ میں اس کی تردید کر دی گئی ہے۔ شعر کا لغوی معنی باریک (بال) اور گہرائی ہے اور اصطلاح میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو موزوں اور مقفّٰی ہو۔ جس کلام میں ردیف اور قافیہ کی رعایت کی گئی ہو۔ (المفردات)۔

قرآن مجید کی کچھ آیات بظاہر موزوں ہیں۔ اسی طرح عربوں کے ہاں اشعار میں، زیادہ موضوع، خیالی اور تصوراتی ہوتا ہے۔ اسی لئے عرب (اہل مکہ) جاہلیت کی وجہ سے قیامت، حشر و نشر، دوزخ و جنت کو خیالی تصور کرتے تھے۔ دوزخ اور جنت کی کیفیات کو بھی خیالی تصور کرتے، اسی لئے قرآن مجید پر شاعری کا شبہ کرتے لیکن قرآن مجید کے عقلی دلائل کی طرف کوئی توجہ نہ کرتے۔

نبی ﷺ حقیقت کے ترجمان تھے۔ اللہ کے نور سے، ان کے علم و معرفت کا درجہ انتہائی کمال کا تھا۔ آپ کا کلام بھی فصیح و بلیغ تھا، لیکن کوئی موزون، ردیف و قافیہ کا نہیں تھا۔ بلکہ عام طور پر جب کبھی آپ اشعار کا ذکر کرتے تو اس کا قافیہ صحیح نہیں ہوتا بلکہ متغیر (تبدیل) ہوتا تھا، جس کی اطلاع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کر دیتے۔ غزوۃ خندق کے موقع آپ ﷺ کی زبان پاک سے کچھ کلمات ایسے نکلے جو اشعار کی صورت، وزن والے تھے مثلاً

اللھم لا خیر الا خیرالاخرۃ۔۔فاغفر الانصار و المھاجرۃ۔۔لواللہ ماھتدینا۔۔و لا تصدقنا و لا صلینا۔

ہمارے اللہ! اخرت کی کامیابی سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں، انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ اگر ہمیں اللہ ہدیت نہ دیتا تو ہم تصدیق (توحید و رسالت) نہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔

یہ رجزیہ (ابھارنے والے) قافیہ والے جملے تھے، جو اشعار کی طرح ہیں اور دوران خندق صحابہ کرام اور نبی ﷺ بلند آواز میں کہتے تھے تاکہ تھکان محسوس نہ ہو۔ بھوک کی یہ حالت تھی کہ صحابہ کرام نے پیٹوں پتھر باندھے تھے تاکہ جھک نہ جائیں، کمزور نہ لگیں۔

آیت سے مقصود آپ کے شاعر ہونے کی نفی یا آپ کے شاعرانہ علم کے بارے نفی ہے۔ لیکن اشعار پڑھنے کے بارے نہیں۔ آپ ﷺ نے اشعار سنے اور اچھے اشعار جن میں نصائح ہوں ان کو پسند فرمایا۔ صحابہ کرام کو کفار مکہ کی ھجو کے مقابلے کی ترغیب دی، جس میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک نے بھی اشعار کہے اور آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواح رضی اللہ عنہ اشعار کہتے تھے۔ نبی ﷺ نے لبید کے ایک شعر کو پسند فرمایا تھا۔

قرآن مجید کو ہدایت کی کتاب فرمایا، کہ اس میں انسانیت کے لئے حق اور سیدھی راہ (کامیابی) ہے تاکہ دنیا و

آخرت میں انسان کامیاب ہوں۔ جنت کی ترغیب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ زندہ لوگوں کا ذکر کیا اس سے مراد وہ زندہ ہیں جن کو عقل و سمجھ ہے اور پھر اس عقل و سمجھ کو استعمال کرتے ہیں اور اللہ پر نہ صرف ایمان بلکہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور جو اس سے محروم ہیں گویا وہ مردہ ہیں۔ زندگی اگرچہ سانس کے آنے جانے کا نام ہے لیکن وہ زندگی ایسی ہے جس طرح درختوں اور حیوانات میں ہے۔ انسان کی زندگی اس کے عقل و سمجھ کی وجہ سے بہت بلند ہے جہاں وہ اپنے لئے مختلف راستے انتخاب کرتا ہے اور اس کے مطابق اسے، انعام یا سزا ملے گی۔ اسی عقل کی بناء پر وہ دوسرے حیوانات پر حکمرانی کرتا ہے اور زمین میں موجود اشیاء سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ انسانوں اور مسلمانوں کو بالخصوص اس طرز زندگی جس میں عقل و فہم کا صحیح استعمال ہو قرآن مجید میں بار بار ہدایت کی گئی ہے۔ کائناتی دلائل سے اللہ کی عظمت و معبودیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ ﴿۷۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں (قدرت) سے جو چیزیں بنائیں ان میں یقیناً ہم نے ان کے لئے چوپائے بھی پیدا کئے پھر وہ ان کے مالک (بن گئے) ہیں۔

وَ ذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَ مِنۡهَا یَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے انہیں ان کے تابع کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ ان کی سواریاں ہیں اور ان میں سے کچھ کا وہ گوشت کھاتے ہیں۔

وَ لَهُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

اور ان کے لئے ان (چوپاؤں / جانوروں) میں اور بھی فائدے اور پینے کی چیزیں (دودھ) ہیں کیا پھر وہ شکر نہیں کرتے۔

کفار مکہ اور بالعموم، ان انسانوں کی کیفیت کا ذکر ہے جو اللہ کے وجود کو حقیقی طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے لئے جو زمین پر موجودات ہیں جن میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں، سراسر قدرت کا انعام ہے اور انسان ان تمام موجودات سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس کا ذکر ہے جن میں نزدیک ترین اور ہر وقت موجود وہ حیوانات ہیں جو انسان کی زندگی کا اہم جزو ہیں۔ جن سے انسان کی معیشت، غذا، حمل و نقل ہے مثلاً گھوڑے، گدھے، بیل، اونٹ، بھیڑ بکریاں جن سے زراعت ہے۔ سواری اور حمل و نقل ہے۔ ان کے دودھ اور گوشت سے غذا اور اون اور چمڑے سے لباس ہے۔ یہ سب اللہ نے پیدا کئے، ان کا ایک نظام چل رہا ہے اور قدرت نے ان کی غذا کا بھی انتظام کیا ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ پھر ان حیوانات میں انسان سے زیادہ

طاقت، چستی اور وزن یا جسامت ہے۔ لیکن اس کے باوجود فطری طور پر یہ انسانوں کے ساتھ مانوس جانور ہیں۔ یہ سارے انعامات اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ ان پر شکر واجب ہے۔ انعامات پر شکر کرنا، انعام کرنے والے کے، انعام کا اقرار، صحیح استعمال اور اس کی تعریف ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حقیقی عبادت بھی نہیں کرتے۔ اگلی آیت میں اس رویہ کا ذکر ہے۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور انہوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنالئے تاکہ ان کی مدد کی جائے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

وہ (معبود) ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ (مشرکین) خود (ان کی مدافعت کے لئے) ان کے لشکری (حمایتی) ہیں۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

لہٰذا ان کی باتیں آپ کو غمگیں نہ کریں بلا شبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے رویہ کا ذکر ہے۔ اسلام کی مخالفت میں اندھے ہو گئے۔ ایک اللہ کے بجائے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں۔ وہ بت، جو کہ بے جان ہیں اور وجود میں انسانوں کے محتاج ہیں۔ کائنات کے دلائل کے باوجود، انسان اس قدر گمراہی میں گم ہیں کہ بتوں کی مدافعت کرتے ہیں۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ قرآن کی تعلیمات پر غور نہیں کرتے۔ نبی ﷺ کو تسلی دی ہے، کہ آپ کفار کی گمراہی اور مسلمانوں یا اسلام کی مخالفت پر پریشان نہ ہوں، اللہ کی ذات ان کے تمام مکر اور منصوبوں سے آگاہ ہے، جو وہ مسلمانوں اور نبی ﷺ کے خلاف بناتے ہیں۔ ان کے سارے راز اور چھپی چیزیں یا ان کے اسلام کے خلاف اعلانیہ اتحاد اور مخالفت، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ان سب کاموں میں ناکام ہوں گے۔

اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ (قطرہ) سے پیدا کیا ہے۔ پھر یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا۔

وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾

اور اس نے ہمارے لئے مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ اس نے کہا: جب یہ ہڈیاں گلی

سڑی ہوں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

آپ کہہ دیجئے! ان کو وہی (اللہ) زندہ کرے گا، جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے۔

انسانی نطفہ:۔

انسان کے وجود سے اللہ کی قوت اور طاقت کے دلائل دیئے جارہے، تاکہ ان پر انسان کو غور کرنے سے دوبارہ زندگی کے معاملہ میں یقین کرنے میں آسانی ہو گی۔ انسان کا وجود انسان کے مادہ منی سے پیدا ہوتا ہے جو کہ ایک گاڑھی پانی کی طرح سفید لیس دار بوند ہوتی ہے۔ بیالوجی (علم حیاتیات) یا جنیٹک انجینئرنگ میں ابتداء سے زندگی کا نطفہ ایک دقتی نیوکلس (Nuclues) میں بند ہوتا ہے جو سائیڈوپلازم (Cytoplasm) یا سلالہ طین قرن نامی جھلی میں محفوظ ہوتا ہے۔ یہ ساری اشیاء انسان کی نظر سے چھپی ہوئی ہیں اور خاص آلات کے ذریعہ ان کا پتہ چلتا ہے۔ یہ جھلی ایک اور چھلکے ممبرین (Membrane) میں محفوظ ہوتی ہے۔ خول میں چھپے ہوئے اربوں کی تعداد میں سیل ہوتے ہیں۔ پھر یہ انسانی مادر رحم میں خون کا لوتھڑا، ہڈی، گوشت اور انسان صورت اختیار کرتا ہے۔ اس میں نر اور مادہ میں جذب واتحاد ہوتا ہے۔ کروڑوں سیل منی کے ذریعہ عورت کے بیضہ دانی میں X کروموسوم سے ملتے ہیں۔ نر کا سیل Y اور مادہ کا سیل X سیل سے ملتا ہے۔ پھر نیا سیل XX اور YY یہ وجود میں آتا ہے۔ پھر تقسیم ہو کر سینکڑوں سیلز کا کلسٹر (Cluster) بن کر رحم میں داخل ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کا حجم ریت کے ذرے کی طرح ہے۔ سائنس میں اس کو زائیگوٹ Zygote کہتے ہیں۔ یہ آٹھ ہفتوں میں کئی ملین تک بڑھ جاتے ہیں۔ پھر مزید بڑھتے ہیں۔ اس کے بعض حصے گوشت شریانیں، ہڈیاں، پٹھے بناتے ہیں۔ پھر بڑھتے بڑھتے اٹھارہ انچ کا نیا انسان تیار ہو جاتا ہے۔ اور نو ماہ یا کم و بیش میں باہر آکر ارتقاء حیات کی نئی منزل کی طرف سفر شروع کر دیتا ہے۔ پھر بڑھ کر تن آور، زور آور بن کر جھگڑالو اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اپنے خالق کو بھول جاتا ہے۔ نہ خالق کو یاد کرتا ہے نہ مرنے کو اور نہ دوبارہ زندہ ہونے بلکہ دوبارہ زندہ ہونے سے اس بات سے انکار کرتا ہے کہ جب آدمی گل سڑ جائے گا اور صرف ہڈیاں رہ جائیں گی تو پھر کس طرح زندہ ہو گا۔ دوبارہ زندگی کے بارے آیت نمبر 15 کی تفسیر میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

موقع نزول کے بارے روایت میں ہے کہ ایک کافر (ابی بن خلف) رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پرانی اور بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا یا محمد (ﷺ)! کیا آپ ہمیں ڈراتے ہیں کہ جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل سڑ جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ہم کو نئی زندگی دے کر دوبارہ پیدا کرے گا۔ پھر اس نے ہڈی کو چورہ چورہ کر کے اس کو ہوا میں

پھینک دیا اور کہنے لگا؛ اے محمد (ﷺ)! اس کو کون زندہ کرے گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ ہاں اللہ تعالیٰ تجھ کو موت دے گا پھر تجھ کو زندہ کر دے گا اور تجھ کو جہنم میں ڈال دے گا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (الدر المنثور)۔

آیت مبارکہ میں جواب ہے، کہ جو ذات انسان کو ایک بوند سے انسان بنا دیتی ہے وہ دوبارہ انسانی ڈھانچے یا اس کے تحلیل شدہ اجزاء کو دوبارہ ملا کر انسان بنا دے گی۔ جس نے یہ ساری کائنات، حیوانات، پرندے، حشرات، پیدا کئے ہیں۔ اتنی مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے۔ انسان کس طرح دوبارہ کھڑا ہو گا (زندہ ہو کر) اور روح کس طرح جسم کو شناخت کرے گی اس کی احادیث کی روشنی میں تفصیل اسی سورت کی آیت نمبر 51 کی تفسیر میں بیان کر دی گئی ہے۔ فقہ حنفیہ میں انسانی ہڈی پاک ہے، بال بھی پاک ہیں۔ مگر دوسرے فقہا کا اختلاف ہے۔

موجودہ سائنس دوبارہ زندہ ہونے کے عمل کو اس لئے نہیں مانتی کہ انہوں نے اس عمل کو ظاہر میں ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن تصوراتی طور پر اس کے امکان کو مانتی ہے۔ سائنس چونکہ متعدد تجربوں پر اپنے نظریات کی بنیاد رکھتی ہے اور وہ اس حالت (دوبارہ زندگی) میں ممکن نہیں، کیونکہ یہ واقعہ قیامت کے بعد نفخہ ثانی (دوسری صور) پر ہو گا، اس لئے سائنس کے لئے مشکل ہے۔ کچھ سائنسدان شیطان کے نظریات پر خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) کے وجود کے بجائے محض قدرت (نیچر، Nature) کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کا رویہ بالکل منفی میں ہے جس طرح کفار مکہ کا تھا۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

وہ (اللہ) جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ بنا دی پھر یکایک تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو۔

اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۙ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾

کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہ سب کچھ پیدا کرنے والا اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

جب کسی چیز کا وہ ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے؛ ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف

لوٹائے جاؤ گے۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کا ذکر ہے۔ دوبارہ انسانی زندگی کے لئے دلائل ہیں۔ عموماً آگ، پانی کو بخارات میں تبدیل کر دیتی ہے اور پانی اپنی شدت سے آگ کو آکسیجن کی سپلائی ختم کر کے بجھا دیتا ہے۔اسی طرح گیلی لکڑی میں پانی ہوتا ہے پھر بھی جل جاتی ہے۔ عموماً لوگ پتھروں یا سخت پتھر اور لوہے کو ٹکرا کر آگ لگاتے ہیں اور جلاتے ہیں۔ عرب کے صحرائی علاقوں میں، دو قسم کے درخت کی لکڑیوں کو آپس میں ٹکرایا جائے تو آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ درخت مرخ اور عفار ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہیں۔ جس ذات نے کائنات میں اربوں اجسام کو پیدا کیا، اسی طرح زمین پر بھی حشرات حیوانات، پرندوں، جانوروں، درختوں، جھاڑیوں، پھلوں، پھولوں، رینگنے والے جانور، جو کہ اربوں کی تعداد میں پیدا ہو رہے ہیں، مر رہے ہیں یہ سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک موجود ،مردہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں، کیونکہ موجودہ سائنس کے نظریات کے مطابق زمین کی کشش ثقل زمین پر تمام مادہ کو اپنی طرف کھینچ کر رکھتی ہے اور مادہ کی مقدار زمین پر نہ کم اور نہ زیادہ ہو رہی ہے۔ بلکہ صرف حالت بدلتی ہے اسی طرح انسان کے جسم کے اعضا و اجزاء بھی حالت بدلتے ہیں اور پھر اکٹھے ہونا، ممکن ہیں۔ جس ذات نے کائنات میں لاتعداد اشیاء جن کا شمار ممکن نہیں، پیدا کی ہیں، وہی سب سے بڑا خالق، خلاق عظیم ہے۔ اس کی قدرت کی شان ہے کہ جب حکم دیتا ہے تو وہ چیز اس کی مرضی کے مطابق وجود میں آجاتی ہے۔ جدید کاسمولوجی میں سائنسدان الیکٹرانک یا ریڈیو دوربینوں سے جن پر، مختلف علاقوں (براعظموں) آسٹریلیا، جنوبی امریکہ، شمالی امریکہ، یورپ میں ہر لمحہ کام (یعنی تلاش) جاری ہے۔ دیکھتے ہیں کہ آناً فاناً ستارہ پیدا ہو جاتا ہے اور آناً فاناً ستارہ ختم ہو جاتا ہے، اگرچہ انسان تک پہنچنے میں اس کے سگنلز بہت وقت لیتے ہیں، لیکن وقوعہ تو اسی طرح ہوتا ہے جو انسانی اطلاع سے بہت پہلے ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے کن فیکون کا ثبوت ہے۔

سورۃ یٰسین کی ابتداء قرآن مجید کی عظمت اور نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت سے شروع ہوئی اور اس کا اختتام انسانوں کو ہدایت اور موت کے بعد دوبارہ زندگی کی خبر پر ہوا تاکہ وہ ایمان لائیں اور نیکی کے عمل کر کے آخرت میں عذاب سے بچ سکیں۔

الحمدللہ آج یکم ربیع الاول بمطابق 26 ستمبر کو سورۃ یٰسین کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی صحیح تفسیر اور آیات کی صحیح تاویل کی توفیق عطا فرما کر قارئین کے لئے راہ ہدایت اور میرے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

37- سورۃالصّٰفّٰت

تعارف:۔

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ **الصّٰفّٰت صفاً** کی وجہ سے ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس نمبر سینتیس (37) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے چھپن (56) ہے۔ یہ سورت الانعام کے بعد اور سورت لقمان سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سو بیاسی (182) ہے۔ اس سورت کا نزول، مکہ شریف سے ہجرت کے چند سال قبل ہوا، جو اس کے مضامین سے اخذ ہوتا ہے۔ اس وقت قریش کی مخالفت شدت پر تھی اور ہر طرح کے الزام نبی ﷺ پر لگائے جارہے تھے۔ قرآن مجید کے حقائق سے شدید انکار تھا۔

سورت میں فرشتوں کے فرائض، ان کی کیفیت، اسی طرح جنات کے اعمال کا ذکر ہے۔ جنات اور انسان کے تعلقات بالخصوص پیشن گوئی کی طرف اشارات ہیں۔ شہاب ثاقب کا ذکر ہے۔ ان کا ذکر اجمالی طور پر اس وقت کے عوام کی علمی سطح کے مطابق ذکر کیا گیا۔

قیامت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت، وحدانیت، دوبارہ زندگی کے دلائل ہیں، جو عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ پچھلی امتوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

انبیاء کرام کا ذکر ہے جس میں بالخصوص حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی قربانی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے تاکہ اہل ایمان اس وقت کی شدت ستم سے پریشان نہ ہوں۔

ایک حدیث (سنن النسائی) بروایت حضرت عبداللہ بن عمر، مذکور ہے کہ، نبی ﷺ جماعت کی نماز میں امامت میں تخفیف (کمی) کا حکم دیتے تاکہ نمازیوں پر بوجھ نہ ہو اور اس وقت صحابہ کرام سورت الصآفات کو پڑھتے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں کس قدر ایمان اور نماز میں جذبہ سرور تھا کہ سورت پانچ رکوع پر مشتمل ہے اور وہ اسے ایک چھوٹی سورت سمجھتے ہوئے پڑھتے تھے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ امام کو مقتدی حضرات کی جسمانی کیفیت اور عوارض کا خیال ہونا چاہیے۔ اس لئے اس کے مطابق دوران قیام و سجود قرأت اور تسبیحات پڑھی جائیں۔ ایک روایت بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن سورت یٰسین اور الصّٰفّٰت کو پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ وہ سوال پورا کریں گے۔ (الدرالمنثور)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ قطاروں میں صف باندھے ہوئے فرشتوں کی قسم۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾ پھران کی قسم جو ڈانٹنے پھٹکارنے والے (صفوں میں فرشتے) ہیں۔

فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۳﴾ پھران جماعتوں کی قسم جو کلام نصیحت (ذکر) سنانے والے ہیں۔

اِنَّ اِلٰـہَکُمۡ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ بے شک تمہارا معبود حقیقی ایک ہی ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا وَ رَبُّ الۡمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

آسمانوں، زمینوں اور ان تمام چیزوں جو ان کے درمیان ہیں کا رب ہے اور سارے مشرقوں کا رب (مالک) ہے۔

آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قوت کا اظہار کر رہی ہیں، وہ قوتیں جو انسان کو نظر نہیں آتیں، لیکن کائنات میں اہم امور سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے، کہ یہ آیات اس وقت بھی اہم تھیں اور آج جدید سائنسی ترقی جس میں الیکٹرانک اور ریڈیو ٹیکنالوجی کے ذریعہ کمپیوٹر (مصنوعی عقل) سے جو خلاء میں تحقیق ہو رہی ہے وہ ان آیات کی تفسیر و تصدیق ہے۔ علماء نے اس سے مراد فرشتوں کی صفیں لی ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ ہے کہ تم اپنی صفوں کو اس طرح قائم کرو، جس طرح فرشتے آسمانوں پر کرتے ہیں، یعنی پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں، پھر اس سے متصل صفوں کو پورا کرتے ہیں (مسلم/النسائی)۔ ہماری جماعت کی نماز کی صف بھی اس کی ایک تقلید ہے۔ صف کا دوسرا مقصد، مستعدی ہے کہ صف میں کھڑے افراد مستعد، عمل کے لئے تیار اور متحد ہیں۔ اسی طرح یہ فرشتے جو نورانی مخلوق ہیں، مادی وجود نہیں رکھتے، اس لئے ہم انہیں دیکھ یا چھو نہیں سکتے۔ مستعد ہیں اور احکام کی تنفیذ کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قطار در قطار صفوں میں موجود ہیں۔ پھر یہ فرشتے احکام کی تنفیذ میں ڈانٹ اور پھٹکار بھی کرتے ہیں۔ یعنی بادلوں کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک لے جاتے ہیں۔ (حدیث مبارک)۔ بادلوں کی حرکت و نقل سے موسم کے احوال تبدیل ہوتے ہیں اور اب خلاء (فضاء) میں سیارچوں کی وجہ سے بادلوں کی نقل و حرکت آسانی سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے موسم کے احوال میں معلومات کافی حد تک صحیح ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل سورۃ رعد میں ذکر کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں، روشنی، ایک انرجی کی قسم سے ہیں۔ وہ انسانوں پر برائیوں سے نفرت اور بھلائی کے عمل کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ شیاطین اور جنات کے اثرات کو زائل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ایک تاویل، وہ افراد ہیں جو وعظ و نصیحت کرتے ہیں یا وہ افراد ہیں جو اسلامی مملکت کی دفاعی خدمات کے ذریعے امن و سلامتی کو ممکن بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان امور کی اہمیت کے پیش نظر ان اعمال کو نافذ کرنے والی قوتوں کی قسم کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ قسم ان قوتوں کی نہیں، بلکہ اس خالق کی قوت کا اظہار ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور ان سے خاص مقاصد کو حاصل کیا جارہا ہے اور کائنات کے نظام میں یہ ایک کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان قوتوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے، جو ساری کائنات پر پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی، ملائکہ، زمین و آسمان اور تمام مشارق و مغارب (جمع مشرق و مغرب) کا رب ہے۔ طلوع ہونے کی جگہ (موقع) مشرق ہے اور سورج کا زمین کے ساتھ زاویہ طلوع بدلتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے موقعہ مشرق بدلتا ہے۔ کئی مشرق بنتے، پھر اور بھی کئی سورج اور ستارے ہیں جو طلوع ہوتے ہیں ان کے موقعہ طلوع (نکلنے کی جگہ) بھی مشارق ہو سکتے ہیں۔ مشرق کا ذکر اس لئے اہم ہے کیونکہ ظہور ہے, اس کا احساس اندھیرے یا کسی کے غائب ہونے کے بعد زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ ان قوتوں کی مالک، صرف ایک ہی ذات ہے. جس کا تمام کائنات کے نظام پر کنٹرول ہے, جس کی وجہ سے نظام میں وحدت اور یکانگی ہے۔ اگر کئی قوتیں کنٹرول کرتیں تو متصادم ہوتیں اور سارا نظام تباہ ہو جاتا۔ یہ قوت ذات خاوندی ہے جو کہ لائق عبادت ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝۶

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔

وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷

اور ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر رہا۔

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸

یہ (شیاطین) عالم بالا (ملا اعلیٰ) کی باتیں (احکام) نہیں سن سکتے۔ یہ ہر جانب سے مارے اور ہانکے جاتے ہیں۔

دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹

اور انہیں بھگانے کے لئے (ضرب لگائی جاتی ہے) اور دائمی عذاب ہے۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰

تاہم اگر کوئی (شیطان) بات اچک لے تو فوراً تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کا مزید اظہار فرمایا اور کائنات کے امور کے بارے نشاندہی فرمائی۔ جو ستارے ہم رات کو چمکتے دیکھتے ہیں یہ کہکشاں اور ستارے زمین کے قریبی آسمان پر موجود ہیں۔ یعنی سب سے قریب، نظام شمسی (سورج/ چاند) کے بعد ان کا وجود ہے۔ یہ رات کو حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں روشنی کا ذریعہ ہیں اور پھر

بعض ستارے اپنی مخصوص مقام پر قائم رہتے ہیں، مثلاً قطبی ستارہ جس سے سمت کا تعین ہوتا ہے۔ آسمان کو بروج پر تقسیم کر کے روشن ستاروں سے اشکال ترتیب پاتی ہیں۔ جن کو بروج کا نام دیا گیا ہے۔ بروج کا ذکر بھی قرآن مجید میں آچکا ہے۔

ستارے:۔

آسمان پر ستاروں کے بارے معلومات کچھ تو ہماری آنکھوں کے ذریعہ ہیں۔ اس سے آگے مزید معلومات دوربین سے حاصل کی گئیں اور مزید اضافہ ریڈیو دوربین مثلاً، حبل اور اس کے بعد ریڈیائی (ڈیجٹل)، دوربین جیسے جیمزواٹ، جس میں تجزیہ کے لئے کمپیوٹر کا استعمال ہو رہا ہے، حاصل ہو رہی ہیں۔ یہ معلومات ہر بار تبدیل ہو رہی ہیں، کیونکہ کائنات کی وسعت بہت عظیم ہے۔ ستارے ایسے روشن اجسام ہیں، جو کہ کائنات میں موجود ہیں اور اپنی کشش (گریوٹی) سے قائم ہیں۔ کائنات میں ان کے وجود اور ان کی اہمیت، ضرورت کے بارے انسانی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زمین کے قریب ترین ستارہ سورج ہے، جس کی کشش سے سارا نظام شمسی اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ سورج کے طلوع و غروب کا ذکر کئی بار قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ ستاروں کی عمر کا انسانی اندازہ ایک بلین سے تیرہ بلین سال تک لگایا جاتا ہے۔ ان کی تعداد کا اندازہ لاتعداد ہے۔ ہماری کہکشاں (آسمان دنیا) کی دوری یا فاصلہ 26670 نوری سال ہے۔ تحقیقات وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

شہاب ثاقب:۔

یہ ایک ایسے اجزاء ہیں جو کہ فضاء یعنی کائنات سے آتے ہیں اور جب زمین کی فضا میں داخل ہوتے ہیں، تو ہمیں شعلوں کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔ اکثر فضا میں ختم ہو جاتے ہیں اور چند ایک زمین پر بھی گرے ہیں۔ ان میں مختلف دھاتیں پائی گئیں۔ ان کی مختلف اقسام ہیں۔ جدید تحقیقات سے زیادہ معلومات مل رہی ہیں اور ان کے بارے ان معلومات کی روشنی میں آراء تبدیل ہو رہی ہیں۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ کے مطابق نظام کائنات، جسے سائنس میں کبھی کشش ثقل یا مرکز گریز قوت یا مرکز مائل قوت، کا ذریعہ مداروں کے چلنے کا سبب کہا جاتا ہے، ان سب امور کو کرنے کے لئے قوت، اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں، جو روشنی (انرجی) سے پیدا ہوئے ہیں اور وہ امور سرانجام دیتے ہیں۔ سائنس دان چونکہ ان کے وجود کو دیکھ نہیں سکتے، اس لئے دوسری قوتوں کا سہارا لیتے ہیں اور یہ قوتیں صحیح ہیں لیکن ان قوتوں کا محرک اصلی یہی قوت یعنی فرشتے ہیں اور ساری قوتیں اور محرکات اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں اور اس نظام کے مطابق ہیں جو لوح محفوظ میں درج ہے۔

شہاب ثاقت کے بارے نبی ﷺ کی حدیث مبارک بہت اہم ہے، شہاب ثاقت جب زمین کی طرف آتے ہیں تو اپنی تیز رفتار، ہوا کی رگڑ اور اس میں کیمیائی اجزاء کی وجہ سے جل اٹھتے ہیں اور خوب رات کے وقت روشنی پھیل جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) میں اس کی وجہ لوگ کیا سمجھتے تھے۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہم سمجھتے تھے، کہ آج کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے، یا فوت ہو گیا ہے۔اس سے مراد کوئی غیر معمولی واقعہ تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ستارہ، اس وجہ سے نہیں ٹوٹتا کہ کوئی مرتا ہے یا پیدا ہوتا ہے، لیکن جب ہمارا رب تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے، تو حاملین عرش فرشتے سبحان اللہ کہتے ہیں۔(اللہ کی تسبیح کرتے ہیں)۔ پھر جو اِن کے قریب آسمان کے فرشتے ہیں، سبحان اللہ کہتے ہیں حتّٰی کہ ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتی ہے۔ پھر حاملین عرش کے قریب والے، حاملین عرش سے کہتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ پھر وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، پھر آسمان کے بعض فرشتے بھی دوسروں کو بتاتے ہیں۔(کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے) حتّٰی کہ آسمان دنیا تک خبر پہنچتی ہے۔ پھر جن (جنات) اس سنی ہوئی بات کو لے اُڑتے ہیں اور اسے کاہنوں کے کانوں میں پھونک دیتے ہیں، پس اگر وہ اسی طرح خبر دیں تو وہ سچ ہوتی ہے لیکن وہ اس میں اپنی مرضی سے کچھ اور ملا دیتے ہیں۔(مسلم/ترمذی/النسائی/سنن کبریٰ)۔

خلائی معلومات اور قرانی اشارات:۔

انسان چونکہ عقل رکھتا ہے، اس لئے بے تاب رہتا ہے۔ پرانے زمانے اور آج بھی لوگ آنے والے واقعات کے بارے جستجو کرتے ہیں، تاکہ اپنے مفادات کا خیال رکھ سکیں۔اس کام کے لئے لوگ مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں (۱): کچھ لوگ ستاروں کے ذریعہ زمین پر آنے والے واقعات کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس عمل کو افراد کے اعمال کے ساتھ منسلک کر دیتے ہیں۔ (۲): کچھ افراد حروف، تاریخ و وقت پیدائش اور پامسٹری کے ذریعہ اندازہ لگاتے ہیں، یہ سارے علوم پرانے تجربہ کی بنیاد پر ہیں۔(۳): بعض افراد کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ ذہنی صلاحیت عطا کرتا ہے اور وہ اس بناء پر تجزیہ کر کے حالات کی پیشن گوئی کرتے ہیں۔ یہ سارے امور اندازوں پر مبنی ہوتے ہیں، جن میں غلط اور صحیح ہونے کا تناسب نصف نصف ہوتا ہے اور ان اندازوں کی وجہ سے انسان نفسیاتی طور پر مضمحل ہو جاتا ہے۔اس کا ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ عمل کی قوت میں کمی ہو جاتی اور آہستہ آہستہ اس کے اندر فیصلہ کرنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے پیشن گو، افراد کی آراء پر عمل کرنے یا ان سے پوچھنے، کو سختی سے منع کیا ہے۔ایک حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی عراف یا کاہن کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کا سوال کیا، اس کی چالیس دنوں کا نمازیں قبول نہیں کی جاتیں۔(مسلم شریف)۔اس کی توضیح یہ ہے کہ نماز کا فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن درجات کی بلندی

نہیں ہوتی۔

آیات اور حدیث مبارکہ ،موجودہ سائنسی تحقیقات کے لئے راہنمائی میسر کرتی ہیں،اگرچہ ان کا ذکر چودہ سو سال پہلے تھا۔(۱): فضاء خلاء کے اندر معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔(۲): خلاء کے اندر معلومات کے اثرات زمین پر ہوتے ہیں، جس کی واضح مثال موسم کے حالات ہیں۔ سورج اور چاند کے گرہن ہونے بارے معلومات ہیں۔ستاروں کے فاصلوں اوران میں گیسوں یا دوسرے مادوں کے بارے معلومات ہیں۔(۳): کائنات میں واقعات کے لئے اللہ تعالیٰ کی قوتیں متعین ہیں جنہیں ہم شریعت اسلام میں فرشتے کہتے ہیں، جو اسباب مہیا کرتے ہیں، لیکن غیر مسلم علمائے تحقیق، ان کو مختلف نام دیتے ہیں مثلاً قوت کشش ثقل، قوت گریز، قوت دباؤ، قوت اچھال وغیرہ۔(۴): فضاء میں آنے والے سگنلز کے ذریعہ معلومات مل سکتی ہے، ان کو ڈی کوڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح معلومات مل سکتی ہیں۔(۵): شہاب ثاقب صرف فضائے زمین کی حدود میں آکر شعلہ بن جاتے ہیں اور ان کے شعلہ بن کر خلا میں گذرنے سے معلومات کا ڈیٹا ضائع ہو جاتا ہے، جسے دوسری قوتیں جنات جو کہ آگ کی قوت (انرجی) سے پیدا ہوئے ہیں ٹرانسفر کرنا چاہتے ہیں۔(۶): ڈیٹا کو محفوظ کیا جاسکتا ہے جیسے ہم ڈیٹا کو (Encrypt) این کرپٹ کرتے ہیں تاکہ اس کو چوری نہ کیا جاسکے۔ جس طرح فضاء میں الیکٹرانک ڈیٹا چوری کیا جاتا ہے۔(۷): آسمانوں کے فاصلے بہت زیادہ ہیں۔ احادیث میں چار سو سال کا فاصلہ جو آسمان کے درمیان ذکر ہے، محض اس وقت کے انسانوں کو فاصلوں کی وسعت کے بارے بتانا تھا۔ آسمان ایک غیر مرئی حدود ہے جس کا احساس مادی طور پر نہیں ہوتا۔ صرف مختلف قسم کی شعاعوں (ریڈیشن) کی نوعیت کے بدلنے سے ہوتا ہے اور یہ شعاعیں ایک ڈھال یا چھتری کی قسم کی طرح ہیں۔ موجودہ سائنس بھی ان حلقوں کی تصدیق کرتی ہے، جہاں سگنلز تبدیل ہو جاتے ہیں یا اثرات ظاہر کرتے ہیں۔(۸): ملاا علیٰ کا ذکر، بہت دور حدود کا ذکر ہے اور پھر مختلف آسمانوں سے گذر کر زمین پر پہنچنے والی معلومات یا سگنلز سے مراد فاصلوں کی وسعت ہے، جس میں موجودہ علم کاسمولوجی بھی حیران ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام کی رفتار، ہمارے روشنی یا بجلی کی لہروں کے مقابل زیادہ تیز ہے، جس کا انسان کو ابھی تک ادراک نہیں ہوا۔ انسانی جستجو جاری ہے اور یہ جستجو **علم الادم الاسماء کلھا**۔ (انسان کو تمام علوم سکھایے)، کی آیت کی تعبیر ہے۔(۹): یہ بات واضح ہے کہ سائنس اور شریعت کی معلومات میں تضاد نہیں، بلکہ شریعت کی معلومات اعلیٰ ہیں اور سائنس ابھی تک نظام شمسی کے اندر گھوم رہی ہے۔ جیمز واٹ دوربین سے صرف نظام شمسی سے باہر معلومات آرہی ہیں اور وہ بھی شریعت کے پہلے آسمان (ستاروں اور کہکشاؤں) سے بہت نیچے ہے۔ لہٰذا سائنس ابھی ابتدائی مقام پر ہے۔ شریعت نے تو کہکشاں (آسمان زمین) سے بہت آگے آسمانوں، عرش، کرسی کے بارے ایک عمومی اطلاع دی ہے، جس سے اللہ کی عظمت کا اظہار مقصود ہے۔

(۱۰): ملاء سے مراد ایک جماعت جو کسی رائے پر متفق ہو اور اعلیٰ سے مراد اوپر والا مقام ہے، یعنی آسمان۔ اس سے سائنسی اعتبار سے مراد ہمارا نظام شمسی ہے، یعنی سورج اور زمین کے درمیان احکام کے سلسلے میں شہاب ثاقت معلومات کی چوری کو روکتے ہیں اور یہ فرشتے (شہاب ثاقب والے) نظام شمسی کی حدود میں معلومات کی نقل و تنفیذ کے لئے متعین ہیں اور عرش معلیٰ سے احکام ان کو منتقل ہوتے یا ملتے ہیں۔

یہ امور موجودہ سائنس کی اہلیت سے بہت بلند ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

سو آپ ان (کافروں) سے پوچھیں کیا ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا جن کو ہم نے ان کے علاوہ پیدا کیا ہے۔ بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق (تمسخر) اُڑا رہے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان کو نصیحت دی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق (تمسخر) اڑاتے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور اُٹھایا جائے گا۔

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور کیا ہمارے آباؤ اجداد کو بھی (اُٹھایا جائے گا)۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

آپ کہیئے! ہاں اور تم ذلیل و خوار ہو گے۔

اہل مکہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے وجود، فرشتوں کے بارے عقائد موجود تھے اور کچھ قبائل یا افراد فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد سمجھتے تھے۔ اس لئے آیات میں ان کو ایک کارندہ بیان کیا گیا ہے۔ سب سے اہم عقیدہ جس کو اہل عرب

،ماننے سے انکار کرتے اور ان کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوگا اور اپنے سارے اعمال کا حساب دے گا۔ آج بھی لوگ اس پر یقین نہیں کرتے۔ اس چیز کو قرآن مجید نے بار بار دلائل سے سمجھایا اور یہی عقیدہ ،انسانی کردار میں تبدیلی کے لئے بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت طاقت کے اظہار، جو زمین و آسمان پر ہے، کا ذکر کیا کہ آپ (اے نبی)! ان کے انکار پر تعجب کرتے ہیں، بلکہ وہ تو اس کو سمجھ ہی نہیں رہے اور اس کو بطور تمسخر سمجھتے ہیں۔ جب کہ اگر وہ غور کریں تو انسان کا وجود، اس کی پیدائش (نطفہ) سے لے کر بچپن، جوانی اور بڑھاپا جب ہو سکتا ہے ،تو دوبارہ وہی انسان جو تھا واپس بھی آ سکتا ہے۔ کوئی بھی چیز پہلی دفعہ بنانی مشکل ہے، پھر دوبارہ اس کو ٹھیک کرنا یا اسی صورت پر لانا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اس پر اگر منکرین حساب و کتاب غور کریں تو سمجھ لیں گے اور اس کے علاوہ انسان سے بڑھ کر کائنات میں کس قدر اشیاء ہیں جن کا وجود اور تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے، اس کے پیش نظر انسان کا دوبارہ زندہ ہونا، ناممکن نہیں۔ صرف غور و فکر کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کی آیات یا معجزات جادو نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں۔ نہ صرف ان کے آباؤ اجداد جن کی وہ تقلید کر رہے ہیں بلکہ سارے انسان دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دیں گے۔ اگلی آیات میں وقوع قیامت اور حساب و کتاب کا منظر بیان کیا جا رہا ہے۔

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ صرف ایک زوردار جھڑک (جھٹکا) ہوگی پھر وہ یکایک دیکھنے لگیں گے۔

وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾

وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہی سزا کا دن ہے۔

هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہی اس فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے ہو۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

(حکم ہوگا) گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور ان (معبودوں) کو جن کی وہ بندگی کیا کرتے تھے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾

وہ خدا کو چھوڑ کر، پھر ان سب کو جہنم کے راستہ پر لے جاؤ۔

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور انہیں ٹھہراؤ، بے شک ان سب سے پوچھا جائے گا۔

قیامت کا ذکر ہے کہ زوردار جھٹکا ہوگا، جو صور اسرافیل علیہ السلام کی زوردار چیخ ہوگی یا اس کا اثر۔ جب لوگ زندہ ہوں گے، تو ان کو یاد آجائے گا کہ یہ ہی وہ قیامت یا حساب و کتاب کی گھڑی ہے جس کے بارے، نبی آخر الزماں بتاتے تھے اور وہ انکار کرتے ہیں۔ ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ اس وقت انہیں حسرت و یاس کی کیفیت طاری ہو جائے گی اور اپنی سزا نظر آرہی ہوگی۔ فرشتے حکم الٰہی کے مطابق، ظالموں، ان کے ساتھیوں اور ان کے رہنماؤں، جن کی اطاعت میں وہ خدا کو بھولے ہوئے تھے، سب ان کے ساتھ ہوں گے اور ان کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ حدیث کے مطابق جو کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص، کسی بھی شخص کو ، کسی چیز کی دعوت دے گا، وہ چیز اس کے ساتھ لازم رہے گی اور اس سے جدا نہیں ہوگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت الصّٰفّٰت کی یہ آیتیں پڑھیں۔ (ترمذی/المستدرک)۔

آیت اور حدیث کے مطابق تمام انسانوں سے پانچ چیزوں کے بارے سوال کیا جائے گا (۱): اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی۔ (۲): اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گذاری۔ (۳): اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا۔ (۴): اس نے اپنا مال کہاں خرچ کیا۔ (۵): اس نے اپنے علم کے تقاضوں پر کتنا عمل کیا۔ (سنن الترمذی)۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اب تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بلکہ وہ سب آج گردن جھکائے کھڑے ہیں۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف مڑیں گے اور آپس میں تکرار کریں گے۔

قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

وہ (پیروکار) کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے (مضبوط ہو کر) آتے تھے۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

وہ (پیشوا/لیڈر) کہیں گے تم خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَ مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہمارا تم پر کوئی زور نہیں تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔

کفار مکہ اور ان افراد جو آخرت اور حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتے، وہ جس حالت و کیفیت سے وہ گذریں

گے اسکی تصویر دکھائی جارہی ہے۔یوم قیامت گنہگار یا مجرم اپنے جرم کی وجہ سے سزا پائیں گے اور اپنی غلطی کا احساس کریں گے اور اسباب ڈھونڈیں گے۔جو افراد ان پر اثر انداز ہوتے تھے یا جن کی اتباع میں وہ گمراہ ہوئے وہ بھی اس دن مجبور ہوں گے اور اپنے برے اعمال کی سزا پارہے ہوں گے۔وہ اس قدر پریشان ہوں گے کہ کسی کی مدد نہ کر سکیں گے اگرچہ دنیا کی زندگی میں وہ طاقتور تھے۔اس صورت میں اتباع کرنے والے لوگ اپنے لیڈروں کو ملامت کریں گے کہ ان کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔انہوں نے ہدایت پر غور نہیں کیا۔ان پر بھروسہ کیا یا ان کی نقل کی اور اس وجہ سے وہ سزا پارہے ہیں۔دونوں فریق (لیڈر حضرات اور پیچھے چلنے والے) آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کریں گے۔اتباع کرنے والے کہیں گے کہ وہ ان کی سطوت و قوت کی وجہ سے ان کے رعب یا ان سے متاثر ہو کر،ان کے طریقہ پر چلتے تھے لہٰذا وہ ان کے گناہوں کے ذمہ دار ہیں۔لیڈر کہیں گے کہ وہ اپنی عقل استعمال کرتے اور ہمارے پیچھے نہ چلتے۔اپنے فیصلے خود کرتے۔ان پر ان کو کوئی زور نہیں تھا،بلکہ وہ خود مسلمان (یعنی تابعدار) نہیں بننا چاہتے تھے اور گمراہی کی طرف راغب تھے۔

آیات کا مقصد اس کیفیت سے بچنے کے لئے دنیا کی زندگی میں ہدایت الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے تاکہ آخرت یا قیامت میں پریشانی نہ ہو۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۚ إِنَّا لَذَآئِقُونَ ﴿٣١﴾

پس ہمارے رب کا حکم ہم پر ثابت (نافذ) ہو گیا ہم ضرور عذاب کو چکھنے والے ہیں۔

فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾

ہم نے تم کو ضرور گمراہ کیا بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾

پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾

بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾

بے شک یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾

اور وہ کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾

حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

بے شک تم ضرور دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو۔

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور تمہیں تمہارے ہی اعمال کے بدلہ میں سزا دی جارہی ہے۔

مجرم لیڈر اپنی سزا کے قبول کا اعتراف کریں گے کہ یہ ان کے اعمال کے سبب ہے کیونکہ وہ خود بھی گمراہی پر تھے اور پھر دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ جب حق کے بارے ان کو بتایا گیا تو انہوں نے ازراہ تکبر، اس کو نظر انداز کیا۔ لہٰذا آج وہ سب مجرموں اور گنہگاروں کے ہمراہ سزا بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے زمین پر رویہ کا ذکر فرمایا، کہ جب ان کو حق کی راہ دکھائی جاتی ہے اور نبی ﷺ دکھا رہے تھے، تو وہ ان کو مجنون کہتے کہ ان کی باتوں پر غور نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے پرانے رواجوں کے ساتھ چمٹے تھے۔ جب کہ نبی ﷺ نے ہدایت کے اصول اور وحدت کو قائم رکھا، یعنی پرانے رسولوں کے جو پیغامات تھے ان سے انکار نہیں کیا، بلکہ اسی کو آگے لوگوں کو بہتر احکامات کی اطلاع دی، لیکن ان اہل اقتدار و قوت، نے تکبر کی وجہ سے انکار کیا اور پھر آخرت میں جہنم میں جائیں گے۔ آیات مبارکہ پر غور و فکر اور اللہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے کی وجہ عذاب کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا ہے اور اگلی آیات میں عمل کرنے والوں کا ذکر ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

مگر سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے (جو اس عذاب سے محفوظ ہوں گے)۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾

ان کے لئے مقررہ روزی ہے۔

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

عمدے میوے اور باعزت مقام ہوگا۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾

نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾

وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾

ان کے درمیان جھکتے ہوئے جام شراب گردش کر رہے ہوں گے۔

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾

وہ مشروب (شراب) سفید اور پینے والوں کے لئے لذیذ ہو گی۔

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾

نہ اس سے درد سر (بیماری) ہو گا اور نہ ہوش و خرد خراب ہو گی۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

اور ان کے پاس نگاہیں بچانے والی خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

ایسی نازک جیسے انڈے کے نیچے چھپی ہوئی جھلی (سفیدی)۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے۔

جنت کی زندگی:۔

اللہ کی وحدانیت اور حساب و کتاب کے انکار کرنے والوں، کی کیفیت کے ذکر کے بعد ان افراد کی کیفیت و حالت بیان فرمائی جو کہ اللہ کی عبادت واطاعت میں مخلص ہیں، جن کی تعداد گمراہ افراد سے کم ہو گی۔ کتنی بد قسمتی ہے کہ انسان ہدایت کے ذرائع ہونے کے باوجود شیطان سے متاثر ہو کر گمراہی کی طرف چل پڑتا ہے اور اکثر انسان اسی طرح سزا پائیں گے۔

اہل جنت کو رہائش کے لئے اعلیٰ مقام و منازل ملیں گی۔ان کو رزق کی فراوانی ہو گی۔ معیشت کی تنگی، رزق کی جدوجہد، جو اس دنیا کی زندگی میں کرنی پڑتی ہے، اہل جنت اس سے محفوظ ہوں گے اور رزق بھی بہت اعلیٰ ہو گا یعنی میوے ہوں گے جن سے لذت زبان و دہن ہو گی۔ نظام ہضم پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ کھانے کی لذت زبان سے ملتی ہے اور اکثر کھانے جو لذیذ نہیں ہوتے وہ فائدہ مند ہوتے ہیں اور زیادہ میٹھے، چٹ پٹے کھانے، انسانی جسم کے لئے مضر ہوتے ہیں اور ان سے بچنا مشکل ہوتا ہے اس لئے مختلف بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ جنت میں یہ مشکل نہیں ہو گی۔ لذت دہن ہو گی

اور جسم میں کوئی مضر اثر نہیں ہوگا اور انسانی غذا کا فضلہ بصورت پسینہ نکلے گا جس طرح کہ دنیا میں کئی جانور کا نظام ہضم اس طرح ہوتا ہے۔ منظر انتہائی حسین ہے کہ خوبصورت مقام پر اپنے دوستوں اور احباب کے ساتھ ہوں گے، جو دنیا میں ان کے ساتھ تھے۔ یعنی ان کی طرح کے نیک عمل کرتے تھے۔ مختلف مشروبات پیش ہوں گے۔ جنت کے مشروبات میں جنت کی شراب دنیا سے مختلف ہوگی۔ دنیا کی شراب کے تمام امراض، جسمانی اور ذہنی نقائص (درد سر، جگر، نظام ہضم، ہوش و خرد کے مسائل) نہیں ہوں گے۔ شراب کے چشموں سے وہ پئیں گے، جو دودھ کی طرح سفید ہوگی اور پلانے والی خوبصورت عورتیں ہوں گی، جو شرم و حیا کا نمونہ ہوں گی یا نوجوان نوخیز بچے ہوں گے۔ خوبصورتی اور نزاکت میں اپنی مثال ہوں گی، جس طرح انڈے کے چھلکے کے اندر انڈے کی سفید جھلی چھپی ہوئی محفوظ ہوتی ہے۔ اس مجلس و محفل میں ایک دوسرے کے حالات پوچھیں گے، یعنی انتہائی محبت اور سکون کا ماحول ہوگا۔ یہ ان کے ان اعمال صالحہ اور اطاعت خداوندی کا نتیجہ ہے جو انہوں نے دنیا کی زندگی میں کی۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ كَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ﴿۵۱﴾

ان (اہل جنت) میں سے ایک کہنے والا کہے گا، بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا۔

یَّقُوۡلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِیۡنَ ﴿۵۲﴾

جو (مجھے) کہتا تھا کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو (قیامت کی)۔

ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیۡنُوۡنَ ﴿۵۳﴾

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو کر ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا اس وقت ضرور ہم کو جزا و سزا دی جائے گی۔

قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿۵۴﴾

وہ کہے گا (ساتھیوں سے) کیا تم اس پر مطلع (جانتے) ہو، کہ وہ کہاں ہے؟

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیۡ سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۵﴾

پس جب وہ جھانک کر دیکھے گا تو اس کو دوزخ کے درمیان دیکھے گا۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنۡ كِدۡتَّ لَتُرۡدِیۡنِ ﴿۵۶﴾

پس وہ اس سے کہے گا: اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔

وَلَوۡلَا نِعۡمَةُ رَبِّیۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ ﴿۵۷﴾

اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ان لوگوں میں ہوتا جو پکڑے ہوئے آئے ہیں۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾

(جنتی لوگ کہیں گے) کیااب ہم مرنے والے نہیں ہیں۔

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾

سوائے اس پہلی موت کے (جو آچکی ہے) اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾

بے شک یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ایسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں عمل کرنا چاہیے۔

اعمال اور دوستی:۔

جس طرح اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی کسی حد تک مل جاتا ہے اور مکمل عدل وانصاف بروز قیامت بوقت حساب وکتاب ہوگا اور اس کے نتیجہ میں جنت اور دوزخ کا موازنہ یا نقشہ آیات میں پیش کیا جارہا ہے۔اصحاب جنت کو اپنی محفل میں، دنیا کی زندگی ان کے ساتھی یاد آئیں گے، جو ان کے سامنے گمراہی کے اعمال کرتے اور دوسروں کو بھی کرنے کی ترغیب دیتے۔جب خیال یا یاد آئے گی تو اس کو دیکھنے اور اس کی حالت جاننے کی خواہش پیدا ہوگی تو فوراً وہ دوزخ میں اپنے دوست کو اس کے ٹھکانے میں دیکھ لے گا۔یہ آج سے سو سال پہلے تو ایک معجزہ سمجھا جاتا تھا، مگر اب ریڈیو سگنل اور انٹرنیٹ کی لہروں سے ہم دنیا کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں ویڈیو کانفرنس کر سکتے ہیں۔اس سے عمدہ کیفیت و طاقت اس وقت اہل جنت اور دوزخ کو حاصل ہوگی۔وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔پھر اہل جنت اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ وہ ان برے ساتھیوں کے اثرات سے اللہ کے فضل سے بچ گئے تھے۔اگر اللہ تعالیٰ انہیں برے ساتھیوں کی شر یا اثر سے محفوظ نہ کرتے تو ان کی بھی حالت یہی ہوتی کہ حشر میں اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں دھکیلے گئے ہوتے۔

جنتی افراد کو خوشی ہوگی کہ اب وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔موت نہیں آئے گی۔پہلے والی موت آچکی تھی، اب دائمی زندگی ہے اور وہ بھی جنت میں ہے، جہاں سارے آسائش وآرام ہیں۔یہ ان کی بڑی کامیابی ہے کہ وہ جنت میں ہیں اور اس کا سبب وہ نیک اعمال اور ہدایت پر عمل ہے جو دنیا کی زندگی میں انہوں نے کیا۔اور جو لوگ عذاب سے بچنا اور جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں بھی یہ نیک اعمال کرنے ضروری ہیں۔

اگلی آیت میں اہل دوزخ کی مشکلات وعذاب کا ذکر ہے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾

کیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے (جنت کی) یا زقوم (تھوہر) کا درخت۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾

بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لئے فتنہ بنا دیا۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾

بے شک وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں۔ (بہت بے ڈھنگے ہیں)۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾

وہ دوزخی ضرور اسی درخت سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾

پھر بے شک پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی (پیپ ملا) ملے گا۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾

پھر بے شک ان کی واپسی ضرور دوزخ کی طرف ہو گی۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾

بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

پس وہ انہی (باپ دادا) کے نقش قدم پر دوڑ چلے۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

پس آپ دیکھیں کہ جن کو ڈرایا گیا ان کا انجام کیسا ہوا۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے۔

دوزخ کی زندگی:۔

اہل جہنم کی غذا کا ذکر ہے۔ اس کا مقصد اہل جنت کے لذیذ کھانوں سے مقابلہ ہے۔ اہل جہنم کو ایک کڑوا، درخت زقوم (تھوہر جیسا) بطور غذا ملے گا۔ جب شدید بھوک ہو تو آدمی مردار بھی کھا جاتا ہے۔ یہی ان کی حالت ہو گی۔ بھوک کی شدت سے وہ یہ درخت کھائیں گے۔ جب کھائیں گے تو پیاس لگے گی اور پیاس کے لئے ان کو کھولتا پانی جس میں پیپ یا خون کی طرح کا مادہ، ملا ہوا ہو گا ملے گا اور ان کی آنتوں کو زخمی کر دے گا۔ زقوم کے بارے عرب میں مشہور تھا کہ یہ بڑا کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے۔ اس کو توڑنے سے زہریلا دودھ نما مادہ نکلتا ہے جو اگر جسم پر لگ جائے تو ورم (ہلکا زخم) آ جاتا ہے۔ اہل جہنم دوزخ میں ہوں گے تو یہ درخت دوزخ میں پیدا ہو گا۔ یہ بات کہ دوزخ جہاں آگ کی شدت ہے، درخت کیسے ہو گا۔ کفار کے لئے ایک عجیب بات تھی، کیونکہ وہ اللہ کی طاقت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ درخت کی شکل، پتے، تنے وغیرہ انتہائی بھیانک صورت میں ہوں گے اس لئے ان کو شیطان کا سر کہا گیا ہے۔ جس طرح چاندنی خوبصورتی اور اندھیری رات خوفناک منظر پیش کرتی ہے، یہی مثال اس درخت کی ہے اس لئے شیطان کا سر (بے ڈھنگا) کہا گیا ہے۔

ان کا دوزخ میں رہنے کا سبب ان کی گمراہی ہے اور ان کی گمراہی کا سبب ان کے رسم و رواج اور پرانے عقائد پر قائم رہنا، انبیاء اور رسل کی ہدایت کو نظر انداز کرنا، عقل و سمجھ کو استعمال نہ کرنا اور معاشرے میں ظلم جاری رکھنا ہے۔ اہل مکہ ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سارے لوگ گمراہ تھے اور نافرمانی کے سبب ان کا انجام تباہی ہوا، جس کے بارے اہل عرب جانتے تھے۔ اس گمراہی اور تباہی سے وہی لوگ بچے، جو رسولوں کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے اور اللہ کے مخلص تابعدار بندے تھے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝

اور ہم کو نوح نے پکارا (دیکھو) ہم کتنے اچھے پکار کا جواب دینے والے ہیں۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝

اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝

اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝

اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا۔

سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾

سلام ہے نوح پر تمام جہانوں میں۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۰﴾

ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۱﴾

بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۸۲﴾

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ نے نو سو سال سے زیادہ عرصہ تبلیغ کی، لیکن لوگ، ضد اور نافرمانی کی وجہ سے بہت کم مسلمان ہوئے۔ کئی صدیوں کے بعد بالآخر آپ نے جب دیکھا کہ گمراہی چھا چکی ہے تو آپ نے بد دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور طوفان نوح وقوع پذیر ہوا۔ جس سے ساری آبادی ختم ہو گئی۔ اس کا ذکر کئی دوسری سورتوں میں آ چکا ہے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ جو مومنین تھے جن کی تعداد کے بارے اختلاف ہے (تقریباً 80 کہا گیا ہے) کشتی میں سوار تھے اور بچ گئے۔ آپ کی اولاد سے مراد یہاں آپ کے احباب (مومنین) ہیں اور پھر ان کی اولاد، ایشیاء، یورپ اور افریقہ میں پھیلی۔ آپ کے بعد سارے مسلمان تھے اور آپ علیہ السلام کا ذکر خیر آج تک جاری ہے۔ مسلمانوں کو بھی اشارہ تھا کہ کوشش اور صبر کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کامیابی سے نوازتے ہیں۔ دعا کے قبول ہونے کے لئے علماء نے شرائط تحریر کی ہیں۔ (۱): حضور قلب سے کی جائے۔ (۲): فوری قبولیت نہ ہونے کی صورت میں دعا جاری رکھی جائے۔ (۳): دعا ہر وقت اور ہر حال میں کی جائے صرف مصیبت میں اللہ کو یاد نہ کیا جائے۔ (۴): اللہ کے احکام کو مانا جائے۔ (۵) اللہ کے احکام کے خلاف دعا نہ کی جائے۔

اگلی آیت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔

وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ ﴿۸۳﴾

اور بے شک ابراھیم بھی ان کے گروہ (کی طرح) سے ہے۔

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۴﴾

کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا ذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾

جب اس نے اپنے باپ (عرفی) اور اپنی قوم سے کہا تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو۔

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾

کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اپنے ہی بنائے ہوئے معبودوں کی عبادت کرتے رہے ہو۔

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

تو رب العالمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾

پھر اس نے ستاروں کی طرف نگاہ ڈالی۔

فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾

پھر کہا بے شک میری طبیعت خراب ہے۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

چنانچہ وہ (لوگ) اسے چھوڑ کر چلے گئے۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾

پھر (ان کے پیچھے چپکے سے) ان کے معبودوں کے پاس (مندر) میں گیا اور کہا تم کیوں نہیں کھاتے؟

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

پھر اس نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾

(واپس آکر) پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾

اس (ابراھیم) نے کہا تم اپنے ہی تراش کئے بتوں کی عبادت کرتے ہو۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

حالانکہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو جن کو تم بناتے ہو۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

انہوں نے کہا اس کے لئے بھٹی (چتا) بناؤ اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

انہوں نے اس (ابراھیم) کے خلاف سازش بنائی تو ہم نے ان کو ہی نیچا کر دیا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا جارہا ہے۔ عربوں کی حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کا فخر اور نسبت تھی اس لئے ان کا ذکر بار بار کیا گیا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام بھی الوالعزم انبیاء کے گروہ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت واطاعت کا یہ عالم تھا کہ آپ علیہ السلام کے لیے قلب سلیم کا لفظ بیان کیا۔ سراپا تسلیم ورضا تھے۔ جب نبوت کی ذمہ داری ملی تو بت پرستی سے نفرت تو تھی ہی، لیکن اس کا اعلان کر دیا۔ یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت اہل خاندان کسی میلہ یا تہوار میں شرکت کے لئے جارہے تھے، انہوں نے آپ علیہ السلام کو ساتھ جانے کے لئے دعوت دی۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے کہ سب لوگ جب میلہ یا تہوار پر جائیں گے اور لوگوں کو معبد (عبادت کی جگہ جہاں بت رکھے ہوئے تھے) خالی ہوگا اور اس طرح وہ بتوں کو توڑ سکیں گے۔ آپ نے نہ جانے کے لئے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا اور اس وقت کے رسم ورواج کو بھی مد نظر رکھا۔ اوپر آسمان پر ستاروں کی طرف دیکھا، چونکہ اس وقت وہ لوگ، چاند، ستاروں کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ دنیا کے معاملات ان سیاروں کی تاثیر سے چلتے ہیں اور ہر سیارے کی چال (موقع اور حرکت) کے مطابق ایک شکل بنالی تھی اور اس کا ایک نمائندہ بت بنا لیا تھا، جس کی وہ تعظیم وعبادت کرتے تھے۔ آپ نے ان پر یہ ظاہر کیا کہ ان کا نہ جانا اچھا ہے اور آپ علیہ السلام کی طبیعت خراب ہے۔ جانے سے زیادہ خرابی کا امکان ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام نہیں گئے۔ جب لوگ چلے گئے تو آپ علیہ السلام چپکے سے عبادت گاہ میں گئے اور ہتھوڑے کے ساتھ بتوں کو توڑ دیا۔ بت سخت تھے اس لئے آپ علیہ السلام کو توڑنے میں قوت استعمال کرنا پڑی، جس کے لئے ضرب یمین (دائیں ہاتھ) کا ذکر ہے اس سے جسمانی اور ارادہ کی قوت کا اظہار ہے۔

جب لوگ تہوار یا میلہ سے واپس آئے اور بتوں کی عبادت کے لئے گئے۔ جو کھانے انہوں نے وہاں بطور برکت کے لئے رکھے تھے۔ ان کو کھانا تھا، لیکن منظر بڑا مختلف تھا۔ تمام بت ٹوٹے پڑے تھے، سوائے ایک بت کے۔ ان کے اعتقاد کے مطابق ان بتوں کو توڑنا ان کے معبودوں، سیاروں یا ستاروں کی توہین تھی، جو کہ آفت وتباہی کا سبب بن

سکتی تھی۔فوراً تحقیق شروع ہوئی اور لوگوں کا شک حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بت پرستی کی مخالفت کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی طرف گیااور فوراً آپ کے پاس آئے۔تاکہ معلوم کریں۔آپ علیہ السلام اس میلے میں شریک بھی نہیں تھے اور اپنے گھر میں رہ گئے تھے۔آپ علیہ السلام بتوں کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ترغیب دیتے تھے کہ یہ بت ان کے ہاتھ کے بنے ہوئے، کس طرح ستاروں/سیاروں یا کائنات کے نظام چلانے والے ہیں، بلکہ بے جان بت ہیں اور لوگ خدائے واحد لاشریک سے کیوں منکر ہیں۔یہ دوبارہ اچھا موقع تھا کہ بتوں کی بے بسی ظاہر ہو چکی تھی کہ بت جب اپنی حفاظت نہ کر سکے تو دوسرے لوگوں کی قسمت تبدیل اور حفاظت کیا کریں گے۔آپ علیہ السلام نے دوبارہ کہا کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا عقل عطا فرمائی اور انسان پھر مختلف اشیاء بناتا ہے، جس میں بت اور مجسمے بھی ہیں، اس لئے کس قدر جہالت اور بدقسمتی ہے کہ انسان اپنے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرے اور خدائے واحد، خالق حقیقی کو بھول جائے، انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور جواب دہ ہے۔جب انہوں نے آپ کا رویہ، کلام، بتوں کی مخالفت کو دیکھا، تو یقین کر لیا کہ یہ عمل حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ہے اور پھر فیصلہ کیا کہ اس جرم کی سزا میں ان کو آگ میں جلا دیا جائے تاکہ عبرت بن جائیں۔شیطان ایسے موقعوں پر انسانوں بالخصوص حکمرانوں اور ان کے معاونین کو گمراہ کرتا ہے۔ ایک بہت بڑا الاؤ جلایا گیا اور آپ علیہ السلام کو منجنیق (جھولا) کے ذریعہ اس میں پھینکا گیا۔لوگوں کا خیال تھا کہ ابراہیم علیہ السلام چند لمحوں کے اندر جل کر بھسم ہو جائیں گے لیکن قدرت الٰہی سے آگ کے شعلے بدل گئے اور حرارت ختم ہو گئی اور آپ علیہ السلام وہاں محفوظ رہے۔یہ معجزہ دیکھ کر سب لوگ حیران ہو گئے اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی روحانی قوت سے خوف زدہ ہو گئے لیکن شیطان نے ان کو مسلمان ہونے سے روکے رکھا۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر سورۃ الانبیاء اور دوسری سورتوں میں بھی ہے۔معجزہ کے بعد بھی لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے آپ علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کا فیصلہ کیا جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾

اور اس (ابراھیم) نے کہا؛ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری راہنمائی کرے گا۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے میرے رب! مجھے صالح (نیک) اولاد عطا فرما۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

پس ہم نے انہیں (ابراھیم کو) خوشخبری دی نرم دل لڑکے کی۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا سفر ہجرت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھا کیونکہ وہاں تبلیغ کے نامساعد حالات تھے۔ اللہ کے بھروسے پر وہاں سے نکل پڑے تاکہ دوسرے مقام پر جاکر تبلیغ کریں اور اکثر انبیاء کو ہجرت کرنا پڑی ہے کیونکہ وہ معاشرے پیغام حق کے شدید مخالف رہتے ہیں۔ آپ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی۔ نئی منزل اور نئے مراحل اور پھر آئندہ کی ذمہ داری کے لئے آپ علیہ السلام نے نیک صالح اولاد کی دعا کی تاکہ وہ آپ علیہ السلام کے مشن کو جاری رکھے اور کہیں اعلیٰ مقصد سے ہٹ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اس کے بارے دوسری آیات میں تفصیلی ذکر ہے۔ یہ خوشخبری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تھی جو بڑے بیٹے تھے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک دن) ابراھیم نے اس سے کہا؛ اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا؛ ابا جان آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ انشاءاللہ مجھے (عنقریب) صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۚ ۝

پس جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراھیم نے ماتھے کے بل بیٹے کو گرا دیا۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝

اور ہم نے اس (ابراھیم) کو ندا دی۔ اے ابراھیم!

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بے شک تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝

بے شک یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝

اور ہم نے اس کے بدلے ایک بڑا ذبیحہ (قربانی) دے دیا (لڑکے کو بچالیا)۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝

اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لئے ذکر باقی رکھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام:۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب بڑے ہوئے، اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ کام کاج میں مدد کے قابل ہو گئے، تو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ آپ ، ان کو ذبح کر رہے ہیں۔ کچھ علماء کے مطابق یہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ لیکن ولادت کے لحاظ سے آیت میں اول اولاد ہے اور قربانی کا واقعہ حدود مکہ میں واقع ہوا۔ اس کا ثبوت تورات میں پیدائش کے باب 16 سے ثابت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلی اولاد تھیں اور قربانی کے وقت وہ ہی اکلوتے بیٹے تھے۔

روایات کے مطابق حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا اے بیٹے! سوچ کر بتاؤ کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا؛ اباجان آپ وہی کیجئے جس کا آپ کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ حضرت اسماعیل نے کہا؛ اگر آپ نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیں۔ اپنی چھری کو تیز کر لیں اور مجھے منہ کے بل لٹائیں تاکہ آپ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا؛ اے میرے بیٹے، تم اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں میرے کیسے مددگار ثابت ہو رہے ہو۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اسی طرح کیا اور چھری چلائی مگر اللہ تعالیٰ نے چھری کو ان کے ہاتھ میں پلٹ دیا اور پھر ندا کی گئی کہ اے ابراھیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ ذبیحہ تمہارے بیٹے کی طرف سے فدیہ ہے۔ اپنے بیٹے کے بدلہ میں اس کو ذبح کرو، یہ سر تسلیم خم تھا۔

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ولد صالح ہونے کا ثبوت دیا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ذبیحہ عظیم کرنے کا ثبوت بھی دیا۔ روایات کے مطابق واقع منیٰ کے مقام پر ہوا اور قربانی کے مینڈھے کے سینگ کعبہ شریف میں لٹکائے گئے تھے جو کہ حضرت زبیر بن العوام کے وقت تک رہے اور اس جنگ میں جو حجاج بن یوسف اور حضرت زبیر بن العوام کے درمیان ہوئی تھی ضائع ہو گئے تھے۔ عرب ہر سال قربانی کرتے تھے، قریش کا مرتبہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

وجہ سے تھا۔ حج کے موقعہ پر قربانی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تسلیم و رضا، اللہ کے احکام پر عمل اور اخلاص کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے ذکر کو بہت بلند کیا۔ آپ علیہ السلام کی اولاد سے دنیا کے عظیم ترین مذاہب آئے جو یہودیت، عیسائیت اور اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان افراد کو جو اس کے احکام میں سب کچھ قربان کرتے ہیں، ان کو بہت نوازتے ہیں۔

قربانی کا جانور، دن، قربانی کے دیگر احکام کے بارے فقہ میں تفصیل موجود ہے۔ قربانی کے اجتماعی یعنی سوشل فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اس میں غریب افراد کے لئے مخصوص حصہ ہے جس کی وجہ سے ان کی غذا کی کمی پوری ہوتی ہے۔ دوسری طرف ایک معاشی ترقی پیدا ہوتی ہے۔ اربوں روپے کے جانور پالے اور فروخت کئے جاتے ہیں۔ کھالوں کا کاروبار اور چارہ پیدا کیا جاتا ہے۔ قربانی کا ایک حصہ دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے ہے جس کا مقصد سماجی محبت اور اخوت میں اضافہ کرتا ہے۔ قربانی کا مقصد اللہ کی رضا کی اہمیت ہے اور **عظیم قربانی اپنی، ممنوع خواہشات، کو قربان کرنا ہے۔**

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾

ابراھیم پر سلام ہو۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾

ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾

بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہے۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾

اور ہم نے اس کو اسحاق نبی کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے ہے۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾

اور ہم نے ابراھیم اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے بھی ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے فضائل کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی صورت میں بیٹا، دیا جو نبی تھے۔ آپ علیہ السلام کے دونوں فرزند نبی تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی نبی تھے۔ جن کی اولاد سے بہت سارے انبیاء تشریف لائے۔ حضرت یعقوب کا

لقب اسرائیل تھا۔ جہاں بہت سارے انبیاء تشریف لائے۔ وہاں دوسرے انسان، جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان تھے، بھی، اسی خاندان سے پیدا ہوئے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر شخص علیحدہ ہے۔ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں۔ نسل پر فخر کرنا صحیح نہیں، جب تک کہ دونوں (اولاد، والد) حقیقت میں اس کے مستحق نہ ہوں۔ جس طرح حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ اس لئے واضح طور پر فرمایا کہ ان کی اولاد سے مومنین بھی تھے اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے، یعنی اللہ کے احکام سے انکار کرنے والے بھی تھے۔ یہی انسانی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ اس لئے انبیاء کے وارث اہل علم (علمائے حق) ہیں۔

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۚ﴿۱۱۴﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔

وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ﴿۱۱۵﴾

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔

وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۚ﴿۱۱۶﴾

اور ہم نے ان کی مدد کی اور وہ غالب رہے۔

وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ﴿۱۱۷﴾

اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی۔

وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۚ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا۔

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۖ﴿۱۱۹﴾

اور بعد میں آنے والوں میں ان دونوں کا ذکر چھوڑا۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ بے شک وہ دونوں ہمارے کامل بندوں میں سے ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجاعت دی۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلاموں کی طرح رکھا ہوا تھا۔ ان سے بے گار کے کام لئے جاتے، ان کے بچوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، کیونکہ اسے خوف تھا کہ وہ اس کی حکومت کو ختم کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑے معجزے عطا ہوئے۔ فرعون کو دعویٰ خدائی سے منع کیا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور بنی اسرائیل بسلامت مصر سے فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو ان کی زندگی گزارنے اور اس وقت انسانیت کی راہنمائی کے لئے تورات کے احکامات دیئے گئے۔ یہ احکامات بنی اسرائیل اور آنے والی امتوں کے لئے تھے حتٰی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ انجیل عطا ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی جد وجہد و تبلیغ پر اللہ تعالیٰ نے ان پر سلامتی اور رحمت نازل فرمائی۔ ان کے اخلاص، عمل مسلسل، کی وجہ سے ان پر احسان فرمائے اور انہیں الوالعزم انبیاء کے درجہ سے نوازا اور آج تک ان کا ذکر جاری ہے۔ یہودی مذہب ان کو اپنا پیشوا (نبی) مانتا ہے یعنی امت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

وَ اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور الیاس بے شک رسولوں میں سے ہے۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾

کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اللہ (کو چھوڑ دیتے ہو) جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

پھر انہوں نے اس (الیاس) کی تکذیب کی۔ بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کئے جائیں گے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾

ماسوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔

وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾

اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا۔

حضرت الیاس علیہ السلام:۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ حضرت ہارون کی اولاد سے تھے۔ حضرت الیاس کو علاقہ شام میں نبوت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ بعل ایک بت تھا، جس کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے۔ بعل کے معنی آقا اور سردار ہیں۔ بعلبک شہر کا نام اسی پر ہے۔ وہاں بادشاہ بھی ظالم تھا۔ آپ علیہ السلام نے تبلیغ کی اور بت پرستی سے منع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور وحدانیت کی تعلیم دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام انسانوں کا معبود ہے، جو موجود ہیں اور ان سے پہلے گذر گئے ہیں۔ تھوڑے لوگ متاثر ہوئے۔ اکثر لوگوں نے ضد کی اور انکار کیا۔ انکار کرنے والوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بروز قیامت پیش کیا جائے اور سزا پائیں گے۔

اللہ کے نیک اور مخلص بندے اپنے اعمال کی وجہ سے نجاعت پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ان کی محنت، تبلیغ، حقوق اللہ، انسانی حقوق کی تعلیمات اور ان پر عمل کر کے دکھانے، تکالیف پر صبر کرنے کی وجہ سے بلند مرتبہ سے نوازا ہے اور ان کے نام کو دائمی شہرت دی جو آج ہم اپنی تحریروں میں ان کے ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ان اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو انہوں نے اپنی زندگی میں کئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب حکمران اپنے مذہب سے دور اور نااہل تھے تو سلطنت ٹوٹ گئی اور معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو گیا۔ حضرت حزر قیل، نے تبلیغ وہدایت کی۔ ان کی وفات کے بعد پھر وہی گمراہی چھا گئی اور جب بگاڑ انتہاء کو پہنچا، تو حضرت الیاس کو نبوت اور اصلاح کی ہدایت ہوئی۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر دو دفعہ آیا ہے۔ (سورت الصّٰفّٰت اور سورۃ الانعام: آیت 85)۔ اسی طرح تورات میں بھی آپ علیہ السلام کا ذکر مختلف ابواب میں آیا ہے جس میں سلاطین اور تواریخ کے ابواب ہیں۔ اسرائیلیات کے مطابق حضرت الیاس (ایلیاہ) آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

سلام ہو آل یاسین پر۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

بے شک وہ ہمارے تابعدار (مومن) بندوں میں سے ہے۔

آل یٰسین سے مراد علماء نے حضرت الیاس لئے ہیں کہ الیاس یعنی ال۔ یا۔ سین کا تلفظ ہے۔ ایک روایت کے مطابق یٰسین آپ علیہ السلام کے والد گرامی کا نام تھا۔ ایک روایت کے مطابق آل یٰسین ایک احترام کی نوعیت ہے، آپ علیہ السلام ہی کا نام تھا اور آل ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ تمام انبیاء کی اللہ تعالیٰ کی بندگی، اخلاص، انتھک جدوجہد کے لئے تعریف کی گئی اور اعلیٰ مومنین میں شامل کر کے ان کے اعلیٰ مرتبہ کا ذکر بطور انعام کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد پڑھنے والوں پر واضح کرنا ہے کہ محنت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ انعام سے نوازتے ہیں۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے تھا۔

اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۵﴾

جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجاعت دی۔

اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

ماسوا ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہوئی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۷﴾

پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔

وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور (مکہ والو!) تم ضرور صبح کے وقت ان (کھنڈرات) کے پاس سے گذرتے ہو۔

وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور رات کو بھی کیا تم نہیں سمجھتے۔

اہل مکہ کی عبرت کے لئے پرانے انبیاء کے واقعات کا ذکر ہے، جو مشرق وسطیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے گذرے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے علاقہ اردن میں تھے، جب کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام فلسطین ہی میں رہ گئے تھے۔ آپ کی قوم لواطت جیسی بری عادت اور گناہ میں مبتلا تھی۔ آپ علیہ السلام کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں لیا، بلکہ آپ علیہ السلام کی شدید مخالفت کی۔ آپ علیہ السلام کی بیوی کے کفار کے ساتھ روابط تھے اور حضرت لوط کی تبلیغ پر یقین نہیں تھا۔ گھر کے حالات سے منکرین و مخالفین کو آگاہ بھی کرتی تھی، جب فرشتے خوبرو، نوجوانوں کی صورت میں آئے تو فوراً گوگوں کو اطلاع دی۔ اللہ تعالیٰ نے قوم پر عذاب نازل کیا، زمین الٹ گئی۔ یہ

زلزلہ کی صورت میں تھی۔ لاوا گرم پتھروں کی صورت میں گرا اور سدوم کی بستی تباہ ہو گئی۔ اب یہ بحر میت (مردار) کا علاقہ ہے جہاں نمکیات کی کثرت کی وجہ سے پانی میں کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ تمام مسلمان رات کی تاریکی میں حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ چلے گئے اور آپ کی بیوی پیچھے رہ گئی اور عذاب میں ختم ہو گئی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ دنیا کے رشتوں کے مقابل ایمان اور عقائد و نظریات کا رشتہ زیادہ اہم ہے۔

یہ علاقے حجاز سے شام کی طرف جانے والی شاہراہ پر ہیں۔ جہاں ان کے کھنڈرات موجود ہیں۔ آیات کا مقصود عبرت حاصل کرنا ہے کہ منکرین حق کا کیسا انجام ہوتا ہے۔ اہل مکہ اس سے عبرت حاصل کریں، کیونکہ وہ سفر کے دوران رات دن ان مقامات سے گذرتے ہیں اور ان کے لئے ضروری ہے کہ غور و فکر کریں اور واقعات کو سمجھ کر اللہ کی قوت کا اقرار کریں۔ کیا تم عقل یا نہیں سمجھتے فرما کر، عقل کے استعمال کی اہمیت بھی واضح کی ہے۔

وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہے۔

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾

جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

پھر قرعہ اندازی ہوئی تو وہ مغلوبوں میں سے ہو گئے (قرعہ میں آ گئے)۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾

پس ان کو مچھلی نے نگل لیا اس وقت وہ خود کو ملامت کرنے والے تھے۔

فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔

لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو وہ ضرور قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾

سو ہم نے اسے کمزور حالت (سقیم) میں چٹیل میدان میں ڈال دیا۔

وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾

اور ہم نے اس پر بیلدار (لوکی) پودا (شجر) لگایا۔

وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ہم نے اس کو ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

سو وہ ان پر ایمان لائے تو ہم نے ان کو ایک معین مدت تک فائدہ پہنچایا۔

حضرت یونس علیہ السلام:۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہے۔اس سے پہلے سورۃ یونس اور سورت الانبیاء میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔آپ علیہ السلام اہل نینویٰ کی طرف تبلیغ و ہدایت کے لئے گئے تاکہ لوگوں کو تورات کے احکام کے متعلق بتائیں۔ لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت کی۔آپ تبلیغ کرتے رہے اور انہیں بتایا کہ عدم تعمیل کی صورت میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے تباہ ہو جائیں گے۔ قوم کو کہا کہ اگر انہوں نے اپنے اعمال نہیں بدلے، تو تین دن کے اندر عذاب آ جائے گا۔آپ نے ان کے عذاب کے لئے دعا کی۔ تیسرے روز آپ صبح سویرے وہاں سے چل دیئے اور عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ تیسرے دن عذاب کے آثار نمودار ہوئے۔ جوں جوں آثار گہرے ہوتے گئے، لوگوں کو حضرت یونس علیہ السلام کے عذاب کے وعدہ کا یقین آ گیا اور وہ ان کی تلاش میں نکلے لیکن وہ گھر پر نہیں تھے۔ان کی غیر موجودگی کی وجہ سے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ شہر سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں گے تاکہ عذاب ٹل جائے۔ان کی توبہ بڑی اخلاص والی تھی اور عذاب ٹل گیا۔جب عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اس احساس سے کہ ان کا دعویٰ عذاب غلط نکلا، آئندہ لوگ ان کی بات کا اعتبار نہیں کریں گے اور پہلے بھی مخالفت کرتے تھے۔وہاں سے واپس شہر جانے کے بجائے دوسرے شہر چل دیئے۔ راستے میں دریا پار کرنے کے لئے کشتی میں بیٹھ گئے۔ دوران سفر کشتی مسافروں کے زیادہ وزن کی وجہ سے ڈگمگانے اور ڈوبنے لگی۔ کون سے مسافر کو وزن کم کرنے کے لئے دریا میں پھینکا جائے؟اس کے لئے حضرت یونس علیہ السلام نے رضامندی ظاہر کی کیونکہ آپ علیہ السلام سمجھ گئے کہ آپ کا فیصلہ ،اللہ کو پسند نہیں آیا اور ایک غیر ارادی غلطی ہو گئی۔ لیکن کشتی کا مالک نہ مانا، کیونکہ وہ آپ کو بہت عبادت گذار جانتے تھے۔ قرعہ اندازی کی گئی آپ علیہ السلام کا نام نکلا، آپ علیہ السلام کو پختہ یقین ہو گیا۔ یونس علیہ السلام نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگائی اور ایک بڑی مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا۔ مچھلی بہت بڑی (شارک وغیرہ کی طرح) تھی۔آداب محبت اور احساس ندامت نے گھیر لیا۔ آپ علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں استغفار شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ یا وقت کے بعد مچھلی نے آپ علیہ السلام کو دریا کے کنارے اُگل دیا۔ بڑے مگرمچھ یا بڑی مچھلیاں جو، بیس (20) سے پچیس (25) فٹ لمبی اور کئی

ٹن وزن رکھتی ہیں ان کے اندر اتنی گنائش ہوتی ہے کہ وہ دوسری بڑی مچھلیوں (انسانی جسامت کے برابر) کو نگل جاتی ہیں۔ اللہ کے حکم سے یونس علیہ السلام اس کو ہضم نہ ہو سکے اور اس نے آپ علیہ السلام کو دوبارہ باہر اُگل دیا۔ اس کا سبب آپ کی توبہ کی قبولیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی حفاظت کے لئے ساحل پر ایک بیل (پودا) اُگادی، جس نے آپ علیہ السلام کو دھوپ اور سردی سے محفوظ کر دیا، کیونکہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے جسم کی کھال بہت نرم و کمزور ہو چکی تھی۔ یونس علیہ السلام کتنی مدت تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اس کے بارے مختلف روایات ہیں۔ اگر آپ علیہ السلام کی توبہ قبول نہ ہوتی تو آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی اس کے نظام ہضم میں ختم ہو گئے ہوتے اور قیامت تک وہیں رہتے۔ جس طرح بادشاہ کہتے تھے کہ فلاں کو میں قید کر دوں گا تو وہ قیامت تک وہیں پڑا رہے گا۔ اس سے مراد وقت موت تک ہے۔ اسی طرح جو افراد سمندر میں مچھلیاں کھا لیتی ہیں وہ بھی قیامت تک وہیں سمندر میں ہی رہیں گے اور اسی مقام سے قیامت پر اُٹھیں گے۔ (اس وقت وہاں سمندر نہیں ہو گا بلکہ کیچڑ ہو گا؛ بحوالہ حدیث قیامت)۔

آپ علیہ السلام دوبارہ اہل نینویٰ کی طرف گئے (نینویٰ کی آبادی ایک لاکھ سے زائد تھی)۔ ان کو ہدایت و تبلیغ کی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کی صداقت کا یقین کیا۔ اس علاقہ کا بادشاہ آپ سے بڑی عزت و اکرام سے پیش آیا اور آپ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ علیہ السلام اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ابق کے لفظ کے ذریعہ آپ علیہ السلام سے الفت کا اظہار فرمایا، کہ گویا ایک غلام گھر سے نکل گیا۔ آپ علیہ السلام کو اجازت کے بغیر ہجرت کرنے کی وجہ سے اس امتحان سے گذرنا پڑا۔ یہ عمل بظاہر خطاء نہیں تھا۔ اجتہاد شخصی تھا، لیکن 'حسنات الابرار سیئات المقربین' (ابرار کی نیکیاں گویا مقربین کے لئے قابل مواخذہ ہوتی ہیں) کے مطابق آپ علیہ السلام کے مرتبہ کے شایان شان نہیں تھا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو امتحان میں ڈالا اور آپ علیہ السلام نے اپنے اس عمل پر نادم ہو کر تائب ہوئے اور استغفار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور آپ علیہ السلام کو زندگی اور صحت عطا کی اور اسی مقام پر فائز فرما دیا۔ اہم نکتہ غلطی کا اعتراف اور معافی طلب کرنا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کے بارے فرمایا؛ میرے اور میرے بھائی، نبیوں کے درمیان فضیلت مت دو اور کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ یونس بن متی سے کسی کو افضل کہے (تاریخ دمشق)۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

پس آپ ان سے پوچھیں کہ آپ کے رب کے لئے بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے ہوں۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

کیا ہم نے جب فرشتوں کو مونث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

سنو وہ اپنی افترا پردازی پر ضرور کہتے ہیں۔

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا۔

مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

تم کو کیا ہو گیا تم کیسی خبر دے رہے ہو۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے۔

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

تو تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت داری بنا دی حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ ضرور (عذاب) پر پیش کئے جائیں گے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ ان تمام عیوب سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے رہے ہیں۔

عرب کے قبائل خزایمہ، جہنیہ، بنو ملیح، بنو سلمہ، عبدالدار وغیرہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے بارے آیات دوسرے مقامات پر بھی ہیں۔ یہ انتہائی بے ادبی اور کفر تھا۔ عرب اپنے لئے بیٹی کو عار سمجھتے اور زندہ دفن کر دیتے، اپنے لئے بیٹوں (مذکر اولاد) کو پسند کرتے اور فخر کرتے، جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے، ان فرشتوں

کو بیٹیاں ماننے کا عقیدہ بنالیااور یہ عقیدہ کسی دلیل پر نہ تھا، کیونکہ نہ انہوں نے فرشتوں کو دیکھا تھا، نہ ان کی ولادت کے وقت انہیں علم تھااور نہ ہی سابقہ انبیاء نے الہامی کتب میں اس کا ذکر یا دعویٰ کیا تھا۔ یہ سراسر غلط عقیدہ جھوٹ اور کفر پر مبنی تھا۔

اس عقیدہ کے نتیجہ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے ایک نسبی رشتہ قائم کر دیا، جب کہ نسبی رشتوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ وہ واحد اور یکتا ہے سب کا خالق ہے۔ فرشتے مخفی ہیں اس لئے عرب جنات (معنی چھپا ہوا) کو بھی فرشتوں کی طرح سمجھتے تھے۔ اہل ایران نے تو شر اور خیر کے دو خدا بنائے تھے۔ شر کا نام ہرمن اور خیر کا یزداں تھا۔ جنات جانتے تھے کہ وہ قیامت کے دن اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب اور گمراہ خیالات (عقائد) سے پاک ہے۔ یہ عقائد باطلہ سب غلط ہیں اور ان پر یقین کرنے والے سزا پائیں گے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے (ان پر عذاب نہیں ہوگا)۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۶۱﴾

سو بے شک تم اور جن کی، تم عبادت کرتے ہو۔

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۳﴾

سوا اس کے جو دوزخ میں جھلنے والا ہو۔

ارادہ و عمل:۔

وہ افراد جو کفریہ عقائد رکھتے ہیں، جہنم میں سزا پائیں گے۔ صرف وہی لوگ عذاب سے بچیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے مخلص بندے ہیں، احکام پر عمل کرتے ہیں۔ یہ کفریہ عقائد والے افراد اور ان کے معبود، وہ مخلصین کو گمراہ نہیں کر سکتے۔ وہی گمراہ ہوں گے جو ان کے مطابق برے اعمال کے مرتکب ہوں گے اور جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ گمراہی اور حق کا راستہ موجود ہے۔ ان پر عمل کرنے کا اختیار انسان کا ہے، جو وہ ارادہ کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے تو اس کے لئے وہ عمل اچھا ہو یا برا، اللہ تعالیٰ آسان کر دیتے ہیں اور عمل کے مطابق سزا پاتا ہے۔ اپنے ارادہ اور عمل کا انسان مالک ہے۔ بلکہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ہوئی قوتِ عقل کو استعمال کرے، غور و فکر کر کے اپنا ارادہ اور پھر عمل کرے۔ گمراہ کرنے والوں سے بچے، جس طرح حدیث مبارک ہے کہ تم

عمل کرتے رہو، تم میں سے ہر شخص کے لئے عمل آسان کر دیا گیا ہے۔ جو اہل سعادت ہیں ان کے لئے اعمال سعادت ،آسان کر دیئے گئے ہیں اور جو اہل شقادت ہیں ان کے شقادت، کے اعمال آسان کر دیئے گئے ہیں۔(اس طرح وہ عمل کرتے ہیں)۔آپ ﷺ نے تاکید کی کہ تقدیر کے بہانہ سے عمل ترک نہ کیا جائے، بلکہ اللہ کے احکام اور عبودیت کے تقاضے پورے کئے جائیں اور جو امور واجب ہیں ان کو لازم رکھا جائے۔(بحوالہ طویل حدیث، بخاری شریف / مسلم شریف)۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

فرشتوں نے کہا ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾

اور بے شک ہم صف بستہ ہیں۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور بلاشبہ ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں۔

فرشتوں کا ذکر ہے۔ جس طرح حدیث میں ہے کہ فرشتے آسمانوں پر ہر جگہ موجود ہیں اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں (بروایت حضرت ابوذر۔ ترمذی شریف)۔اس سے کفار کے عقائد کو رد کیا ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں یا اولاد نہیں بلکہ مخلوق ہے اور تابع ہے۔احکام کی بجاآوری بھی ایک عبادت کی طرح ہے، جسے ہم اجرام سماوی (سورج یا چاند) کے لئے کہتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے کائنات میں ہر جگہ پھیلے ہیں، جو اللہ کے احکام کو کائنات میں نافذ کرتے ہیں اور کائنات کا نظام ایک وحدت کے طور پر چل رہا ہے۔

فرشتے اللہ کے احکام کی بجاآوری اور عبادت میں صف بستہ ہیں، اسی لئے نبی ﷺ نے بھی نماز میں فرشتوں کی طرح صف بنانے کا حکم دیا تھا۔ یعنی کندھے سے کندھا ملا کر ترتیب کے ساتھ کھڑے ہوں اور آگے پیچھے صف ہو۔ فرشتے صفوں کی ترتیب میں مستعد، عبادت اور احکام کی تنفیذ کے لئے ہر وقت موجود ہیں۔ یہ نظام کائنات کے وہ امور ہیں ،جو انسان کے علم میں مکمل طور پر نہیں ہیں۔ جن کے بارے انسان اپنے علم و فہم کے مطابق مختلف توجیہات یا تشریحات کرتا ہے۔ان کا اصلی سبب فرشتوں کی سرگرمیاں ہیں جو اسباب پیدا کرتی ہیں اور اسباب کی بناء پر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔اور انسان کو اسباب کے مقابل نتائج زیادہ واضح نظر آتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

بے شک وہ لوگ (کفار) کہا کرتے تھے۔

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

اگر ہمارے پاس وہ ذکر (رہنمائی) ہوتی جو پچھلی قوموں کو ملا تھا۔

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾

تو ہم ضرور اخلاص سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے۔

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

پس انہوں نے اللہ سے کفر کیا سو وہ عنقریب جان لیں گے۔

اہل مکہ (اہل عرب) کے ہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آیا، اس لئے وہ کہتے تھے، کہ اگر ہماری طرف بھی کوئی پیغمبر آتا، جس طرح یہود کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر اور پھر فلسطین کی طرف آئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یورو شلم (فلسطین) میں آئے تھے، تو اہل عرب بھی اہل کتاب کی طرح اللہ کی عبادت کرتے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مکہ شریف کے ہی رہنے والے تھے، جب دعویٰ نبوت کیا اور قرآن مجید (کلام الٰہی) کو پیش کیا، تو وہ اہل مکہ اپنے قول سے پھر گئے اور مخالفت شروع کر دی جس کا برا انجام وہ دیکھ لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے بندوں (رسولوں) سے بات (وعدہ) کر چکے ہیں۔

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور بے شک ہمارا ہی لشکر ضرور غالب ہو گا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾

پس آپ ان (کفار) سے ایک معین مدت اعراض کرتے رہیں۔

وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور ان کو دیکھتے رہیں وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾

پس وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہو گا تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہو گی جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾

اور آپ ان سے ایک معینہ مدت تک اعراض کرتے رہیں (ان کے حال پر چھوڑ دیں)۔

وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور ان کو دیکھتے رہیں وہ عنقریب دیکھ لیں گے (عذاب کو)۔

کفار کے رویہ کا ذکر کے ساتھ نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار کی مخالفت اور دشمنی، ظلم سے نہ گھبرائیں۔ یہ تکالیف پہلے انبیاء پر بھی گزرتی رہیں اور پھر ان انبیاء کی مدد کی گئی ان کے مخالف (کفار/انکار کرنے والے) ذلیل ور سوا ہوئے اور اللہ کے رسولوں کو کامیابی و نصرت ملی، جس کی تاریخ گواہ ہے۔ آپ ﷺ ان کے رویہ کی پرواہ نہ کریں اور اپنا کام جاری رکھیں۔ یہ اپنی شکست و ذلت دیکھ لیں گے۔ یہ عذاب جلد طلب کر رہے ہیں، جب ان پر عذاب آئے گا تو کہیں سے بھی نہ بچ سکیں گے اور ان کی بڑی بد قسمتی ہو گی۔ واقعات نے ایسے ہی ثابت کیا۔ مسلمانوں نے بدر و خندق میں کفار کو سخت شکست دی اور پھر ہمیشہ وہ ناکام رہے۔ بالآخر مکہ فتح ہو گیا۔ اسی طرح یہود جو مدینہ میں مسلمانوں کے مخالف تھے وہ بھی رسوا ہو کر مدینہ سے نکل گئے

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾

اور رسولوں پر سلام ہو۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا (رب) ہے۔

سورت کی آخری آیات بہت اہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توصیف کہ تمام نقائص سے پاک ہے ،'سبحان' کا مطلب یہی ہے۔ اس کی شان بہت عظیم اور انسان جس قدر اس کی صفات کرے وہ اس سے بلند ہے۔ اس عظیم ذات کو جاننے کے لئے اس کے ارسال کردہ انسانیت کے راہنما، اس کے رسول ہیں۔ ان پر سلامتی ہو جنہوں نے انسانیت کی راہنمائی کی اور بہترین رول ماڈل ہیں اور آخر میں پھر تمام تعریفیں اور حمد اللہ کے لئے ہے جس نے تمام دنیا کو ان کا رزق

اور زندگی عطا کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام رسولوں پر سلام بھیجو کیونکہ میں بھی تمام رسولوں میں سے ایک رسول ہوں۔ آیات مبارکہ میں بھی تمام رسولوں پر سلام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے اعمال کا وزن بڑے آلہ پیمائش میں کیا جائے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی گفتگو کے آخر میں یہ تین جملے پڑھا کرے "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝" (روح المعانی)۔

الحمدللہ سورت الصّٰفّٰت مکمل ہوئی۔ اللہ تعالی تمام تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمایے۔ امین بجاہ نبی الکریم۔

38- سورۃ صٓ

تعارف:۔

سورت صٓ، مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس سورت کا نام اس کے پہلے کلمہ صٓ کی وجہ سے ہے، جس طرح یٰسین اور ق ہیں۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر اڑتیس (38) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے بھی اس کا نمبر اڑتیس (38) ہے۔ روایات کے مطابق یہ سورۃ سورت الاعراف سے پہلے اور اقتربت الساعۃ، کے بعد نازل ہوئی۔اس میں آیات کی تعداد اٹھاسی (88) اور رکوع پانچ (5) ہیں۔ یہ سورت واقعات کے لحاظ سے مکی دور کے آخری سالوں میں نازل ہوئی، جب جناب ابو طالب بیمار ہو گئے تھے اور مکہ کے روساء، اسلام کے پھیلنے سے خائف تھے۔انہوں نے ارادہ کیا کہ جناب ابو طالب سے وہ رسول اللہ ﷺ کی شکایت کریں کہ وہ ان کے معبودوں (بتوں) کو برا بھلا نہ کہیں اور لوگوں کو ان بتوں سے دور یا نفرت نہ دلائیں۔ یہ وفد کافی بڑا تھا جس میں تمام اکابرِ مکہ، ابو جہل، عتبہ، ربیعہ، شیبہ، ابو سفیان، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، عتبہ بن ابی معیط وغیرہ شامل تھے۔ جناب ابو طالب نے نبی ﷺ کو بلایا اور قریش کے روساء کا اعتراض بتایا کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہا جائے اور لوگوں کو ان سے نفرت یا چھوڑنے کی ترغیب نہ دیں تو وہ نبی ﷺ سے صلح کر سکتے ہیں اور ان کی مخالفت ختم کر دیں گے۔ نبی ﷺ نے ان کو اس کے مقابل اسلام پیش کیا اور وہ اُٹھ کر چلے گئے اور وہ باتیں کیں جو سورت کی ابتداء میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ واقعہ اکثر کتب حدیث و روایات میں درج ہے۔ طبقات ابن سعد، نے ابتدائے اسلام اور زمخشری، رازی، نیشاپوری، نے اسے حضرت عمر کے اسلام لانے کے وقت روایت کیا ہے۔ سورت میں قریش کے متکبرانہ رویہ اور مخالفت کی مذمت کی گئی ہے۔ان کے اس خیال کو کہ نبی، کوئی سردار، طاقت و دولت والا ہونا چاہیے، کی مذمت ہے۔ نبوت کی عطا، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ پرانے زمانہ کے انبیاء کے واقعات کا ذکر کر کے بتایا کہ مخالفت کرنے والے نیست و نابود ہو گئے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کامیاب ہوئے۔ تکبر و مخالفت کرنے والے ختم ہو گئے۔ قریش مکہ اور مسلمان دونوں کے لئے اس میں درس ہے۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام کا ذکر ہے اور ان کے فیصلہ، تابعداری، شکر کا ذکر ہے تا کہ ہم اس سے سبق حاصل کریں۔

شیطان کے تکبر اور ضد کا ذکر ہے (قصہ آدم و ابلیس) اس کا نتیجہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ابلیس کی پیروی کرنے والوں کے انجام کے بارے بتایا گیا ہے۔ دنیا میں انسان کے اعمال بہت اہم ہیں انہی اعمال نیک و بد پر انسان کو جزا و سزا ہو گی۔

نبی ﷺ اور مسلمانوں کو صبر اور جد و جہد کی تلقین کی گئی ہے اور سابقہ انبیاء کی کامیابی اور ان کے مخالفین کی ناکامی کا ذکر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید ہدایت کا سب کے لئے ذریعہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾

صاد۔ قسم ہے اس نصیحت بھرے قرآن کی۔

بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾

بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔

کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾

ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ انہوں نے بہت فریاد کی لیکن وہ وقت نجاعت کا نہ تھا۔

وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۖ﴿۴﴾

اور انہیں (کافروں کو) اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آ گیا اور انکار کرنے والوں نے کہا یہ سخت جھوٹا اور جادو گر ہے۔

اَجَعَلَ الۡاٰلِہَۃَ اِلٰہًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾

کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا دیا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

وَ انۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡہُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَ اصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِہَتِکُمۡ ۚ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۖ﴿۶﴾

اور کافروں کے سردار یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو! اب اپنے خداؤں پر صبر کرو (عبادت کرو) بے شک یہ بات تو کسی اور غرض سے کی جا رہی ہے۔

مَا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ ۚ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۖ﴿۷﴾

ہم نے یہ بات پہلے دین میں نہیں سنی، یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے۔

سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ نزول کا واقعہ یوں ہے کہ روایات کتب احادیث و مفسرین کے مطابق حضرت ابو طالب کی بیماری کے دوران سرداران مکہ جس میں تمام سردار شامل تھے، ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ ہم آپ کے بھتیجے کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ انصاف کے ساتھ ہمارا مسئلہ یا تنازعہ ختم کروا دیں اور ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے معبودوں (یعنی بتوں) کو برا بھلا نہ کہے اور لوگوں کو ان کے (بتوں) کے خلاف نہ اُبھارے۔ وہ اپنے دین پر رہے اور ہم اپنے دین پر۔ جناب ابو طالب نے نبی ﷺ کو بلایا؛ کہا بھتیجے! تمہاری قوم تم سے کیا چاہتی ہے۔ سرداران قریش نے اپنا مدعا بیان کیا۔ نبی ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں ان سے صرف ایک جملہ کہنا

چاہتا ہوں۔ اگر یہ کہہ دیں تو ان کا عرب پر قبضہ ہو گا اور اس کے ساتھ اہل عجم بھی ان کے باجگزار (ماتحت) ہو جائیں گے۔ وہ بڑے خوش ہوئے اور کہا بتایئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تو ان کی مشکل آسان ہو جائے گی اور کامیابی بھی۔ اس پر وہ سب اپنے تکبر کی وجہ سے غصہ میں آئے اور سٹپٹائے اور یہ کہہ کر نکل گئے کہ یہ دھوکا ہے ۔وہ اپنے ہی معبودوں کی عبادت کریں گے۔

آیات مبارکہ ،یہی پیغام دے رہی ہے کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے، ذکر یعنی نصیحت اور سچا ہے۔ صٓ، حروف مقطعات سے ہے۔ اس کی توجیہات میں ص سے صمد (بے نیاز) ہے اور صادق الوعد ہے، صانع کائنات ہے۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے وہ قرآن مجید کو نبی ﷺ کا کلام کہتے، ان کے دعویٰ نبوت کو جھٹلاتے، کیونکہ نبی ﷺ قریش کے خاندان سے تھے۔ لیکن مالی طور پر قبائلی سردار نہ تھے اور پھر وہ لوگ نبی کو غیر انسان تصور کرتے تھے۔ ان کے خیال میں نبی کے لئے طاقت اور دولت دونوں لازم ہیں جو نبی ﷺ کے پاس اس وقت نہیں تھیں۔ اسلام کے نظریات یا عقائد، ان کے بالکل نئے تھے اور وہ ان کو نہیں مانتے تھے۔ وہ کہتے: کیسے ایک خدا ساری کائنات کو سنبھال سکتا ہے۔ لہٰذا اس کو ایک غلط دعویٰ قرار دیتے تھے۔ ان کی اس ساری ضد کی وجہ ان کا تکبر اور جہالت تھی۔ ان کے خیال میں بہت سارے معبود مل کر کائنات کا نظام چلا رہے ہیں، ایک ذات نظام نہیں چلا سکتی۔ اس لئے وہ نبی ﷺ اور ابو طالب کی محفل سے نکل گئے اور کہا کہ اس میں دھوکہ سمجھتے ہیں (لا الہ الا اللہ کہنے پر)۔ یہ ان کا رویہ ان کے تکبر اور ضد کی وجہ سے تھا۔ چونکہ ان کے آباؤ اجداد نے ایسا نہیں کیا اس لئے وہ بھی نہیں کریں گے۔ قرآن کی ساری باتیں (وعظ) من گھڑت قصے ہیں۔

آیات میں سابقہ امتوں کا حال بتایا گیا کہ جب ان پر عذاب آیا تو وہ بہت چلائے، معافی مانگی، لیکن وہ وقت معافی کا نہیں بلکہ سزا کا تھا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ سردار ان قریش کو بھی اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ جو قومیں بھی اللہ کے وجود سے منکر ہیں کچھ عرصہ (چند صدیوں) بعد ختم ہو جاتی ہیں اور جو ظلم روا رکھتی ہیں وہ جلد ختم ہو جاتی ہیں۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۞

کیا ہم میں سے صرف ان (نبی ﷺ) پر نصیحت (ذکر) نازل کی گئی ہے۔ بلکہ یہ (کفار) میری نازل کی ہوئی وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں، بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۞

کیاان (انکار کرنے والوں) کے پاس غالب اور فیاض رب کے رحمت کے خزانے ہیں؟

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰

کیاان کے پاس زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی ہر چیز کی ملکیت ہے۔ توان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

یہ اسی جگہ شکست کھانے والا حقیر (معمولی) لشکر ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲

ان سے پہلے نوح کی قوم، عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم جھٹلا چکے ہیں۔

وَ ثَمُوْدُ وَ قَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝۱۳

اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ، یہ کفار کے گروہ (جتھے) ہیں۔

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝۱۴

ان میں سے ہر گروہ (جتھے) نے رسولوں کو جھٹلایا توان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا۔

کفار مکہ نبی، کے بارے ایک نظریہ رکھتے تھے کہ وہ صاحب قوت یعنی قبیلہ کے سردار اور مالدار ہونا چاہیے، تا کہ لوگ اس سے ڈریں یا خوف کھائیں۔ نبی ﷺ نے قریش کے بنو ہاشم کے خاندان میں بطور یتیم پرورش پائی اور مالی لحاظ سے بھی کمزور تھے۔ کفار کے نزدیک اعلیٰ کردار، اخلاق، فہم و فراست کی اہمیت نہیں تھی، اس لئے وہ نبی ﷺ کی امانت و صداقت جس کے معترف تھے، کی پرواہ نہیں کی اور یہ خیال کرتے تھے کہ سربراہ قبیلہ یا مالدار ہونے کی صورت میں ان کا حق نبوت زیادہ ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آیات میں واضح کیا، کہ زمین و آسمان پر، اس کی بادشاہی ہے۔ ان کفار کی اگر طاقت ہے، تو آسمان پر جائیں یعنی کنٹرول کریں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ صرف ایک گروہ ہے جو مل کر کام کر رہے ہیں اور اسی طرح کے گروہ یا جتھے پہلے بھی انبیاء و رسولوں کی مخالفت کرتے تھے۔ وہ تباہ ہو گئے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی مخالف قوم تھی، قوم عاد نے مخالفت کی، فرعون بڑی طاقت والا تھا۔ میخوں سے مراد اس کی قوت ہے جس طرح میخ لگانے سے مضبوطی بڑھتی ہے یا اس سے مراد اس کے خیموں کو باندھنے والی لکڑیاں یا کیل مراد ہیں۔ یہ سب ناکام و نامراد اور تباہ ہوئے۔ اسی طرح کفار مکہ بھی ایک جتھہ یا گروہ ہیں، جو یہاں پر ناکام و نامراد ہوں گے۔ دوسری طرف وہ اللہ کے نبی کو نہیں، بلکہ اس کے نظریہ یا اس کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک کفار مکہ نے اللہ کے عذاب کی شدت کو نہیں چکھا۔ جب عذاب آتا ہے تو بچاؤ ناممکن ہوتا ہے۔

وَ مَا یَنْظُرُ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

اور یہ (انکار کرنے والے) صرف ایک چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہو گی۔

وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اور انہوں نے کہا؛اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے۔

کفار مکہ، جو نبی ﷺ کی دعوت سے نہ صرف انکار بلکہ شدید مخالفت کرتے تھے اور عذاب کی وعید (خبر) کا مذاق اڑاتے تھے۔ان کے بارے ذکر ہے، کہ ان کی طاقت کچھ بھی نہیں۔جب عذاب کی ایک چنگھاڑ ہوئی ، تو ختم ہو جائیں گے اور ان کو زندگی کی کوئی مہلت نہیں ملے گی۔یہ عذاب دنیا میں بھی مجرم قوموں، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، کی قوموں کو بھی آیا۔آیت کی دوسری تفسیر صور قیامت ہے، جو آناً فاناً آئے گی اور کوئی مہلت نہیں ملے گی۔یہ قریش کے کافر، روساء نضر بن حارث وغیرہ جو عذاب کا مذاق اُڑاتے اور جلد آنے کی طلب کر رہے ہیں، عذاب کے آنے پر کوئی مہلت نہیں ملے گی۔اب جو اللہ تعالیٰ مہلت دے رہے ہیں وہ اس مہربانی کی وجہ سے ہے کہ فرصت پوری ملے۔انسان اپنا اختیار استعمال کرے اور پھر برے عمل کرنے پر سزا پائے۔یہ تاخیر ان کے لئے باعث عذاب بن رہی ہے۔ان کا انجام حسرتناک ہو گا۔جب سزا ہو گی تو کچھ مہلت نہیں ملے گی۔لہٰذا اسی زندگی یا پہلی فرصت میں توبہ اور احکام خداوندی پر عمل کیا جائے۔

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

آپ ان باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقتور بندے داؤد کو یاد کیجئے بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں۔

وَ الطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

اور پرندوں کے جھنڈ بھی ان کے طرف سمٹ آتے (رجوع کرتے) اور تسبیح کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے (شامل ہو جاتے تھے)۔

وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور قول فیصل (فیصلہ کن) کہنے

کی صلاحیت بخشی۔

اہل مکہ (انکار کرنے والوں) کی مخالفت پر نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے، صبر کی تلقین کی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت وہمت کا ذکر کیا کہ آپ علیہ السلام نے عام گھرانے سے نکل کر، حضرت طالوت کی فوج میں بہادری کا ثبوت دے کر مقام پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اپنی فراست اور ہمت سے مملکت اسلامی کی توسیع کی۔ انصاف قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عاجزی اور توبہ کی۔ عبادت کا معیار ایک دن روزہ اور ایک دن افطار تھا۔ عبادت رات کا ایک حصہ آرام اور نصف قیام تھا، جس کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے، حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے تھے۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی۔ وہ نصف شب تک سوتے پھر تہائی شب قیام کرتے پھر رات کے بقیہ چھٹے حصے میں سوتے۔ (بخاری و مسلم)۔ حضرت داؤد علیہ السلام تمام حاجات و مہمات اور فیصلوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے، ہمیشہ عدل کو نافذ کرتے۔

آواز کا سحر/تاثیر:۔

آواز، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام سے زیادہ دلکش، خوبصورت اور سریلی آواز، کسی انسان کی نہیں ہوگی۔ آپ علیہ السلام ویرانے میں جا کر اللہ کی حمد وثناء کرتے۔ آپ علیہ السلام کی حمد و ثناء صرف زبان سے نہ ہوتی بلکہ آپ علیہ السلام کی روح و جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا، یہی وجہ تھی کہ جب آپ، حمد وثناء کرتے تو پرندے آواز سن کر آپ علیہ السلام کے گرد بیٹھ جاتے۔ اُڑنے والے اتر جاتے اور آپ علیہ السلام کی ثناء و حمد تک بیٹھے رہتے۔ گویا آپ علیہ السلام کے ساتھ حمد وثناء میں شامل ہیں۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کی آواز کی گونج سے پہاڑیاں یا چٹانیں بھی حمد وثناء میں شامل ہو جاتیں۔ سائنس (بیالوجی) کے مطابق پتھروں سے ریڈائی / برقی لہریں نکلتی ہیں۔ ان کی حمد وثناء ان لہروں کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔ حمد وثناء کا وقت صبح (بعد از طلوع آفتاب) اور شام تھا۔ صبح کو پرندے نکلتے ہیں اور شام کو لوٹتے ہیں۔ پہاڑوں کو تابع یا مسخر کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ پہاڑوں میں معدنیات بالخصوص لوہے کے بارے آپ علیہ السلام کو معلومات کی زیادہ استعداد اور نکالنے کی قوت بھی مل گئی تھی۔ جس طرح آپ علیہ السلام نے لوہے کو توڑ موڑ کر زرہوں کے حلقے ایجاد کئے اور ان کی فروخت سے غرباء کی مدد اور اپنی غذا کا بندوبست کرتے تھے۔

آواز کی تاثیر، اللہ کی ایک تخلیق ہے۔ ہر انسان کی آواز مختلف ہے اور بعض انسان مختلف آوازیں بھی نکال سکتے ہیں۔ آواز کی خوبصورتی یا شیرینی صرف انسان کے ساتھ نہیں، بلکہ حیوان بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ پرندوں کی

بھی آوازیں دلنشین ہوتی ہیں۔ سازوں کی آواز بھی بیت میٹھی ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دلنشین آواز والے (گانے والے) بہت زیادہ شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔اس کا سبب ان کی آواز ہے۔اسی لئے حدیث مبارک ہے کہ بیان میں سحر ہے (ان من البیان لسحر) یعنی آواز کا اثر ہے۔اذان و تلاوت کے لئے بھی اچھی آواز کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ سننے والے متاثر ہوں۔

چاشت کی نفلی نماز کی بھی احادیث میں بڑی فضیلت ہے جو دو رکعت سے بارہ تک حسب سہولت پڑھی جاتی ہے۔

حکمت:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو حکمت بھی عطا ہوئی۔ حکمت کا مفہوم وسیع ہے مثلاً (۱): علم کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا۔ (۲): ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔ (۳): حقائق اشیاء جس طرح ہیں ان کا اسی طرح علم ہو اور علم کے مطابق عمل ہو۔ (۴): موجودات کی معرفت اور نیک و اچھے کام کرنا۔ (۵): علم اور عقل کے ذریعہ حق بات تک پہنچنا۔ (۶): وہ قوت عقلیہ (عقل) و علمیہ (علم) پر مبنی ہے جو کہ افراط (زیادتی) اور تفریط (کمی) سے محفوظ ہے۔ایک حدیث کے مطابق بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے۔ (بخاری)۔ان کا مضمون صحیح اور سچا ہوتا ہے جس سے انسان کی عقل و فہم میں اضافہ اور زندگی میں آسانی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ جس کو حکمت سے نوازتے ہیں، اس پر خصوصی فضل و کرم ہوتا ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں بھی اسے پائے حاصل کرے (زیادہ حق دار ہے)۔ (الحکمۃ ضالۃ المومن من حیث وجدھا احق بھا)۔اسی لئے مسلمان کے لئے اچھی یعنی بھلائی کی چیز کو حاصل کرنا ضروری ہے خواہ کسی بھی ذریعہ (مسلم ہو یا غیر مسلم) سے ہو۔

عدل و حق:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی صفات میں حکمت کے ساتھ فصل خطاب یعنی قول حق (فیصل) کا بھی ذکر ہے۔ علماء نے اس کی تفسیر میں مختلف آراء بیان کی ہیں جو بہت اہم ہیں۔ (۱): عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا۔ (۲): مدعی اور مدعی علیہ کو پورا سننا اور گواہی طلب کرنا۔ (۳): فریقین کے درمیان حق و باطل کو علیحدہ کر دینا۔ (۴): غلط اور صحیح کے درمیان فرق واضح کرنا۔ (۵): جامع کلام جو نہ مختصر ہو نہ طویل۔ سب سے اہم عدل و انصاف ہے تاکہ مظلوم کی دادرسی ہو سکے اور اس کے حقوق کا تحفظ ہو۔اسلام میں بھی اس کی بہت اہمیت ہے اور قرآن مجید میں بھی بہت تاکید آئی ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾

اور کیا آپ کے پاس جھگڑے والوں کی خبر آئی؟ جب وہ دیوار پھلانگ کر محراب (عبادت گاہ) میں آ گئے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا؛ آپ نہ گھبرائیں ہم دو فریق مقدمہ ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں سیدھی راہ بتائیں۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر گفتگو میں سختی (دباؤ) کر رہا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾

اس (داؤد) نے کہا؛ اس نے تجھ سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا تاکہ اس کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملائے اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ سوائے ان (شرکاء کے) جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

تب ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا۔ بے شک ان کے لئے ہماری بارگاہ میں خاص تقرب (قربت) اور اعلیٰ مقام ہے۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ

عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۝

اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (خواہش کی پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکادے گی۔ بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ حساب (قیامت) کو بھول جاتے ہیں۔

آیات مبارکہ حضرت داؤدعلیہ السلام کی زندگی کا واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ تفصیلاً عہد نامہ قدیم (تورات) میں بھی تحریر ہے۔ یہ خبر سموئیل کے باب گیارہ اور بارہ میں درج ہے۔ جس طرح تحریر ہے وہ ان الہامی کتب قدیمہ (تورات وانجیل) میں بھی تحریف کا واضح ثبوت ہے۔ کچھ مفسرین نے اس کو اسی طرح نقل کیا۔ کچھ مفسرین نے صرف اس کے اچھے نکات کا ذکر کیا اور کچھ نے اسے محض تحریف کہا، کیونکہ حضرت داؤدعلیہ السلام کی شخصیت اور نبوت کے لحاظ سے بالکل غیر حقیقی لگتا ہے۔ اس لئے بطور خلاصہ درج ہے کہ حضرت داؤدعلیہ السلام کو ایک عورت پسند آئی۔ آپ علیہ السلام نے رشتہ ازواج کا پیغام بھیجا۔ کچھ روایت کے مطابق وہ کنواری تھی اور اس کی منگنی ہو چکی تھی اس لئے منگنی کو توڑوانا ایک اعلیٰ کردار کا عمل نہیں تھا۔ اور کچھ روایات کے مطابق وہ شادی شدہ تھی اور اس کے خاوند کے مرنے کے بعد آپ علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔ توریت میں جنسی عمل کا بھی الزام تحریر ہے جو سراسر تحریف ہے۔

شراکت کے مسائل اور عدل:۔

قرآن مجید کا انداز بیاں بہت خوبصورت ہے۔ آیات میں انسانی کردار کے مسائل، معاشروں کی ضرورت، حاکم کا اعلیٰ کردار، اعلی اقدار کی اہمیت، صحیح فیصلہ کرنے اور اپنی خواہشات کو حق کے مقابلے میں ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو حضرت داؤدعلیہ السلام نے اپنی ساری حکمرانی میں عمل کر کے دکھایا۔ انسانوں کے معاملات بالخصوص جہاں اجتماعی مفادات اکٹھے ہوں اور ذاتی مفادات مختلف ہو جائیں، وہاں کس طرح کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے، جس کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے۔ معاشرہ میں انسان اپنی اہلیت میں مختلف ہوتے ہیں اور شراکتی کاروبار یا سماجی شراکت میں ایک دوسرے کا خیال بہت ضروری ہے اور یہی آیات اور اس واقعہ کا مقصود و مطلوب ہے۔ عموماً ایک آدمی اپنی علمی یا عملی (تجربہ) یا سماجی مقام کی بنیاد پر دوسرے انسان پر دباؤ ڈالتا ہے اور اپنے لئے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اخلاق اور حقوق کا خیال نہیں کرتا، اس سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ فقہ اسلامی میں اس لئے شرکاء کے حقوق و قوانین واضح ہیں اور ہر انسان کو بنیادی طور پر تحفظ حاصل ہے۔

حضرت داؤدعلیہ السلام اپنے کمرہ میں عبادت میں مصروف تھے، اندر آنے والا دروازہ بند تھا اور دو افراد دیوار

پھلانگ کر داخل ہو گئے، اس عمل سے حضرت داؤدعلیہ السلام کی عبادت منقطع ہو گئی، جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو پریشانی ہوئی۔ پھر ان کا اس طریقہ سے داخل ہونا، بھی مشکوک تھا اور وہ وقت بھی آپ علیہ السلام کا عبادت کا تھا، جس میں ملاقات ممنوع تھی۔ اس کیفیت کے آثار، آپ علیہ السلام کے چہرے پر ظاہر تھے، جن کو دیکھ کر ان افراد نے کہا، کہ وہ آپ علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے ہیں کیونکہ ان کا جھگڑا ہو گیا ہے۔ آپ علیہ السلام سے وہ عدل وانصاف کی توقع رکھتے ہیں۔ اس بات پر آپ علیہ السلام نے مدعی سے اس کے بارے سوال کیا۔ مدعی نے عرض کی کہ ہم دوست (بھائی) ہیں۔ میری ایک دنبی (بھیڑ) ہے اور اس میرے ساتھی کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں۔ اب یہ شخص صاحب ثروت وحیثیت ہے۔ اپنے سماجی اور معاشی مقام کی وجہ، سے مجھ پر دباؤ ڈالتا ہے اور میری ایک بھیڑ جو میرا سرمایہ ہے وہ مجھ سے لے کر اپنے ساتھ ملا کر اپنی بھیڑوں کی تعداد سو (100) کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک بھیڑ کا خیال کیوں رکھ رہا ہوں، اس کو دے دوں۔ یہ اپنی بھیڑوں کے ساتھ ملالے گا اور اس کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ مجھے دباؤ کی وجہ سے انکار کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے اور یہ بار بار دباؤ ڈال رہا ہے۔ ہم اس لئے آپ علیہ السلام کے پاس آئے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس معاملہ میں انصاف وعدل کا فیصلہ کریں۔ جب مدعی یہ بیان کر رہا تھا، تو مدعا علیہ (جس کے خلاف شکایت تھی) بھی موجود تھا۔ اس نے اس بات (الزام) سے انکار نہیں کیا۔ جس سے مدعی کے بیان کی صداقت ثابت ہوئی اور داؤد علیہ السلام نے اس کے اس عمل کو ظلم قرار دیا۔ یہ بھی کہا، کہ اکثر حصہ دار یا شریک کار اپنے معاملات طے کرتے وقت عدل وانصاف کو بھول جاتے ہیں اور دوسروں پر زیادتی کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس جرم یا گناہ، سے صرف صاحب ایمان اور اس کے ساتھ نیک اعمال کرنے والے لوگ، مرتکب (مجرم) نہیں ہوتے اور ایسے نیک اور انصاف پسند افراد کی تعداد کم ہے۔

ہم روز مرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں، کہ انسان اپنی خواہشات اور حفاظت یا ضرورت کے بہانے سے، دوسروں کے حقوق کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا ہے، جس کو قرآن مجید میں سختی سے منع کیا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس سے سخت منع کیا ہے۔ حقوق العباد کی معافی اس وقت تک نہیں جب تک متاثرہ شخص معاف نہیں کرے گا۔

مقابلہ اور ارتکازِ دولت:۔

انسان اپنے حرص یا برتری کی خواہش پر، ذرائع پیداوار یا منافع (کاروبار) پر اپنا کنٹرول، کاروبار میں توسیع کے ذریعہ کرتا ہے اور جب کاروبار بڑھ جاتا ہے، تو کمزور حصہ داروں یا کاروبار کرنے والوں کے لئے مشکل پیدا کر کے ذرائع کاروبار پر قبضہ کر لیتا ہے جس کی صورت اجارداری (مونا پلی) ہوتی ہے اور اس طرح وہ مارکیٹ میں قیمتوں اور سپلائی پر

کنٹرول کرلیتا ہے۔ننانوے اور ایک دنبی کے ذریعہ ،اس طرز فکر کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔اسی لئے حکومتیں اجارہ داری کے خلاف قوانین بناتی ہیں۔اجارہ داری اسلامی طریقہ کاروبار کے اصولوں کے بھی خلاف ہے۔

یہودی علماء نے بنی اسرائیل کے انبیاء (داؤد / سلیمان) علیہم السلام کے بارے توریت کے واقعات و قصص میں بڑے مبالغے اور تحریف کی ہے جس کو کچھ مفسرین نے اپنی کتاب کا واقعہ سمجھ کر بیان کر دیا، لیکن قرآن مجید کی آیات کو سمجھنے کے لئے وہ ضروری نہیں۔اس لئے ان کو بیان کرنا کوئی مفید یا ضروری نہیں۔حضرت داؤدعلیہ السلام کا مقام اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے جس کو لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ(خاص قربت اور اعلیٰ مقام)فرمایا گیا ہے۔

حضرت داؤدعلیہ السلام کے دل میں احساس تقصیر (خطاء) کیوں ہوا،اس میں علماء کی مختلف رائے ہیں۔جب وہ داخل ہوئے انکی وجہ سے آپ علیہ السلام کو پریشانی لاحق ہوئی۔آپ کے خیال میں وہ حملہ بھی کر سکتے تھے کیونکہ جس طریقے اور جس وقت میں وہ داخل ہوئے وہ مناسب نہیں تھا۔پھر آپ علیہ السلام نے ان کی طرف توجہ اس وقت کی جب انہوں نے اپنا قضیہ (جھگڑا) بیان کیا۔بحیثیت حکمران آپ علیہ السلام کا فریادی یا مظلوم کی دادرسی فرض تھا،شاید اسی وجہ سے جو خیال آپ علیہ السلام کے دل میں آئے ان پر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جو قبول کی گئی۔تورات کے بیان کے مطابق یہ واقعہ آپ علیہ السلام کی یاددہانی کے لئے تھا۔معافی کے لئے آپ علیہ السلام رکوع یعنی سجدہ میں گر گئے،جو اللہ نے قبول فرمائی۔یہاں احناف (امام ابوحنیفہ) کے نزدیک سجدہ تلاوت ہے اور شوافع (امام شافعی) کے نزدیک یہ سجدہ تلاوت نہیں بلکہ سجدہ شکر ہے۔فقہ حنفی میں دوران قرأت، نماز میں سجدہ تلاوت رکوع سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

حکومت،اسلامی طرز:۔

آیت مبارکہ میں حضرت داؤدعلیہ السلام کی حکومت کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔خلیفہ کا مطلب ہے کسی اور کی جگہ،پر اس کی غیر موجودگی میں نائب یا قائم مقام ہونا۔

معاشرہ میں جنگل کے قانون، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کو روکنے کے لئے نظام معاشرت ہونا ضروری ہے ،تاکہ ظلم اور بربریت کو ختم کیا جائے۔انصاف اور حقوق کا خیال کیا جائے۔انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین بھی بہتر ہیں جو کہ اجتماعی طور پر قرار پائیں،اس کے باوجود قوی اور مضبوط فریق،اپنی من مانی کرتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کے اندر ڈکٹیٹر پیدا ہو جاتے ہیں۔اس مشکل اور مصیبت سے بچنے کے لئے الہامی ہدایات پر مبنی،طریقہ حیات و معاشرت سب سے زیادہ مفید اور ضروری ہے۔جہاں اصولی طور پر راہنمائی کے لئے ساری تعلیمات دی گئی ہیں اور جزوی تعلیمات

میں قانون سازی کا اختیار دیا گیا ہے، جسے اجماع اور اجتہاد کہا گیا ہے، یہی اسلامی قانون یا حکومت کی اساس ہے۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ اساس کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔ اگر وہ اپنی خواہشات سے فیصلہ کرتا ہے تو خلافت / خلیفہ کے حق سے محروم ہے۔ گویا خلافت یا حکومت دینے کا مقصد ہی عدل وانصاف کرنا ہے جس کے لئے فرمایا کہ **" ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا تاکہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کی اتباع نہ کرو۔ وہ اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں گی"۔** (آیت)۔یہی مسلمان حکمران کی منزل ہے۔

نبی ﷺ نے قرآن مجید کے قوانین نافذ فرمائے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس کو جاری رکھا۔ خلیفہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ خلیفہ وہ ہے، جو رعیت میں عدل کرتا ہے، ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور رعایا پر اس طرح مہربان ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے اہل وعیال پر شفیق ہوتا ہے اور کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے (قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ تفسیر مظہری)۔ **(الخليفة الذى يعدل فى الرعيته و تقسيم بينهم بالسويه و يشفق عليهم شفقته الرجل علىٰ اهله و تقضى بكتاب الله)**۔ اس لئے اسلامی مملکت نے صدر، سلطان کے بجائے خلیفہ کا لفظ تجویز کیا ہے کہ سربراہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، اسی لئے وہ احکام الٰہی (قرآن وحدیث) کے مطابق نظام مملکت چلائے گا۔ چونکہ مخلوقِ خدا، عیال اللہ ہے اور خلیفۃ المسلمین، نائب رب جلیل ہے، تو اس کا چناؤ مخلوق خدا کرے گی وہ وراثت سے نہیں ہوگا۔ جس طرح خلفائے راشدین کا انتخاب تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے چنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دی اور کچھ صحابہ کرام نے مخالفت کی پھر آپ رضی اللہ عنہ کے دلائل سے قائل ہو کر راضی ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی شوریٰ سے ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی شوریٰ کے فیصلوں سے ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان صلح کے نتیجہ میں خلیفہ بنے لیکن اس کے بعد انتخاب بذریعہ شوریٰ کا عمل رک گیا اور وراثت شروع ہو گئی جہاں سے خلافت، ملوکیت میں بدل گئی۔ اگرچہ نام تو خلیفۃ المسلمین ہی رہا۔

سربراہ کے انتخاب کے لئے مخلوق خدا کی رائے اہم ہے۔ رائے دینے والوں کا کردار اور اہلیت بہت اہم ہے۔ وہ معاشرہ جہاں تعلیم کی کمی ہے، وہاں اہل علم وکردار کی مجلس شوریٰ ہوگی۔ جس کی مثال بنیادی جمہوریت کا طریقہ کار تھا۔ ان کے ذریعے انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ مجلس انتخابات کے افراد کی اہلیت وکردار کا معیار مقرر کیا جانا ضروری ہے، تاکہ اہل افراد انتخاب کریں۔ لوگوں پر سماجی، معاشی یا انتظامی دباؤ نہیں ہونا چاہیے تاکہ حقیقی طور پر اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ زیادہ افراد کی رائے غلط نہیں ہوسکتی جس طرح حدیث مبارک ہے کہ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی (لا

تجمع امتی علی الضلالۃ۔ مسند احمد)۔اس لئے کہا جاتا ہے ''زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو''۔ جہاں تعلیم اور معاشی حالات بہتر ہوں، انتظامی دباؤ نہ ہو، وہاں بالغ رائے دہی بہت بہترین طریقہ ہے۔ وامرھم شوریٰ، کی بہترین مثال ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں دستور العمل بنائے جا سکتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں حقوق و فرائض کی ساری تفصیل موجود ہے۔ خلیفہ کی اہلیت میں صاحب کردار، صاحب علم اور تجربہ بہت ضروری ہے جسے لوگ تجویز کریں۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں انسانی ضروریات کے تمام بنیادی امور طے ہو چکے تھے جن سے راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ نئے مسائل و حالات کے لئے اجماع اور اجتہاد کی سہولت اسلام نے میسر کر دی ہے۔ سب سے اہم، افراد شوریٰ یا امیدوار کا کردار ہے جو اسلام کے حقوق العباد اور حقوق اللہ پر پورا اترتا ہو۔ اسلام تمام خیر اور بھلائی کے امور کا حکم دیتا ہے اور برائی و ظلم کو سختی سے منع کرتا ہے۔ ہر بھلائی اور حکمت کا حصول مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے، خواہ کسی بھی ذریعہ سے ہو، بشرطیکہ اسلام کے بنیادی احکام کے خلاف نہ ہو۔ اسلامی ریاست میں ہر مسلمان یا باشندہ برابر کا شریکِ حکومت ہے کوئی نسلی یا لسانی فرق نہیں۔

فیصلہ حق:۔

آیت مبارکہ میں بڑا واضح طور پر حکمران کے لئے احکام ہیں کہ لوگوں میں حق سے فیصلہ کرے۔ حق کا معاملہ عدل سے بڑھ کر ہے۔ عدل تو فریقین کے تنازعہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن حق کا عمل تمام سماجی، معاشی، قانونی، معاشی منصوبہ بندی، فلاح و بہبود عامہ اور دیگر معاملات میں موقع یا واقعہ کی ضرورت و مناسبت سے صحیح فیصلہ کرنا ہے، جس میں تمام متعلقہ افراد یا مملکت کا خیال رکھا جائے۔ اس کے ساتھ انسانی نفس، خواہشات، شیطان کے حملے سے بچنے کی سختی سے تاکید کی ہے، جو راہ حق میں مانع ہوتی ہے۔ شیطان انسانی خواہشات کے ذریعہ ان میں شدت پیدا کر کے، انسان کو حق سے گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے واضح طور پر حکم دیا کہ اگر خواہشات کی پیروی کی گئی تو حکمران گمراہی میں بھٹک جائے گا۔ حساب و کتاب کو بھول جانا بھی عذاب کا سبب ہے۔ اس کے نتیجہ میں نظام مملکت خراب اور خلق خدا (عوام) پریشان ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان خلفاء راشدین نے اپنے آپ کو ہر وقت محاسبہ کے لئے تیار رکھا اور اپنی ذات کے لئے کوئی بھی خواہش نفس پوری نہیں کی، بلکہ مفاد عامہ کو ہمیشہ مقدم رکھا، اللہ کے احکام کی اتباع کی۔

حدیث مبارک ہے کہ قیامت کے دن اللہ کو تمام مخلوق سے پیارا اور مجلس میں قریب عادل حکمران ہو گا اور تمام لوگوں میں قابل نفرت اور سخت سزا کے لائق ظالم حکمران ہو گا۔ (ترمذی)۔ ''**ان احب الناس الیٰ اللہ یوم القیامۃ و اقربھم فلہ مجلسا امام عادل و ان ابغض الناس الیٰ اللہ یوم القیامۃ و اشدھم عذاباً امام جابرً**''۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا، یہ تو انکار کرنے والوں (کافروں) کا گمان ہے۔ پس کافروں (انکار کرنے والوں) کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

کیا ہم ایمان والوں کو جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ زمین پر فساد کرنے والوں کی مثل بنادیں گے؟ یا پرہیزگاروں (نیکوں) کو بدکاروں کی طرح (مثل) بنادیں گے (معاملہ کریں گے)۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

یہ (قرآن) برکت والی کتاب جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور اہل عقل اس سے نصیحت (راہنمائی) حاصل کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کی عظمت و شان، ان پر امتحان، ان کی عاجزی اور توبہ کے ذکر کے بعد کائنات اور انسان کے رشتہ پر روشنی ڈالی ہے۔ کائنات کی وسعت کا انسان کو اتنی معلومات اور آلات مہیا ہونے کے باوجود معلوم نہیں ہو رہا (جیمز واٹ Jameswat نامی، دور بین یا ہبل Hubble، نامی دور بین جو خلاء میں معلق ہیں) جوں جوں معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے، اس طرح انسانی حیرت بھی بڑھ رہی ہے اور مخلوق سے خالق تک کا معمہ حل ہو رہا ہے۔ زمین پر اور زمین و فضا کے درمیان سے معاملہ بہت آگے نکل گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق زمین سے پہلی کہکشاں، جو اسلام کے مطابق پہلا یا آسمانِ دنیا ہے، کا فاصلہ تئیس بلین (تئیس ارب) نوری سال ہے۔ نوری سال سے مراد روشنی کی رفتار جو کہ تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ کے حساب سے ایک سال کا عرصہ کا سفر ہے۔ دراصل یہ معلومات اندازے ہیں کیونکہ کائنات کا انسان کو صحیح اندازہ یا معلومات نہیں۔ (وکی پیڈیا)۔ اور اس سے آگے دوسری کہکشائیں اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر ہیں جن کا اندازہ ترانوے ارب نوری سال ہے۔ یہ قابل دید کائنات (Observable Universe) کی ایک معمولی جھلک ہے، جس پر انسان کو اطلاع ملی ہے۔ زمین کا وجود، پانی، ہوا، زمین کی معدنیات، زمین کی سطح اور اس پر مختلف نباتات جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ پانی میں مخلوق، پہاڑ، حیوانات، زمین کی گردش، اپنے محور پر، چاند کی زمین کے ساتھ گردش، سورج کی اپنے مدار میں گردش، زمین کی سورج کے ساتھ مدار میں گردش، ستاروں کی آپس کی گردش، ستاروں اور سیاروں میں کشش، جو انہیں اپنے مدار میں رکھتی ہے اور وہ قوت جو انہیں اس

مدار سے نہ باہر نکلنے دیتی ہے اور نہ قریب ہونے دیتی ہے۔ یہ سارا نظام جس کو سمجھنے کی قوت، انسانی تخلیات کے لئے جولان گاہ ہے۔

اس سارے نظام کا ایک مقصد ہے، جس کو انسان کا سمجھنا ضروری ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے، یہ دنیا اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔ جہاں اسے علم و عقل سے نوازا گیا ہے۔ اسباب و وسائل مہیا کر دیئے گئے۔ اختیار بھی دیا گیا ہے۔ اس کے سامنے راہ حق اور راہ باطل دونوں واضح ہیں، اور وہ اپنے دنیا میں اعمال، کی بناء پر مرنے کے بعد حساب و کتاب دے گا تاکہ اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ اس کا فیصلہ عدل پر مبنی ہوگا، اس لئے جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں۔ اپنی خواہشات کی پرواہ نہیں کرتے، ان کا انجام ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوگا، جو اپنی خواہشات پر چلتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی ہدایات و احکامات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ دونوں کا انجام ایک جیسا نہیں ہو سکتا، جس طرح ان کے اعمال ایک جیسے نہیں۔ تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان ہے، تاکہ وہ اپنے اپنے اعمال کے بارے سوچیں اور حساب و کتاب کے لئے تیار رہیں۔ اس زمانہ کے کفار (انکار کرنے والے) اور آج بھی انکار کرنے والے اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ سزا، موجودہ زندگی کے بعد ملے گی۔

ساتھ ہی انسان کے لیے جس ہدایت کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ وہ گمراہی اور عذاب سے بچ سکیں، اس کا ذکر ہے ۔ وہ قرآن مجید ہے جو اللہ کا پیغام ہے۔ ہمارے نبی ﷺ پر نازل ہوا اور آپ نے اپنی زندگی میں اسے نافذ کیا اور محفوظ کر کے انسانیت کی راہنمائی کے لئے چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تصویر ہے۔ آخری احکامات ہیں جو انسانوں کی دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے خالق کائنات کی طرف بھیجے گئے اور یہ سابقہ احکامات کی تکمیل ہے، جو اس سے پہلے دوسرے انبیاء کے ذریعے نازل ہوئے تھے۔ یہ کتاب انسانوں کے لئے ایک راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اس پر غور کریں، اس کو سمجھیں، اور اس کے احکامات پر عمل کریں۔ اہل علم و عقل، جس قدر اس پر غور کریں گے، سمجھیں گے اور عمل کریں گے، اس کے مطابق، ان کو اس دنیا اور آخرت میں کامیابی ہوگی۔ غور کرنے والوں کو اہل عقل کہا گیا ہے۔

اس آیت کے علاوہ قرآن مجید میں متعدد بار غور فکر اور قرآنی آیات و احکامات اور قصص پر غور و فکر کرنے کا حکم ہے تاکہ ان کے فوائد و برکات سے انسان آگاہ ہو اور ان پر عمل کر کے دونوں جہانوں یعنی زمین پر زندگی اور قیامت کے بعد والی زندگی میں کامیابی حاصل کرے۔ کس قدر بد قسمتی ہے کہ مسلمان کتاب (الفاظ) کو تو، ازبر، یاد کر لیتا ہے اور اسی کو بہت بڑا کارنامہ سمجھ لیتا ہے۔ اس کے معانی، اسرار، احکامات، پند و نصائح کو، نہ تو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ اگر ان احکام کو نہ سمجھے گا اور غور و فکر نہیں کرے گا، تو اس کے دلائل، فوائد و برکات سے کیسے آگاہ ہوگا۔ یہی

وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے جب سے اسے چھوڑا ذلیل وخوار ہو گئے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

(اقبالؒ)

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝۳۰

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا کیا وہ کیسا اچھا بندہ ہے۔ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝۳۱

جب اس کے سامنے پچھلے پہر سدھائے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کئے گئے۔

فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝۳۲

تو اس (سلیمان) نے کہا بے شک میں نے نیک مال کی محبت، اپنے رب کی یاد کی وجہ سے کی ہے حتٰی کہ وہ گھوڑے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳

اس (سلیمان) نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے واپس لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد، نبوت اور حکومت میں جانشین بنے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت کا ذکر کیا اور آپ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور رجوع کا بھی ذکر کیا (نعم العبد)۔ بندہ کے بارے حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: بندہ اپنے آقا سے (کے سامنے) اس طرح ہے جس طرح میت نہلانے والے کے سامنے ہوتا ہے۔ نہ اس کی کوئی تدبیر، نہ ہی کوئی حرکت ہوتی ہے (انوار القرآن۔ ملا علی قاری)۔ آپ علیہ السلام کے لئے بہت سارے گھوڑے حضرت داؤد علیہ السلام نے چھوڑے، آپ علیہ السلام کو گھوڑوں سے محبت اور شوق تھا، اس کا ایک مقصد گھوڑوں پر سوار ہو کر اعلائے کلمہ الحق کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گھوڑوں میں خیر و برکت کا ذکر کیا ہے۔ اسلام میں گھوڑوں کے جہاد میں استعمال ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں لگتی۔ گھوڑے اس زمانہ میں آج کل کے ٹینک کی مثال تھے۔ گھوڑوں کو جنگ کے لئے سدھایا جاتا ہے۔ یہاں

ان گھوڑوں کا ذکر ہے جو تین پاؤں پر بھی کھڑے رہتے یعنی سدھائے ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے گھوڑوں کو دیکھنے کا حکم دیا۔ ان کی کارکردگی دیکھی اور پھر واپس بھیج دیا۔ پھر ان کو دوبارہ بلایا اور ان پر اپنا ہاتھ پھیرا، یعنی جسم اور پنڈلیوں پر اس ہاتھ پھیرنے کے بارے مختلف تعبیرات ہیں۔ کچھ مفسرین نے اسرائیلی روایات سے اخذ کیا کہ ان کو دیکھنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی نماز قضا ہو گئی تھی جب قضا کا پتہ چلا تو دوبارہ ان گھوڑوں کو منگوا کر ان کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ کیونکہ ان میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے عبادت مؤخر ہو گئی تھی۔ دوسری تفسیر یوں ہے کہ آپ کی نماز کوئی قضا نہیں ہوئی بلکہ آپ نے دوبارہ ان کو دیکھا، ہاتھ پھیرا اور ان کی کارکردگی سے مطمئن ہوئے۔ یہ تاویل و تشریح قابل ترجیح ہے (بحوالہ حضرت عباس رضی اللہ)۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے سلیمان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر انہوں نے (ہماری طرف) رجوع کیا۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

اس (سلیمان) نے دعا کی؛ اے میرے رب! مجھے معاف کر دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کے لئے نہ ہو۔ بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾

پس ہم نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے وہ ان کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی۔

وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا، ہر معمار اور غوطہ خور کو۔

وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

اور دوسرے جنات جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

یہ ہمارا عطیہ ہے۔ آپ (جس کو چاہیں) بطور احسان عطا کریں یا جس سے چاہیں روک لیں آپ سے کوئی پوچھ گوچھ نہیں ہو گی۔

وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ۝

اور بے شک ان کے لئے ضرور ہمارا قرب اور بہترین ٹھکانہ ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا قصہ جاری ہے۔ یہاں ان پر آزمائش کا ذکر ہے، جس کی تفصیل کوئی نہیں دی گئی۔ اسرائیلی لٹریچر میں انبیاء کے ذکر کے بارے بالخصوص حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بارے عجیب و غریب واقعات درج ہیں، جو شان نبوت کے شایان نہیں اور ان کا ذکر ذکر ضروری نہیں۔ آزمائش کے بارے ایک حدیث کی روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک بار کہا: کہ وہ اپنی ازواج سے مباشرت کریں گے اور مقصود تھا کہ ہر ایک سے لڑکا پیدا ہو گا، جو جہاد میں شامل ہو گا۔ آپؑ نے دعویٰ تو کیا لیکن کہتے وقت انشااللہ نہیں کہا۔ آپ کی ازواج کی تعداد کے بارے اختلاف ہے۔ اکثر کے مطابق پچاس سے زیادہ تھیں اور پھر ایام ماہواری اور دوسرے عوارض جسمانی، مانع مباشرت بھی ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ جن ازواج سے مباشرت کی ان سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی اور صرف ایک سے لڑکا پیدا ہوا، جو نامکمل تھا۔ آپؑ کو چونکہ اولاد کا انتظار تھا، اس لئے طلب کیا اور اسے آپؑ کے سامنے حاضر کر دیا گیا، (جسے کرسی پر رکھ دیا گیا)۔ آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس اور اپنی خواہش کی تکمیل اور انشاءاللہ، نہ کہنے کی وجہ سے اس نتیجہ کا فوری ادراک ہو گیا اور آپؑ نے بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے، اپنی تقصیر کا اظہار کیا، بخشش طلب کی۔ ساتھ ہی رحمت کے ذریعہ ایک عظیم مملکت کی درخواست کی، جو اپنی مثال آپ ہو۔ ساری عطا، اللہ تعالیٰ، کا فضل ہے اور دے کر لینے والی بھی وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا قبول کی۔ سلطنت کی عظمت اور حمل و نقل کے لئے ہوا، آپؑ کے تابع کر دی گئی۔ یہاں ہوا کی کیفیت نرم رکھی گئی ہے جو شدت کے برعکس ہے۔ اس سے پہلے سورت انبیاء میں جس ہوا کا ذکر تھا، الریح العاصفہ (تیز و تند ہوا) تھی۔ دونوں کیفیتیں پرواز کے لئے اہم ہیں۔ تیز ہوا چیزوں کو اٹھاتی ہے اور نرم ہوا ان کو فضاء میں اٹھائے رکھتی ہے اور اترنے میں مدد دیتی ہے۔ سمندر کے سفر میں ہوا کا رخ اور نرمی، بادبانی کشتیوں کے سفر کے لئے ضروری ہے۔

تختِ سلیمانی:

آپ علیہ السلام کے تخت کے بارے پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ ہزاروں عمودی طویل (تقریباً 12/10 میٹر لمبے) ستونوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جب سفر شروع کرنا چاہتے تو، العاصفہ (تیز ہوا) کو حکم دیتے وہ اس کو اٹھا لیتی اور پھر بلندی پر جا کر آہستہ ہو جاتی اس پر آپ، ہوا کی سمت رواں دواں رہتے اور اترتے وقت بھی نرم ہوا، اسے اوپر سے آہستہ آہستہ نیچے آ جاتا، اور اتر جاتا (روح المعانی)۔ ہوا کو مسخر کر کے اور جنات کو تابع کر کے اللہ تعالیٰ، نے آپ کی سلطنت کو وہ عظمت بخشی

جو کسی اور بادشاہ کے نصیب میں نہ آسکی، یہ آپ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت تھی۔

جنات:۔

جنات، اللہ کی مخلوق ہیں، جو کہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں،۔ غیر مادی ہیں۔ عقل رکھتے ہیں اور قوت (انرجی) کی ایک قسم آگ، ان کی وجود کی بنیاد ہے جو کہ غیر مادی وجود ہے۔ اس وجہ سے ان کی حرکت و نقل بہت تیز اور آسان ہے۔ ان کے کام عمارات کی تعمیر میں مدد، سمندروں میں غوطہ لگانا، وہ بہت طاقتور تھے اور ان کو زنجیروں کے ذریعے قابو کیا جاتا تھا۔ ان کی زنجیروں کی نوعیت بھی ان کے وجود جو کہ آگ (انرجی) سے بنا ہوا تھا کے مطابق ہو گی، جس کے ذریعے وہ حرکت نہ کر سکتے ہوں گے۔ جنات اور فرشتے انرجی سے بنے ہوئے ہیں اور وہ مثالی انسانوں کی صورت بنا سکتے ہیں۔ انسانی جسم میں لہروں کی طرح داخل ہو سکتے ہیں۔ شیطان کے زیادہ تابعدار ہیں۔ انسانی ذہن میں داخل ہو سکتے ہیں۔ سائنسی تجربات کی حدود سے باہر ہیں۔ البتہ فضا میں یو، ایف، او، (UFO) (اڑن طشتری) کی صورت ہو سکتی ہے جسے قبول کیا گیا ہے۔ ان کی انسانی صورت کو سمجھنے کے لئے 3D یا موجودہ ھالوپورٹیشن Holoportation (جس میں تصویر کا عکس نہیں بلکہ پوری جسامت ظاہر ہوتی ہے) کو خیال کیا جائے، جس کو انسانی عقل نے مصنوعی عقل (کمپیوٹر) کے ذریعے تیار کیا ہے۔ پھر ان جنات کا وجود بھی کسی اور انرجی کی قسم کے ذریعے پابند کیا جا سکتا ہے اور ان سے انرجی کے ذریعہ کام بھی سرانجام دیئے جا سکتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ان کو قوت عطا کی گئی تھی۔ یہ منزل ابھی انسانی تحقیق سے بلند تر ہے اور شاید دجال کا زمانہ اس کی مزید وضاحت کرے گا یا استعمال کرے گا۔

یہ قوت و طاقت اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی اور اس کے استعمال میں آپ کو کلی اختیار تھا، یعنی جس کو جتنا چاہیں عطا کریں، یہ اختیار مادی اسباب، روحانی درجات اور جنوں پر ہو سکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہمیشہ عدل اور مساوات کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے عدل، عبادت اور توبہ و خوف کی وجہ سے بہترین رجوع کرنے والا اور مقرب فرمایا ہے۔ انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہوتی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں "اللہ معطی وانا قاسم" آپ کی عنایات بھی بے کراں ہیں۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک شیطان نے مجھے سخت درد اور اذیت پہنچائی ہے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

(ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ نہانے اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے انہیں (ایوب کو) ان کے خاندان والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی ملا دیئے اور رحمت ہماری طرف سے عطاء کے طور پر اور اہل عقل و فکر کے لئے نصیحت کے طور پر (ملتی ہے)۔

وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِّعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور (حکم دیا) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا موٹھا لے کر مارو اور اپنی قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا خوب بندے اور بہت رجوع کرنے والے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام:۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کا صبر ''صبر ایوبی'' ضرب المثل ہے۔ آپ علیہ السلام کے بارے معلومات مفسرین و مؤرخین نے اسرائیلی لٹریچر سے حاصل کیں جن کی صداقت کافی مشکوک ہے اور تفسیر کے شایان شان بھی نہیں۔ مفسرین نے بطور معلومات درج بھی کی ہیں اور اکثر مفسرین نے ان کو رد کر دیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ نے اولاد، دولت سے نوازا تھا۔ مال، مویشی، غلام، باغات، کھیت، عرض ہر نعمت میسر تھی اور یہ سلسلہ سالہا سال چلتا رہا، پھر اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے پیارے بندوں کو آزماتا ہے، آزمائش کا سلسلہ شروع ہوا۔ اولاد اور غلام سب چلے گئے، مال مویشی مر گئے، فصل و باغات تباہ ہو گئے۔ آپ تنہا رہ گئے۔ عسرت و افلاس نے گھیر لیا، اس پر مزید یہ کہ جسم میں مرض لاحق ہو گیا اور مرض تھا کہ بڑھتا ہی گیا۔ مؤرخین نے اس کی مدت تین سال سے اٹھارہ سال تک تحریر کی ہے۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ صرف آپ کی زوجہ محترمہ (بیوی) آپ کے ساتھ رہ گئیں اور وہ حاضر ہو کر خدمت کرتیں۔ اس دوران شیطان نے بھی حضرت ایوب علیہ السلام، کو کو ور غلانے کی بھرپور کوشش کی۔ آدمی جب تکلیف و پریشانی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے لیکن جب اس کی امید پوری نہیں ہوتی, تو شیطان فوراً دماغ پر حملہ کر کے امید رحمت کو مایوسی میں بدل دیتا ہے۔ انسان اللہ کا شکر گذار بندہ بننے اور صبر کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بجائے, ناشکرا اور سراپا شکوہ بن جاتا ہے۔ اللہ کے بجائے دوسروں پر توقع کر لیتا ہے۔ اسباب کا استعمال تو ویسے بھی ضروری ہے جو کہ توکل کے خلاف نہیں، لیکن حقیقی قوت فاعلہ ان کو سمجھنا, غلط اور توکل کے خلاف ہے۔ شیطان نے آپ کی اس تکلیف اور پریشانی پر حملے شروع کر دیئے، جس کا ذکر آپ نے آیت میں کیا کہ وہ سخت پریشانی اور اذیت دے رہا ہے۔ آپ نے شیطان کے وساوس کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد و حفاظت کی درخواست کی۔

انہی ایام مصیبت میں آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سے بھی ایسی بات نکل گئی، جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام انتہائی ناراض ہوئے اور قسم اُٹھائی کہ وہ قوت ملنے پر بیوی کو سو کوڑے لگائیں گے۔

اس آزمائش میں صبر واستقلال کے ساتھ، اللہ پر بھروسہ، اس سے رحمت کی امید اور نصرت و مدد کی طلب کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور صحت کا راز یوں افشاں فرمایا، کہ زمین پر ایڑیاں رگڑو، جب رگڑی تو پانی نکل آیا، پانی کیا تھا، بلکہ آب شفاء تھا۔ جس سے آپ علیہ السلام کے جسم کی تمام امراض اس سے نہانے سے ختم ہو گئیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ امراض جلدی تھیں۔ اب بھی لوگ جلدی امراض کے لئے ایسے چشموں کی طرف جاتے ہیں جن میں معدنیات (سلفر وغیرہ) ملی ہوتی ہیں اور ان کے نہانے سے مرض کو افاقہ ہوتا ہے۔ پانی اس قدر قوی تھا کہ مرض کے ساتھ جسم میں توانائی آنا شروع ہو گئی اور آپ علیہ السلام صحت مند ہو گئے۔ صحت کے بعد آپ نے دوبارہ زراعت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر کھیتوں اور باغوں میں برکت ڈالی، جو کھیت اجڑ گئے تھے، پھر آباد ہو گئے، خدام اور غلاموں کی ضرورت پڑ گئی جو مل گئے۔ اولاد نئی بھی ملی اور جو چلے گئے تھے واپس آ گئے۔ دولت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ عوام بھی گرویدہ ہو گئی۔ اس امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بھی زیادہ عنایات کر دیں۔

نکتہ: یہ سب کے لئے قابل غور ہے کہ تکالیف پر صبر ہی میں کامیابی ہے۔ جو جلد گھبرا کر گستاخی پر اتر آتے ہیں اور شکووں کا انبار لگا دیتے ہیں وہ ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ اہل صبر کا اجر واقعی بغیر حساب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے صبر اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی تعریف فرمائی۔

حیلہ کی حدود:۔

دوران مرض حضرت ایوب علیہ السلام کسی وجہ سے اپنی زوجہ سے ناراض ہو گئے اور قسم اُٹھائی کہ سو کوڑے ماریں گے۔ جب صحت مکمل ہوئی تو اپنی قسم کو پورا کرنے کا خیال آیا کیونکہ قسم کو پورا کرنا ضروری ہے۔ آپ کی زوجہ آپ کی اس بیماری میں ہمیشہ خدمتگار رہیں اور ساتھ نہ چھوڑا، اس لئے اس کا بھی احساس تھا اور غصہ میں قسم بھی کھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی اور وحی کے ذریعہ یہ بتایا کہ کوئی کافی شاخوں سے ایک گھٹا نما (موٹھا یا جھاڑو) بنالیں اور اس کو آرام سے اپنی زوجہ کے جسم پر مار دیں تاکہ آپ کی قسم پوری ہو جائے اور وہ بھی درد و تکلیف نہ اُٹھائیں۔ اس طرح حیلہ کی اجازت ہے لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہے جب قسم کے مقابل، قسم کو پورا کرنا صحیح نہ ہو، بلکہ واضح غلطی ہو۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اگر قسم کے مقابل بھلائی ہو تو قسم توڑنے اور کفارہ دینے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ قسم

میں انسان اپنے اوپر برضاورغبت ایک عمل واجب کرلیتا ہے۔اس لیے اس عہد کو پورا کرنا ضروری ہے۔لیکن اگر اس عمل کو کرنے سے جسمانی، اخلاقی یا سماجی نقصان ہو تو اس کا کفارہ دینا ضروری ہے تاکہ عہد کو پورا نہ کرنے کا معاوضہ دیا جائے اور آئندہ اس طرح کے عہد کرنے سے اجتناب کیا جائے۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں کسی نے عہد کیا کہ وہ سارا دن دھوپ میں کھڑا رہے گا۔(تاکہ نفس کو سزا دے)۔جب نبی ﷺ کو پتہ چلا، تو آپ نے اسے سایہ میں بیٹھ جانے کو کہا اور قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

یہی اصول حدود (سزا) کے نفاذ میں ہے یعنی سزا کے وقت انسانی جسم کے مطابق، سزا کی شدت ہو اور حد کی سزا سے موت یا شدید معذوری یا بیماری لاحق نہ ہو۔ جسم سزا کو برداشت کر سکے۔ مسلمانوں کو صبر اور تکالیف کے بارے مطلع کیا جارہا ہے جو کہ مومنوں اور انبیاء کو زندگی میں پہنچتی ہیں۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

اور ہمارے (خاص) بندوں کو یاد کریں، ابراھیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے، بصیرت والے ہیں۔

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا تھا۔

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اور حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام بڑے الوالعزم انبیاء میں سے تھے۔آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے بڑی تکالیف برداشت کیں۔اسی طرح حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ان تمام امتحانات کے مراحل سے گذرے، جو انبیاء کا خاصہ ہے۔ان انبیاء کرام نے دنیا میں زندگی گذاری لیکن ان کی ترجیح آخرت ہی تھی۔ہر کام اور معاملہ، رشتے، ناطے، سب اسی اصول یعنی رضائے خداوندی پر تھے۔آخرت کا یقین اور اس میں کامیابی کے لئے تگ ودو، رہی اور آزمائشوں کا مقابلہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ سب کو اپنے فضل سے اعلیٰ درجہ عطا فرمایا اور آپ کی عزیمت کے لئے 'اولی الایدی' یعنی قوی ہاتھ قوت والا اور اعمال و بصیرت پر اولی الابصار (بصیرت والا) فرمایا۔انبیاء کرام اپنے زمانہ میں عظیم ترین لیڈر ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ علم لدنی، یعنی عقل و حکمت سے نوازتے ہیں۔

وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

اور اسماعیل اور الیسع اور ذالکفل کو یاد کریں اور یہ سب نیک ترین چنے ہوئے ہیں (سراپا خیر و برکت والے)۔

آیات میں حضرت اسماعیل علیہ السلام الیسع اور ذالکفل کا ذکر ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراھیم علیہ السلام کے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے فرزند تھے۔ آپ علیہ السلام کو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حکم ربی کے تحت مکہ میں چھوڑ دیا اور آپ علیہ السلام نے وہیں پرورش پائی۔ پھر ابھی نوخیز تھے کہ قربانی کا حکم ہوا اور نوخیز ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام نے نہ صرف قربانی کے حکم کی تعمیل کی بلکہ والد گرامی سے کہا کہ وہ بے شک شفقت پدری کی پرواہ نہ کریں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر چھری چلائیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدلے دنبے کو ذبح کر دیا۔

حضرت الیسع بن اخطوب کو روایات کے مطابق حضرت الیاس نے بنی اسرائیل پر ان کو خلیفہ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالکفل کے بارے بھی روایات میں ہے کہ صاحب ثروت تھے۔ غرباء کی کفالت کرتے تھے جس طرح لفظ ذوالکفل ہے۔ آپ کی یادگار عراق میں موجود ہے جہاں لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ آپ بڑے عبادت گذار تھے اور آپ کا ذکر انبیاء کے ساتھ آنے کی وجہ سے آپ کا درجہ نبی کا معلوم ہوتا ہے۔ نبوت میں اختلاف ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾

یہ (قرآن) نصیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ضرور اچھا ٹھکانا ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾

(ٹھکانا) دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿۵۱﴾

وہ ان میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں کثرت سے پھل اور مشروبات طلب کریں گے۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾

یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے یوم حساب کے لئے وعدہ کیا گیا تھا۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ بے شک یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

اہل جنت، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں، تکالیف کو صبر کے ساتھ کے لئے برداشت کرتے ہیں۔ان پر نعمتوں کا ذکر ہے۔ جنت عدن جو کہ اعلیٰ جنت ہے ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ان کے عزت واکرام کی یہ حالت ہوگی، کہ جنت کے دروازے ان کے لئے ہر دم کھلے ہوں گے۔ ہر وقت وہاں ان کو خوش آمدید کہا جائے گا اور جنت عدن بہت اعلیٰ جنت ہے۔ حدیث کے مطابق خصوصی طور پر اسے متقین اور اعلیٰ درجہ کے مومنین کے لئے بنایا و سجایا گیا ہے۔ دوران زندگی ان پر آزمائش اور تکالیف کی جو حالت گذرتی ہے، اس کے اجر میں ان کی رہائش و آسائش کا سامان ہوگا، جہاں وہ آرام سے اپنی اعلیٰ نشستوں پر براجمان ہوں گے۔اس کے ساتھ ان کی خواہش پر پھل اور مشروبات موجود ہوں گے، تا کہ ان کی لذت دہن کا بندوبست ہو۔اس کے ساتھ ان کی تسکین کے لئے حوریں ہوں گی جو شرم وحیاء سے نگاہیں نیچی رکھیں گی۔ان کی عمر بھی مومنین کے عمر کے برابر ہوگی، تاکہ جسامت میں برابری ہو۔ ہم عمر کی ایک تفسیر یہ ہے کہ تمام حوریں بھی ایک ہی جیسی عمر وجسامت کی ہوں گی تاکہ سب کے لئے مساوات ہو۔ کسی امتیاز و تفریق کا شائبہ نہ ہو۔ یہ نعمتیں جن کی حقیقت سمجھانے کے لئے یہ کیفیات وحالت بتائی جارہی ہے۔ یہ اس وعدہ کی تکمیل ہے جو مومنوں کے ساتھ دنیا میں ان پر آزمائشوں میں کامیابی پر کیا گیا تھا۔ کیونکہ ایسی ہی خواہشات کے لئے افراد، دنیا میں احکام الٰہی سے روگردانی اور نافرمانی کرتے ہیں، جب کہ یہ آسائشیں یا آرام صرف دنیا کی مختصر زندگی ہی میں ختم ہو جاتے ہیں، لیکن جنت میں انعامات واکرام دائمی اور زندگی بھی ہمیشہ رہے گی، کیونکہ موت کا وجود ختم ہو چکا ہوگا۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾

یہ (مومنین کی جزا ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرور برا ٹھکانہ ہے۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے۔ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

یہ ہے پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چکھیں۔

وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾

اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

(وہ دوسرے دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے) ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے ان کی آمد اچھی نہ ہو۔ بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۛ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾

وہ (آنے والے) کہیں گے بلکہ تم ہی وہ ہو، جن کے لئے خوش آمدید نہیں ہے۔ تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لئے پیش کیا ہے۔ سو وہ کیسی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لئے اس عذاب کو مہیا کیا ہے، اس کے عذاب کو دوزخ میں دوگنا کر کے زیادہ کر دے۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾

وہ (دوزخ میں رہنے والے) کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم (دنیا میں) کمتر (شریر) لوگوں میں شمار کرتے تھے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہ ان سے ہٹ گئی ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا صحیح (حق) ہے۔

قرآن مجید، جہاں دنیا میں نیک اور بد کاموں کا موازنہ کرتا ہے اور نیک کام کی ترغیب دی جاتی ہے، وہاں ان دونوں اعمال (نیک اور برے) کے انجام کا بھی مقابلہ دکھایا جاتا ہے تاکہ قاری کو اس کے عمل کا انجام پتہ چل جائے۔ نیک اعمال پر اسے کیا ملے گا اور برے اعمال (اللہ کی نافرمانی) پر کیا سزا ملے گی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ، جن کو برے اعمال پر سزا دیں گے ان کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ان کیفیات میں ہمیں عذاب اور دوزخ کے حالات کے بارے ایک جھلک دکھائی جا رہی ہے۔ اہل دوزخ، دوزخ میں سزا بھگت رہے ہوں گے، جہاں آگ جل رہی ہو گی۔ تپش سے ان کے جسم اور کھال جل رہے ہوں گے۔ پیاس کی صورت میں ٹھنڈے پانی کے بجائے کھولتا ہوا پانی ہو گا اور پیپ کی طرح سیال مادہ ہو گا، جس کو پینا پڑے گا، اس کے علاوہ بھی عذاب ہوں گے۔ اس عذاب میں وہ گرفتار ہوں گے کہ ایک اور گروہ اپنی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں داخل ہو گا۔ آنے والوں کو سزا کی وجہ سے اہل دوزخ ان کی بدنصیبی پر افسوس کریں گے اور نئے آنے والے ان کے عذاب کی کیفیت آگ میں جھلسنا، پیپ و گرم پانی اور گرزوں کی سزا دیکھ کر کہیں گے کہ کس قدر بری جگہ ان کو سزا مل رہی ہے۔ اب جب سزا کو دیکھیں گے اور بھگتیں گے تو ان کو وہ لوگ یاد آئیں گے، جن کو دیکھ کر وہ گناہ کرتے تھے یا انہوں نے ان کو گناہوں پر رغبت دی تھی اور ان سے گناہ واقع ہوئے۔ ان کے لئے دوگنے عذاب کی تمنا

کریں گے کیونکہ وہ ان کے گناہ اور پھر عذاب کا سبب تھے۔

ساتھ ہی انہیں ان لوگوں کا خیال آئے گا، جن کے اعمال مختلف (اچھے) تھے۔ اللہ کے احکام پر عمل کرتے تھے، لیکن یہ اہل دوزخ ان کو دنیا میں کمتر سمجھتے اور حقارت سے دیکھتے تھے۔ آج وہ لوگ دوزخ میں ان کو نظر نہیں آئیں گے، تو وہ جان لیں گے کہ وہ لوگ کسی دوسری اچھی جگہ اپنے اعمال کی وجہ سے چلے گئے ہیں۔ وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔ ان (اہل دوزخ) کو اپنے عمل و کردار، جو کہ دنیا میں تھا، اس پر افسوس ہو گا کہ وہ ان سے حقارت کرتے تھے۔ لیکن آج وہ ان سے اعلیٰ ہیں اس طرح دوزخی ان لوگوں سے جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں آئے ہیں، جھگڑا کریں گے کہ ان کی سزا کا سبب وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ دوزخ میں سزا بھگت رہے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا، اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس نیک طریقہ پر عمل کرے گا، اس کی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کو ایجاد کیا، خود اس کو بھی برے طریقہ کا گناہ ہو گا اور جو بعد میں اس برے طریقہ پر عمل کریں گے ان کی برائی کا بھی اس کو گناہ ہو گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (مسلم/سنن النسائی/ابن ماجہ)۔

ان امثال کا مقصد انسان کو اس کے اعمال کی اہمیت اور احکام خداوندی پر عمل کی فضیلت کا احساس دلانا ہے تاکہ دائمی زندگی میں اس کو سکون و آرام ہو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجئے میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں جو ایک (واحد) ہے اور سب پر غالب ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے رب جو عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

تعلیمات و ہدایات کے بعد دوبارہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کا ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ انکار کرنے والوں کی مخالفت پر اور اسلام قبول نہ کرنے پر پریشان نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ ان کو پہنچانا اور ان کے انکار پر ان کو عذاب الٰہی سے ڈرانا ہے۔ اللہ کی وحدانیت، اس کی قوت و غلبہ، اس کی عظمت، جو زمین اور ساری کائنات پر ہے کے بارے بتایا ہے۔ اس کی رحمت اور اس سے توبہ کرنے پر بخشش کے بارے بتایا ہے۔ اگر نہیں مانیں گے

توخود عذاب کے مستحق ہوں گے۔

متعدد احادیث میں اللہ تعالیٰ کی رحمت، قبول توبہ اور اس کی قہاریت کا ذکر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ ہر ابن آدم، خطاء کرنے والا ہے اور خطاء کاروں میں سب سے بہتر توبہ کرنے والے ہیں (ترمذی)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ جب تک بندہ کی روح نکلتے وقت، اس کے حلقوم (حلق) تک نہ پہنچ چکی ہو، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے۔ (ترمذی/ابن ماجہ)۔

توبہ کرنے کے بارے علماء نے کہا ہے کہ توبہ کرنے والے کے لئے مستحب (بہتر ہے) کہ جس زمین میں اس نے گناہ کئے ہوں، اس کو چھوڑ دے (اگر وہ مستقل طور پر گناہ کے ارتکاب کرتا ہے) اور جو لوگ اس کو گناہ کی دعوت دیتے ہوں یا گناہ میں مدد و تعاون کرتے ہوں ان سے دوری اختیار کرے (مقاطعہ کرے)۔ جب تک وہ لوگ بھی تائب نہ ہو جائیں۔ پھر نیک صالح اچھے کردار والے لوگوں سے تعلق جوڑے۔ ان کے ساتھ رہے اور ان کی نصائح اور اعمال سے فائدہ اُٹھائے۔ تمام برائی کے ذرائع سے نجاعت حاصل کی جائے۔ یہی ایک کامیاب طریقہ توبہ ہے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾

آپ کہہ دیجئے وہ بڑی خبر ہے۔

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾

تم جس سے اعراض کر رہے ہو۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾

مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ ملاءاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کیا بحث کر رہے تھے۔

اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

میری طرف صرف باتیں وحی کی جاتی ہیں کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے بعد، ایک بڑی خبر کے بارے تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ خبر قیامت کے بارے ہے، جس کو کفار مکہ نہیں مانتے تھے اور دوبارہ زندہ ہونے اور جزاو سزا کے منکر تھے۔ پھر قرآن مجید ہے، جس میں اللہ کے احکام اور ہدایات ہیں۔ کفار مکہ، قیامت اور قرآن مجید دونوں سے انکار کرتے تھے۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ ملاءاعلیٰ، مقرب فرشتوں کے گروہ کے مباحث کا مجھے کوئی علم نہیں کہ موضوع بحث کیا تھا۔ لہٰذا غلط قسم کے سوالات اور تنقید برائے تنقید کی ضرورت نہیں۔ مجھے جو احکام الٰہی اور ہدایات، وحی کے ذریعے پہنچائے جاتے ہیں، میں ان کی وجہ سے، تمہیں تمہارے برے انجام سے ڈرانے والا ہوں۔ ایک حدیث بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مطابق،

یہ بحث کفارات کے بارے تھی۔ **حدیث کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز کی اہمیت اور بعد میں عبادت، وضو کا اہتمام (مشقت کے وقت)، غریبوں کو کھانا کھلانا، لوگوں سے نرمی سے بات چیت کرنا اور رات کو تہجد کی نماز کے بارے تھی۔ (سنن ترمذی/سنن دارمی)۔ یہ تمام امور انسانی فلاح و بہبود کے لئے بہت اہم ہیں، جن سے معاشرہ میں برکت بڑھتی اور پھر آخرت میں اعلیٰ درجات بھی ہیں۔** ان کا اہتمام دنیا و آخرت میں بڑا سود مند ہے۔

ایک تفسیر، یہ بحث و مباحثہ، تخلیق آدم علیہ السلام سے متعلق تھا جس کا ذکر آگے آیات میں ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں گیلی مٹی سے بشر (انسان) بنانے والا ہوں۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾

پس جب میں اسے پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾

تو سب کے سب فرشتے (حکم کے مطابق) سجدے میں گر گئے۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

سوائے ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور انکار کرنے والوں (نافرمانوں) میں ہو گیا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾

(اللہ نے) فرمایا؛ اے ابلیس! تجھے اس بشر کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو پہلے سے ہی تکبر کرنے والوں میں سے تھا۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾

اس (ابلیس) نے کہا؛ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۖ ﴿۷۷﴾

(اللہ نے) فرمایا؛ تو اس (قرب کی مجلس) سے نکل جا۔ بے شک تو دھتکارا ہوا ہے۔

وجودانسان:۔

انسان کی تخلیق کے بارے آیات ہیں۔ یہ مضمون اس سے پہلے مختلف سورتوں (بقرہ/اعراف/الحجر/کہف) میں گذر چکا ہے۔ بشر کے معنی، ایسا جسم جس کی جلد ڈھکی ہوئی نہ ہو یعنی بالوں یا پروں سے چھپی نہ ہو۔ گیلی مٹی کی وضاحت، مختلف آیات میں کی گئی ہے کہ مٹی کو پانی سے گوندھا گیا۔ وہ سیاہ اور بدبودار گارہ، بن گئی۔ پھر سوکھ کر ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی بن گئی۔ یہ مختلف پروسس کے درجات ہیں، جس سے گذر کر مٹی سے اخذ شدہ اجزاء، جسم کی کیفیت اختیار کرتے ہیں۔ پھر اس کو عمدہ طریقے سے ڈیزائن کیا گیا جس کا ذکر ' سَوَّیْتُهٗ ' سے کیا ہے۔

احادیث میں انسانی نطفہ سے انسانی جسم تک کے مراحل کا اشارہ سے ذکر ہے۔ نطفہ سے چالیس دن میں جما ہو اخون، پھر کم و بیش چالیس دن کے بعد ایک لوتھڑا، پھر چالیس دن کے قریب مدت میں گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ پھر اسی مدت کے بعد شکل اختیار کرتا ہے اور اس میں روح پڑ جاتی ہے۔ اپنی طرف سے روح پھونکنا سے مراد انسان سے، اللہ تعالیٰ کی، ایک خصوصی قربت کا اظہار ہے۔ یہ روح جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس روح سے، انسانی عقل و ذہن کی عظمت کا اظہار ہے، جو دوسری مخلوقات کے مقابل برتر ہے۔ جسم ایک مادی کیفیت و حیثیت (وجود) کا حامل ہے اور روح ایک لطیف (غیر مادی) کیفیت و حیثیت کی حامل ہے۔ جسم کی، موت کے بعد فنا ہے، لیکن روح کی موت کے بعد فنا نہیں۔ پھر انسان کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ یہ سجدہ جھکنے کا بھی اور زمین پر چہرہ رکھنا بھی ہوتا ہے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ ابلیس کی اصل آگ سے ہے، جس طرح کہ اس نے دعویٰ کیا ہے۔ فرشتے نور (روشنی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ ابلیس کے وجود کا مادہ مختلف تھا، لیکن روشنی اور آگ میں بڑا قرب ہے، اس لئے، وہ فرشتوں کے ساتھ بھی رہتا تھا۔ اس کو بھی ان کے ساتھ سجدہ کا حکم ہوا۔ اس نے تکبر کی بناء پر انکار کیا۔ انسان سے ایک خاص تعلق و قرب کے اظہار کے طور پر فرمایا، کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، یہ انسانی کرامت کا اظہار ہے اور دوسرا کہ حضرت آدم علیہ السلام (پہلا انسان) بغیر ماں باپ کے واسطہ کے وجود میں آئے۔

تکبر:۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے اس کے انکار کا سبب پوچھا کہ کیا یہ تکبر کا انداز یا انکار، انسان کے سبب ہے یا وہ پہلے ہی اپنے آپ پر تکبر کرتا ہے، تو اس نے کہا کہ وہ انسان سے بہتر ہے کیونکہ اس کی تخلیق غیر مادی وجود یعنی آگ سے ہے اور انسان کی مادی وجود مٹی سے ہے۔ لہٰذا ایک برتر کو کمتر کو سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے اپنی ذات کی اہمیت کا خیال کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کر دیا۔ یہ اس کا تکبر تھا۔ تکبر ایک ایسی کیفیت ہے، کہ تکبر کرنے والے اپنی حیثیت کو

دوسروں سے برتر خیال کرتا ہے اور اس وجہ سے اس کا رویہ مختلف ہو جاتا ہے۔اس تکبر کی، اللہ تعالیٰ نے اسے سزا دی کہ جس مقام پر تھا، وہاں سے اسے نکال دیا گیا اور فرمایا کہ تو دھتکارا ہوا ہے، آئندہ تیری کوئی شنوائی نہیں ہو گی اور اپنے مقام سے گرا دیا گیا ہے۔اس سے ایک مقام وہ تھا، جہاں اس کا وجود تھا اور وہ آسمانوں پر تھا اور دوسرا اس کا اپنا بحیثیت مخلوق ایک مقام تھا، جس کی وجہ سے وہ فرشتوں کے ساتھ تھا۔اس سے بھی اس کو گرا دیا گیا اور آئندہ کے لئے وہ مجرم بن گیا جس کی سزا جہنم ہے۔

تکبر ایک بہت بری نفسیاتی یا روحانی بیماری ہے، جس کے بہت زیادہ نقائص ہیں اور اس کا انجام بہت برا ہے۔ یہ عبادت کی وجہ سے ہو، تو عبادات کی قبولیت ختم ہو جاتی ہے اور سماجی و معاشی وجہ سے ہو تو اس کا انجام بھی ناکامی میں ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے بارے متعدد دفعہ منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا؛ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔(مسلم شریف)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریائی (بڑھائی) میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے،(یعنی میرے ساتھ خاص ہے) جو ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا (یعنی تکبر کرے گا) میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔(ابن ماجہ)۔

اسوۃ النبی ﷺ:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ اہل مدینہ میں سے لوگ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر ،آپ ﷺ کو مدینہ میں جہاں چاہتے لے جاتے اور اپنی ضرورت پوری کرتے۔(ابن ماجہ)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں بیان فرمایا: کہ نبی ﷺ بیماروں کی طرح عبادت کرتے، جنازہ کے ساتھ جاتے، نوکر اور خادم کی دعوت قبول کر لیتے تھے، جنگ قریظہ اور بنو نضیر کے دن آپ ﷺ نے دراز گوش (گدھے) پر سواری کی۔ جنگ خیبر کے دن بھی دراز گوش پر سوار تھے اور کھجور کی چھال کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور آپ ﷺ کے نیچے کھجور کی چھال کی گدی تھی (سنن ابن ماجہ)۔

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی سلام اس پر
کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

یہ تھا، دنیا کے عظیم ترین لیڈر کا کردار اور عوام کے ساتھ رویہ، جس کی ہمیں اپنی زندگی میں اقتداء (پیروی) کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ مکارم اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور خلق عظیم کی مثال تھے (آپ ﷺ پر ہزاروں درود و سلام ہوں)۔

وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾

بے شک قیامت کے دن تک تجھ (ابلیس) پر میری لعنت ہے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾

اس (ابلیس) نے کہا؛ اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک مہلت دے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾

فرمایا (اللہ نے) بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾

اس دن تک جس کا وقت (مجھے) معلوم ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾

اس (ابلیس) نے کہا؛ پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾

سوائے ان کے جو ان میں تیرے مخلص بندے ہیں۔

قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾

(اللہ نے) فرمایا؛ پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی کہتا ہوں۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم (دوزخ) کو بھر دوں گا۔

ابلیس (شیطان)، کو اس حکم کے انکار پر سزا دی گئی۔ آسمانوں سے نکال دیا گیا۔ قربت یعنی فرشتوں کے ساتھ سے نکال دیا گیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت (ناراضگی) ہمیشہ کے لئے (قیامت) تک لگا دی گئی۔ جب شیطان کو اس سزا کا علم ہوا، تو فوراً اللہ تعالیٰ سے اس کی ربوبیت کے نام کی درخواست کی، کہ اس کو اُٹھنے والے دن (قیامت) تک مہلت دی جائے یعنی زندگی دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خاص دن تک مہلت دے دی، جس کے بارے خیال ہے کہ پہلی صور، قیامت کے دن تک ہے۔

شیطان کا عمل اور اس کی سزا:۔

شیطان (ابلیس)، نے اس سزا، اور عذاب پر کہا کہ وہ اپنی پوری پوری کوشش کرے گا کہ انسانوں کو گمراہ

کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے نافرمانی کی طرف لے جائے، تاکہ انسان بھی سزاوار ہوں۔ اسی پر اس نے عزم صمیم کا اظہار کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم اُٹھائی، کہ وہ انسانوں کو گمراہ ہر صورت میں کرے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے نیک اور مخلص بندے اس کی ہمت اور کوشش سے باہر ہیں، یعنی اس کا شکار نہیں ہوں گے۔

شیطان، عموماً انسان کو کسی بودی اور کمزور دلیل سے شکار کرتا ہے۔ ایک معمولی فائدے کے بہانے سے بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ آخرت کی زندگی کو تباہ کر دے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو وہ دنیا کی زندگی کو پھر خراب کرتا ہے۔ اس کا طریقہ برے خیالات، برے نظریات، کو بار بار انسانی دماغ میں ڈالنا ہے تاکہ وہ ارادہ بن جائیں اور عمل ہو جائے۔ شیطان ایک غیر مادی قوت ہے، جس کی مثال ہمارے تیار کردہ مصنوعی عقل میں سافٹ ویئر ہیں، جو نظر نہیں آتے، محسوس نہیں ہوتے اور جو ہارڈ ویئر میں جا کر عمل کرتے ہیں۔ شیطان ایک غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) انرجی (آگ) سے بنا ہوا ہے۔ اس لئے وہ انسانی دماغ میں جا کر جہاں غور و فکر ہوتی ہے، وہاں اثر انداز ہوتا ہے۔ انسانی صفات و ضروریات جو خواہشات کی صورت میں بھی ہوتی ہیں، ان کو بار بار دماغ میں ڈالتا ہے تاکہ ان کی وجہ سے عمل کیا جائے اس سے بچنے کے لئے اللہ کی مدد کی ہر وقت ضرورت ہے۔ بار بار استغفار پڑھنے، کام کو کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچنے سے اس کے اثر کو کم کیا جا سکتا ہے۔

شیطان کی اتباع (پیروی و مدد) جنات کرتے ہیں، جو کہ غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) مخلوق ہیں۔ وہ، بھی شیطان کی طرح آگ سے بنے ہوئے ہیں۔ وہ بھی انسانی دماغ یا جسم میں سرایت کر سکتے ہیں اور خیالات پر نظر انداز ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ برائی کے عمل میں حصہ دار ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو انسان و جنات شیطان کے مددگار اور گناہ کرنے والے ہیں، ان کو جہنم میں سزا دی جائے گی اور جہنم بھر دی جائے گی۔

سزا کیوں؟

ابلیس (شیطان) نے جب حکم کا انکار کیا۔ جرم سرزد ہوا۔ اس کی وجہ اپنا تکبر اور بڑھائی بیان کی، اس جرم پر اللہ تعالیٰ نے اسے راندہ درگاہ کر دیا۔ اس نے اللہ کی ربوبیت کا واسطہ دے کر، زندگی کی طوالت (دائمی) کی درخواست کی، جو ایک معینہ مدت تک کے لئے منظور کر لی گئی۔ شیطان بجائے اپنی غلطی اور اللہ تعالیٰ کی زندگی کی سہولت پر معافی مانگتا، اس نے انسانوں کو گمراہ کرنے اور اللہ کے احکام سے انکار پر ابھارنے کا اعلان کر دیا، کہ جب تک اس کی زندگی ہے، انسانوں کو گمراہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سزا دینے کا اعلان کیا تھا۔ جب اس کو سزا ملی، جو انسان، اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کریں گے، عدل کے مطابق ان کو بھی سزا ملنی ضروری ہے۔ اللہ عدل کرتے ہیں۔ قیامت کو عدل کریں گے، لہٰذا جو شیطان کی اتباع کریں گے، ان کو دوزخ کا عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل عطا فرمایا۔ عقل و علم کا معیار

،دوسری مخلوق سے بلند عطا کیااور ساتھ اختیار بھی دیا،تاکہ عقل کے استعمال کا پتہ چلے۔انسانوں کو شیطان کے بہکاوے اور دھوکہ سے بچانے کے لئے انبیاء کی رہنمائی میسر فرمائی اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہدایت کا بندوبست کیاتاکہ لوگ شیطان کے دھوکہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔انسان کے پاس سب کچھ ہے، عقل فہم، عمل کرنے کے لئے جسم کی قوت، ہدایت کے لئے الہامی کتابیں اور انبیاء کرام کی سیرت وتعلیمات،ان سب کے باوجود اگر کوئی شیطان کی پیروی کرتا ہے تو وہ سراسر انکار کرنے والا ہے۔لہٰذا سزا کا مستحق ہے اور سزا جہنم کی آگ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم انصاف، نیکی، بھلائی اور اس کی عبادت ،کا ہے۔کائنات کے سارے امور اس کے علم کے مطابق،اس کے نظام کے تابع،اس کی مخلوق میں واقع ہوتے ہیں۔اعمال کے مطابق،صاحب اختیار کو سزا ملے گی اور جن کا اختیار نہیں وہ حکم خداوندی کے تابع ہیں اور ان میں انکار یا انحراف ہی نہیں،لہٰذا ان کو سزا ہی نہیں۔یہ نظام الٰہی عدل و حق پر قائم ہے۔اللہ کے فیصلے حق سچ پر مبنی ہیں۔حق کے فیصلے ہیں اور ان پر پورا پورا عمل ہوتا ہے۔ان پر عمل کرنے کو کوئی روک نہیں سکتا۔اللہ کے احکام پر عمل میں ہی نجاعت ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾

آپ(اے نبی)کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتااور نہ میں تکلف(بناوٹ)کرنے والوں میں ہوں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

یہ(پیغام/قرآن)تو صرف تمام جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔

وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ اور تم اس خبر کو ضرور کچھ عرصہ جان لوگے۔

نبی ﷺ کی جدوجہد کا ذکر کیا گیا۔آپ ﷺ کا ماضی اور حال اہل مکہ کے سامنے تھا۔صداقت اور امانت، اعلیٰ اخلاق سے وہ واقف اور گواہ تھے،لیکن اسلام اور قرآن کریم کے سخت مخالفت کرتے،جس کا سبب ان کا تکبر یا ضد تھی۔آپ ﷺ ان کی دنیا و آخرت میں بہتری کے لئے یہ ساری تبلیغ کر رہے تھے۔کوئی معاشرتی یا معاشی (مالی) معاوضہ نہ مقصود تھااور نہ قبول کیااور اپنے فرائض تبلیغ میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں تھی۔

تکلف یا تصنع وہ ہوتا جب کوئی آدمی کسی کام کے کرنے میں جھوٹی یا بناوٹی مشکل کا اظہار کرے۔اگر کسی مشکل کام میں تکلیف یا مشقت ہو رہی ہے وہ تو ایک فطری عمل ہے،بناوٹ نہیں،بلکہ حقیقت ہے۔نبی ﷺ نے بناوٹ یا تصنع کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ ایک غلط اور غیر صحیح،انداز یا پیغام ہوتا ہے۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کوئی علم حاصل کیا ہے،وہ اس علم کی تعلیم دے دے اور وہ بات نہ

کہے جس کا اسے علم نہ ہو ورنہ وہ متکلفین میں سے ہو جائے گا اور دین سے نکل جائے گا (گنہگار ہو گا)۔ (الدار امنثور)۔ حضرت سلیمان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کوئی شخص مہمان کے لئے اپنی قدرت (طاقت) سے زیادہ کا تکلف نہ کرے۔ (شعب الایمان)۔

آخر میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے کہ عالمین یعنی تمام انسانوں اور جنوں (عقل و فہم/اختیار والوں) کے لئے ہدایت و نصیحت ہے۔ اس پر عمل کرنے والے، کامیاب ہوں گے اور نہ کرنے والے، ناکام و نامراد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کے نتائج، اہل مکہ اور دنیا دیکھ لے گی اور تاریخ نے ثابت کیا کہ چند سال بعد سارے اہل مکہ ناکام ہوئے اور اسلام کو قبول کر لیا۔ سورت کی ابتداء قرآن مجید کے ذکر رفیع سے اور اختتام بھی اسی پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو سمجھنے اور عمل کی قوت عطا فرمائے۔ آمین۔

الحمد للہ سورۃ صٓ بروز جمعرات 8 دسمبر 2022 عیسوی بمطابق 12 جمادی الاول 1444 ھجری کو اسلام آباد، پاکستان میں مکمل ہوئی۔

39- سورۃالزمر

تعارف:۔

سورت کا نام الزمر ہے۔ یہ آیت نمبر 71 اور 73 میں لفظ زمر کے ذکر سے ہے، جس کا مفہوم جماعت یا گروہ ہے۔اس سورت میں 75 آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔ ترتیب نزول سے اس کا نمبر اُنسٹھ (59) اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اُنتالیس (39) ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس کا وقت نزول، ہجرت حبشہ کے دوران یا قریب کا دور ہے۔ یہ سورت مومنون سے پہلے اور سورت سباء کے بعد نازل ہوئی۔

سورت الزمر اور سورت صٓ کے مضامین ملتے جلتے ہیں۔ ابتداء میں دونوں سورتوں میں قرآن مجید کا ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر بھی ہے۔ اختتام، اللہ کے جلال کے ذکر سے ہے۔

سورت کا موضوع توحید ہے۔ اللہ کے وجود کے سائنسی اور ظاہری دلائل ہیں، جو ہر ذی عقل کے سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ رات و دن، آسمان، و زمین، سورج اور چاند کا سلسلہ، ان کا ذکر ہے۔ اخلاص کے ساتھ عبادت کی تعلیم ہے۔ جب انسان پر تکلیف آتی ہے، تو اس کی نفسیاتی اور اعصابی کیفیت بیان کی ہے۔ جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر انسانی رویہ کیوں مختلف ہو جاتا ہے۔

اللہ کے احکام ماننے والوں اور انکار کرنے والوں کی حالت جو قیامت کے بعد ہو گی کا موازنہ کیا گیا ہے۔ احکام پر عمل کرنے والے، آرام و سکون میں اور انکار کرنے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اہل ایمان جو ظلم و ستم کا مقابلہ کر رہے ہیں، ان کو کامیابی کی نوید سنائی گئی اور ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ ہجرت کرنے والوں اور ظلم پر صبر کرنے والوں کا بڑا مقام ہے۔ دونوں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں کوئی وہاں رہ کر اور کوئی اپنے گھر کو چھوڑ کر۔

قیامت کا ذکر ہے۔ صور پھونکا جائے گا، تو لوگ بے ہوش، پھر ختم ہو جائیں گے اور جب دوبارہ پھونکا جائے گا، تو لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر حساب و کتاب ہو گا اور انسان کے اعمال پر اس کا انعام و سزا ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾

(اس) کتاب کا نازل کرنا، اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ﴿۲﴾

بے شک ہم نے (اس) کتاب (قرآن) کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے سو آپ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت اور اطاعت کرتے رہیں۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ﴿۳﴾

خبردار! خالص اطاعت، اللہ کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز (مددگار) بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ)، ہم ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں، کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہے۔

لَوۡ اَرَادَ اللّٰہُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿۴﴾

اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا، تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، واحد ہے، سب پر غالب ہے۔

سورت کی ابتداء کلام الٰہی کی عظمت سے کی گئی ہے۔ تنزیل کے معنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا نازل ہونا ہے۔ جس طرح قرآن مجید کو، جبرائیل امین، آہستہ آہستہ نبی ﷺ پر وحی کے ذریعے لاتے رہے۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو کہ بڑی قوت اور حکمت والا ہے۔ اس کی قوت اور حکمت کا اظہار اور ثبوت اس کتاب میں موجود ہے۔ اسی لئے یہ بہت اہم ہے۔ یہ کتاب حق ہے، یعنی حقائق پر مبنی ہے۔ کائنات کے ہوں یا انسانوں کے، اس میں موجود ہیں۔ یہ، حق کی طرف سے حامل حق بندے پر، حق معلومات پر، مبنی کتاب ہے۔ انسانی معاشروں کی کامیابی کے لئے، حق پر مبنی ہدایات و معلومات ہیں۔ اتنی اہم کتاب کا مقصد یہ ہے کہ خالق انسان و کائنات کی، قدر و منزلت کو انسان پہچانے، اس کے انعامات کا شکر گذار ہو اور اس کی سراپا اخلاص کی ساتھ عبادت کرے۔

اخلاص بہت اہم ہے۔اخلاص کے لغوی معنی تراش خراش کے بعد درست اور مہذب کرنا ہے یا میل کچیل یا آمیزش سے صاف کرنا ہے۔ اصطلاح میں دل کو دوسری اشیاء اور امور کی آمیزش سے خالی کرنا کہ صرف ایک طرف مکمل طور پر ہو۔نیت، قول اور عمل کو صاف رکھنا بھی اخلاص ہے۔دین میں اخلاص یہ ہے کہ دل میں اعمال کا مقصود، اللہ کے ماسوا سے بری ہو یعنی خالی ہو۔ تمام امور صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کئے جائیں۔اعمال، اقوال، کرامات کا اظہار معاشی اور معاشرتی، دکھلاوے کے لئے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کوئی مقصود نہ ہو۔ صوفیاء کے نزدیک نفس، قلب اور روح میں اخلاص سمایا ہوا ہو۔قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اخلاص کے بارے کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے۔ پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف محسوب ہو گی اور جس کی ہجرت اس دنیا کی طرف ہو جس کو وہ حاصل کرے یا کسی عورت کی ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف شمار کی جائے گی (بخاری/مسلم)۔

حضرت ابو سعید ابی خصالہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ، اولین اور آخرین کو قیامت کے اس دن جمع فرمائے گا جس دن کی تحقیق میں کوئی شبہ نہیں، تو ایک منادی یہ ندا کرے گا، جس نے اللہ کے لئے کوئی عمل کیا اور اس میں کسی کو شریک کیا وہ اس کے ثواب کو اللہ کے غیر سے طلب کرے، کیونکہ اللہ تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہے۔(ترمذی/ابن ماجہ)۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ، اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج یا چاند یا بت کی پرستش کریں گے لیکن وہ غیر اللہ کے لئے عمل کریں گے اور شہوت خفیہ (ریاکاری) کریں گے۔(ابن ماجہ/مسند احمد)۔

اخلاص کا معیار:۔

کسی آدمی کے نیک اعمال پر اس کی تعریف اور تحسین کی جائے اور وہ تعریف اور تحسین سن کر اس لئے خوش ہو، تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت بیٹھ جائے اور وہ اس کو پارسا اور بزرگ جانیں اور وہ ان سے دنیاوی فوائد (مال و متاع) حاصل کرے، تو اس کی یہ نیت مذموم ہے اور جو شخص یہ پسند نہ کرتا ہو، کہ لوگ اس کے نیک کاموں پر اطلاع پائیں اور اللہ اس کی نیکیوں پر لوگوں کو مطلع کر دے، پھر وہ اس وجہ سے خوش ہو، کہ یہ اس پر اللہ کا فضل و انعام ہے۔ یہ اس کی خوشی مذموم نہیں، بالکل مستحسن ہے۔(قرطبیؒ)۔ اسی مضمون کی ایک حدیث مبارکہ بھی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی نیت میں فرق ہی اخلاص اور ریا کا معیار ہے۔

عرب کے تین قبائل بنو عامر، کنانہ، بنو سلم ،بتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے کہ فرشتے ،اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ کہتے کہ ہم ان کی صرف عبادت کرتے ہیں، کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں،(درالمنثور)۔اہل مکہ میں بھی یہ عقائد تھے اور بتوں کو تقرب خدا کا ذریعہ سمجھتے۔اللہ تعالیٰ نے ان عقائد وافکار سے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو سمیع (بہت زیادہ سننے والا)قریب (شہ رگ سے بھی قریب)اور بصیر (بہت دیکھنے والا) ہے،اس کی ہی خالص عبادت کی جائے۔یہ مختلف واسطے جو انسانی دماغ کی پیداوار ہیں ان کے استعمال اور ان پر بھروسہ کرنے میں مشکلات ہیں۔کون سا ذریعہ زیادہ قریب ترین ہے اور کون سا دور ہے، فرشتوں، بتوں، ستاروں، سیاروں، کو اللہ کا نمائندہ بنانا، اللہ کے احکام کے خلاف ہے۔اسی طرح یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی اولاد بنا دیا۔اللہ کا کوئی شریک نہیں۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کا وہی طریقہ صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی الہامی کتابوں اور انبیاء کے ذریعہ بتایا ہے۔ اس سے انحراف گمراہی ہے یا گمراہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ان اختلافات کے بارے یہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ جنگ وجدال نہ کیا جائے، دعوت و تبلیغ کی جائے۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریں گے۔

اب جب ہدایت موجود ہے، پھر بھی لوگ گمراہ ہیں کیونکہ جو لوگ عقل وشعور کے باوجود دلائل کائنات کو دیکھتے ہوئے، بھی خالق کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انعامات، انسانی زندگی، زمین پر مختلف اسباب و آسائش، فضاء وخلاء سے انعامات، کی صورت میں دیئے ہیں، جن کی وجہ سے انسان کی زندگی چل رہی ہے۔ان کے لئے شکر ضروری ہے۔جو لوگ اللہ کے واضح احکامات کا انکار کرتے ہیں یا ان میں اپنی مرضی کی تبدیلی کرتے ہیں،ان کی مثال اللہ کے بارے جھوٹ بولنے کی ہے اور جو اس کی نعمتوں کا احساس نہیں کرتے ،اس کی بندگی نہیں کرتے ،وہ ناشکرے ہیں۔یہ دونوں اپنے اعمال اور ان پر اصرار کی وجہ سے حق وہدایت سے محروم رہیں گے۔اللہ کے ہدایت دینے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے گمراہی پر اصرار کیا ہے،اس لئے یہ ہدایت کے باوجود اسی گمراہی پر چلتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے باوجود ان کو ان کے اختیار پر چلنے دیں گے جس کا انجام دوزخ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد یعنی قرب کا ذریعہ بیان کرنے کے عقیدہ کا اعلان کیا ہے۔یہود، نصاریٰ یا دوسرے لوگ جو کسی کو اللہ کی اولاد ظاہر کر کے عبادت واطاعت کرتے ہیں **سراسر گمراہی ہے** کیونکہ اللہ واحد ولاشریک ہے۔اولاد کے لئے ہم جنس ہونا پھر جوڑا ہونا لازم آتا ہے پھر اولاد کی ضرورت اس کی ہے، جو ختم ہوگا اور اس کی اولاد تسلسل رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام امور جو اس کے لئے عیوب ہیں،ان سے بلند وبرتر ہے۔اس لئے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی وہ اپنی مخلوق سے کسی کو اولاد بنانا چاہتا ہے۔اگر ہوتی تو اس نے اپنے کلام میں اس کا اعلان کر دیا ہوتا۔واحد ویکتا وہ سخت قوت وطاقت والا ہے۔کسی کو بھی اللہ کی اولاد تصور کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ یُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝۵

اس (اللہ نے) آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اس نے سورج کو کام پر لگا رکھا ہے (کنٹرول ہے) ہر ایک مدت مقررہ تک گردش کر رہا ہے سنو! وہی بہت غالب اور بے حد بخشنے والا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶

اس (اللہ نے) تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لئے آٹھ نر اور مادہ اتارے، وہ (اللہ) تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق کرتا ہے۔ ایک کے بعد دوسری تخلیق، تین تاریکیوں (پردوں) میں، یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے۔ اسی کی سلطنت ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ پس تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۚ وَ لَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ اِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

اگر تم انکار (ناشکری) کرو گے تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر (انکار/ناشکری) پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو گا۔ کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ پھر تم سب کو (تمہارے) رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔ بے شک وہ دلوں کے حال کو خوب جاننے والا ہے۔

نظام کائنات:۔

اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کے سائنسی اور واضح دلائل بتائے جا رہے ہیں، کہ وہ ذات جس نے زمین اور آسمانوں کو بڑے مناسب، صحیح اور مضبوط نظام، جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے کے ساتھ پیدا کیا، یعنی حق کے ساتھ، جس

کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ کتنے ہزاروں سالوں سے انسان دیکھ رہا ہے اور اس کی تاریخ تو کئی ملین سال تک ہے۔ سورج، چاند، زمین، اپنے نظام پر اپنے اپنے مداروں اور مرکزوں میں گھوم رہے ہیں۔ کہیں ویسے قائم ہیں مثلاً زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے، جس کی وجہ سے مشرق سے روشنی، رات کو لپیٹ لیتی ہے اور مغرب، سے اندھیرا، دن کو لپیٹ کر رات کا سماں بن جاتا ہے۔ پھر سورج کے مدار اور اپنے زاویہ سے زمین کے موسم، سورج کے فاصلے کے ساتھ بدلتے ہیں۔ دن بڑھتا ہے اور رات گھٹتی ہے۔

صوفیاء کے نزدیک دن و رات کے پھرنے سے مراد احوال روح و نفس ہیں۔ جیسے قبض و بسط، الصحو السکر، الجمع والفرق، ستر اور تجلی، کی کیفیات جو بدلتی رہتی ہیں۔

ان موسموں سے انسانی اور حیوانی وجود زمین پر قائم ہے۔ فصل ہیں، باغات اور جنگلات ہیں، چاند کی ایک ہی طرف زمین کی طرف رہتی ہے، جس سے سورج کی روشنی منعکس ہو کر زمین پر پڑتی ہے، اس کے اپنے فوائد ہیں۔ چاند کی کشش سے سمندر میں مد و جزر ہوتا ہے۔ فضاء میں ہواؤں کا رخ ہے۔ بادل ہے بارش و باران ہے۔ غرض کس کس کی بات کی جائے، سب خالق کائنات کی قوت کے مظہر ہیں۔ وہ بڑی قوت والا ہے اور اس کے ساتھ بڑا بخشنے والا ہے۔

زمین و آسمان چاند و سورج کے بعد، انسانی زندگی اور جسم کا ذکر ہے کہ اس پر ہم غور کریں تو اپنے خالق کو پہچان سکتے ہیں۔ انسانوں کو ایک ہی نفس (جنس) سے پیدا کیا۔ مرد ہو یا عورت، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اسلام کے مطابق پہلے مرد (حضرت آدم علیہ السلام) سے عورت پیدا ہوئی ہے۔ اس کے بعد مرد و عورت میں تسلسل شروع ہوا ہے۔ جس سے آج تقریباً دو بلین سے زیادہ آبادی ہو چکی ہے۔ انسانوں کی پیدائش کے ضمن میں تین حالتوں کا ذکر ہے۔ جن کو ظلمات یعنی پردوں میں چھپی ہوئی کیفیت یا حالت کا اظہار ہے۔ اور یہ حالت مادہ یعنی ماؤں کے پیٹ میں ہے۔ علماء نے ان تین حالتوں کی تفسیریوں کی ہے (۱): نطفہ کی صورت میں (۲): حمل کی صورت میں پیٹ میں (۳): جھلی کے غلاف میں بچہ کی حالت (بوقت ولادت یا قبل از ولادت)۔ دراصل تین ظلمات کی تشریح سائنسی (طبعی) جینیٹک لحاظ سے اور بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اشارہ کیا ہے۔ اس پر انسان مزید تحقیق (بالخصوص بیالوجی) کر کے مزید انکشافات کر سکتا ہے۔ پھر انسان کی مدد و خدمت کے لئے حیوانات کو پیدا کیا گیا۔ یہ چار حیوانات انسانی زندگی اور تمدن میں بہت اہم ہیں۔ (۱): اونٹ۔ (۲): گائے۔ (۳): بکری۔ (۴): بھیڑ۔ ہر ایک میں نر اور مادہ ہے جس سے ان کی افزائش نسل ہو رہی ہے۔ اس طرح کل تعداد آٹھ بنتی ہے۔

یہ کائنات کا وجود، اجرام سماوی نظر آنے والے، سورج، ستارے، چاند، زمین، پھر انسان کا وجود، نطفہ انسانی، سے ایک کامل انسان کا آنا، سب اللہ کی طاقت و قدرت کے دلائل ہیں۔ اتنے دلائل کے باوجود اگر انسان اللہ کی قوت و

طاقت سے دور ہو کر دوسرے معبودوں کی عبادت کیوں کرتا ہے؟ کیوں حق سے پھرا ہوا ہے؟ اور غلط مقامات میں گم ہے؟ اللہ کی ذات یکتا ہے، وہی قابل عبودیت ہے۔ باقی ساری اس کی مخلوق اس کی ہی محتاج ہے۔ اتنی بڑی ذات کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرنا، بتوں کو پوجنا، اجرام سماوی کو معبود جاننا کتنی بڑی گمراہی ہے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔ اتنی بڑی ذات اور رحمت کرنے والی ہستی کو چھوڑ کو شیطان اور نفس کی خواہشات پر چلنا گویا بھٹکنا ہے۔ یہ اللہ کی انسان سے محبت کا اظہار ہے کہ مالک کو چھوڑ کر کہاں بھٹک رہے ہو۔

اطاعت/نافرمانی:۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے انسان کی عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ ساری کائنات میں اس کی ساری مخلوقات عبادت کرتی ہیں۔ احکام کے مطابق کام کرتی ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن، تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو وہ میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمہارے انسان اور جن اور تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کی کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے جمع کر رہا ہوں (ریکارڈ رکھ رہا ہوں) پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔ پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جن کو خیر کے سوا کوئی چیز (آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرے۔ (بروایت حضرت ابوذر۔ طویل حدیث۔ مسلم/ترمذی/ابن ماجہ)۔ آیت مبارکہ میں ہے کہ اگر تم اللہ کی نافرمانی کرو، شکر بجانہ لاؤ، تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس کی وقعت نہیں ،وہ تمہارے اعمال سے بے نیاز ہے۔ لیکن وہ اپنے بندوں سے نافرمانی پسند نہیں کرتا اور اگر تم اس کی فرمانبرداری اور شکر ادا کرو جو اس نے تمہیں نعمتیں دی ہیں تو وہ تم سے راضی ہو گا۔ اس کا عدل حقیقت ہے ہر آدمی اپنے عمل کی جزا پائے گا۔ اس کے عدل کے دن کوئی آدمی دوسرے آدمی کے اعمال بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ عدل کی وجہ سے ہر آدمی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہو گا اور اس وقت جب انسان اللہ کے ہاں حاضر ہوں گے ان کو ان کے دنیا میں تمام اعمال کی خبر دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے علم اور معلومات کا معیار یہ ہے کہ اللہ اعمال تو اعمال، دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات اور ارادوں کو بھی جانتا ہے جو ابھی زبان پر یا عمل میں نہیں آئے۔ اللہ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔

تقدیر اور تابعداری:۔

آیت مبارکہ سے ایک چیز واضح ہے کہ اللہ کی رضااور خوشنودی،اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے۔انسان احکام کی نافرمانی بھی کرتا ہے اور فرمانبرداری بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رضااس کے احکام جو اس نے مختلف انبیاء کے ذریعہ اور شریعتوں یعنی الہامی کتابوں کے ذریعے پہنچائے ہیں ان پر عمل میں ہے۔ آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور آخری شریعت وکتاب،اسلام وقرآن مجید ہیں اور اس کے مطابق بالخصوص فرائض وواجبات ادا کرنااور حرام وممنوع سے بچنا بہت ضروری ہے۔

خیر اور شر، نیکی اور بدی، روشنی اور اندھیرا، زندگی اور موت اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔اس کے نظام میں چور بھی ہے قاتل بھی۔ نیک بھی ہیں بد بھی۔ ہر ایک اپنے اعمال اور کام کر رہا ہے لیکن انسانوں کے لئے جن کو عقل سے نوازا ہے،ان کو بھلائی، خیر کا حکم دیا ہے اور اگر نہیں کریں گے تو اللہ کی رضا یا احکام کے خلاف عمل ہوگا، لہٰذا نظام کائنات یعنی مشیت خداوندی، کو اللہ تعالیٰ کی رضا سے علیحدہ سمجھنا ضروری ہے، تاکہ اعمال کو رضائے الٰہی کے مطابق کیا جاسکے۔ جس کی مثال قاتل، چور، ظالم، جھوٹا، سب برے اعمال کر رہے ہیں۔اسباب مل رہے ہیں اور رزق وزندگی، گزار رہے ہیں جو کہ مشیت (کائنات) الٰہی کا حصہ ہیں، لیکن اللہ کی رضا اس میں ہے کہ ان اعمال بد کو نہ کیا جائے، کیونکہ علم واختیار دونوں انسان کو دیئے گئے ہیں۔اللہ کی رضا کا مقصود، انسان کی اس دنیا میں فلاح ہے اور پھر آخرت میں انعام واکرام ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسے پکارتا ہے۔ پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے نعمت عطا کرتا تو وہ اس سے پہلے جو دعا کیا کرتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لئے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ اس (اللہ) کے راستے سے لوگوں کو بہکائے۔ آپ کہہ دیجئے؛ تو اپنے کفر کے ساتھ کچھ دنیاوی فائدہ اٹھالے۔ بلاشبہ تو دوزخیوں میں سے ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹

کیا (یہ مشرک بہتر ہے یا وہ) جو رات کے اوقات میں سجدہ کرتے ہیں اور قیام کرتے ہوئے عبادت وفرمانبرداری کرتا ہے جب کہ وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی

رکھتا ہے۔ کہہ دیجئے؛ کیا جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔ پس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔

قرآن مجید دونوں کرداروں کا موازنہ کر رہا ہے۔ ایک انسان پر جب تکلیف پڑتی ہے تو اللہ کے آگے گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے اور جب اس کی تکلیف یا مصیبت دور ہو جاتی ہے تو سب بھول کر اپنی نفس کی خواہشات پر چلتا ہے۔ اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا۔ دوسرے اسباب وسائل پر نگاہ رکھتا ہے اور انہیں عامل حقیقی سمجھ کر خالق کائنات کو بھول جاتا ہے۔ احکام سے گمراہ ہو جاتا ہے اور دنیا کی زندگی میں چند فائدے اٹھالیتا ہے۔ لیکن اسے برے اعمال اور اللہ کے احکام کی نافرمانی پر دوزخ کی آگ میں جلنا ہوگا۔ ایک اور شخص اللہ اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہے۔ تکلیف اور راحت میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ رات کی نماز بالخصوص تہجد پڑھتا ہے۔ بستر کی گرمی و نرمی کے مقابل، اللہ کے حضور کھڑا رہتا ہے۔ تہجد کی نماز کی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم رات کی نماز کے قیام کو لازم رکھو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کے قیام (نماز) سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور رات کا قیام گناہوں کو روکتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور جسمانی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ (سنن ترمذی/سنن کبریٰ للبیہقی)۔

(۱) تہجد کی فضیلت کی یہ وجہ ہے کہ رات کی خاموشی پر سکون ماحول میسر کرتی ہے۔

(۲) رات کی وجہ سے لوگ نہیں دیکھتے یعنی ریا یا تکبر نہیں پیدا ہوتا۔

(۳) پر سکون و آرام دہ بستر چھوڑ کر سحر خیزی بڑی مشکل ہے اس لئے اجر بہت زیادہ ہے۔

مومن اللہ کے عذاب کے خوف کے ساتھ اور اس کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے۔ مذکورہ دونوں کردار ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان کی مثال اس طرح ہے جس طرح کہ ایک عالم باعمل ہو اور دوسرا بالکل جاہل جس کو کچھ معلوم نہ ہو۔ ایک اندھا اور دوسرا دیکھنے والا ہو۔ ان کے اعمال میں فرق کی وجہ سے ان کے درجات اور جزا و سزا میں فرق ہوگا۔ اہل عقل و خرد، ہی ان معاملات اور ان کے درمیان فرق کو سمجھتے ہیں اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جو ان حقائق پر غور نہیں کرتے وہ گویا عقل سے محروم ہیں۔

علم:۔

علم، کسی چیز کا ذہن میں انکشاف (جاننے) کا نام علم ہے۔ قرآن مجید و احادیث میں علم کی اہمیت اور ضرورت کئی بار بیان کی گئی ہے۔ علم سے مراد دینی اور غیر دینی علوم (نیچرل اور سوشل سائنسز) ہیں، جن سے انسانوں کو فائدہ پہنچے۔ اس لئے علم کو نور کہا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ جو شخص علم ڈھونڈنے کے لئے کسی راستہ پر چلا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ (ترمذی)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں نکلا، وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے۔ (سنن ترمذی)۔ حضرت ابو الدرداؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے۔ (ترمذی/دارمی)۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰

کہہ دیجئے؛ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے رب سے ڈرو، جنہوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کئے ان کے لئے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے۔ بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

ہجرت:۔

آیات مبارکہ بہت اہم پیغام دے رہی ہے اور یہ پیغام خاص ایمان کے لئے ہے۔ اللہ سے ڈرو، اس کے احکام پر عمل کرو اور ممنوعہ امور سے بچو۔ یہ دنیا، دارالعمل ہے۔ زندگی جدوجہد کا نام ہے، اس میں سماجی، معاشی مشکلات پیش آتی ہیں۔ نیک امور (خیر/بھلائی) کا حکم دیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں مومن کے لئے بھلائی بہت اہم ہے۔ اللہ کے احکام پر عمل میں ہی کامیابی ہے۔ بعض اوقات حالات بہت سخت ہوتے ہیں اور احکام خداوندی پر عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں اللہ کی زمین وسیع ہے، کسی ایسی جگہ منتقل ہونے کی اجازت ہے جہاں احکام پر آسانی سے عمل ہو سکے۔ تمام انبیاء نے نقل مکانی کی ہے۔ یہاں نقل مکانی یعنی ہجرت کا مقصد اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ جہاں زندگی گذر رہی ہے وہاں سے نفسیاتی طور پر نکلنا بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ نئی زمین پر کتنے اور کیسے مسائل ہوں گے ان کی صحیح خبر نہیں ہوتی، مشکلات زیادہ ہو جاتی ہیں اور اس لئے اس پر بڑی جزا ہے۔

صبر:۔

مشکلات میں صبر کرنا بہت بڑا کام ہے۔ اس کا درجہ بھی بہت بڑا، اور اس کا اجر حساب و کتاب سے بڑھ کر ہے۔ صبر کا مفہوم وسیع ہے اور اس کا اطلاق حالات کے مطابق ہے۔ مثلاً بیماری پر صبر، ذہنی اذیت پر صبر، فقر و افلاس پر صبر، جسمانی مشقت پر صبر، دوسرے مصائب (موت) غم اور دکھ پر صبر، سب سے بڑھ کر شہوات و لذات نفس کو

ترک کرنا صبر ہے، جو ایمان و تقویٰ کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔

صبر وہ عظیم فضیلت و قوت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنی چاہیے اور اس کی استعداد اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر رکھی ہے۔ صرف اس کو ہمیں استعمال کرنے کے لئے ہمت کرنی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کا کردار ہمارے لئے عظیم مثالیں ہیں کہ کس طرح کے حالات میں انہوں نے صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم اجر کے علاوہ، صبر سے دنیاوی مصائب کم ہو جاتے ہیں اور انسان کی زندگی زیادہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ آیت مبارکہ میں الفاظ، اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ، کا ایک مفہوم یہ بھی کیا گیا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے امور کا فائدہ اسی دنیا میں انسانوں کو مل جاتا ہے۔ لہٰذا ان کو کرنا ضروری ہے۔ آخرت کا ثواب نیکی کرنے میں اللہ کی تابعداری کی نیت سے اور زیادہ ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا؛ یارسول اللہ ﷺ کونسی ہجرت افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛ تم ان کاموں سے ہجرت کرلو (چھوڑ دو) جو تمہارے رب کو ناپسند ہیں۔ (سنن النسائی)۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾

آپ کہہ دیجئے؛ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی بندگی (عبادت) کروں۔

وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان بن جاؤں۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾

کہہ دیجئے؛ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو یقیناً مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

کہہ دیجئے؛ میں اللہ کے لئے اپنی بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے احکام ہیں کہ بطور نبی اور داعی میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ بندگی و عبادت کرتا ہوں اور پہلے خود مسلمان ہوں اور پھر تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ مسلمان کی صفات میں اخلاص اور بندگی دونوں اہم ہیں۔ اگر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کروں گا، تو مجھے بھی اللہ کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو گناہوں سے محفوظ رکھا ہے، تاکہ ان کی تعلیمات میں شک نہ پڑے لیکن اللہ تعالیٰ کے جلال و قوت کے سامنے تمام انبیاء بھی سرنگوں ہیں۔ خالق اور مخلوق، مقام بندگی اور مقام الوہیت دونوں بالکل واضح اور جدا ہیں۔ تمام

انبیاء مقام بندگی اور اخلاص بندگی میں تمام انسانوں سے آگے ہیں اور قابل تقلید مثال ہیں۔ کسی غلطی یا گناہ کی صورت میں، اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر بڑا شدید ہے۔ اور ساری زندگی میں اس کی رضا اور عبادت، اخلاص سے کی گئی ہے۔ تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بھی اسی کی اتباع کی دعوت ہے۔ نزول قرآن کے وقت قریش مکہ مخاطب تھے اور اب دوسرے غیر مسلم ہیں۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

تو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، کہہ دیجئے؛ بلا شبہ خسارہ اٹھانے والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے روز قیامت اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا، خبردار یہ کھلا خسارہ ہے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

ان کے لئے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے۔ یہی وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس اے میرے بندو! تم مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔

منکرین اسلام، سے کہا گیا کہ تم اگر اللہ کی عبادت نہیں کرتے اور توحید پر یقین نہیں کرتے، تو تم جس کی چاہو عبادت کرو، لیکن یہ عمل تمہیں بہت نقصان دے گا۔ تم لوگ اور تمہارے اہل خانہ، جو تمہارے ساتھ ہیں قیامت میں بڑی تکلیف و دکھ میں ہوں گے، کیونکہ ان کے عذاب کے لئے ان کے سروں پر بھی آگ کے سائبان (خیمہ کا چھت) ہو گا۔ اسی طرح ان کے پاؤں کے نیچے بھی آگ کا فرش ہو گا اور ان دونوں آگوں کے درمیان جھلسیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انسانوں سے بطور پیار فرمارہا ہے، کہ میری عبادت کرو، وحدانیت الوہیت پر یقین رکھو اور عذاب سے بچو۔

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾

جو لوگ طاغوت کی عبادت سے بچے رہے اور انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ ان کے لئے بشارت (خوشخبری) ہے۔ لہذا آپ (اے نبی) میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

جو غور سے بات سنتے ہیں اور اچھے بات کی پیروی کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور وہی لوگ عقل والے ہیں۔

اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو گمراہی سے بچے رہے۔ طاغوت کا مصدر طغیان ہے، یعنی سرکشی، حد سے زیادہ نافرمانی کرنا۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، گمراہی سے بچنے کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ رجوع ان کی عبادت واطاعت ہے اگر غلطی ہو جائے تو معافی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ان کو جنت کی خوشخبری کا حکم دیا ہے اور ان سے محبت کے تعلق (میرے ان بندوں) کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ بندے اخلاق عالیہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہر اچھی اور بھلائی کی تلاش میں رہتے ہیں۔اور جہاں سے مل جائے اس کو اپنا لیتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث ہے کہ حکمت (دانائی) مومن کی گمشدہ اثاثہ ہے، جہاں سے بھی ملے ،وہ اسے حاصل کرنے کا حقدار ہے۔(**الحکمة ضالته المومن مں حیث وجد ها احق بها**)۔

یہ اعمال ان کی ہدایت یافتہ ہونے کی دلیل اور ان کے عقل مند ہونے کا ثبوت ہیں۔اسلام اچھائی کی تلاش،، علم و عمل اور عقل کے استعمال کی کس قدر اہمیت دیتا ہے۔

احسن کی اتباع کی ایک تفسیر یہ ہے، کہ وہ اپنے ساتھ کئے گئے معاملہ یا برتاؤ کا جواب یا صلہ بہتر طریقہ سے دیتے ہیں، جس طرح نبی ﷺ گر کوئی ادھار لیتے تو بہتر طریقہ سے واپس کرتے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾

کیا پھر جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہو تو (اے نبی) کیا آپ چھڑا لیں گے جو آگ (دوزخ) میں ہے؟

اللہ تعالیٰ کے عدل نظام کے بارے وضاحت ہے۔ جب انسان برے اعمال کی انتہا کو پہنچ جائے گا، تو اس کو عدل خداوندی کے تحت سزا ملے گی جو اس کے اعمال کی وجہ اس پر سزا نافذ ہو جائے گی۔اب اس کو دوزخ یا اس سزا سے نکالنا، عدل خداوندی کے خلاف ہو گا۔ادھر نبی ﷺ اہل مکہ کے اسلام لانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، بلکہ ان کے کفر پر غم کرتے تھے، جس کا کئی دفعہ قرآن مجید میں ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ کو ان کے اعمال کے نتیجے میں سزا کے بارے اطلاع دی گئی، کہ آپ ﷺ پریشان نہ ہوں وہ جہنم میں ہی رہیں گے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈر گئے ان کے لئے بالا خانے (بلند منزلیں) ہیں۔ان کے اوپر اور بالا

خانے ہیں جب کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اہل ایمان واطاعت کا ذکر ہے، جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔احکام پر عمل کرتے ہیں۔ان کے لئے جنت میں اعلیٰ مقام سکونت ہیں۔یعنی جس طرح بلند مکانات و محل، اعلیٰ رہائش کی نشانی ہے۔اسی طرح ان کے بالا خانے ہوں گے، ان پر بھی بالا خانے اور پھر ان کے فرشوں یعنی سطح پر، پانی کے فوارے اور چشمے بہتے ہوں گے، جو ایک خوبصورت منظر ہے۔ یہ اللہ کے ان وعدوں کی تکمیل ہے، جو اللہ نے، ان کی اطاعت کرنے پر، انعام واکرام کئے۔اللہ تعالیٰ، سچ کو پسند کرتا ہے اور اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں انسانی اعمال کی بناء پر مختلف درجات ہوں گے، یعنی محلات و مکانات کے درجات ہوں، جو عدل حقیقی کا بناء پر انفرادی محنت و مشقت کا مظہر ہو گا۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اسے زمینی چشموں سے جاری کیا، پھر وہ اس کے ذریعہ سے کھیتی نکالتا ہے۔جب کہ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، پھر وہ (پک کر) خشک ہو جاتی ہے۔آپ اسے زرد ہوئی (سوکھا) دیکھتے ہیں پھر وہ اسے ریزہ ریزہ (بھوسا) کر دیتا ہے۔بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

انسان کا، زمین پر سب سے پہلا واسطہ نباتات سے ہوا، جس سے اسے غذا ملتی ہے۔پودوں کی افزائش سے لے کر آخر تک کے مراحل کو دیکھتا ہے۔جب عقل، اس پروسس پر غور و فکر کرے، تو زندگی کا سلسلہ اس پر واضح ہو جاتا ہے۔آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے، تو زمین پر زیر زمین نباتاتی مواد سے پودوں کی زندگی کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔پودے نکلتے ہیں پھر بڑھتے ہیں جن کا قد یا طول اور پتوں کا سائز مختلف ہوتا ہے۔اسی طرح ان کے پھول اور پھل مختلف ہوتے ہیں۔کچھ تھوڑی مدت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔کئی سال بھر رہتے ہیں کئی زیادہ عرصہ رہتے ہیں۔اس دوران ختم ہونے والوں کے پتے زرد ہو جاتے ہیں۔پھل گر پڑتے ہیں اور پھر وہ پودے سارے ختم ہو جاتے ہیں۔جو اہل دانش کو یہ بتاتے ہیں کہ ان کی زندگی کا دورانیہ ہے جسے وہ مکمل کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔اسی طرح انسان کی بھی زندگی کا ایک دورانیہ ہے۔جس میں بچپن، جوانی پھر بڑھاپا اور موت اس کا نجام ہے، جو ایک پیدا کرنے والے کے نظام کی دلیل ہے۔

قرآن کریم اور نبی ﷺ نے ہمیشہ عقل اور سمجھ استعمال کرنے کی تلقین کی ہے تا کہ راہ ہدایت میں آسانی

ہو۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

کیا پھر جس شخص کا سینہ، اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے (وہ سخت اور تنگ دل کافر کے برابر ہو سکتا ہے؟) چنانچہ ہلاکت ہے ان کے لئے جس کے دل اللہ کی یاد کے معاملے میں سخت ہیں، وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا، جس کے مضامین ایک جیسے ہیں، بار بار دہرائے ہوئے۔ اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ جس کو گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

مسلمان (مومن) اور غیر مسلم کے کردار کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ ایک شخص جس کا دل یعنی، اس کا ذہن اور سمجھ کی وجہ سے اللہ کے احکام کو قبول کرتا ہے۔ اس کا دل نور سے منور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کہ وہ شیطان کے حملوں سے بچ گیا اور راہ حق پر گامزن ہو گیا۔ اس کا کردار معاشرہ کے لئے برکت ہے اور اس کی اپنی دنیا اور آخرت کی زندگی میں کامیابی ہے۔ روایت کے مطابق یہ افراد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں، جو اسلام سے پہلے بھی بتوں سے نفرت کرتے تھے۔ اس کے مقابل وہ افراد ہیں جن کے دل سخت ہیں۔ اللہ کے احکام کی ضد کرتے ہیں۔ نفس کی خواہشات اور شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد سے ان کے دل محروم ہیں۔ اس لئے سخت ہیں۔ روایات میں ہے کہ اس سے مراد ابولہب اور اس کے بیٹے ہیں، جو بہت شدت سے اسلام کی مخالفت کرتے تھے۔

نور ہدایت:

دل کی نرمی سے مراد اطاعت الٰہی کی طرف میلان، فساد سے نفرت، فحش کاموں سے اجتناب، لوگوں سے اچھا برتاؤ ہے اور دل کا سخت ہونا اس کے برعکس عادات و خصائل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ ہم نے پوچھا؛ یارسول اللہ ﷺ! بندہ کا شرح صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا؛ جب بندے کے دل میں نور داخل ہوتا ہے تو اس کا شرح صدر ہوتا ہے۔ ہم نے پوچھا؛ یارسول اللہ ﷺ! اس کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ دارالخلد (آخرت) کی طرف رجوع کرتا ہے اور دارالغرور (دنیا) سے بھاگتا ہے اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔(الانابه إلى دار الخلود والتجافي عن دار الغرور والتاهب للموت قبل نزوله۔) (المستدرک / شعب الایمان)۔ کس قدر جامع کلام ہے۔ موت کا احساس آدمی کو جرائم سے روکتا ہے۔ اپنے فرائض پر عمل کرنے کی قوت اور برائی سے بچنے کی طاقت دیتا ہے۔ موت سے پہلے اچھے اعمال کر کے آدمی اپنی آخرت بہتر کرتا ہے۔ ایک اور حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا؛ سب سے زیادہ خطرناک چیز وہ ہے جس کا مجھے اپنی امت پر خطرہ ہے۔(۱): پیٹ کا بڑا ہونا۔(۲): ہمیشہ سوتے رہنا۔(۳): یقین کا کمزور ہونا۔ (کنزالعمال)۔ اس حدیث میں بھی بڑے اہم نکات ہیں۔ پیٹ کا بڑا ہونا اور وزن کا بڑھا ہونا ایک علامت ہے، اس کے انسانی صحت پر بہت زیادہ نقصانات ہیں۔ دوسرا ہمیشہ سوتے رہنا، سستی، کاہلی، اور غیر ذمہ داری، کا رویہ ہے۔ تیسرا یقین کی کمی، ایمان کی کمی، اعمال میں کمزوری کا سبب بنتی ہے۔

قرآن مجید کی اہمیت کا ذکر ہے۔ بہترین کلام ہے اس میں عقائد، احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ تکرار کے ساتھ ذہن میں یاداشت مضبوط ہوتی ہے بالخصوص عقائد کا ذکر ہے۔ جملے اور فصاحت و بلاغت بے مثال ہے۔ پڑھنے والے، متاثر اور اہل ایمان کے دل منور ہوتے ہیں۔ اللہ کی یاد اور خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو جاتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا مظہر ہے۔ اللہ کی ہدایت ایک بہت بڑی نعمت ہے اور جسے چاہے وہ عطا فرماتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب خوف خدا سے کسی بندہ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے بوسیدہ پتے جھڑتے ہیں ۔(شعب الایمان/مسند البزار)۔

بسا اوقات لوگ، خوش الحانی کی وجہ سے نعت خوانی یا تلاوت کے سماع پر ایسی حرکات کرتے ہیں جو کہ ادب کے خلاف ہیں مثلاً گر جانا، تڑپنا وغیرہ۔ یہ مذموم ہے۔ اس کو کنٹرول کرنا، ان سے بچنا ضروری ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ قِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴

کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح ہو

سکتا ہے جو جنتی ہو؟)اور ظالموں سے کہا جائے گا تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان سے پہلے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

پھر اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب ضرور تمام عذابوں سے بڑا ہے۔کاش وہ جانتے۔

انکار کرنے والوں، گمراہوں کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن وہ، اپنے چہروں کو عذاب سے بچائیں گے۔ چہرہ انسان کے جسم میں سب سے محترم عضو ہے، نازک بھی ہے اور سزا دینے والے کو اس پر سزا دینا بھی آسان ہے اس لئے آدمی اپنا چہرہ بچاتا ہے۔یہی کیفیت قیامت کے بعد جب عذاب کا فیصلہ ہو گا تو مجرموں یعنی انکار کرنے والوں کی ہو گی۔ اس وقت اُن کو اُن کے ظلم اور نافرمانیاں یاد دلائی جائیں گی۔لہٰذا یہ سزا پانے والے مجرم، اہل جنت کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔اسی طرح پہلی قوموں نے جب رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے احکام کا انکار کیا، تو ان پر ایسے اچانک عذاب آیا کہ ان کو توقع یا ان کے شعور میں اس کا امکان ہی نہ تھا اور وہ ختم ہو گئے۔دنیا کے عذاب کے مقابل قیامت میں دوزخ کا عذاب کئی گنا شدید ہے اور دائمی ہے۔کاش لوگوں کا اس کا صحیح علم ہو اور اپنے آپ کو بچائیں۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن (کجی) نہیں تاکہ وہ ڈریں۔

قرآن مجید کا ذکر ہے۔اس میں مختلف امثال، واقعات ہیں تاکہ قاری ان کو پڑھ کر یا سننے والا سن کر عبرت حاصل کرے۔اسے عربی زبان میں نازل کیا، کیونکہ نبی ﷺ کی زبان عربی تھی، تاکہ اہل عرب اس کو سمجھیں۔اس کے مضامین بڑے واضح ہیں اور مقصد انسانی ہدایت ہے۔اس کے احکام و واقعات میں کوئی شک (عوج) نہیں حقیقت ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اللہ نے ایک آدمی (غلام) کی مثال بیان کی جس میں کئی باہم اختلاف رکھنے والے شریک ہیں اور ایک دوسرا آدمی جو خالص (صرف) ایک ہی شخص کا ملازم (غلام) ہے۔ کیا (ان) دونوں کی حالت یکساں ہوسکتی ہے؟ (نہیں) الحمدللہ بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾

بلاشبہ آپ (اے نبی) مرنے والے ہیں اور بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

منکرین اسلام اور جو بتوں کو خدا کا نمائندہ سمجھتے اور عبادت کرتے تھے، ان کو ایک مثال سے واضح کیا ہے کہ اگر کسی ایک غلام کے کئی مالک ہوں گے جو باہم اختلاف رکھتے ہوں گے تو ہر مالک کا تقاضا مختلف ہوگا اور غلام کا کوئی بھی کام صحیح نہیں ہوسکے گا۔ اس کے مسائل میں اضافہ ہوگا۔ یہی حال اس کائنات کا ہے کہ اگر اس کو چلانے والے کئی خدا ہوتے، تو اس میں وہ ہم آہنگی اور یگانگت نہ ہوتی، جو اب پائی جاتی ہے۔ جس غلام یا ملازم، کا صرف ایک ہی مالک ہوتا ہے، اس کے لئے اس کے کام آسان ہوتے ہیں کیونکہ ایک ہی مرکز سے اس کو ہدایات اور اس کی مشکلات، کا اس کو حل ملتا ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ ایک ہی خدا ہے۔ اس لئے ساری کائنات متعین نظام کے تحت چل رہی ہے۔ جو مختلف خداؤں پر یقین رکھتے ہیں، وہ گمراہی پر ہیں۔ جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں مسلمان اور مومن ہیں۔ مومنین اور منکرین حق دونوں ایک جیسے نہیں ہیں۔

مشرکین کو بتایا گیا کہ ان کا انجام موت ہے، مخالفت کرتے رہیں۔ مومنین کا انجام بھی موت ہے، ہر جاندار کا انجام موت ہے۔ زمین پر تمام موجودات کا وجود قیامت پر ختم ہوجائے گا اور زمین کی صورت و کیفیت بالکل بدل جائے گی۔

انبیاء کی موت کے بعد کیفیت کے بارے مختلف آراء ہیں۔ نبی ﷺ کی وفات کی خبر بھی صحابہ کرام پر بجلی بن کر گری تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ و مقام کی مناسبت سے، آپ کے اعلان کرنے پر لوگوں کو یقین ہوا۔ یہی آیت تمام انسانوں کی موت کی دلیل ہے۔ جسمانی موت کی کیفیت تو تمام لوگ جانتے ہیں۔ تدفین جسم کا، ادیان ابراھیمی (یہودی/عیسائی/مسلمانوں) کا مہذب طریقہ ہے۔ شہداء کی جسمانی موت کے بعد زندگی کے بارے، قرآن مجید میں ذکر ہے۔ انبیاء کے بارے بھی احادیث میں ذکر ہے کہ زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی مثالی یقینی ہے۔ برزخ کی

زندگی کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں۔البتہ روح کا وجود ثابت ہے۔شہداءاور انبیاء کے اجسام مبارک کی سلامتی زیرِزمین اجزاءپر منحصر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے نظام سے زیرِزمین اجزاء کی کیمیائی حالت بدل سکتی ہے اور اس طرح اجسام سلامت رہ سکتے ہیں۔اجسام کی کیفیت،زندگی کے ادوار کے مطابق ہوتی ہے۔دنیا کی زندگی کے لئے مادی جسم ہے۔برزخ کی کیفیت روح کے ساتھ ہے۔جنت یا دوزخ میں،وجود یا اجسام مختلف نوعیت کے ہوں گے،اس لئے بعدازوفات اجسام پر بحث و تکرار کوئی مذہبی ضرورت نہیں۔بسااوقات آدمی محبت اور احترام کے غلو،میں،بعض قدرتی امور،کو احترام اور مرتبہ کے خلاف سمجھتا ہے،جب کہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں سب انبیاء(ایک لاکھ پچیس ہزار کم و بیش)اس دنیا سے سفر آخرت کر چکے ہیں۔بدقسمتی سے شیطان،محبت کے بہانے ان موضوعات پر انسانی دماغ میں بحث و مباحثہ پیدا کر کے تفرقہ پیدا کر دیتا ہے۔اس بحث سے بچنا ضروری ہے۔ایسے موضوعات پر نفرت و تشدد،کی وجہ سے ایمان اور اللہ کے ہاں درجات،بہت کم ہو جاتے ہیں،کیونکہ یہ مسلمانوں کے معاشرہ میں افتراق اور فساد کا سبب بنتے ہیں۔

چوبیسواں پارہ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

پس اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے۔کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے۔

اللہ پر جھوٹ باندھنا:۔

کفار،اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار تو نہیں کرتے تھے،لیکن یہ عقیدہ کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بتوں کو اللہ کا نمائندہ بنانا،اللہ کی ذات پر جھوٹ باندھنا ہے۔پھر جب ان کو حقیقت بتائی گئی کہ اللہ کی ذات واحد ولاشریک ہے اور نبی ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچایا،تو انہوں نے اس سے بھی انکار کیا۔یہ بھی ظلم ہے اور انکار اور ظلم جیسے اعمال کی جزا جہنم کی آگ ہے۔

علماء نے اس آیت سے یہ دلیل نکالی ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے جب کہ نبی نہ ہو تو وہ بھی اللہ پر جھوٹ باندھنے کے برابر ہے اور اس کی سزا بھی جہنم ہے۔اس لئے دعویٰ نبوت کرنے والوں کو اسلامی حکومتوں میں ختم کر دیا گیا لیکن جب مسلمانوں پر غیر مسلموں کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے دعویٰ نبوت کرنے والوں کی مدد کی تاکہ اسلام میں فساد وافتراق پیدا ہو۔

وَ الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾

اور جو شخص سچائی (دین حق) لے کر آئے اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔

لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۴﴾ۚ

ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ (سب کچھ) ہے جو وہ چاہیں گے، نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔

لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِیۡ كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾

تاکہ اللہ ان سے وہ برائیاں دور کردے جو انہوں نے کیں اور انہیں ان کا اجر بہترین اعمال کے مطابق دے جو وہ کرتے رہے تھے۔

اہل حق کا صلہ:۔

اہل ایمان کا ذکر ہے۔ وہ جو نبی ﷺ کی دعوت پر ایمان لائے، مفسرین کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے مصداق ہیں کیونکہ بالغ اور آزاد افراد میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی ﷺ دعوت دینے والے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ لبیک کہنے والے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ویسے بھی ایک متمول تاجر اور زیرک انسان کا مرتبہ رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ یہ لوگ جس میں قبل از فتح مکہ، سب مسلمان شامل ہیں جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے کٹھن اوقات میں کوششیں کیں ان کے مرتبہ کا ذکر ہے۔ سارے مومنین کے لئے اعلیٰ درجات ہیں، لیکن اہل ہمت کا مقام یقیناً بلند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب مومنین کے لئے ان کے وہ گناہ جو ان سے قبل از قبولیت اسلام اور اگر بعد میں بھی کسی وجہ سے ہو جائیں تو ان کو فضل کرم سے معاف کر دیتے ہیں اور ان کے نیک اعمال کا درجہ قبولیت بھی اخلاص کے مطابق اعلیٰ طور پر دیا جائے گا۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کما حقہٗ ادا کرنا مشکل ہے اور حقوق اللہ تو تقریباً ناممکن ہے۔ اس صورت میں ادائیگی میں کمی کو اللہ اپنے فضل سے زیادہ معاوضہ کر پورا یا معاف کر دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندوں سے محبت کا اظہار ہے۔

اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوۡنَكَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۶﴾ۚ

کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں اور وہ آپ کو ان معبودوں سے ڈراتے ہیں جو (انہوں نے)

اللہ کے سوا(بنارکھے)ہیں اور جسے اللہ گمراہ کردے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جسے اللہ ہدایت دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ نہایت غالب، انتقام لینے والا نہیں؟

کفار مکہ نے مسلمانوں اور نبی ﷺ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کو عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ لات، منات، عزیٰ کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ برا بھلا کہتے ہیں۔ مسلمانوں سے مقاطعہ، نبی ﷺ ، کی ذات پر مختلف وار کرنے کے پروگرام بن رہے تھے۔اس لئے نبی ﷺ سے کہا گیا، کہ اگرچہ سارے مخالف ہیں لیکن اللہ کی مدد آپ کے لئے کافی ہے۔ کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں۔ کفار مکہ کی، آپ کو دھمکیاں اور سازشیں آپ کا کچھ نہ بگاڑیں گی اور ایسا ہی ہوا۔

جو لوگ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو منتخب کریں اور اس پر اصرار کرتے رہیں۔ ہدایت دینے والے سے دشمنی کریں، تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کی راہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور ان کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔ اسی طرح، جو لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کرتے ہیں۔ نرم دل رکھتے ہیں اور اس کے خوف و محبت سے لبریز رہتے ہیں۔ ان کو کوئی طاقت گمراہ نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نور ان کو عطا کر دیا ہے۔ اس لئے ہدایت کے لئے کوشش بہت ضروری ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے؛ اللہ نے۔ کہہ دیجئے؛ بھلا دیکھو تو! جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہتے تو کیا وہ (تمہارے باطل معبودوں) اس کی پہنچائی ہوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں۔ یا وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دیجئے مجھے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہہ دیجئے! اے میری قوم! تم اپنے طریقے (اور حالت) پر عمل کرو بے شک میں (اپنے

طریقے)پر عمل کرنے والا ہوں۔چنانچہ تم جلد جان لوگے۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کردے اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب اترتا ہے۔

کفار مکہ کے عقائد و طریقہ کا ذکر ہے۔وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔اگرچہ خدا(اللہ) کو مانتے تھے،لیکن ساتھ ہی بتوں کو عبادت میں شریک کردیتے،حالانکہ یہ بت ان کے ہاتھوں سے بنے ہوئے تھے،جو نہ حرکت کر سکتے ہیں۔وہ کیا ان کی مدد کریں گے۔بے جان مورتیاں ہیں اور کتنا عجیب ہے کہ انسان ان کو اپنا بچانے والا یا مددگار،یقین کرے۔جب کہ اللہ تعالیٰ کی قوت سامنے نظر آرہی ہے،جس نے کائنات بنائی۔انسانوں اور تمام حیوانوں کو پیدا کرتا ہے۔اس کا علم سب سے وسیع ہے۔اگر وہ کسی کو تباہ کرنا چاہے،تو کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا اور اگر وہ حفاظت کرے تو کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ان کے بت تو کسی کو کوئی نہ فائدہ،نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں،ان کے لئے اللہ تعالیٰ ہی تمام امور میں کافی ہے۔اس قدر عظیم ذات کی مدد و حفاظت اگر شامل حال ہو تو کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں اور اہل ایمان(متوکلین)اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔توکل سے یہ مراد نہیں کہ وسائل سے انکار کردیا جائے۔

قریش کی ہٹ دھرمی اور ضد کے نتیجے میں فرمایا کہ تم جس راستے(کفر)پر چل رہے ہو چلتے رہو۔تمہارا نقصان ہے۔میں اور مسلمان ہم اپنے طریقے یعنی احکام خداوندی پر عمل کرتے رہیں گے۔تم عنقریب دیکھ لوگے کہ کون تباہ اور خسارہ میں رہتا ہے اور کون کامیاب ہوتا ہے۔پھر وقت نے ثابت کیا کہ وہ اہل مکہ جو مسلمانوں کی جانوں کے دشمن تھے اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنا پڑا،نبی ﷺ بھی ہجرت کر گئے،وہی قریش کے بڑے سردار غزوہ بدر میں مارے گئے اور پھر مسلمان دس سالوں کے اندر مکہ پر فاتح بن کر داخل ہوئے اور ان کے مظالم کے باوجود نبی ﷺ نے سب کو معاف کردیا۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لئے آپ پر(یہ قرآن)کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوا تو بس اس کی گمراہی(کا وبال)اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔

نبی ﷺ لوگوں کے اسلام لانے پر بڑے حریص اور متمنی رہتے تھے۔دوسری جانب قریش کی ہٹ دھرمی اور مخالفت میں کوئی کمی نہیں آرہی تھی۔آپ ﷺ تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ کی ہدایات جن کا منبع قرآن

پاک،اللہ کا کلام (کتاب) ہے۔اسی لئے نبی ﷺ نے فوراً قرآن مجید کو تحریر کرنے کا حکم دے دیا تھا۔اس کتاب کا وجود حق ہے،یعنی پیغام صحیح ہے۔اس کا نزول حق یعنی کائنات کی، حقیقی قوت و مالک کی طرف سے ہے اور اس میں بیانات و ہدایات حق پر مبنی ہیں۔ حق و سچے انسان پر نازل ہوئی۔

حق کا فائدہ:۔

اگر لوگ اس پر ایمان اور اس کے احکام پر عمل کریں گے، تو ہدایت پاکر کامیاب ہوں گے۔اس میں ان کا فائدہ ہے۔ مبلّغ یا بتانے والے کا نہیں۔اسی طرح جو لوگ اس سے انکار کریں گے یا اس کے احکام پر عمل نہیں کریں گے ،تو ان کا ہی نقصان ہے۔اس دنیا میں خسارہ ہوگا۔ معاشرے تباہ ہوں گے اور آخرت میں بھی وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے جہنم میں جلیں گے۔ مبلّغ یا بتانے والا کوئی ذمہ دار نہیں۔

یہ اعلان نہ صرف نبی ﷺ کے لئے تھا،بلکہ آپ ﷺ کے بعد آپ، کے نقش قدم پر چلنے والے تمام مبلغین کے لئے ہے، کہ وہ ہدایت دینے میں تشدد یا نفرت کا اظہار نہ کریں۔اس کو لوگوں کی بھلائی کے انداز میں پیش کریں تاکہ لوگ اس پر غور کریں۔اگر وہ نہیں مانتے تو اس کا وبال یا نقصان نہ ماننے والوں کو ہی ہوگا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ ہی موت کے وقت جانیں (روح) قبض کرتا ہے اور جس کو موت نہیں آئی ہوتی،اسے اس کی نیند میں (قبض کرتا ہے) پھر وہ اس (روح) کو روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہو اور دوسری کو ایک مقررہ وقت تک (واپس) بھیج دیتا ہے۔بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ انسان کی بے بسی کو ظاہر کر رہی ہے کہ ساری زندگی کا مدار روح پر ہے۔جو انسان کے بس میں نہیں۔کسی بھی لمحہ انسانی جسم کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔روح امر ربی ہے اور انرجی کی یک صورت ہے اس لیے یہ جسم کے ساتھ ختم نہیں ہوتی۔روح اور نفس، دونوں معانی کے اعتبار سے بہت قریب ہیں اور ان کا صحیح مفہوم سیاق و سباق کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے۔روح ایک کلی حیثیت رکھتی ہے اور نفس اس کے مقابل ایک جزوی یا تابعی حیثیت ہے۔

نیند، موت اور نفس:۔

نیند میں روح کا نکلنے، سے مراد انسان کے اعضاءاور سوچ و فکر کی قوت کا معطل ہو جانا ہے۔اگرچہ دماغ متحرک یعنی مشغول رہتا ہے، جس میں خواب آتے ہیں اور جسم کا داخلی تنفس، ہاضمہ اور چھونے اور سننے کی قوات کچھ حد تک کام کرتی ہے۔جب آدمی نیند سے جاگتا ہے، تو اس کا سبب بھی روح کا متحرک یا واپس ہونا ہے۔نیند کو اس لئے نصف موت کہا گیا ہے۔کسی کو بھی کوئی یقین نہیں کہ وہ نیند سے اُٹھے گا یا یوں ہی سوتا رہے گا۔جس کی زندگی کا وقت پورا ہو چکا ہو گا اس کا موت کا حکم ہو گا اور نیند سے نہیں اُٹھے گا۔جدید سائنس میں بھی نیند اور موت کے درمیان دو امور بہت اہم اور مشترک ہیں۔(۱): جسم کی بے حسی۔جس میں حواس خمسہ تقریباً ختم ہو جاتے ہیں۔دوسرا،(۲): جسم کا متحرک نہ ہونا۔اگر یہ دونوں عمل لمبی مدت تک چلے جائیں تو وہ موت بن جاتی ہے۔اس لئے قرآن مجید نے کہا کہ روح کے واپس آنے سے یہ دونوں عمل، حرکت اور حسّ، دوبارہ جاری ہو جاتے ہیں اور یہ زندگی اور موت کا نقطہ افتراق (علیحدگی) ہے۔نیند کے علاوہ کسی بھی لمحہ، روح پرواز کرنے سے جسم اور دماغ کے اعمال سب ختم ہو جاتے ہیں۔

روح کے بارے سورۃ بنی اسرائیل اور سجدہ میں ذکر ہے۔آیت مبارکہ میں نفس سے مراد روح ہے، جس پر انسان کی زندگی منحصر ہے۔نفس سے ایک مراد، انسانی سوچنے اور سمجھنے، فیصلہ اور عمل کرنے کی صلاحیت ہے، جس کا مرکز انسانی دماغ ہے۔جس میں اچھے برے فیصلے ہوتے ہیں اور یہ نفس تین اقسام پر مشتمل ہے۔جو جدید نفسیاتی اعتبار سے بہت مماثل ہے۔(۱): نفس امارہ۔(۲): نفس لوامہ۔(۳): نفس مطمئنہ۔ان کی تفصیلی بحث سورۃ یوسف میں کی گئی ہے۔

انسان کی اس بے بسی اور بے یقینی کی حالت سے، اہل عقل اندازا کر سکتے ہیں کہ کائنات میں ایک قوت ہے، جس کے سامنے انسان بے بس ہے۔لہٰذا اسے اپنے خالق کے آگے سر نگوں ہو کر اس کے احکام کو ماننے میں ہی سلامتی اور کامیابی ہے۔انسانی اعضاءاور قوتوں کا بھروسہ دائمی اور صحیح نہیں۔یہ فکر انسان کو اس کے خالق کے قریب کر دیتی اور قبول حق میں مددگار ہوتی ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا انہوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں؟ کہہ دیجئے۔خواہ وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہہ دیجئے ساری سفارش، اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جب اللہ کا صرف ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

کفار کے عقائد کا ذکر ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ، بتوں کو اللہ کا نمائندہ تصور کرتے اور کہتے کہ وہ اللہ تک نہیں پہنچ سکتے، اس لئے ان کو سفارشی بناتے ہیں۔ حالانکہ بت مٹی یا پتھر کے بنے ہوئے بے جان ہیں جو خود کسی کی ملکیت ہوتے ہیں، ان کی کوئی ملکیت یا قوت نہیں ہوتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اگرچہ نظر نہیں آتی، لیکن ساری کائنات اس کے تابع ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین پر جو کچھ ہے اس کا مالک ہے۔ انسان نے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ اور اس دن وہ اس مالک کی طرف واپس ہو جاتا ہے۔ کفار مکہ کے دل سخت ہیں کہ جب ان کے عقائد یا بتوں کی بات ہوتی ہے، تو وہ خوش ہوتے ہیں، لیکن جب ان سے اسلام، اللہ کی وحدانیت، قیامت و آخرت کی بات کی جاتی ہے، تو ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے سننا گوارا نہیں کرتے، یہ ان کے دل سخت ہونے اور گمراہی کی دلیل ہیں۔

نبی ﷺ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سمیع (بہت سننے والا) و بصیر (بہت دیکھنے والا)، خبیر (بہت خبر رکھنے والا) ہے اس لئے اس سے مدد مانگنی چاہیے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے کمتر ذرائع پر بھروسہ کرنا انسانی کم عقلی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

آپ کہیے؛ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپے اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن کا وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو وہ قیامت کے دن برے عذاب سے (بچنے کے لئے) اسے ضرور فدیہ میں دے دیں اور ان کے لئے اللہ کی طرف سے وہ (عذاب) ظاہر ہو جائے گا جس کو وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے۔

وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

اوران کے لئے ان کے عملوں کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اللہ کی قوت وعظمت کا بیان ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی سابقہ معلومات کے پیدا کرنے والا ہے اور تمام چھپی باتوں/رازوں کو جاننے والا ہے۔ دنیا میں جو لوگ تنازعات کرتے ہیں، فساد پھیلاتے ہیں اور اختلافات رکھتے ہیں، ان کے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ انصاف کے مطابق کریں گے۔ حدیث کے مطابق، لوگوں کے دنیا کے جھگڑوں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی ہوگا۔ جب انہیں اپنی سزا کا علم ہوگا، تو حیران ہوں گے۔ ان کے سامنے ان کے کاموں کی معلومات دی جائیں گی کہ وہ ان کا تصور تک نہیں کرتے تھے۔ ایسے ایسے واقعات وشواہد پیش ہوں گے کہ وہ پریشان ہو جائیں گے۔ پھر اپنی سزا سے بچنے کے لئے، وہ سب کچھ دینے پر تیار ہوں گے۔ اگرچہ ساری زمین ہی فدیہ میں دے دیں لیکن یہ قبول نہیں ہوگی یہ ان کی عذاب سے بچنے کے لئے ناکام کوشش ہوگی۔ آج انکار کرنے والے اس دن پریشان ہوں گے ان کی ساری خطائیں وگناہ جو چھپے ہیں ظاہر ہوں گے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت عطا کر دیتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں بس مجھے تو یہ (میرے) علم کی ہدایت دی گئی ہے۔ (نہیں) بلکہ وہ تو آزمائش ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

تحقیق یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہوئے۔ پھر جو وہ کماتے تھے ان کے کام نہ آسکا۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَ مَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

پس ان کے برے کاموں کا عذاب انہیں آپہنچا اور ان لوگوں میں جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے برے کاموں کا عذاب پہنچے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔

اَوَ لَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

کیاانہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔بلاشبہ ان میں سے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

انسان کی مختلف کیفیات و حالات کا ذکر ہے۔پہلے یوم قیامت کا ذکر تھا کہ جب حساب و کتاب ملے گا،تو یہ تمنا کریں گے کہ اگر ساری زمین ملکیت ہوتی،تو دے کر عذاب سے بچ جاتے۔ان آیات میں دنیا کی زندگی میں انسان کی کیفیات بیان کی گئیں ہیں۔جب اسے کوئی تکلیف آتی ہے،گھبراجاتاہے،تمام ذرائع تلاش کرتاہے۔ہر طریقہ سے نکلنے کی کوشش کرتاہے،پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے مناسب اسباب پیدا کر دیتے ہیں،جن سے مشکل حل ہو جاتی ہے۔نئے حالات پر اترانے،لگ جاتاہے اور کہتاہے کہ یہ میرے علم و عقل کی وجہ سے ہے۔خالق کائنات کو بھول جاتاہے۔ایسے ناشکرے لوگ،بالآخر ناکام ہوتے ہیں۔اس طرح کا رویہ،پہلے قوموں کا بھی تھا،لیکن وہ عذاب کے مستحق ہوئے اور مٹ گئے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات تمام انسانوں کو رزق عطا کرتی ہے اور رزق کا حساب اعمال سے بھی منسلک ہے،لیکن اللہ جسے چاہتاہے،بے حساب رزق دے دیتاہے اور جس کا چاہے کم کر دیتاہے۔کئی صاحب علم لوگ،بڑی کوشش کے باوجود،نان ونفقہ کے محتاج رہتے ہیں اور کئی معمولی عمل سے معمولی علم والے،آسانی سے زندگی گذار لیتے ہیں۔یہ دنیا کا سلسلہ اہل علم و عقل کو سمجھنے کے لئے کافی ہے اور یہ لوگ اہل ایمان ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛جس شخص کو یہ پسند ہو کہ مصائب و الام میں اللہ اس کی دعا قبول کرے۔اس کو چاہیے،کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرے۔(سنن ترمذی)۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

آپ کہہ دیجئے؛(اللہ فرماتاہے)اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو،بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتاہے۔یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والاہے۔

وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرواور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ۔اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔

وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

اور تم اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے جب کہ تمہیں اس کی خبر تک نہ ہو۔

توبہ:۔

آیات مبارکہ اللہ کی رحمت کا منظر پیش کر رہی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی انسانوں سے محبت کا اظہار ہے اور یاعبادی! کا خطاب انسانوں سے خاص تعلق ظاہر کر رہا ہے۔کیونکہ انسان کو ہی خلیفہ ارضی، بنا کر بھیجا گیا۔روایات کے مطابق اہل مکہ کے کئی افراد نے اظہار کیا کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو پسند کرتے ہیں لیکن ان کی سابقہ زندگی بت پرستی اور گناہوں میں گذری ہے۔اس وجہ سے انہیں خوف ہے کہ ان کی بخشش نہیں ہو گی۔اس لئے وہ اسلام کو قبول نہیں کر رہے۔اللہ نے ان افراد یا ور دوسرے گنہگاروں کے لئے اپنی رحمت کا اظہار فرمایا، کہ وہ جنہوں نے گناہ کئے ہیں وہ مایوس نہ ہوں۔اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کر دیں گے۔ قبل از اسلام چونکہ انسان اسلام کے احکام و قوانین کا نہ تو اقرار کرتا ہے نہ یقین، تو اس کے اعمال اسلام کے مخالف ہوتے ہیں۔اس کو اسلام کی طرف رغبت اور اللہ کی طرف رجوع کا صلہ دیا گیا کہ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ان کے معافی کے بارے احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متاثرہٗ شخص، کو اس کی رضا کے لئے انعامات دیں گے تا کہ وہ مجرم کو معاف کر دے۔ حقوق اللہ کے بارے فرمایا، سوائے شرک کے اپنی رحمت و فضل سے معاف کر دے گا، بشرطیکہ توبہ اخلاص کے ساتھ کی جائے۔ حقیقی توبہ کے بعد گناہ کا ارتکاب نہ ہو، ورنہ توبہ، دکھلاوا اور دھوکہ بن جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت اپنے معانی میں ،اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا اس قدر خوبصورت اظہار ہے اور خوشخبری دینے کے لئے آپ ﷺ کو بہت عزیز ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے سے منع کیا گیا ہے اور دوبارہ اس فرصت کی اہمیت کو واضح کیا، کہ توبہ کی جائے، رجوع کیا جائے، ورنہ کسی وقت بھی عذاب آ سکتا ہے، اگر عذاب نہ بھی آئے تو ہر انسان نے موت کی آغوش میں جانا ہے اور سکرات موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا زندگی کے ایام میں ہی توبہ کر کے گناہوں کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت کامل میں لگ جائے۔یہی کامیابی ہے۔اس زندگی میں اعلیٰ اور احسن کاموں کو کیا جائے اگر، کوئی بھی اچھا کام، دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، تو اس کو بہترین طریقے، بہترین

انداز میں کیا جائے تاکہ اس کا اجر بھی اعلیٰ معیار پر ملے۔احکام کی تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے اور اس میں بہترین پہلو واضح کئے گئے ہیں،ان پر عمل کا اختیار انسان کا ہے۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ۝۵۶

(ایسا نہ ہو) کہ کوئی کہے؛ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اور بلاشبہ میں مذاق اڑانے والوں میں رہا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۝۵۷

یا وہ کہے؛اگر بے شک مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں ضرور متقیوں میں سے ہو جاتا۔

اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ۝۵۸

یا وہ جس وقت عذاب دیکھے تو یہ کہے؛کاش کہ میرے لئے ایک بار لوٹنا ہو تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ۝۵۹

(اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں! تیرے پاس میری آیات آئیں تو تو نے انہیں جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔

وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ۝۶۰

اور آپ روز قیامت انہیں دیکھو گے، جنہوں نے (دنیا میں) اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے منہ کالے ہوں گے۔کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟(یعنی ہے)۔

وَ یُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝۶۱

اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا۔اللہ انہیں ان کی کامیابی کے سبب نجات دے گا۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔

کفار (انکار کرنے والوں) کا قیامت کے دن کا منظر پیش کیا جارہا ہے کہ وہ اس دن کف افسوس ملتے رہیں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش انہوں نے یہ انکار نہ کیا ہوتا اور آج کوتاہی کی وجہ سے ذلیل ہیں یا پھر اسی آرزو پر افسوس کریں گے کہ ان کو بھی ہدایت مل جاتی اور آج وہ متقین لوگوں میں شامل ہوتے اور یہ آرزو اور درخواست کریں گے کہ ان کو

ایک اور موقع مل جائے، تو وہ دنیا میں جا کر نیکیاں کریں گے۔ لیکن فرشتے انہیں کہیں گے، کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی ہدایت آئی تھی۔ تم نے اسے جھٹلایا، انکار کیا اور تکبر کیا اور تکبر کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے منہ قیامت میں کالے ہوں گے اور تکبر کرنے والے جہنم میں رہیں گے اور جو لوگ اللہ کے احکام کو مانتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، قیامت کو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی نہ وہ غمزدہ ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر غم سے بچائے گا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۳﴾

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۴﴾

اسی (اللہ) کے پاس آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ تمام کائنات کے اندر کی موجودات کو پیدا کرنے والا ہے، اور پھر ہر چیز کا نگہبان ہے۔ زمین و آسمان کی چابیوں سے مراد کنٹرول ہے، جس طرح کسی قیمتی چیز کو صندوق میں رکھا جاتا ہے۔ حفاظت کے لئے تالا لگایا جاتا ہے، پھر جس کے پاس چابی ہو، وہی اس بکس/صندوق کو کھول کر اس کے اندر، اشیاء کو جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ اسی طرح نظام کائنات، ایک متعین نظام کے تحت چل رہا ہے اور اس کا سارا کنٹرول اللہ کی ذات کے پاس ہے۔ زمین و آسمان کے، وسائل سارے اس کے کنٹرول میں ہیں۔ یہ اس کی عظمت و قوت کا ایک اظہار ہے۔ لہٰذا اللہ کے احکام پر عمل ضروری ہے۔ جو لوگ اللہ پر یقین نہیں رکھتے، اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے، وہ اس دنیا میں نقصان اُٹھائیں گے، (مال و جان کے نقصان کی صورت میں) اور پھر آخرت میں بھی جہنم میں جائیں گے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

کہہ دیجئے؛ اے جاہلو! کیا تم، مجھے غیر اللہ (اللہ کے علاوہ) کے بارے حکم دیتے ہو کہ میں (ان) کی عبادت کروں۔

وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور بلاشبہ تمہاری طرف اور ان لوگوں (نبیوں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے، (یہ) وحی کی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا، تو آپ کے اعمال ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور خسارہ

اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے۔ جہاں نبی ﷺ ،ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، وہ دوسری طرف نبی ﷺ کو اسلام کے پھیلانے سے منع کرتے اور ان کے عقائد کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے۔اس عمل کو رد کیا ہے کہ کس قدر جاہلیت ہے کہ جب کہ وحی کے ذریعے نبی ﷺ کو حقیقت بتلادی گئی اور سابقہ انبیاء کو بھی بتادیا گیا تھا، کہ اللہ واحد ولاشریک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے، تو پھر دوسروں (بتوں) کی عبادت کیوں کی جائے، یعنی ان کی عبادت نہ کی جائے بلکہ اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے۔انبیاء کو اللہ تعالیٰ، گناہوں سے محفوظ کر دیتے ہیں، لیکن شرک کی اہمیت کے پیش نظر، یہ حکم سنایا گیا، جس سے مقصود سارے انسان ہیں۔آج بھی انسان، جو خدا کے منکر ہیں، وہ مشرک سے آگے ہیں، کیونکہ خالق کو نہیں مانتے اور ایک موہوم فطرت (نیچر)، کا نام لیتے ہیں، جو اسلام میں اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی اور آسمان بھی اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔وہ پاک ہے اور اس شرک سے بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور صور جب پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے بے ہوش ہو جائے گا سوائے اس کے جسے اللہ چاہے پھر اس میں دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ یکایک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور زمین آپ کے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی اور (عملوں کی) کتاب رکھی جائے گی اور انبیاء اور گواہ لائے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں

کیا جائے گا۔

وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور ہر شخص نے جو عمل کیا ہو گا اسے اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

اللہ کی قوت و قیامت:

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت، اس کے قیامت کے وقوع کی تصویر اور حساب کا کتاب کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد انسانوں کو ان کے اعمال اور اس کی جزا و سزا سے آگاہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان، قوت بہت بلند ہے۔ بد قسمتی سے انسانوں اور بالخصوص اللہ کے احکام کا انکار، اس کا شریک ماننے یا اس کو نہ ماننے والوں کی حالت بیان کی ہے کہ اللہ کی عظمت و جلال و رحمت کے مقابل انسان ناشکرا ہے۔ کبھی کسی وجود کو اللہ کا شریک بناتا ہے، کبھی اس کی اولاد بناتا ہے اور کبھی اللہ کے بجائے دوسرے خیالی ذرائع کو کائنات کا خالق سمجھتا ہے، جو اللہ کی شان کے خلاف ہے اور عظمت و قدرت کے مقابل گستاخی و ناقدری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کے مقابل یہ کائنات آسمان دنیا، اس پر چمکنے والے، اربوں ستارے، کہکشائیں اور دوسرے سیارے کوئی حیثیت نہیں رکھتے گویا ہماری زمین جس کی وسعت کو ہم نہیں جانتے وہ اس طرح ہے جس طرح کسی مٹھی کے اندر پکڑی اور بند چیز ہوتی ہے۔ مٹھی کی اندر چیز کا وجود مٹھی کے اندر جگہ سے چھوٹا ہو گا تو وہ بند ہو گی، ورنہ نکل جائے گی۔ یہ ایک مثال ہے کہ زمین اس قدر چھوٹی ہے اور پھر آسمان یعنی کائنات بھی گویا دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے۔ دائیں کا لفظ ہمیں ہاتھ کی قوت کا اظہار کے لئے فرمایا، کہ ساری کائنات مکمل طور پر قبضہ اور قابو میں ہے۔ کائینات میں موجود چار قوتیں، جن کا سائنس اعتراف کرتی ہے، برقی مقناطیسیت، کشش ثقل، کمزور ایٹمی قوت، طاقت ور ایٹمی قوت، یوں جانیے کہ، ساری کائینات قبضہ میں ہے۔ انسان اس قدر عظیم اور قوی ذات کے ساتھ، معمولی وجودوں کو شریک کر رہا ہے۔ کتنی بڑی حماقت ہے۔

قیامت کا منظر پیش کیا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا، تو اس کی ہیبت و خوف سے سب وجود ختم ہو جائیں گے، سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ علماء و مفسرین نے اس سے مراد عظیم فرشتے اور حاملین عرش اور جنت و جہنم کی نگران فرشتے لئے ہیں۔ پھر ایک اور صور پھونکنے سے تمام مردے یکایک زندہ ہو جائیں گے اور حیران و پریشان ہوں گے۔ انسانوں و جنوں کے حساب و کتاب کا عمل شروع ہو جائے گا۔ عمل سے پہلے کی حالت کے بارے بھی اطلاع دی ہے، کہ یہ سارا عمل اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے نور سے ساری زمین چمک اُٹھے گی۔ اللہ نے اپنے جلال و جمال کا اظہار کڑک اور روشنی سے کیا۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات)۔ اس کی حقیقت، اللہ بہتر

جانتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جس طرح، چاند و سورج سے زمین منور ہوتی ہے اس طرح ہو۔اس سے عدل وانصاف کا نور بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اس دن عدل حقیقی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ صحیح جانتے ہیں، یہ انسان کے علمی اندازے ہیں۔ یہ جلال و جمال کا منظر، سب کو ہیبت میں ڈال دے گا۔ عدل کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے گواہ اور متاثرہ افراد، سامنے پیش ہوں گے۔ تمام اعمال کی تفصیل و شواہد موجود ہوں گے۔انبیاء کو پیش کیا جائے گا کہ انہوں نے ہر خطے اور ہر نسل کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا، جس کی گواہی نیک افراد اور فرشتے دیں گے۔انسان بھی انسانوں کے خلاف گواہ ہوں گے۔انسانی اعضاء گواہی دیں گے۔ ہر آدمی اپنے عمل کو جان لے گا جس طرح آج کل ہم ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعہ دکھاتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے عمل دکھائے جائیں گے۔ان کو ان کے اعمال کے برابر انعام یا سزا دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ کوئی بے انصافی (نہ کم اجر نہ زیادہ سزا) ہو گی۔ حقوق العباد (معاشرتی حقوق)، متاثرہ فریق کی رضامندی پر معاف ہوں گے اور حقوق اللہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات فرمائے ہیں ان کے مطابق ہو گا۔ عدل کی وجہ سے حقوق العباد کا معافی کا حق اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو عطا کیا ہے۔ یہ بڑا اہم پیغام ہے کہ اس وقت اور منظر کو ہم یاد رکھیں اور اللہ کے احکام پر عمل کریں تاکہ ہمیں روز قیامت سزا نہ بھگتنی پڑے۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف گروہ در گروہ، ہانکے جائیں گے، حتٰی کہ جب وہ اس، کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے دربان (چوکیدار) ان سے کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے، جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں، تمہاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ لیکن کافروں (انکار کرنے والوں) پر فیصلہ ثابت ہو چکا۔

قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

(انہیں) حکم دیا جائے گا تم جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔ اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ چنانچہ تکبر کرنے والوں کا (یہ) ٹھکانہ بہت برا ہے۔

روز قیامت کی عدالت کے واقعات، کے بعد کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ فیصلہ ملنے کے بعد، تمام مجرموں کو

گروہوں کی صورت میں دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔ زمر، آایسا گروہ جس کا کثرت افراد کی وجہ سے شور ہو۔ان کو سختی کے ساتھ دھکیلا جائے گا۔ جس طرح حیوانات کو ہانکا اور دھکیلا جاتا ہے۔ جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں اور دروازوں پر محافظ یا چوکیدار، ان مجرموں سے کہیں گے کہ کیاان کی زندگی میں ان میں سے ہی کوئی، اللہ کا پیغام دینے والا نہیں آیا تھا۔ جس نے ان کو اس حساب و کتاب اور عذاب کے بارے بتایا ہو، تاکہ وہ سزا کے عذاب سے بچ جاتے۔ مجرم اقرار کریں گے کہ انبیاء آئے تھے۔انہوں نے نیکی پر انعام اور جرم پر سزا کا اعلان کیا تھا، لیکن وہ اس پر یقین نہیں کرتے تھے۔اب ان پر سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے، لہٰذا وہ سزا پائیں گے۔اس کے بعد ان کو دوزخ میں بند کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا تم ہمیشہ اسی میں رہو گے۔انہوں نے تکبر کیا تھا اور احکام خداوندی کو ٹھکرایا تھا۔ تکبر کرنے والوں کا یہی انجام و سزا ہے۔ کس قدر خوفناک منظر ہے۔ایک حدیث کے مطابق جب نبی ﷺ نے آیت کی تلاوت کی تو خوفناک منظر کے پیش نظر آپ ﷺ لرز اُٹھے۔ صحابہ نے خیال کیا کہ کہیں آپ ﷺ گر نہ جائیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عذاب سے محفوظ رکھے۔

وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، وہ جنت کی طرف گروہ در گروہ، لے جائے جائیں گے۔ حتّٰی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس (جنت) کے دربان (چوکیدار) ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو۔ تم پاکیزہ، رہے ہو۔اب تم اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

وہ کہیں گے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہم سے (کیا ہوا) اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین (جنت) کا وارث (مالک) بنایا۔ ہم جنت میں جہاں جائیں ٹھکانہ بنائیں، چنانچہ (نیک) عمل کرنے والوں کا یہ اجر و ثواب بہت اچھا ہے۔

دوسرا منظر پیش ہے۔ وہ افراد جنہوں نے اللہ کے احکام مانے (نیک اعمال کئے) اپنے حساب و کتاب میں جنت سے نوازے گئے اور وہ بھی گروہ در گروہ، جنت کی طرف دھکیلے جائیں گے اور جب جنت کے دروازں کے قریب پہنچیں گے تو جنت کے چوکیدار ان کو خوش آمدید کہیں گے اور کہیں گے کہ ہمیشہ اس میں خوش رہو۔اہل جنت، جنت کو

دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کریں گے کہ ان کو وعدہ کے مطابق جنت میں ٹھکانہ ملا۔ منظر زیادہ تفصیل کے ساتھ مختلف سورتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور آپ فرشتوں کو عرش کے گرد حلقہ بنائے دیکھیں گے جبکہ وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اور ان (لوگوں) کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ ہو چکا ہو گا اور کہا جائے گا سب تعریف اللہ رب العالمین (تمام جہانوں کا پالنے والا) کے لئے ہے۔

سورت کا اختتام ہے کہ جب تمام انسان اپنے اپنے اعمال کی بناء پر انعام و سزا کے فیصلے سن کر اپنے اپنے مقامات پر پہنچ جائیں گے۔ عرش معلیٰ کو اُٹھانے والے فرشتے اللہ کی حمد و ثناء بیان کریں گے اور ساری کائنات بھی اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی و جلال کا منظر ہو گا۔

سورت کی ابتداء قرآن مجید کی عظمت سے ہوئی اور اختتام صاحب کلام کی عظمت و جلال سے ہوا۔

40- سورۃ غافر(المومن)

تعارف:۔

سورت غافر، اس کا نام سورت المومن اور سورت الطول بھی ہے۔ یہ تینوں نام سورت میں مذکور الفاظ کی وجہ سے ہیں۔ ہندو پاک میں سورۃ المومن کے نام سے موسوم ہے جو کہ آیت نمبر 28 میں ذکر کیا گیا لیکن عرب ممالک کے قرآن مجید میں لفظ غافر ہے جو کہ تیسری آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی اس کا دور بھی سورت الزمر کا قریبی دور ہے۔ مضامین میں مشابہت ہے۔ احوال قیامت، حشر کے دن عذاب کی کیفیت مومنوں کی جزا وغیرہ ہیں۔

سورت کا ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر چالیس (40) ہے اور ترتیب نزول کے لحاظ سے ساٹھ (60) ہے۔

سورت میں پچاسی (85) آیات ہیں اور نو (9) رکوع ہیں۔

سورت میں عقیدہ توحید پر زور دیا گیا۔ انکار کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔ قیامت کے دن مشرکوں کے حال کے بارے ذکر ہے۔ قریش مکہ نبی ﷺ کے شدید خلاف تھے اور مسلمانوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے تسلی دلائی گئی۔ انبیاء سابقہ کے واقعات کا ذکر ہے۔ قریش کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اپنا رویہ ٹھیک کریں۔

سورت کے فضائل میں پہلی تین آیات کی تلاوت حفاظت کے لئے بڑی مفید ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔میم

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۲﴾

اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو نہایت غالب اور خوب جاننے والا ہے۔

غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾

گناہ بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑے فضل والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے ہیں۔(۱):العزیز۔یعنی غالب، ایسی قوت والا کہ اس کے برابر کوئی بھی نہ ہو۔(۲):العلیم۔مبالغہ کا لفظ ہے۔یعنی جس کے علم کا کوئی مقابل نہ ہو اور اس کا علم بغیر کسی سے حاصل کیے ہوئے ہو۔(۳): غافر الذنب۔چھپانے والا یعنی انسانوں کے گناہوں یا غلطیوں کو چھپانے والا۔انسانوں سے محبت کا اظہار ہے۔(۴): قابل التوب۔توبہ قبول کرنے والا۔گذشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ قابل کے اصل معنی پکڑنے والا ہے۔ جس طرح کنویں سے ڈول کو نکال کر پکڑا جاتا ہے۔ (۵): شدید العقاب۔عقاب کے معنی عذاب دینے والا، شدید سے مراد سخت عذاب دینے والا، پہلی دو صفات سراپا رحم پر مشتمل ہیں۔گناہ پر پردہ ڈالنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور تیسری جو آدمی گناہوں سے باز نہ آئے تو اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔(۶): ذی الطول۔بہت عظیم فضل والا۔اس کا فضل و کرم عظیم ہے۔جو توبہ کرتے ہیں ان کو توبہ قبول کرتا ہے۔شدید العقاب جو گناہوں پر اصرار کرتے ہیں ان کو شدید عذاب دینے والا ہے۔ان عظیم صفات کی مالک ذات ہی ،واحد و یکتا ہے جو کہ قابل عبادت ہے اور انسانوں کو زندگی کے بعد اس کی طرف ہی لوٹنا ہے۔اس کے احکام پر عمل بہت ضروری ہے۔

مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَا یَغُرُرۡکَ تَقَلُّبُہُمۡ فِی الۡبِلَادِ ﴿۴﴾

اللہ کی آیات میں صرف کافر لوگ ہی جھگڑا کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈالے۔

کَذَّبَتۡ قَبۡلَہُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ۫ وَ ہَمَّتۡ کُلُّ اُمَّۃٍۢ بِرَسُوۡلِہِمۡ لِیَاۡخُذُوۡہُ وَ جٰدَلُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِہِ الۡحَقَّ فَاَخَذۡتُہُمۡ ۟ فَکَیۡفَ کَانَ

عِقَابِ ۝۵

ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے بعد (دوسرے) گروہوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے گرفتار کرلیں اور انہوں نے ناحق جھگڑا کیا تاکہ اس (باطل) کے ذریعہ حق کو بھلادیں۔

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

اور اسی طرح ان لوگوں پر آپ کے رب کا فیصلہ ثابت ہوگیا جنہوں نے کفر کیا کہ بلاشبہ وہ دوزخی ہیں۔

اس وقت، کفار مکہ اسلام کی مخالفت کر رہے تھے، لیکن ان کی معاشرتی زندگی رواں دواں تھی، جس طرح قبل از اسلام تھی۔ یہ سلسلہ زندگی نظام کائنات کا حصہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں کہ ان کا نظریہ یا انداز زندگی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتے ہیں۔ وہ غلط راستے پر ہیں اور اس کی سزا پائیں گے۔ اس سے مسلمانوں کو ذہنی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ پرانے انبیاء کا ذکر ہے، بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کا جنہوں نے کئی سو سال تبلیغ کی لیکن لوگ گمراہ رہے۔ مخالفت کرتے رہے۔ حق سے انکار کیا۔ اللہ کے احکام میں خواہ مخواہ جھگڑے اور بحث و تکرار کرتے تھے۔ جس کا مقصد حق کی مخالفت یا حق کو باطل کے ساتھ مکس کرکے لوگوں کو گمراہی پر روکے رکھنا تھا۔ اس کا نتیجہ نکلا کہ کئی سو سال تک مخالفت کرتے رہے لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کردیا۔

بحث وجدال:۔

بحث و مباحثہ کسی موضوع کی وضاحت کے لئے مفید ہے، تاکہ صحیح رائے پر پہنچا جاسکے۔ اگر بحث سے مقصد ایک دوسرے پر الزام تراشی اور جھگڑا ہو تو اسے جدال کہتے ہیں، جہاں مقصد، وضاحت یا سنجیدگی نہیں ہوتی، بلکہ جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ عمل یا طریقہ چونکہ اعلیٰ مقاصد کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **جدال فی القرآن کفر**۔ قرآن مجید میں جدال کرنا کفر ہے۔ (مسند احمد)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں جدال کرنا بھی کفر کرنا ہے۔ جدال کا مقصد حق کی تلاش نہیں ہوتی، بلکہ حق کو باطل کے ساتھ مشابہ کرنا ہوتا ہے، اس لئے منع ہے۔ آیت مبارکہ میں اسی بات کا ذکر ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ

تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں (وہ کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا تو ان لوگوں کو بخش دے۔ جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اے ہمارے رب! اور انہیں ان ابدی باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کو بھی جو ان کے باپ داداؤں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں۔ بے شک تو (ہر چیز پر) غالب نہایت حکمت والا ہے۔

وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَ مَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور انہیں برائیوں سے بچا اور جسے تو نے اس دن برائیوں (کی سزا) سے بچا لیا تو در حقیقت تو نے اس پر رحم کیا اور یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

عرش الٰہی:۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے، جو کائنات میں پھیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جسامت، کمیت، حجم یا تمام وہ اوصاف جو مادی ہوں ان سے پاک ہے۔ یہ مثالیں یا تشبیہات انسان کو اس کے علم (معلومات) کے مطابق سمجھانے کے لئے ہیں۔ عرش، کرسی، سدرۃ المنتہیٰ، کے بارے ایمان اسی طرح رکھنا ضروری ہے جس طرح قرآن اور احادیث صحیحہ میں ذکر ہے۔ لیکن مسلمانوں کی معلومات یا تشنگی علم کی آبیاری کے لئے نبی ﷺ نے کچھ وضاحتیں بذریعہ امثال بیان کی ہیں، جو معلومات کی حد تک مفید ہیں اور ان سے کائنات کی عظمت واضح اور اس سے خالق کائنات کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

موجودہ سائنس (کاسمولوجی) بھی کائنات کی وسعت پر حیران و پریشان ہے اور یہ ضعیف احادیث بھی اسی وسعت کو بیان کرتی ہیں۔ ایک ضعیف روایت کے مطابق، ملائکہ وہ مخلوق ہے جس کے قدم زمین کی سب سے نچلی سطح پر ہیں اور اس کا سر سات آسمانوں سے باہر نکلا ہوا ہے۔ (الکشاف/جامع احکام القرآن/روح المعانی)۔ یعنی فرشتے تمام کائنات میں موجود اور عمل میں ہیں۔ اس حدیث سے اللہ کی اس مخلوق کی قوت کا اظہار ہے، جو کائنات کے نظام کو اللہ

کے حکم کے مطابق چلا رہی ہے۔ سائنس آج بھی اس کی تلاش میں سر گرداں ہیں۔ ان کے ہاں بھی ایک چوتھی قوت ہے جو ساری کائنات میں موجود ہے۔ احادیث کے مطابق اس کا منبع یا ذریعہ روشنی ہے۔ کائنات میں صرف روشنی ہی سے ہمیں اس کی وسعت کا اندازا ہوتا ہے۔ روشنی کی حقیقت جاننے میں سائنس بھی سر گرداں ہے۔

ایک اور حدیث بروایت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے بیان ہے، کہ بطحاء کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بادلوں کے بارے سوال کیا اور بادلوں کے نام سحاب، مزن، عنان، بیان فرمائے۔ پھر زمین و آسمان کے فاصلے بیان فرمائے ،جو اس وقت کے صحابہ کرام کے علم اور معلومات کے مطابق بتائے گئے کہ ہر ایک آسمان کے درمیان کئی سو سالوں کا فاصلہ ہے۔ پھر دوسرے آسمان، غرض سات آسمانوں تک فاصلوں کی مسافت وہی ہے۔ پھر سات آسمانوں کے بعد پانی ہے (سمندر ہے)، جس کی وسعت یا گہرائی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۔ (یعنی کائنات میں زمین کے علاوہ بھی پانی کا وجود ہے جس کا پہلے ہماری سائنس کو اس کا علم نہیں ہوا تھا۔ جستجو جاری ہے، اب دوسرے سیاروں میں پانی کے امکانات معلوم ہوئے ہیں۔)۔ پھر اس کے اوپر، حاملین عرش کے فرشتے ہیں۔ ان کی وسعت یا سائز اتنا بڑا ہے کہ اگر انہیں بکرا کی مثال دی جائے تو جس طرح پاؤں کے کھر سے گھٹنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اس کا سائز ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا ہے۔ پھر گھٹنے سے کمر کا فاصلہ ہے اور گویا ان کی کمر پر عرش ہے۔ ان فرشتوں کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے۔ پھر عرش سے آگے اللہ تعالیٰ کی کرسی ہے۔ کرسی سے مقصود قوت و عظمت ہے اور کچھ علماء اس کو لغوی معنوں میں لیتے ہیں۔ ان احادیث کا مقصد کائنات کی وسعت، اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات کی وسعت، اس نظام کی تنفیذ میں کام کرنے والی قوتوں (فرشتوں) کی قوت و عظمت اور سب سے بڑھ کر ان کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کا اظہار ہے تاکہ انسان اس کے احکام کے آگے سرکشی کرنے کے بجائے سرنگوں رہے۔ سائنس کے لیے میدان تحقیق کھلا ہے۔

مسلم علماء، متکلمین و فلکیات نے بھی یہی مراد لی ہے کہ مقصود حاملین عرش سے اللہ تعالیٰ کی تدبیر، حفاظت کائنات، اور اس کے نظام کی پیچیدگی مطلوب ہے، جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ المدثر 31)۔ اسی طرح طواف عرش، اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے ان کی استعداد کی طرف اشارہ ہے۔ اسلامی ماہرین فلکیات نے آسمانوں کو کروی شکل (دائری) کہا ہے۔ اسی طرح عرش کے بارے بھی ان کا یہی خیال ہے اور حملہ العرش کی توضیح اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کا اظہار ہے۔ (روح المعانی)۔

عرش کے گرد طواف کرنے والے فرشتوں کی تعداد کھربوں میں ہے اور اس قدر زیادہ ہیں کہ حدیث کے مطابق دوبارہ طواف کی باری نہیں آتی اور وہ اللہ کی حمد اور تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ (ان احادیث کی روایت میں ضعف ہے لیکن کائنات کی وسعت کے بارے اشارہ کرتی ہیں۔)۔

طریقہ دعا:۔

فرشتے، مومنین (اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے افراد) کے لئے دعا کرتے ہیں۔ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا اقرار اور اس کی رحمت کا ذکر کرتے ہوئے، مومنین کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔ یہ دعا کا بہترین طریقہ ہے۔ دعا یہ ہے کہ "جو لوگ توبہ کرتے ہیں اور اللہ کے راستہ پر چلتے ہیں ان کی بخشش ہو، دوزخ سے محفوظ ہوں۔ اللہ تعالیٰ، ان کو جنت میں رہائش عطا فرمائیں، جس کا نیک لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس زندگی میں ان کے اہل و عیال بھی ان کے ہمراہ ہوں یعنی ان کے ماں باپ، دادا، دادی، اولاد (لڑکے/لڑکیاں) جو بھی نیک ہوں، ان کے ساتھ جنت میں رہائش پذیر ہوں۔ ان کو برائیوں سے بچا، تاکہ وہ عذاب سے بچیں۔ یہ ان مومنین پر تیری رحمت و کرم ہوگا"۔

آیات مبارکہ اہل ایمان کو تسلی دے رہی ہے، کہ تمام اہل ایمان کے لئے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ کے احکام پر عمل کرنے گناہوں سے، توبہ کرنے اور پھر گناہوں سے بچنے کے لئے، اللہ کے دربار میں گذارش کرتے ہیں۔ یہ دعائیں ان کی کامیابی کی نوید ہیں۔ کفار کے ظلم اور زیادتی کے باوجود اللہ کے احکام پر عمل پر ان کو جنت الفردوس عطا ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَی الۡاِیۡمَانِ فَتَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ان سے پکار کر کہا جائے گا، اللہ کی ناراضگی و بیزاری (آج) تمہاری اپنے آپ پر ناراضگی و بے زاری سے بڑھ کر تھی۔ جب (دنیا میں) تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا، تو تم انکار کر دیتے تھے۔

قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَ اَحۡیَیۡتَنَا اثۡنَتَیۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَہَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۱۱﴾

وہ کہیں گے؛ اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور تو نے ہمیں دوبارہ زندہ کیا، پس ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں پھر کیا (اس عذاب سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔

ذٰلِکُمۡ بِاَنَّہٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ کَفَرۡتُمۡ ۚ وَ اِنۡ یُّشۡرَکۡ بِہٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ فَالۡحُکۡمُ لِلّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡکَبِیۡرِ ﴿۱۲﴾

(فرمایا جائے گا) تمہیں یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ جب اللہ واحد کو پکارا جاتا تو تم انکار (کفر) کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جاتا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے (مان لیتے تھے)۔ اب حکم تو اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بڑا ہے۔

قیامت کے بعد کا منظر دکھایا گیا ہے، جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والے، اپنی خواہشات پر چلنے والے، اپنے حساب و کتاب، شواہد کے بعد فیصلہ جانیں گے اور عذاب جہنم کو دیکھیں گے، تو اپنے آپ کو سخت ملامت کریں گے۔ غصہ میں آئیں گے، ان کا غصہ ان افراد کے بارے ہو گا، جن کی باتوں میں آ کر انہوں نے اللہ کے احکام کو بھلا دیا تھا۔ وہ ان سے انکار کریں گے، پھر اپنے آپ کو ملامت کریں گے۔ شیطان (ابلیس) کو ملامت کریں گے، وہ کہے گا کہ تم نے اپنی خوشی سے میری بات مانی، اگر انکار کرتے تو آج یہ سزا نہ دیکھتے۔ ان کو جواب میں بتایا جائے گا، جو کہ فرشتے بتائیں گے یا ویسے آواز دی جائے گی، کہ جس قدر آج تم اپنے آپ پر غصہ کر رہے ہو، جب تم اللہ کے احکامات کا انکار کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی تمہاری نافرمانی پر سخت غصہ آتا تھا، لیکن اس نے تمہیں اختیار اور آزادی دے رکھی تھی، لہٰذا آج اس کے بدلے سزا بھگتو۔

گنہگار اور مجرم انسان، اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ وہ کس طرح اس عذاب سے نکل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو دفعہ موت اور زندگی دی ہے، ایک دفعہ پھر دے تاکہ وہ نیکی اور تابعداری کریں۔ پہلی موت تو عدم ہے کہ ان کا نطفہ تھا پھر دوسری موت انسان کی زمین پر زندگی کے بعد آئی۔ اسی طرح پہلی زندگی دنیا میں پیدائش پر آئی اور موت پر ختم ہوئی۔ دوسری زندگی صور اسرافیل پر دوبارہ آئی۔ حساب و کتاب کے لئے، انسان زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوئے۔ دو موت کی تفسیر ایک دنیا کی زندگی میں موت ہے اور دوسری صور اسرافیل پر اجتماعی موت بھی ہے۔

، لیکن آج اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے مقابل، دنیا کے خداؤں کو زیادہ قبول کرتے تھے ، ان کے احکامات مانتے تھے۔ آج وہ سب ختم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ولاشریک ہے۔ بہت بلند ہے بڑی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾

وہی تو ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

پس تم اللہ کی عبادت کرو اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے، خواہ کافروں کو برا لگے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

وہ (اللہ) بہت بلند درجوں والا عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے وحی نازل کرتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے۔اس کی نشانیاں زمین پر واضح ہیں۔آسمان (فضاء) سے انسانوں کے لئے رزق کا بندوبست ہے۔اگرچہ زمین کے اندر زرخیزی ہے، لیکن یہ زرخیزی صرف اسی صورت میں پودے اور فصل اگاتی ہے ،جب اس کو پانی ملے۔پانی ملنے کا قدرتی ذریعہ، بارش، چشمے، دریا ہیں۔سب سے بڑا ذریعہ بارش ہے، جو آسمان (فضاء) سے آتی ہے۔ بادل اڑتے ہیں اور بارش برساتے ہیں۔ پھر یہی پانی زمین میں جذب ہوتا ہے۔دریاؤں میں جاتا ہے۔ چشموں سے نکلتا ہے۔ بادلوں سے بارش کے بجائے برف گرتی ہے اور پھر وہ پگھلتی ہے۔اس سے انسان کا رزق زمین سے نکلتا ہے۔ یہ اسباب، یہ نظام، جو قبل از تاریخ، سے چل رہا ہے کسی خالق کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔اس نشاندہی، سے اہل حق و عقل، اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اسباب میں گم نہیں ہوتے بلکہ اسباب پیدا کرنے والے، کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں۔ پھر وہ ذات جو بڑی قوت، طاقت والی ہے، اس کا مقام بہت بلند ہے۔ نبی کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا ہے، وہ جس پر چاہتا ہے، اپنی وحی اور احکام نازل کرتا ہے تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بارے معلومات ملیں اور اس کی مخلوق اپنے آپ کو عذاب سے بچائے۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾

جس دن سب لوگ (قبروں) سے ظاہر ہوں گے۔ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہو گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے۔ صرف اللہ کی جو واحد سب پر غالب ہے۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

آج ہر نفس (آدمی) کو جو اس نے کمایا اس کا بدلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہو گا بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۭ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

اور آپ (نبی) ،انہیں قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرائیں، جبکہ غم سے بھرے کلیجے حلقوں کو آرہے ہوں گے۔ ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہ اس کے سوا جنہیں پکارتے ہیں وہ کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ اللہ ہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

عقیدہ آخرت اور حساب و کتاب کی تاکید، کے لئے قیامت کا منظر بیان کیا جارہا ہے کہ لوگ اس طرح نکلیں گے کہ کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہو گا۔ ایک حدیث کے مطابق، بغیر لباس کے، غیر مختون (فطرتی حالت) میں نکلیں گے۔ نفسا نفسی کا یہ عالم ہو گا کہ کسی کو اپنے جسم کی بھی خبر نہ ہو گی۔ اس دن ساری طاقت اللہ کی ہو گی اور سب اس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ عدل فرمائیں گے اور ہر انسان کو اس کے اعمال یعنی کارکردگی کے مطابق بدلہ ملے گا کوئی ظلم نہیں ہو گا یعنی حقوق اور واجبات، کے مطابق جزا و سزا ہو گی، وہ دن دل دہلا دینے والا ہو گا۔ زمین پر خوف کی کیفیت طاری ہو گی۔ کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے اور ظلم کرنے والوں کو خواہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں کوئی بھی نہیں بچا سکے گا اور کسی کی بھی کوئی سفارش قبول نہیں ہو گی۔ سب اللہ کے خوف کی وجہ سے لرزاں ہوں گے۔ اللہ کی ذات کو، انسان کی سب سے چھپی ہوئی گفتگو جو صرف آنکھ کے اشارے سے ہوتی ہے اور وہ آرزوئیں، تمنائیں یا راز، جو سینے میں دفن ہو چکے ہوتے ہیں ان کا بھی علم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح عدل و انصاف ہو گا کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ وہ تمام قوتیں جن کے سامنے انسان جھک کر، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کرتا ہے ان کا خود وجود بھی بہت پریشان حال ہو گا۔

اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا، تاکہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور زمین پر ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود اللہ نے ان کو، ان

کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

ان کی وجہ یہ تھی، کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے کفر (انکار) کیا۔ لہٰذا اللہ نے انہیں پکڑ لیا، اللہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔

منکرین مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ دورانِ سفر یمن اور شام مختلف قوموں کے آثار کو دیکھتے ہیں، جو ان کے مقابل دولت، ثروت اور عددی کثرت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے یہ سارے وسائل، ان کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے چونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کے احکام سے انکار کیا اور مخالفت کی وجہ سے ان کا یہ انجام ہوا۔ اب اگر قریش مکہ نے اپنا رویہ نہ بدلا اور مسلمانوں پر ظلم، نبی ﷺ کی مخالفت ترک نہ کی، تو ان کا بھی انجام یہی ہوگا۔ کیونکہ اللہ کی قوت کائنات میں سب سے زیادہ ہے۔ عقل کے مطابق اہل مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

فرعون اور ھامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا؛ یہ تو جادوگر ہے بہت جھوٹا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

پھر جب وہ (موسیٰ) ہماری طرف سے ان کے پاس حق لے کر آیا، تو انہوں نے کہا؛ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی چال تو صرف تباہی و بربادی تھی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے رب کو بلا لے (مدد حاصل کرے)، مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین (طریقہ زندگی) کو بدل ڈالے گا یا یہ کہ وہ زمین میں فساد پھیلائے گا۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ۝۲۷

اور موسیٰ نے کہا؛ بے شک میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں، ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

مسلمانوں اور نبی ﷺ کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے بارے بتایا جارہا ہے، کیوں کہ اس کی تصدیق یہود بھی کرتے ہیں اور اس طرح قرآن کی صداقت ثابت ہوئی، دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون جیسے ظالم اور جابر بادشاہ سے تھا، جس کے مقابل قریش کی کوئی طاقت نہیں تھی۔ راہ حق اور اللہ کے پیغام میں یہ مشکلات ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑے معجزے عطا کئے گئے مثلاً عصا کا کبھی اژدھا اور کبھی تیز رفتار سانپ بن جانا، ہاتھ کو اگر بغل سے نکالیں تو چمکدار بن کر منور ہو جانا، جن سے فرعون کے درباری خوفزدہ تھے۔ ھامان، فرعون کا وزیر تھا۔ اسی طرح قارون بھی اگرچہ بنی اسرائیل سے تھا مگر دولت کی وجہ سے فرعون سے ملا ہوا تھا۔ یہ سارے اس کی مجلس وزراء کے حصہ تھے۔ فرعون نے ان سے کہا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہے ۔(۱):تاکہ وہ ان کے نظام زندگی، جس کے تحت وہ مراعات یافتہ طبقہ آرام دہ زندگی بسر کر رہے ہیں، تباہ کر دے گا۔ (۲): یہ بہانہ لوگوں کو بھڑکانے اور اپنے خلاف مخالفت کم کرنے کے لئے تھا۔(۳): اپنا خوف اور اپنی ذاتی بادشاہت کو بچانے کے لئے بہانہ تھا۔ (۴):لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے اس نے حکم دیا کہ جو کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین یا طریقہ زندگی پر چلے گا، وہ ان کے لڑکوں کو قتل کر دے گا تاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد نہ کر سکیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دے گا ،تاکہ وہ غلامی کریں۔ یہ قتل کا حکم دوسری دفعہ تھا۔ قرآن مجید نے اس قسم کے استبدادی طریقہ کو انتہائی گمراہی و بربادی کہا ہے، کیونکہ انسانیت کی تباہی ہے۔ ظالم حکمران، مراعات یافتہ طبقہ، جب دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتا، تو پھر اپنی طاقت آزماتا ہے۔ ظلم و تشدد کو روا رکھتا ہے۔ خوف وہراس سے مفادات حاصل کرتا ہے۔(۵):ارکان سلطنت اور کئی لوگ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے متاثر اور خوفزدہ تھے۔ امراء چاہتے تھے کہ فرعون کے لئے خطرہ قائم رہے تاکہ فرعون ایک مشکل میں پھنسا رہے اور وہ اپنی من مانی کرتے رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایمان سے لبریز تھے، انہیں کوئی خوف نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہر متکبر، جابر، جو اللہ کی عظمت و طاقت، حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتا، وہ اس کے رب اور اپنے رب کی پناہ مانگتے ہیں۔ چونکہ کائنات کا ایک ہی رب ہے ،اس لئے ان کا رب انکار کرنے والوں اور اقرار کرنے والوں دونوں کا رب ہے۔ ہمارے نبی ﷺ بھی

خطرات کے موقع پر ایک دعا مانگا کرتے تھے جس کے الفاظ یوں ہیں ''**الھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذبک من شرورھم**'' (اے اللہ! ان کے مقابلہ میں ہم تجھ کو لاتے ہیں اور ان کی شر اور فساد سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔(مسند احمد / سنن ابو داؤد)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پناہ کے لئے دو نکتے، دعا میں بیان فرمائے۔ ایک انسانی تکبر اور دوسرا قیامت کے حساب و کتاب سے انکار۔ دراصل تکبر ہی انسان کو اللہ کے راستے اور حساب و کتاب پر ایمان سے دور رکھتا ہے۔

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۚ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

اور آل فرعون میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان چھپاتا تھا کہنے لگا؛ کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو، کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے جب کہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو تمہیں اس عذاب کا کچھ حصہ ملے گا جس سے وہ تم کو ڈرا رہا ہے۔ یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹا ہو۔

یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَ مَاۤ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو۔ لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا۔ فرعون نے کہا؛ میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں۔

وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

اور اس مرد مومن نے کہا؛ اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا

لِّلۡعِبَادِ ﴿۳۱﴾

جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

جہاں فرعون اور اس کے امراء، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا سوچ رہے تھے، وہاں فرعون کے لوگوں میں سے ایک شخص جو کہ صاحب اثر رسوخ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا، اس نے رائے دی کہ محض نبوت کے دعویٰ کی وجہ سے ان کو قتل کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ معجزات بھی دکھاتا ہے اور اس کے دلائل بھی ہیں۔ اگر وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، جھوٹے اور مکر والے کو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے۔ لہٰذا سزا مل جائے گی اور اگر وہ سچا ہے تو خطرہ ہے کہ کہیں وہ عذاب جس سے ہمیں ڈرا رہا ہے ہم ہی پر نہ پڑ جائے اور ہم تباہ ہو جائیں جس طرح پہلی قومیں قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود تباہ ہو چکی ہیں۔ اب ہم حکومت اور قوت میں ہیں، عذاب کے بعد ہم ختم ہو جائیں گے۔ فرعون نے کہا کہ جس کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کی رائے دے رہا ہے تاکہ سب کامیاب ہوں۔ اس آدمی (مومن) نے کہا کہ انسان خود غلطیاں کرتے ہیں اور ان کی سزا بھگتتے ہیں جب کہ اللہ انسانوں پر ظلم پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم غلطی سے بچیں۔

وَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ یَوۡمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾

اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ وپکار کے دن کا خطرہ ہے۔

یَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِیۡنَ ۚ مَا لَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿۳۳﴾

جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور اللہ جس کو گمراہ کر دے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

وَ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ یُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَیِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمۡ بِہٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا ہَلَکَ قُلۡتُمۡ لَنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ رَسُوۡلًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ ہُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ ۚ ﴿۳۴﴾

اور بلاشبہ اس سے پہلے یوسف بھی تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تھا، پھر تم ہمیشہ اس کے متعلق شک میں رہے جو تمہارے پاس لایا، حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو گیا تو تم نے کہا: اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور اللہ اس شخص کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھنے والا

ہو۔شک کرنے والا ہو۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵

جولوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جوان کے پاس آئی ہو(یہ رویہ)اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک سخت غصہ کا موجب ہے۔اللہ اسی طرح ہر سرکش متکبر کے دل پر مہر لگادیتا ہے۔

مومن انسان نے کھل کر اللہ کے احکام کا ذکر،امراءفرعون سے کیا۔پہلے اپنے ایمان کو چھپانے والا،اب جذبہ حق سے سرشار ہو کر کھل کر اللہ کی قوت کا اظہار کرنے لگا۔اس نے کہا کہ مجھے عذاب کے دن کا تم پر خطرہ ہے،جب تم خوف کی وجہ سے باہم چیخ و پکار شروع کر دو گے۔اس عذاب کا انجام شدید برا ہو گا کیونکہ جولوگ اللہ کی طاقت و قوت سے بغیر کسی دلیل کے انکار کرتے اور خواہ مخواہ،بحث و تکرار کرتے ہیں،وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرح وہ اہل ایمان کو بھی غصہ دلاتے ہیں۔ہر تکبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ،گمراہ کر دیتا ہے اور تکبر کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

تکبر:۔

تکبر ایک روحانی مرض ہے،یعنی نفسیاتی مرض ہے۔جس میں انسان دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی وصف،اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔شیطان اس وصف کو بڑھا کر،انسان کی سوچ میں ڈال دیتا ہے۔ اس وصف پر انسان تکبر شروع کر دیتا ہے۔یہ وصف علم،عبادت،صورت،آواز و بیان یا اور صفت،کھیل،نقل کرنا (ایکٹنگ)،قد و قامت،اقتدار،دولت،ہو سکتا ہے۔اسلام میں تکبر کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا ،جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو،وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا اور آپ نے فرمایا؛ تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔(مسلم/ترمذی)۔اللہ تعالیٰ، کی عطا کردہ نعمت کا اظہار تکبر نہیں،بلکہ دوسروں کو کمتر سمجھنا تکبر ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶

اور فرعون نے کہا؛اے ہامان!تو میرے لئے ایک بلند عمارت بنا،تاکہ میں راستوں تک پہنچوں۔

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ

لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

یعنی آسمانوں کے راستوں تک، پھر میں موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور بے شک میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لئے، اس کا برا عمل پر کشش بنا دیا گیا اور اسے (سیدھے) راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی چال (سازش) تو بس برباد ہو کر رہی۔

ھامان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ وہ فرعون کا وزیر تھا۔ کہا جاتا ہے اس نے اینٹوں کو پختہ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ کیا اس نے مینار یا محل بنایا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں، آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسے حکم دیا گیا کہ وہ ایسی بلند عمارت بنائے، جس پر چڑھ کر فرعون آسمانوں (فضاء) میں دیکھ سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قوت کا اظہار آسمان پر ہے۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ وہ دیکھے۔ کہا جاتا ہے فرعون کو اپنی طاقت پر بڑا غرور تھا اور اسے یقین تھا کہ وہی دنیا میں سب سے بڑی طاقت ہے اور اس کی عبادت لوگوں کو کرنی چاہیے۔ یہ تکبر کی انتہاء تھی۔

افکار کی کشش:۔

شیطان، انسان کے خیالات سے کوئی معمولی مثبت پہلو کو اٹھاتا ہے، پھر اسے بڑھا چڑھا کر، اس پر ایک تخیلاتی عمارت تعمیر کر کے، انسان کو اس کے خیالات میں گم کر دیتا ہے۔ انسان تکبر میں غرق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی رائے کو اس قدر اہم سمجھ لیتا ہے کہ دوسرا نقطہ نظر قبول نہیں کرتا اور اس طرح حق کا راستہ اس سے گم ہو جاتا ہے اور بھٹکتا رہتا ہے۔ یہی حال فرعون کے ساتھ ہوا۔ اس کے سارے منصوبے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناکام بنانے کے لئے کئے گئے تھے، ختم ہو گئے اور وہ بھی غرق ہو گیا۔

وَ قَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا؛ اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تمہیں نیکی کا راستہ بتاؤں گا۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو بس (تھوڑا سا) فائدہ اُٹھانا ہے اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

جس نے کوئی برائی کی تو اسے بس اس کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کوئی نیک کام کیا وہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔

وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾

اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ (دوزخ) کی طرف بلاتے ہو۔

تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیزیں شریک ٹھہراؤں جن کے بارے مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں نہایت غالب بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں، بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

لہٰذا تم عنقریب ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

سو اللہ نے اس (مومن) کو ان کی مکر و فریب سے بچا لیا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیا۔

قبطی مرد، مومن کی تبلیغ و دعوت کا ذکر بیان کیا جا رہا ہے، جہاں فرعون لوگوں کو کہہ رہا تھا کہ وہ ان کو بہترین راستہ دکھا رہا ہے۔ اس کے مقابل اس مرد مومن نے لوگوں کو بتایا کہ، یہ زندگی عارضی ہے۔ دائمی زندگی اس کے بعد کی ہے، جس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ، اس کے عمل کے مطابق، عدل کے ساتھ ملے گا۔ کسی کی ساتھ زیادتی نہیں ہو گی، جو لوگ نیک اعمال، بھلائی کے کام کریں گے اور اس کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں گے ان کو جنت کی

نعمت عطا کی جائے گی۔ **نیکی یا بدی کے عمل میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں** اور عمل کے مطابق بدلہ پائیں گے۔ جنت کی دائمی زندگی ہے۔اس میں انعامات و فضل کا شمار نہیں،اس کے لئے انسان کو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

اعمال وایمان:۔

آیت مبارکہ ایک نکتہ واضح کر رہی ہے کہ دوسری زندگی میں جنت کے حصول کے لئے دو شرائط ہیں۔(۱): نیک یا صالح یا بھلائی کے اعمال، جن میں اسلام نے ترجیح انسانی معاملات کو دی ہے کیونکہ عمل سئیہ (برے) اور عمل صالح (اچھے) کے زیادہ تر امور، معاملات انسانی یعنی معاشرتی امور پر مشتمل ہوتے ہیں اور دوسری شرط (۲): ایمان ہے۔اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام کے احکام، حقوق العباد بالخصوص ایک اعلیٰ، معتدل، انصاف پر مبنی معاشرہ، مرد و عورت کے حقوق کا اہتمام، تجارت، صنعت و معیشت و زراعت کے لئے مکمل رہنمائی موجود ہے۔ان پر جو عمل کرے گا خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، وہ اس کا بدلہ امن، خوشحالی، ترقی کی صورت میں پائے گا، لیکن جنت میں انعامات، اللہ پر ایمان کے ساتھ ملیں گے۔

اس نے پھر اپنی قوم کو بتایا کہ اس کا پیغام بڑا مختلف ہے۔وہ ان کو دنیا و آخرت میں بھلائی کی طرف بلا رہا ہے، جس میں نجات ہے۔فرعون اور اس کی قوم یعنی اس کے ساتھی، سب کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔وہ خدائے واحد لاشریک کے بجائے غیر اللہ کی عبادت کی طرف لے جا رہے ہیں۔جو نہ دنیا میں عبادت کے قابل ہیں اور نہ قیامت کے دن، ان کی کوئی حیثیت ہو گی۔انسان تکبر کی وجہ سے گمراہی میں پھنس رہے ہیں۔اگر اس کی قوم یہ گذارشات نہیں سنتی اور عمل نہیں کرتی، تو اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ان کے عمل نہ کرنے کی صورت میں وہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہے، کیونکہ وہ بندوں کو خوب دیکھتا ہے کہ کون صحیح ہے اور کون غلطی پر ہے۔روایات کے مطابق یہ مومن فرعون کی قوت کے باوجود اس کی سزا سے بچ گیا۔فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا۔

حق گوئی:۔

آیات مبارکہ کا پیغام، **حق گوئی** ہے۔جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا؛ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے (**افضل الجهاد كلمة الحق عند السلطان الجائر**)۔(متعدد کتب احادیث)۔ اسلام میں جھوٹ، بہت بڑا (کبیرہ) گناہ ہے۔اگر کسی معاشرہ میں حق گوئی ختم ہو جائے، تو وہ معاشرہ ظلم کا مرکز بن جاتا ہے اور بالآخر تباہ ہو جاتا ہے۔اس لئے بار بار کلام الٰہی میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتے، بلکہ لوگ اپنے

اعمال سے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ آیت میں عمل اور ایمان کے علیحدہ ذکر سے حنفی علماء نے ایمان کو اعمال سے علیحدہ قرار دیا ہے۔

دنیا کی زندگی:۔

مرد مومن نے دنیا کی زندگی اور آخرت کی اہمیت کا ذکر دہرایا۔ دنیا کی زندگی میں، اگر غور کیا جائے تو عمل کی زندگی چالیس سال ہے۔ باقی لڑکپن یا بڑھاپا ہے اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ اس لئے دنیا کی زندگی میں صرف خواہشات پر چلنا اور اسلام کے احکام جو سراسر انسانی بھلائی، کے لئے ہیں ان کو نظر انداز کرنا، پھر جہنم کا عذاب اُٹھانا، کوئی عقل و فہم کا عمل نہیں۔ نبی ﷺ نے اپنی سیرت سے ثابت کیا کہ اس دنیا کی عیش و عشرت یا دبدبہ، کوئی اہمیت نہیں رکھتا، دلوں کی حکمرانی، عدل اور انسانی احترام و محبت سے ہے اور آپ نے انتہائی سادہ زندگی گذاری لیکن دلوں پر حکمرانی کی۔

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

صبح و شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو۔

وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

اور جب وہ دوزخ میں باہم جھگڑیں گے۔ پس کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے؛ ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ دور کرنے والے ہو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

تکبر کرنے والے کہیں گے؛ بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

جو لوگ آگ میں ہوں گے وہ جہنم کے دربانوں سے کہیں گے تم اپنے رب سے دعا کرو کہ کسی

ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے۔

قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۵۰

وہ (دربان) کہیں گے؛ کیا تمہارے پاس رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے وہ (دوزخی) کہیں گے؛ کیوں نہیں، وہ (دربان) کہیں گے پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا تو بے کار ہی جائے گی۔

انسانی بے بسی کا منظر:۔

حساب و کتاب کے بعد کا منظر، پیش کیا جا رہا ہے تا کہ آنے والے واقعات کا قاری کو علم ہو جائے۔ آل فرعون پر صبح و شام، عالم برزخ میں آگ پیش کی جائے گی۔ قبر کے عذاب کی کیفیت اس طرح ہے، جس طرح انسان خواب میں انتہائی کرب میں مبتلا ہوتا ہے، جب کہ جسم نرم بستر پر موجود ہوتا ہے۔ اس سے جسمانی حالت کا کوئی براہ راست واسطہ نہیں۔ قیامت کے بعد، یہ سب اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے دوزخ میں ملیں گے، تو وہ لوگ جو دنیا میں خوف، لالچ، کی وجہ سے گمراہ لوگوں کی پیروی کرتے تھے، وہ ان سے کہیں گے کہ ہم نے یہ گناہ، احکام الٰہی سے انکار، تمہاری وجہ سے کیا، آج تمہارے دعوے کہاں ہیں۔ سابقہ حکمران یا لیڈر، ان سے کہیں گے، کہ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے، لہٰذا ہم بھی تمہاری طرح آگ میں سزا بھگت رہے ہیں۔ پھر یہ لوگ دوزخ کے دربانوں یا محافظوں سے درخواست کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے، عذاب میں کمی کرا دیں۔ دربان یا محافظ کہیں گے، کیا تمہارے پاس اللہ کے رسول، اللہ کا پیغام اور دلائل لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ دوزخی اقرار کریں گے کہ آئے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا تھا۔ دربان کہیں گے، چونکہ وہ منکر اور مجرم ہیں، اس لئے وہ ان کے لئے دعا نہیں کرتے وہ (مجرم) خود ہی اللہ تعالیٰ سے التجا کریں اور جہنم میں مجرموں (احکام کا انکار کرنے والوں) کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ وہ سزا بھگتیں گے اور کم نہیں ہو گی۔ کتنا خوفناک منظر ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝۵۱

بلاشبہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد دنیاوی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اس دن بھی (کریں گے) جب گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت)۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۵۲

اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور ان کے لئے لعنت اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

انکار اور ظلم کرنے والوں ، کی قیامت اور بعد از قیامت عذاب کی حالت کا ذکر تھا۔ ان کی دربانوں سے گذارش، پھر جن کی وہ اتباع کرتے تھے ،ان سے جھگڑا اور پھر عذاب میں تڑپنا ذکر کیا گیا۔ ادھر مسلمانوں پر مشرکین مظالم کی حد کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دلائی۔ اللہ تعالیٰ، اپنے نبیوں، مومنین (اللہ کے احکام ماننے والوں) کی اس دنیا میں مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کی مدد کریں گے اور آخرت کا دن بڑا خوفناک ہوگا، جب کہ کوئی طاقت بھی ظالم لوگوں کی مدد نہیں کر سکے گی۔ وہ عذاب بھگتیں گے لیکن مومنین کی مدد اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن بھی کریں گے اور عذاب سے بچائیں گے۔

مسلمان جو مکہ میں انتہائی مظلوم تھے۔ مدینہ میں اقلیت میں تھے، نظام اسلامی کی وجہ سے، دس بارہ سال میں بڑی طاقت بن گئے اور سارا عرب ان کے سرنگوں ہو گیا اور پھر مسلمان دوسرے ممالک میں بھی پھیل گئے۔ یہ تاریخی ثبوت ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَ اَوْرَثْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

هُدًی وَّ ذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

اہل عقل کے لئے یہ (کتاب) ہدایت اور نصیحت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا ہوئی اور بنی اسرائیل مصر میں انتہائی مظلوم اور مجبور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظلم سے نجاعت دی اور زندگی گزارنے، کا نظام (تورات) کتاب کی صورت میں عطا کیا۔ یہ کتاب اہل عقل و سمجھ کے لئے نصیحت اور ہدایت ہے۔ اس کے احکام کی حکمت، اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید بھی اہل علم و عقل کے لئے نعمت و ہدایت ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

لہٰذا (اے نبی) آپ صبر کیجئے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی لغزشوں کی معافی مانگیئے اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہوں، ان کے

دلوں میں تکبر (برائی کا خبط) ہے وہ اس تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا آپ (ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگیے۔ بلاشبہ وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کو بذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکلات پر صبر کی ہدایت کی جارہی ہے۔ کمال اطاعت کے باوجود انسانی وجود سے لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کا ذکر ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے آپ کی بخشش کا اعلان کر دیا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغفار اور توبہ میں مشغول رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ (بخاری/مسلم)۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے۔

ع بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا ہے)۔

یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ تمام مخلوق اپنے خالق کے آگے سرنگوں رہے۔ خالق اور مخلوق کا فرق بہت بڑا ہے۔ محبت کے غلو میں حدود کا خیال بہت ضروری ہے۔ محبت کے نام پر شیطان انسان کو غلو میں دھکیل کر گناہ کا مرتکب کر دیتا ہے۔

صبح و شام اللہ کی تسبیح و ذکر کا حکم دیا ہے، اس سے صبح و شام کے وقت کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ابتدائے دن اور انتہائے دن (قبل از نیند) یاد کا حکم دیا ہے تاکہ دونوں اوقات رحمت و برکت ساتھ رہے۔

نافرمانی کا سبب:۔

اللہ کے وجود اور ثبوت کے لئے کائنات کے نظام کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ، کی ذات انسانی آنکھوں سے دیکھنے، ہاتھوں سے چھونے سے مخفی ہے اور انسان عموماً ظاہر آنے والی چیزوں پر جلد یقین کر لیتا ہے، لیکن غور و فکر اور مخفی امور کے سمجھنے اور سمجھانے میں دیر لگ جاتی ہے۔ عموماً لوگ، اللہ کے وجود سے اسی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور بحث و مباحثہ میں پڑے رہتے ہیں، جو صرف انسانی تکبر اور گھمنڈ کے سبب ہے۔ انسان اپنی حسی یا قوت مدرکہ، کو مکمل طور پر صحیح سمجھتا ہے اور صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اپنے خیال کو اعلیٰ سمجھتے ہوئے، اپنے خیالات پر ضد کرتا ہے، جو اس کے تکبر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ غیر جانبدارانہ تجزیہ نہیں کرتے۔ اپنی ہی دلیل پر اڑے رہنے والے اور بحث و جدال کرنے والوں سے پناہ مانگنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہی سب سے بڑی اور محفوظ پناہ ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

زمین اور آسمان کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے کہیں بڑا کام ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ ۙ۬ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اندھااور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور برائی کرنے والے (برابر نہیں)۔ تم (لوگ/انسان) بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾

اور تمہارے رب نے کہا ہے؛ تم مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

انسانی وجود بمقابلہ کائنات:۔

انسانی نافرمانی، کے اسباب (نفسیات) کا ذکر جاری ہے۔ اللہ کے وجود اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے انسان انکار کرتا ہے۔ حالانکہ اگر انسان غور کرے، تو زمین پر تمام امور، نباتات، حیوانات، حشرات الارض، پرندے جو کہ لاکھوں اقسام پر مشتمل ہیں کس طرح پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ ان کے رزق کا بندوبست ہے۔ وسائل موجود ہیں۔ پانی، جنگلات، پہاڑ، دریا، سمندر، چشمے، عرض ساری مخلوق، جو کہ لاتعداد ہے، اس کا سامان حیات موجود ہے۔ سمندر کی مخلوق کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔ ان کا بھی اپنا زمینی مخلوق سے مختلف نظام زندگی ہے۔ اگر غور کریں، تو اس ساری مخلوقات کا وجود (پیدائش، زندگی اور موت) ایک انسان کے زمین پر وجود یعنی پیدائش اور موت سے کئی گنا بڑا عمل ہے، جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن انسان اس پر غور نہیں کرتا، اپنی دوبارہ زندگی اور حساب وکتاب سے انکار کرتا ہے، حالانکہ دلیل بڑی واضح ہے، کہ جس ذات نے اتنی بڑی زمین اور اس پر لاکھوں اقسام کے جاندار اور موجودات پیدا کی ہیں، اس کے لئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس سے آگے غور کریں، تو زمین، کائنات کی نسبت اتنی معمولی ہے، کہ اس کا ذکر کرنا بھی صحیح نہیں۔ جدید کاسمالوجی بھی حیران وپریشان ہیں۔ کائنات کی حدود کا، انسان کو پتہ بھی نہیں۔

یہ تمام امور اہل عقل کے لئے ہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ رات اور دن برابر نہیں، اسی

طرح اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے نیک انسان اور اللہ کے احکام سے انکار کرنے والے، برے اعمال والے انسان برابر نہیں۔دونوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔جو لوگ یقین نہیں کرتے نہ کریں لیکن قیامت آکر رہے گی۔آج تک کی سائنسی معلومات کے مطابق ہمارا نظام شمسی جس میں ہماری زمین اور دوسرے سیارے ہیں، جب سورج کے اندر توانائی کا تسلسل ختم ہونے کے باعث ،اندھا ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں زمین پر مکمل تباہی آجائے گی اور نظام شمسی لپٹ جائے گا۔بد قسمتی سے اس بات پر یقین کرنے والے، خدا پر یقین نہیں کرتے۔

اللہ کی ذات بڑی عظیم قوت، کی مالک ہے۔لہٰذا اس سے معافی مانگنی چاہیے۔تمام عبادت اور دعائیں اس سے کی جائیں۔جو لوگ اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں وہ جہنم میں سزا پائیں گے ،اس لئے دنیا کے اندر توبہ اور اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے نیک اور بھلائی کے کام کر کے اپنی آخرت کی زندگی بہتر بنانی ضروری ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات (تاریکی) بنائی تاکہ تم آرام کرو اور دن کو دکھلانے والا (روشن) بنایا، بلاشبہ اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

یہی تمہارا رب ہے۔ہر چیز کا پیدا کرنے والا،اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

اسی طرح وہ لوگ بہکائے جاتے رہے ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

انسان کا بہک جانا:۔

اللہ تعالیٰ، کی عظمت کے دلائل دیئے جارہے ہیں تاکہ انسان اللہ کی قدرت پر پورا پورا یقین کرے۔اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی جدوجہد میں سہولت کے لئے، دن کو روشن بنایا، جس کی وجہ سے انسان کام کرتے ہیں، روزی کماتے ہیں اور رات کو اندھیرا رکھا تاکہ لوگ آرام کر سکیں۔یہ سارا نظام، سورج اور زمین کی آپس میں گردش پھر چاند بھی ساتھ ہے، کی وجہ سے ہیں۔یہ سب اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے لئے خصوصی فضل ہے، لیکن لوگ اس نعمت کی قدر، نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ کے احکام کے بجائے، اپنی خواہشات کی بندگی یا اطاعت کرتے ہیں۔اپنی خواہشات اور شیطان کے ورغلانے میں حق کی راہ (اللہ کے احکام) سے بہک جاتے ہیں۔تم کہاں بہکے جاتے ہو، کے الفاظ، اللہ تعالیٰ کی انسانوں سے محبت کا اظہار ہے، کیونکہ انسان کو اللہ نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔لیکن شیطان کے

بہکاوے میں آکر، اپنی ذمہ داری اور خالق کو بھول جاتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾

اللہ وہ ہے، جس نے زمین کو تمہارے لئے قرار گاہ (رہائش گاہ) اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت اچھی صورتیں بنائیں اور اس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، یہی اللہ تمہارا رب، اللہ رب العالمین بہت بلندی والا ہے۔

هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

وہ (اللہ) زندہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم اس کی عبادت کرتے ہوئے اسی کو پکارو، سب تعریفیں، اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ۫ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾

آپ کہہ دیجئے! مجھے ان سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح نشانیاں آگئیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار رہوں۔

اللہ تعالیٰ کی قوت کے دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسانوں کے لئے جائے رہائش بنایا۔ آسمان کو چھت بنایا تاکہ زمین کو ریڈیائی شعاعوں سے محفوظ کیا جائے۔ کاسمولوجی میں آسمان، زمین سے اوپر خلاء یا فضاء ہے، جس کی حدود انسان کو صحیح طور پر معلوم نہیں۔ تمام فاصلے علمی اندازوں پر ہیں۔ قرآن مجید سائنس کی کتاب نہیں بلکہ انسانیت کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کے لئے نیچرل سائنس کے دلائل و معلومات ہیں۔ احادیث اور قرآن مجید کے اشارات کے مطابق پہلا آسمان ہمیں نظر آنے والے ستاروں سے اوپر ہے، باقی آسمان اس سے اتنے ہی دور فاصلے پر اوپر ہیں۔

انسان کے وجود کے بارے ذکر ہے کہ انسان کا وجود کس قدر خوبصورت اور مکمل انداز میں ہے۔ حواس خمسہ اور اس کے اعضاء، انسانی جسم کی ساخت، ہڈیوں کا ڈھانچہ اور اس پر گوشت اور اعضاء، اعضاء کا ڈیزائین، تیز رفتاری، ہاتھ پاؤں، انگلیاں، نظام ہضم، انتہائی موزوں و مناسب ہیں۔ پھر زمین پر انسانی غذا کے ذرائع و اسباب مختلف انواع کے پھل

اور اجناس عرض انسان کو ہر سہولت پہنچائی گئی ہے۔ یہ ساری عنائتیں اور مہربانیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے۔

کفار مکہ اور دوسرے منکرین خدا کے لئے پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس قدر ،لاتعداد اور واضح دلائل کے باوجود بھی اس کو نہ ماننا اور کسی دوسرے کی عبادت کرنا بالکل ممنوع ہے۔ نبی ﷺ اور تمام مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے احکامات کو مانیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر تمہیں بچے کی صورت میں نکالتا ہے تاکہ پھر تم اپنی جوانی (کی قوت) کو پہنچو اور پھر تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کچھ وہ ہیں جو اس سے پہلے ہی فوت کر دیئے جاتے ہیں اور تاکہ ایک مقررہ معیاد کو پہنچو اور تم عقل سے کام لو۔

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف یہ حکم دیتا ہے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی کے مراحل:۔

آیات اللہ تعالیٰ، کی طاقت اور قوت کے بارے ہیں اور ان میں انسانی زندگی کے مراحل کا ذکر ہے۔انسان مٹی سے پیدا ہوا۔اس کے ،بدن کے تمام اجزأ ، مٹی (زمین) میں موجود ہیں۔ پھر انسانی زندگی کی غذا، بھی زمین (مٹی) سے پیدا ہوتی ہے۔اس کے بعد اسی غذا سے ،انسانی جسم میں خون اور انسانی نطفہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ والدہ کے رحم میں ایک خون کا لوتھڑا، پھر اس سے ایک گوشت وہڈی کا ٹکڑا، پھر ایک انسان کی صورت اختیار کرتا اور نومولود بچہ بن کر باہر نکلتا ہے۔کچھ دورانِ حمل ہی ختم ہو جاتے ہیں اور کچھ بچپن میں ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ باقی بچپن میں غذا حاصل کر کے قوت حاصل کرتے اور جوانی میں پہنچ کر زندگی کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر کچھ اسی دوڑ میں ختم ہو جاتے ہیں اور باقی بڑھاپا دیکھتے ہیں۔ بڑھاپے کے بعد ایک مقررہ معیاد زندگی، جو ان کی اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہوتی ہے اس پر پہنچ کر دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ یہ سارا سفر بہت واضح اور فکر انگیز ہے اور۔۔۔نہ اپنی خوشی سے آئے،نہ اپنی خوشی،۔۔چلے کا منظر

پیش کرتا ہے۔ یہ سارا سلسلہ اہل عقل کے لئے ایک واضح ثبوت ہے کہ کوئی خالق ومالک اس کا ذمہ دار اور اسے کنٹرول کر رہا ہے اور وہی ہمارا خدا اور معبود ہے۔

یہ ذات الٰہی، ہی زندگی اور موت عطا کرتا ہے۔ اسی کے حکم سے یہ دونوں عمل واقع ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسانی زندگی اور موت ہے، بلکہ دوسرے کائنات کے امور میں، جس کسی چیز کو پیدا کرنا ہو، اس کا حکم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور کائنات میں موجود اسباب یا نئے اسباب کے ذریعہ، وہ چیز پیدا یا وجود میں آجاتی ہے۔ وجود میں آنے کے سارے مراحل، اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت مکمل ہوتے ہیں، اور اس چیز کا وجود قائم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا وجود، حکم کے تحت ختم بھی ہو جاتا ہے۔ کن فیکون کے احکام فوری یا تدریجی طور پر عمل میں آتے ہیں، یہ حکم کی نوعیت پر منحصر ہے۔ دونوں کے ثبوت موجود ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات (نشانیوں) میں جھگڑتے ہیں، وہ کہاں پھیرے جارہے ہیں۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

جنہوں نے کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور ان (تعلیمات) کو بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تو وہ عنقریب جان لیں گے۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾

جب ان کی گردنوں میں طوق اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا۔

فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کھولتے ہوئے پانی میں پھر وہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾

پھر ان سے کہا جائے گا، کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے سوا؟ (جن کو شریک ٹھہراتے تھے) وہ کہیں گے، وہ تو ہم سے گم ہو گئے۔ بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی نہ پکارتے تھے۔ اللہ اسی طرح کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾

(کہا جائے گا) تمہارا یہ (انجام) اس لئے ہوا کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس لئے کہ تم اکڑتے تھے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

(اب) تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ چنانچہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والوں کا ذکر ہے، کہ ان کا انجام کیسا ہو گا۔ انہوں نے اللہ کے احکام کا انکار کیا۔ اللہ کی نشانیوں پر یقین کرنے کے بجائے بحث و مباحثہ میں الجھتے رہے۔ چونکہ اللہ کی ذات کا ادراک (علم) حواس خمسہ سے نہیں بلکہ عقل، غور فکر سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے شیطان کے بہکاوے پر وہ بحث جدال شروع کر دیتے ہیں۔ احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا۔ قیامت کے دن، ان کو گلے سے زنجیروں میں جکڑا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ کہاں ہیں، جن کو اللہ کے علاوہ معبود جانتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ تو گم ہو گئے ہیں۔ کہا جائے گا، جن باتوں پر تم اکڑتے اور تکبر کرتے تھے، پھر اللہ کے احکام کا انکار کرتے تھے، آج اپنے ان عملوں کی سزا بھگتو۔ پھر ان کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا اور تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ اور انجام ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

لہٰذا (اے نبی) آپ صبر کیجئے؛ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق (سچا) ہے۔ پھر اگر ہم آپ کو اس (عذاب) میں کچھ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں۔ یا ہم آپ کو (اس سے پہلے ہی) فوت کر دیں۔ بالآخر وہ ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا ہے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے سوا کوئی نشانی لے آئے۔ پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق سے

ساتھ فیصلہ کر دیا گیااور اس موقع پر اہل باطل (جھوٹے لوگوں) نے خسارہ اُٹھایا۔

مسلمانوں اور نبی ﷺ کو قریش کی ضد و مخالفت پر تسلی دی جارہی ہے کہ آپ صبر کریں تبلیغ جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، انکار کرنے والے آخر کار ناکام ہوں گے۔ آیت مبارکہ میں ہے کہ ہم ان کی ناکامی (ان پر عذاب) آپ کو آپ کی زندگی میں بھی دکھا سکتے ہیں اور اگر اس دوران وفات بھی پاجائیں اور نہ دیکھ سکیں تو ان منکرین حق نے بالآخر مر کر ہمارے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے، نبی ﷺ کو اسلام کی کامیابی اور مخالفین اسلام کی ناکامی آپ ﷺ کی زندگی مبارک میں دکھادی۔

پرانے انبیاء کے واقعات کا ذکر ہے۔ انبیاء کے وہ واقعات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے، ان کی تعداد پچیس (25) ہے لیکن ایک حدیث کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے، کیونکہ ہر علاقہ، زبان اور قبیلہ یا قوم کو ہدایت عطا کرنی تھی۔ ان میں تین سو تیرہ کے قریب رسول ہیں۔ اسی طرح بہت سارے صحیفے نازل ہوئے، جن میں صرف تحریری ریکارڈ، تورات، زبور، انجیل کا موجود ہے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ لوگوں نے تمام انبیاء، سے معجزات اور خارق عادت امور کا مطالبہ کیا، جس طرح قریش نے نبی ﷺ سے کیا، اس کے بارے واضح فرمایا کہ معجزہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں، نبی کے اختیار میں معجزہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم و عنایت سے ملتا ہے اور پھر معجزہ کے انکار پر اس کی سزا بھی ہے۔ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے معجزات اور نبی کی تعلیمات کا انکار کرنے والے سزا پاتے ہیں ۔ حق فتح یاب اور باطل ختم ہو جاتا ہے۔ یہی سابقہ انبیاء اور انسانوں کی تاریخ سے ثابت ہے۔ اس لئے مسلمانوں (اہل حق) کو پریشان و ناامید نہیں ہونا چاہیے، بلکہ صبر اور جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ وہ ہے، جس نے تمہارے لئے چوپائے (حیوانات) پیدا کئے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوا ری اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور تمہارے لئے ان میں (اور بھی) بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ تم ان پر (سوار ہو کر) اس حاجت (منزل مقصود) کو پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہو، اور تم ان (چوپاؤں) پر اور کشتیوں پر بھی سوار کئے جاتے ہو۔

وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۫ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، پھر تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کروگے۔

اللہ تعالیٰ، انسانوں پر اپنی مہربانیوں کا ذکر فرمارہا ہے کہ حیوانات کو پیدا کیا جو خصوصاً، انسانوں کے لئے ہی ہیں ۔مثلاً بھیڑ، بکری، جس سے دودھ، گوشت اور اون حاصل ہوتی ہے، پھر گائے، بیل ہیں جن سے دودھ، گوشت اور زراعت کے کام لیتے ہیں۔ پھر گدھا، گھوڑا، اونٹ ہیں جن سے سواری کی جاتی ہے۔اونٹ حمل و نقل اور دودھ، گوشت کا ذریعہ ہے۔ تیز سواری کے لئے گھوڑا اور گدھا ہیں، سامان بھی اُٹھاتے ہیں۔اسی طرح کشتیاں سمندر میں انسانوں کو اور ان کے سامان کو اٹھاتی ہیں۔ یہ ساری نعمتیں، انسان نے نہیں بنائیں اللہ نے پیدا کی ہیں اور انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان نشانیوں کے باوجود انسان غور نہیں کرتا اور اپنے خالق کو نہیں مانتا اور اگر مانتا ہے تو اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔

اگلی آیات میں انسانی وجود کی کارکردگی سے متعلق نشانیاں اور علامات ہیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے ان لوگوں کے انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ (تعداد میں) ان سے زیادہ اور قوت اور زمین پر (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے۔ پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ان کے کسی کام نہ آیا۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

پھر جب ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ اس (جھوٹے) علم پر اتراتے رہے، جو ان کے پاس تھا اور انہیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾

چنانچہ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا، تو کہا ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔

فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں دیا، جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہ

اللہ کا اس کے بندوں میں دستور (طریقہ) ہے اور اس وقت کافر (انکار کرنے والے) بہت نقصان میں رہے۔

کفار مکہ (مشرکین) کو دشمنی کے پیش نظر، پرانے واقعات کے ذریعہ نصیحت کی جارہی ہے کہ، قوم عاد، ثمود، صالح، حجر، جو حجاز کے ارد گرد علاقوں میں تھے، ان کے بادشاہ بہت طاقتور تھے۔ ان کے محلات اور ان کے باغات و تجارت مکہ کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ تعداد بھی زیادہ تھی وہ لوگ بھی انبیاء کی مخالفت میں رہے۔ اللہ کے احکام سے انکار کیا اور ان پر عذاب آیا۔ جب عذاب آیا تو بہت پریشان ہوئے، لیکن ختم ہو گئے۔ جب عذاب آتا ہے تو پھر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اللہ کے احکام کی تابعداری انسان کی مجبوری کی صورت میں قبول نہیں، یہ صرف اسی صورت میں قبول ہے، جب انسان برضاور غبت کرے۔ اسی لئے دین میں جبر نہیں۔ اور حدیث کے مطابق بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ موت نہ ہو۔ (ترمذی/ابن ماجہ)۔

قریش مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اپنا رویہ بدلیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں۔ اللہ کے احکام پر عمل کریں اور اگر نہ کیا تو ان کا انجام بھی برا ہو گا۔

سورت کی ابتداء قرآن مجید کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی عظمت، اللہ تعالیٰ کی بخشش، توبہ قبول کرنے اور اس کے عظیم فضل و کرم کے ذکر سے ہوئی اور آخر میں بھی تنبیہ کی گئی کہ اگر اللہ کے احکام نہ مانے اور توبہ و بخشش سے فائدہ نہ اُٹھایا تو انسان کا انجام تباہی اور عذاب جہنم ہو گا۔

الحمدللہ سورۃ غافر (المومن) کی تفسیر آج بروز اتوار 8 جنوری 2023 عیسوی بمطابق 15 جمادی الثانی 1444 ہجری کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔، امین۔

41- سورۃ حٰم سجدہ(فصلت)

تعارف:۔

سورت کا نام حٰم سجدہ مشہور ہے۔ حٰم کی وجہ اس کی ابتداء حٰم سے ہے اور السجدۃ اس لئے کہ اس میں سجدہ قرآن ہے۔ عرب ممالک بالخصوص مراکش، تیونس، لیبیا، میں اس کا نام فُصِلَت ہے جو کہ آیت نمبر 3 میں مذکور ہے۔ یہ سورت المومن کے بعد اور الزخرف سے پہلے نازل ہوئی۔ ترتیب مصحف کے حساب سے اس کا نمبر اکتالیس (41) اور ترتیب نزول سے اس کا نمبر اکسٹھ (61) ہے۔ اس میں چوون (54) آیات ہیں اور چھ (6) رکوع ہیں۔ اسلام کے ابتدائی ایام کے دوران نازل ہوئی۔ مختلف کتب احادیث و سیرت میں اس کے موقع نزول کے بارے تحریر ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر قریش کو دکھ ہوا۔ ایک روز قریش کے سرداران کعبہ شریف میں محفل جمائے بیٹھے تھے اور مسلمانوں کی روزافزوں تعداد میں اضافہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حرم شریف میں موجود تھے۔ قریش کہنے لگے کہ کسی بڑے جادو گر، کاہن اور شاعر کو ڈھونڈ کر لاؤ، وہ اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جائے، جس نے ہماری جماعت (قبیلہ) میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے دین کی مذمت کی ہے۔ وہ ان سے بحث (گفتگو) کرے اور دیکھے کہ وہ ان کو کیا جواب دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہمیں تو عتبہ بن ربیعہ کے سوا کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ پھر عتبہ بن ربیعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور کہا؛ اے محمد! کیا تم افضل ہو یا عبداللہ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ پھر اس نے کہا؛ تم افضل ہو یا عبدالمطلب؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر خاموش رہے۔ پھر اس نے کہا؛ تم افضل ہو یا قصی بن کلاب؟ رسول اللہ پھر خاموش رہے۔

اس نے کہا؛ اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ تم سے افضل ہیں، تو ان لوگوں نے تو ان بتوں کی عبادت کی ہے جن کی تم مذمت کرتے ہو اور اگر تمہارا خیال ہے کہ تم افضل ہو تو تم اپنی دلیل بیان کرو، حتّٰی کہ ہم اس کو سنیں اور اللہ کی قسم! ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو اپنی قوم کے لئے تم سے زیادہ بے برکت ہو۔ تم نے ہماری جماعت کو منتشر کر دیا اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور تم نے ہمارے دین کی مذمت کی اور ہم کو تمام عرب میں رسوا کر دیا۔ حتّٰی کہ پورے عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش میں ایک جادو گر ہے اور قریش میں ایک کاہن ہے۔ اگر تم کسی عورت سے شادی کرنے کے خواہش مند ہو، تو تم ہمیں بتاؤ کہ تم قریش کی کس عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ ہم تمہاری اس عورت سے شادی کریں گے اور اگر تم مال و دولت کی خواہش رکھتے ہو، تو ہمیں بتاؤ ہم تمہیں، اتنا مال دیں گے کہ تم قریش کے سب سے مالدار شخص بن جاؤ گے۔ اگر تم پر کوئی جن آتا ہے جسے تم خود دفع کرنے پر قادر نہیں ہو، تو ہم

اپنے خرچ پر تمہارا علاج کراتے ہیں۔ نبی ﷺ نے عتبہ سے پوچھا، کیا تمہاری تقریر (گفتگو) ختم ہو گئی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تب نبی ﷺ نے حٰم السجدہ کی ابتدائی تیرہ آیتوں کو پڑھنا شروع کیا (ان کا ترجمہ یہ ہے) اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا، بہت مہربان ہے۔ حٰم۔ یہ خدائے الرحمٰن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے۔ جب آپ آیت نمبر 13 پر پہنچے جس کا ترجمہ یہ ہے 'پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب، عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ ان آیات کو سن کر عتبہ نے بے اختیار آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے اپنی قوم پر رحم کرو۔ بس کریں۔ بس کریں۔ کیا آپ کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛ نہیں۔

عتبہ اُٹھ کر سرداران قریش کی مجلس کی طرف چلا، تو لوگوں نے دور سے اسے دیکھتے ہی کہا؛ خدا کی قسم! عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ یہ وہ صورت نہیں ہے، جسے لے کر یہ گیا تھا۔ پھر جب وہ آکر بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا؛ کیا سن آئے ہو؟ اس نے کہا؛ بخدا میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہیں سنا۔ خدا کی قسم! نہ شعر ہے، نہ سحر ہے، نہ کہانت ہے۔ اے سرداران قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ فرض کرو عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اُٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن وہ اگر عرب پر غالب آ گیا، تو اس کی بادشاہی، تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت، تمہاری عزت ہو گی۔ سرداران قریش اس کی یہ بات سن کر بول اُٹھے، ولید کے والد، آخر اس کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا میری جو رائے تھی، وہ میں نے تمہیں بتا دی ہے۔ اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔ (مصنف ابی شیبہ، امام احمد بن حسن بیہقی، امام علی بن الحسن ابن عساکر، سیرت ابن ہشام لمحمد بن اسحاق)۔

اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے تقاضے سے قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ جو نیک کام کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیتا ہے اور برے کام کرنے والوں کو عذاب سے ڈراتا ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ مشرکین برے کاموں کو ترک کر کے عذاب سے بچ جاتے وہ اس کے بجائے آپ سے نزول عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آپ کہیے کہ میں بشر ہوں، خدا نہیں ہوں۔ عذاب کو نازل کرنا، میرے اختیار میں نہیں ہے۔

یہ خدا کا نازل کردہ کلام ہے اور عربی زبان ہی میں ہے۔ حقیقتیں اس میں صاف صاف کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ جاہل لوگ اس کے اندر علم کی کوئی روشنی نہیں پاتے، مگر سمجھ بوجھ رکھنے والے اس روشنی کو دیکھ بھی رہے ہیں اور اس سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ یہ تو خدا کی رحمت ہے کہ اس نے انسان کی راہنمائی کے لئے یہ کلام نازل کیا ہے کوئی اسے زحمت سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی بدنصیبی ہے۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو اس سے فائدہ اٹھائیں اور ڈرنا

چاہیے ان لوگوں کو جو اس سے منہ موڑ لیں۔

کفار کو احساس دلایا کہ وہ کس رب ذوالجلال کے ساتھ شرک کر رہے ہیں جس نے ساری کائنات بنائی۔ زمین و آسمان بنائے۔ زمین کی برکتوں سے انسان رزق حاصل کر رہے ہیں خدا کے مقابل حقیر چیزوں (بتوں) کو معبود بناتے ہیں۔

وہ بڑا بد قسمت انسان ہے جسے شیطان اور جن یا انسان اس کے برے اعمال اسے مزین کر کے دکھاتے ہیں اور وہ ان پر یقین کرتا ہے۔ اسے وہ صحیح بات سوچنے نہیں دیتے۔ دنیا میں دھوکے میں رکھ رہے ہیں اور ان کو غلط تصویر دکھاتے ہیں۔ حقیقی تصویر قیامت کو دیکھیں گے، تو خوف کھائیں گے۔ قرآن مجید ایک حقیقت اور اللہ کا پیغام ہے۔ باطل والے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، نہ اس کو نقصان دے سکتے ہیں۔ یہ کلام تمہاری زبان پر عربی میں پیش (نازل) کیا جارہا ہے تاکہ تم سمجھو، اگر اسے کسی اور زبان میں بھیجتے تو تم کیسے سمجھتے اور انکار کرتے۔ اب اگر نہ سمجھو تو تمہیں ہدایت کی طلب نہیں۔

اہل ایمان کو ان کے صبر اور کوشش پر ہمت بندھائی کہ تم اس مخالفت اور ظلم و ستم کے بازار میں تنہا نہیں ہو بلکہ جو اس عقیدے یعنی اپنے خدا کو رب مان کر اس کے ساتھ جم گیا اور قائم رہا، تو ان کا صلہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے فرشتے ان کا دنیا اور آخرت دونوں میں ساتھ دیتے ہیں۔ بہترین انسان وہ ہے جو خود نیک عمل کرے اور نیک اعمال کی طرف دعوت دے۔ مخالفت کا جواب مخالفت یا نفرت کے بجائے اخلاق حسنہ سے دیا جائے تو مخالف کمزور پڑ جائیں گے۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے اور شیطان کے اکسانے سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔میم

تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲﴾

یہ قرآن بڑے مہربان اور نہایت رحم کرنے والے کی طرف سے نازل کیا گیا۔

کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾

(یہ)ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾

جو بشارت (خوشخبری) دینے والا (نیک عمل پر انعام) اور ڈرانے والا (برے عمل پر سزا)۔ پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا۔ سو وہ نہیں سنیں گے۔

وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۵﴾

اور انہوں نے کہا جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔ پس آپ اپنا کام کیجئے۔ ہم اپنا کام کرنے والے ہیں۔

سورت کی ابتداء حٰم سے ہوئی جو کہ حروف مقطعات سے ہے۔ سات سورتوں کی ابتداء حٰم سے ہوئی ہے جنہیں حوامیم (جمع حٰم) کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے حٰم سے مراد قرآن مجید لیا ہے۔ ایک قول کے مطابق، ح سے حبیب اور م سے محبوب مراد ہے۔ ایک اور تاویل، ح سے حکمت اور م سے منت، کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر منت اور احسان ہے، کہ حکمت سے معمور کلام، ان کی طرف نازل فرمایا۔ یہ کلام، بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والے کی طرف سے ہے۔ اس کلام کی آیات کی تفصیل موجود ہے۔ یعنی متعدد انواع و موضوعات پر مشتمل ہے۔ (۱): اللہ کے وجود کے دلائل۔ (۲): اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا ذکر۔ (۳): قیامت کے بارے معلومات۔ (۴): دوبارہ زندگی کے دلائل اور حساب و کتاب کا ذکر۔ (۵): انعامات (جنت) اور سزا (دوزخ) کا بیان اور کیفیت۔ (۶): توحید الٰہی کے دلائل۔ (۷): انسانی تخلیق۔ (۸): کائنات کی تخلیق۔ (۹): زمین کی صفات و تخلیق۔ (۱۰): انسانی نفسیات۔ (۱۱): تخلیق انسانی اور اس کے کمال (نظام حیات)۔ (۱۲): غیر مرئی مخلوقات جو کہ انرجی (روشنی اور آگ یعنی فرشتے،

جنات اور شیاطین) سے ہیں ان کا ذکر۔ (۱۳): فرشتوں، شیطان، جنات کے انسانی افکار پر اثرات۔ (۱۴): اجتماعی / معاشرتی زندگی کے اصول (نکاح، طلاق، وراثت، بیوی، اولاد، والدین، تجارت، معیشت، ہمسائے، انسانی عمومی حقوق، انسانی مساوات، عدل، انسانی آزادی، سماجی اور معاشی انصاف، قانون اور احترام انسانیت، جرائم کی سزا، اعلیٰ اخلاق، صبر، ایثار، احترام، کمزوروں کی مدد، غریبوں کا خیال، اللہ کا خوف) غرض انسانی زندگی کے زمین پر تمام امور کے بارے آگاہی اور بنیادی راہنمائی میسر کی گئی ہے تاکہ انسان دنیا پر امن، سکون، محبت اور اپنے خالق کی عبادت اور احکام پر عمل کر کے پر سکون زندگی گذاریں اور اس کے بعد بھی جنت کے حقدار ہوں۔ شیطان کے برانگیختہ فسادات سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، کیونکہ اس وقت اہل عرب کی اصلاح مقصود تھی اور ان کے ذریعے دوسری انسانیت کی راہنمائی بھی مقصود تھی۔ نبی ﷺ کا انتخاب بھی عربوں سے ہوا، اس لئے ان کی زبان میں نازل ہوا، تاکہ سمجھنے اور عمل کرنے میں آسانی ہو۔ عام فہم و عقل رکھنے والا ہر انسان، اس کو سمجھ سکتا ہے۔ جو لوگ سمجھ رکھتے اور سنتے ہیں، لیکن کان نہیں دھرتے یعنی توجہ اور عمل نہیں کرتے، ان کے لئے اس میں کوئی فائدہ نہیں ہو گا، کیونکہ عمل ہی اہم ہے۔ انہوں نے اپنی ضد، تکبر، ہٹ دھرمی کی وجہ سے منہ موڑ لیا ہے، گویا ان کے فہم و عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ لوگ، اہل زبان ہونے کے باوجود، قران کے علم و سمجھ سے محروم ہیں اور اس پر وہ خوش ہیں، اس لئے ان کا راستہ الگ ہے اور قرآن پر عمل کرنے والوں کا اپنا راستہ ہے۔ جن کی زبان عربی نہیں، وہ اسکا ترجمہ یا مفہوم، کا علم حاصل کریں تاکہ عمل کریں۔ یہ حکم اور قران تمام انسانوں کے لیے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾

آپ کہہ دیجئے میں تمہاری طرح بشر (انسان) ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود، ایک ہی معبود ہے۔ تم اسی کی طرف سیدھے (مستقیم) رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لئے ہلاکت ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾

جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہو گا۔

کفار مکہ نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ ان کے تصور میں نبی کا غیر انسان ہونا لازمی تھا کیونکہ وہ

فرشتوں کو کبھی اللہ کی اولاد اور کبھی نمائندہ تصور کرتے تھے۔ان کے اس خیال کی تردید اور اصلاح کی ہے کہ نبی انسانوں میں سے انسان ہوتا ہے تاکہ عملی طور پر اللہ کے احکام پر عمل نافذ کر کے دکھائے۔ عربوں کی زبان میں احکامات (قرآن) نازل ہوئے تاکہ وہ سمجھ سکیں اور اس پر عمل کریں۔ نبی کا مقام عام انسانوں سے زیادہ بلند ہے کیونکہ وہ وحی الٰہی کی راہنمائی اور نبوت کی نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔ کفار مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ شرک (بت پرستی) چھوڑ دیں۔اللہ کی وحدانیت پر یقین کریں۔اسی کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر سیدھے رہیں۔ یہ سیدھے کا لفظ تاکیدی ہے کہ اس سیدھے راستہ پر ہمیشہ قائم رہیں، نیک اعمال پر توجہ دیں اور اپنی ساری زندگی میں اسی پر عمل کریں۔ یہ کام آسان نہیں۔اس کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے نبی ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے۔یعنی ساری زندگی بہت مشکل ہے۔ اسلام میں، احکام میں آسانی کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ عام لوگوں کو عمل کرنے میں آسانی ہو۔ نبی ﷺ نے بھی اسلئے آسان عمل کو ترجیح دی۔ استقامت کے ساتھ استغفار کا بھی ذکر ہے، کیونکہ استقامت اور اعمال و فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی عین ممکن ہے، بلکہ ہو جاتی ہے۔اس کے ساتھ، شیطان کے حملے ہر وقت انسانی خیالات پر ہوتے ہیں اور اس کا ارادہ بنا دیتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار (گناہوں پر معافی) مانگنی چاہیے۔

نبی ﷺ بشر تھے یا نور، یہ ہندو پاک میں ایک مسئلہ بن گیا ہے، جبکہ نبی ﷺ کے بشر ہونے کے بارے متعدد بار ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ امجد علی مرحوم، مصنف بہار شریعت میں لکھتے ہیں:۔

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔ عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا، نہ کوئی عورت (بہار شریعت)۔

علامہ غلام رسول سعیدی، مصنف تبیان القرآن، تحریر کرتے ہیں "نبی ﷺ کا بشر ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے، ہمارے زمانہ میں بعض واعظین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی ﷺ کی حقیقت نور تھی اور بشریت آپ ﷺ کا لباس تھی۔ جب کہ اس کے بر خلاف قرآن مجید کی متعدد نصوص میں تصریح ہے، کہ آپ ﷺ بشر تھے اور نوع انسان سے تھے۔ اگر آپ ﷺ کی حقیقت بشر اور انسان نہ ہوتی، تو آپ انسانوں کے لئے اسوۃ اور نمونہ نہ ہوتے اور آپ کے اعمال انسانوں پر حجت نہ ہوتے اور انسانوں کے لئے آپ ﷺ سے استفادہ کرنا ناممکن نہ ہوتا۔(تبیان القرآن جلد دہم)۔

شیطان محبت کے نام پر انسان کو غلو میں دھکیل کر گمراہ کر دیتا ہے اور ان اعمال کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔اللہ تعالیٰ شیطان کے فریب سے سب کو محفوظ اور حق پر استقامت عطا فرمائے۔

نماز باجماعت مدینہ میں شروع ہوئی اور اسی طرح زکوۃ کی تعین، نصاب، مستحقین کی وضاحت بھی مدینہ شریف میں لاگو (نافذ) ہوئی، جب اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور غریبوں کی مدد

(صدقات کا حکم) پہلے سے تھا۔ پہلے نماز، صبح و شام تھی، اس کے بعد موقعہ معراج پر پانچ نمازیں ہوئیں۔ آیت مبارکہ میں زکوٰۃ سے مراد صدقات ہیں جو کہ تمام انبیاء کے ساتھ تھے اور کسی بھی معاشرے میں نادار انسانوں کے لئے ضروری ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں پر تو ان کی مدد واجب ہے۔ کچھ مفسرین نے زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس لیا ہے، یعنی انسان کا گناہوں سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ منکرین مکہ آخرت کا بھی انکار کرتے تھے اس کا بھی ذکر ہے۔

اس کے ساتھ جو لوگ اللہ کی عبادت اور نیک اعمال کرتے ہیں، ان کے لئے بھی اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب انسان ایک نیک عمل کو ہمیشہ کرتا رہتا ہے، پھر کسی بیماری، سفر یا اور مجبوری سے اس سے یہ کام عارضی طور پر رہ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا ثواب اسے دیتے رہتے ہیں۔ حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ جب بندہ کسی اچھے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو فرشتہ جو اس پر مأمور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتٰی کہ وہ تندرست (صحتمند) ہو جائے۔ (مسند احمد)۔ یہ مہربانی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندہ سے محبت اور رحمت کا اظہار ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾

آپ کہہ دیجئے! کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے دو، دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب (پالنے والا) ہے۔

وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾

اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں، چار دنوں میں اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی مقرر (مہیا) کر دی جو طلب کرنے والوں کے لئے یکساں طور پر کافی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾

پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا، جب کہ وہ دھواں تھا، پھر اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو۔ ان دونوں نے کہا، ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ

الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

پھر اس (اللہ) نے دو دنوں میں سات آسمان کو بنادیا اور ہر آسمان میں اسی سے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا اور محفوظ کر دیا یہ بہت غالب بے حد حکمت والے کا مقرر کردہ نظام ہے۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معبودیت کا علمی اور سادہ دلائل، کائنات کے وجود سے دیئے ہیں ۔جو ذات، زمین و آسمانوں کو پیدا کرنے والی اور زمین پر بیش بہا خزانے، غذا کا بندوبست کرنے والی ہے، اس کی عبودیت اور وحدانیت سے انکار کرتے ہو؟ یہ کیسی عقل ہے، وہ ذات تو سارے جہان کو پالنے والی ہے۔

آیات مبارکہ میں کائنات، بالخصوص زمین و آسمان کے بارے سائنسی علمی اشارے دیئے گئے ہیں جو سائنسی تحقیق میں راہنمائی مہیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کوئی سائنسی کتاب نہیں، بلکہ انسانوں کے لئے ہدایت کی کتاب ہے۔ انسان کا پیدائش سے لے کر موت تک واسطہ زمین سے پڑتا ہے۔ اس میں انسان کا رزق، زندگی، آرام، تکلیف سب موجود ہے۔ زمین کے خزانوں، برکتوں مثلاً، بارش، پانی، ہوا، زراعت، پھل، حیوانات، جنگل، دریا، سمندر، زمین کی کشش، سب سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے، اس لئے زمین اپنے بنانے والی کی عظمت اور قوت پر ایک واضح ثبوت و دلیل ہے۔ اسی وجہ سے خالق ارض سے، انسان اپنے خالق کو بھی پہچانتا ہے۔ قرآن مجید نے یہ علمی دلائل جابجا ہماری غور و فکر اور اللہ پر ایمان لانے کے لئے دیئے ہیں۔

تخلیق زمین و کائنات:۔

احادیث مبارکہ، میں بھی ان امور کو صحابہ کرام کی تسلی اور دوسرے آنے والے انسانوں کی راہنمائی کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے اس وقت کے صحابہ کرام کے علمی حالات کے مطابق ان امور کی نشاندہی کی ہے اور اس کی تفصیل کے بارے کچھ ذکر نہیں کیا، صرف اشارات دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس اور تحقیق میں، بدلتی آراء، ان اشارات کے اندر ہی گھوم رہی ہیں۔ آیات مبارکہ، میں زمین کی پیدائش کا ذکر ہے کہ دو دن میں اس کو پیدا کیا۔ ایک اور جگہ آسمان کے پیدا کرنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تشریح یوں کی ہے، کہ مادہ زمین (بالکل ابتدائی حالت، گیس، حرارت، ذرات) میں پہلے بنا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا اور آسمانوں کے بنانے کے بعد، پھر زمین کو بنانے سے مراد، اس پر مزید یعنی زمین کی اوپر والی سطح اور نچلی والی سطحوں کی خواص و مواد پیدا کئے گئے تاکہ مخلوق کے رزق، رہائش اور افزائش کے سامان مہیا کئے جائیں۔ جب آسمان کو پیدا کیا گیا۔ مختلف آسمان بنائے گئے اور ان کے مختلف خواص و کیفیات ہیں۔ پھر آسمان پر ستارے پیدا کئے گئے، جو رات کو انتہائی حسین منظر پیش کرتے ہیں، پھر رات اور دن کا

نظام، چاند، پیدا کئے گئے۔ زمین و آسمان میں کسی کو پہلے پیدا کیا گیا، یہ موضوع قرآن مجید میں اہم نہیں۔ اہم موضوع، اللہ کی عظمت و قوت کا احساس دلانا ہے۔ جہاں انسان کی غذا اور رہائش ہے، وہاں زمین مقدم ہے جہاں کائنات کی وسعت ہے وہاں آسمان دلیل ہے۔ حدیث پاک کے مطابق مختلف ایام میں مختلف اشیاء کو وجود بخشا گیا۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا؛ اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا، اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور پیر (سوموار) کے دن درختوں کو پیدا فرمایا۔ مکروہ چیزیں (انسان کے لئے ناپسندیدہ چیزیں) کو منگل کے دن پیدا کیا۔ نور کو (امور خیر) کو بدھ کے دن پیدا فرمایا۔ جمعرات کے دن اس میں چوپاؤں کو پھیلایا۔ حضرت آدم علیہ السلام (انسان) کو سب کے بعد جمعہ کے دن عصر کے وقت پیدا فرمایا۔ وہ ساعت جمعہ میں آخری ساعت (وقت) تھا۔ (الصحیح المسلم)۔

ایک اور حدیث بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے بارے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ اللہ تعالیٰ نے اتوار، پیر کے دن زمین کو پیدا کیا، منگل کے دن پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان نفع اور چیزوں کو پیدا کیا جو پہاڑوں میں ہیں اور بدھ کے دن درختوں کو اور پانی اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو (یعنی سطح زمین پر زندگی اور غذا کا سامان) یہ وہ چار دن ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ ''ترجمہ: آپ کہیے کیا تم واقعی اس ذات کا انکار (کفر) کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شریک (شرکاء) قرار دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقرر (متعین) کر دی جو طلب کرنے والوں کے لئے کافی (پوری/مساوی) ہے۔ (حٰم السجدہ 10-9)'' اور اس نے جمعرات کے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں چاند، سورج فرشتوں کو تین ساعتوں تک پیدا کیا اور ان تین ساعتوں میں پہلی ساعت میں لوگوں کی مدت حیات مقرر فرمائی اور دوسری ساعت میں جن چیزوں سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان پر آفت کو پیدا کیا۔ تیسری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو حکم دیا کہ وہ ان کو سجدہ کرے اور آخری ساعت میں اس (آدم علیہ السلام) کو جنت سے نکال دیا۔ یہود نے پوچھا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پھر کیا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ یہود نے کہا؛ آپ پوری بات بتا دیتے تو آپ کی بات صحیح تھی۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس بات پر غضب ناک ہوئے اور اس وقت آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے ''ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی سو جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے۔ (سورۃ ق 39-38)۔ جامع البیان/المستدرک/کنزالعمال)۔

آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ سے چند امور واضح ہوئے ہیں جو کہ علمی و سائنسی اشارات ہیں۔چونکہ یہ واقع رات اور دن کے وجود سے قبل ہے اس لئے دنوں کا ذکر صرف ہمارے سمجھانے کے لئے ایک وقت کی مدت (دورانیہ)ذکر کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں دن کی طوالت ہمارے زمینی دن سے بہت مختلف ہے اور وہ ہزاروں سالوں کے برابر ہے جس طرح قرآن مجید اور احادیث میں ذکر آیا ہے۔

(۱):مادہ زمین (گیس، حرارت، ذرات) تھا اور پھر مادہ آسمان بنا۔وہ دھواں تھا جس میں حرارت اور ذرات ہوتے ہیں اسے (دخان) کے لفظ سے ذکر کیا۔

(۲):ایام کے ذکر سے مراد سلسلہ وجود کا پروسس (طریقہ) طویل المدت تھا، جسے سائنس کے لحاظ سے بلین سال بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔

(۳): تمام کائنات کا وجود مختلف ادوار میں ہوا، جس کا ذکر دنوں کے نام سے کیا گیا۔ہر دن ہر دور کی طرف اشارہ ہے جو پھر ہمارے کئی ہزاروں سالوں پر محیط ہوگا۔

(۴):اجسام و اجرام کے وجود کی تخلیق میں بھی ترتیب ہے اور انسانی زندگی کا وجود سب سے آخر میں آیا ہے۔اس کی مدت کیا تھی اس کے بارے نبی ﷺ نے تعین نہیں فرمایا بلکہ دن اور ساعت (گھڑی) کا اشارہ کیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس وقت کے لحاظ سے مدت تھی۔

(۵): پانی کو پہلے پیدا فرمایا گیا پھر پانی سے زندگی کو پیدا کیا گیا۔

(۶): زمین میں تمام مخلوق جو زمین پر وجود میں آئے گی، اس کے لئے رزق کی استعداد رکھی، ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق مہیا ہوتا رہے گا۔یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ دنیا کی آبادی چند ہزار افراد پر مشتمل تھی اس وقت سے لے کر آج جب کئی ارب افراد پر مشتمل ہے اور رزق سب کو مل رہا ہے۔

(۷):آسمان کے ذکر میں دخان یعنی دھواں (حرارت اور گرد و غبار) کا ذکر فرمایا یہ سب اشارے ہیں اور اہل تحقیق کے لئے جستجو کی طرف ترغیب ہے۔

(۸): ستاروں، سیاروں اور زمین، ان سب اجرام فلکی میں اطاعت کے لئے کچھ حد تک شعور موجود ہے اور اپنے نظام کے مطابق رواں دواں ہیں۔اس لئے الفاظ طوعاً وکرعاً اور طائعین کے استعمال ہوئے کہ حکم (نظام) کے مطابق کام کرتے ہیں۔

(۹): ہر آسمان (کہکشاں) یا وہ محیط، دائرہ ہے، جو گھیرے ہوئے ہے۔اپنے علیحدہ، علیحدہ خواص رکھتا ہے۔اس لئے الفاظ کل سماء امرھا۔ہر آسمان کو اس کا حکم دیا، کا ذکر ہے کہ ہر آسمان یا اس فضاء/خلاء میں خاص طبقات،

ریڈیشن سولر فلیئر Solar Flare چارج ذرات ChargalPartider، پلازما Plasma کے خواص ہیں جو دوسروں سے مختلف ہیں۔ یہ موجودہ علمی اندازے ہیں جو بدلیں گے۔

(۱۰): حفظاً (حفاظت) کے لفظ سے، نظام کے اندر اس کی حفاظت اور قیام کی طرف اشارہ ہے کہ خود بخود قائم رہنے والا ہے۔

(۱۱): ستاروں کی تزئین سے واضح ہے کہ ستاروں کی بلندی، ان کا مقام، رفتار مختلف ہیں اور ان سے آنے والی انرجی کی اقسام بھی مختلف ہوں گی اور ہر ایک کی حفاظت (وجود کو قائم) رکھنے کا بھی نظام ہے۔

(۱۲): یہ سارے امور، تقدیر العزیز العلیم، ایک بے حد قوت و غالب اور علم والی ذات نے اس کو متعین مقرر و منظم کیا ہے۔ ہمارے علماء نے ان امور کا کچھ حد تک ذکر کیا ہے۔ (روح المعانی)۔

مذکورہ آیات واحادیث کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ابتداء سے ہی زمین و آسمان کے سحر میں گرفتار ہے۔ زمین پر اس کی جستجو جب سے وہ اس پر آیا ہے، اس وقت سے اب تک جاری ہے اور جاری رہے گی۔ ہماری جدید طبیعات زمین کے بارے جو علمی اندازے لگا رہی ہے، ان میں کئی نظریے بدلے ہیں اور بدلیں گے۔ موجود اندازے جو کہ طبیعات کے اصولوں کی روشنی میں لگائے گئے ہیں کہ زمین آج سے 4.5 ملین سال پہلے وجود میں آئی جو کہ گیس اور حرارت کے مجموعہ کے بادل سے وجود میں آئی پھر یہ انتہائی گرم مائع کی شکل میں تھی اور آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوتی گئی۔ اب بھی اندرونی تہہ سیال شکل میں انتہائی گرم ہے جو کہ آتش فشاں پہاڑوں کے لاوا نکلنے سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ دور 3.5 ملین سال سے ہے۔ اس کے بعد پانی، پہاڑ اور سمندر بنے۔ سب سے پہلے پانی کے اندر زندگی وجود میں آئی اور پھر خشکی پر۔

خلاء کے بارے تو انسان کو اس وقت پتہ چلا جب 1961 میں پہلا انسان زمین کی کشش ثقل سے نکل کر خلا میں گیا اور زمین کا چکر لگایا اور اب تو زمین کے اوپر خلاء میں کئی مصنوعی سیارچے رواں دواں ہیں۔ ہبل Huble اور جیمز واٹ James Wat خلائی دوربینوں کے ذریعے خلاء کے بارے نئی نئی اطلاعات مل رہی ہیں، جو کہ انتہائی حیران کن ہیں۔ یہ تمام خیالات حاصل شدہ معلومات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں، لیکن اگر غور کریں تو یہ سب، قرآن مجید اور احادیث میں ذکر کردہ اشارات کی حدود میں ہی گھوم رہے ہیں۔ احادیث کی اطلاعات انسانوں کو ایک اندازہ دینے کے لئے تھیں۔ ان کے الفاظ صرف سمجھانے کے لئے ہیں۔ یہ علم طبیعات کا کوئی خاص درس نہیں، بلکہ صرف اشارات ہیں جن کی راہنمائی میں تحقیق ہو سکتی ہے اور موجودہ سائنسی تحقیق ان کے مطابق ہی نتائج دے رہی ہے۔ سائنس خود آج بھی زمین آسمان، اجرام فلکی اور کائنات کی وسعتوں اور وجود کے بارے سر گرداں ہے اور کئی نظریات آئے اور آتے رہیں گے، لیکن یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی قوت، عظمت، علم و حکمت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ وہ ذات سب سے

بلند اور تخلیق کرنے والی ہے۔ تبارک اللہ احسن الخالقین۔ (www.sciencestruck.com /nasa Jan23. Google.)

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ﴿۱۴﴾

اگر پھر بھی وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسے ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا۔

اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾

جب ان کے پاس رسول ان کے سامنے سے (پہلے) اور ان کے پیچھے (بعد میں) سے (یہ کہتے ہوئے) آئے، کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (تو) انہوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا، تو ضرور فرشتے نازل کرتا، لہٰذا جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم یقیناً اس کا انکار کرنے والے ہیں۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَ قَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾

پس جو عاد تھے، تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے قوت میں ہم سے زیادہ سخت کون ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ، جس نے انہیں پیدا کیا، وہ قوت میں ان سے زیادہ سخت ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى وَ هُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾

چنانچہ ہم نے ان پر منحوس (ثابت ہونے والے) دنوں میں طوفانی ہوا بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیاوی زندگی ہی میں ذلت و رسوائی کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں اور بلاشبہ آخرت کا عذاب سب سے زیادہ رسوا کن ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَ اَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۷﴾

اور جو قوم ثمود تھے تو ہم نے ان کو ہدایت دی، لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی پھر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں رسوا کن عذاب کی چنگھاڑ نے آن لیا۔

وَ نَجَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے اہل ایمان کو نجاعت دی اور وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

آیات مبارکہ میں اہل مکہ کے منفی رویہ کی وجہ سے ان کو وارننگ دی گئی کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر یقین نہیں کیا اور بت پرستی جاری رکھی، جب کہ اللہ کی عظمت اور کمال کے دلائل کائنات کے وجود کی صورت میں دیئے گئے ہیں اور اتنے دلائل کے باوجود اگر وہ مخالفت اور انکار کرتے ہیں تو ان پر عذاب نازل ہوگا جس طرح قوم عاد اور ثمود پر ہوا تھا اور ختم ہوگئے۔

قوم عاد، حضر موت کے علاقہ میں تھے۔ بڑے جسیم اور قوی تھے۔ پہاڑوں میں غار بنا کر اپنے گھر بناتے تھے۔ اپنی جسامت اور قوت پر بڑے نازاں اور متکبر تھے۔ ان کی طرف حضرت ھود علیہ السلام، ہدایت کے لئے متعین ہوئے۔ آیات کے مطابق ان کی طرف اور بھی انبیاء بھیجے گئے تھے، لیکن وہ اپنے تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے گناہوں اور بت پرستی میں مشغول رہے۔ حضرت ھود علیہ السلام، کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور تھوڑے لوگ مسلمان ہوئے۔ وہ اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے، جس سے اس کا اللہ سے قرب ظاہر ہوتا ہے۔ جب حضرت ھود علیہ السلام نے انتہائی ضد اور تکبر دیکھا اور یقین ہو گیا کہ یہ لوگ شیطان کے جال میں پھنس چکے ہیں اور ہدایت سے محروم رہیں گے، تو دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز ہوا بھیجی۔ ہوا کی تعریف میں جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے ذو معنی ہیں۔ ایسی سخت شور والی گرم آندھی اور دوسری سخت سرد ہوا جو سردی سے گویا جسم کو چیر دیتی ہے۔

یہ آندھی (خوفناک آواز کے ساتھ) تقریباً ایک ہفتہ چلتی رہی۔ ان کے قد بہت طویل تھے۔ ہوا کی شدت سے وہ گر پڑتے اور طویل القامت ہونے کی وجہ سے ہوا ان کو فوراً گرا دیتی اور وہ دوبارہ اُٹھ نہ سکتے۔ ایک ہفتے کے اندر سارے کے سارے منکرین ختم ہوگئے اور حالت یہ تھی گویا کہ خشک درخت کے تنے گرے پڑے ہیں۔ ان کی لاشیں جابجا مری ہوئی پڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں (مومنین) کو اس عذاب سے بچالیا۔

دن کے بارے شگون:۔

عذاب کا دن، قوم عاد کے لئے منحوس تھا۔ عذاب اور تکلیف کا دن، ہر شخص جو تکلیف میں پڑتا ہے کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس شخص کو کوئی خوشی یا فائدہ پہنچے وہ دن اس کے لئے سعادت کا ہوتا ہے۔ دن سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ان کے بارے شگون لینے سے سختی سے احادیث مبارکہ میں منع کیا گیا ہے۔ دراصل برے یا اچھے، انسان کے اعمال ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ تو کسی نہ کسی دن میں ملنا ہوتا ہے۔ یہ اعمال کے نتیجہ کے سبب اس شخص کے لئے برا یا اچھا وقت ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ جو زائچے بناتے ہیں یا ستاروں سے خیالات لیتے ہیں وہ اس طرح کے دنوں کے بارے اپنے

خیالات رکھتے جو کہ قرآن اور نبی ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "**لاعدوی ولاطیرۃ ولاھامہ ولا صفر**" کوئی مرض خود بخود متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی کی تاثیر ہے اور نہ اُلو کی نحوست ہے اور نہ صفر کے مہینہ کو آگے پیچھے کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ (صحیح بخاری/مسلم)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **لاعدوی ولاطیرۃ ویعجبنی الفال الصالح الکلمۃ الحسنۃ**" نہ کوئی مرض خود متعدی ہوتا ہے اور نہ بدشگونی کی کوئی تاثیر ہے اور مجھے اچھی فال پسند ہے اور وہ نیک الفاظ ہیں۔ (بخاری/ابوداؤد/ترمذی)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ جو شخص کسی چیز کو منحوس سمجھے یا بدشگونی کی وجہ سے کسی کام سے رک گیا، اس نے شرک کیا۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا یہ دعا کرے۔ اے اللہ! تیری خیر کے سوا کوئی خیر نہیں اور تیری تقدیر کے سوا کوئی تقدیر نہیں اور تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ (مسند احمد/مسند البزاز)۔

بعض اوقات نبی ﷺ نے بعض کاموں کو پسند فرمایا۔ کسی کام کا، ہونا اس وقت کے امور و حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ دراصل سارے دن اللہ تعالیٰ کے ہیں اور سارے اچھے ہیں، اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا: زمانہ کو برا نہ کہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ یعنی کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اچھے انسان کے اچھے دوست ہوتے ہیں۔ اور برے انسان کے برے دوست ثابت ہیں۔ دراصل، اعمال نحوست اور سعادت، کا سبب ہیں۔ دنوں کو یا جانوروں یا پرندوں کو سبب سمجھنا گناہ ہے۔

تیز آندھی جب آتی تو نبی ﷺ یہ دعا کرتے؛ اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو یہ ہوا لائی ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ گہرے بادلوں اور آندھی کے بارے جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے قوم عاد اور قوم شعیب پر آندھی اور بادلوں کے عذاب کا ذکر کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ بارش کو دیکھتے تو فرماتے؛ یہ اللہ کی رحمت ہے۔

قوم عاد نے جو عذاب دنیا میں دیکھا اس سے بڑھ کر عذاب بروز قیامت ہوگا۔ اسی طرح قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے، انہوں نے معجزات کے باوجود انکار کیا۔ اور گمراہی پر ڈٹے رہے۔ ان کو بھی ان کے اعمال کے سبب سخت کڑک کے عذاب نے ذلت و تباہی میں ڈال دیا۔ سارے ختم ہوگئے اور عبرت بن گئے۔ یہ سارا عذاب ان کے اعمال کے سبب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود میں جو مومن تھے ان کو بچا لیا کیونکہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کرتے اور اللہ کے خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔

وَ یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور جس دن اللہ کے دشمن (ہانک کر) آگ کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے تو ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

حتٰی کہ جب وہ اس (دوذخ) کے پاس پہنچیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی جلدیں ان عملوں (کاموں) کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ اپنی کھالوں (جسموں) سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی، وہ کہیں گے ہمیں اس اللہ نے کلام کروایا، جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت دی اور اس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قیامت میں منکرین حق، کے حالات و کیفیت کا منظر ہے۔ انہیں ہانک کر مختلف گروہوں میں جہنم کے دروازوں کی طرف لے جایا جائے گا اور ایک دوسرے گروہوں کا انتظار کریں گے تاکہ سب اپنا انجام دیکھیں۔ دوران حساب وکتاب جو لوگ اپنے اوپر الزام کا انکار کریں گے، تو گواہ پیش ہوں گے۔ جہاں دوسرے انسان گواہ نہیں تھے، اگر کسی شخص نے انتہائی چھپ کر جرم کیا تھا۔ وہاں اس کے جسم کے اعضاء، اس کے خلاف گواہی دیں گے، تاکہ شہادت پوری اور سزا عدل کے مطابق ہو۔ کان سماعت کا ذریعہ ہیں۔ آنکھ بصارت کا ذریعہ ہے اور جلد سے مراد جسم کے دوسرے اعضاء ہیں۔ جلد کے ذریعہ چھونے کی حس ملی ہوئی ہے، جو سارے جسم میں ہے۔

اعضاء کی گواہی:۔

جدید طب میں انسان کے اعضاء مثلاً دل، جگر، معدہ، آنتیں، ریڑھ کی ہڈی، نظام تنفس، نظام ہضم، میں کچھ حد تک شعور ہے، جس کی وجہ سے ان اعضاً یا جسم، کی عادات بنتی ہیں اور ان کی اصلاح ہوتی ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یہی اعضاء آواز کے ذریعہ اپنی گواہی دیں گے۔ جس طرح ڈکار یا پیٹ میں گڑ گڑ کی آواز یا کوئی ویڈیو نظر آ جائے گی۔ اس سلسلہ میں حدیث مبارک میں یہ منظر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم

رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ مسکرانے لگے۔ آپ ﷺ نے پوچھا؟ میں کیوں ہنس رہا تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جاننے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛ میں بندہ کی اپنے رب کے ساتھ بات چیت پر ہنس رہا تھا۔ بندہ کہے گا؛ اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا؛ آج میں اپنے خلاف صرف اپنے نفس کی شہادت کی اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا؛ آج صرف تیری ہی تیرے خلاف گواہی ہو گی اور کراماً کاتبین گواہ ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (یعنی بند ہو جائے گا بات نہیں کر سکے گا)۔ پھر اس کے اعضاء سے کہا جائے گا اب تم کلام کرو۔ پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے۔ پھر بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا تم دور رہو۔ میں تمہارے لئے ہی جھگڑ رہا تھا، (صحیح مسلم/ابوداؤد)۔

آیت کے مطابق انسان حیران ہو گا، جب اس کے بدن کے اعضاء گواہی دیں گے کہ یہ جرم ہوا تھا۔ بندہ ان سے سوال کرے گا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ تم گواہی نہیں دے سکتے، تم نے کیسے دی تو وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بولنے کی قوت دی (یعنی علم دیا)، چونکہ ہم نے واقعہ کیا تھا، وہ بیان کر دیا۔ پھر وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں پیدا کیا اور انسان پھر مر کر اسی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ جدید طبّی تحقیقات کے مطابق ہمارے اعضا میں بھی کچھ سمجھ ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھ اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا۔ پس تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اب اگر یہ صبر کریں تو بھی آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ معافی مانگیں تو وہ معاف کئے گئے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ

الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے ان کے لئے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ان کے سامنے کے (نئے) اور ان کے پیچھے کے (پرانے) امور کو ان کی نگاہوں (خیال) میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول (فیصلہ) ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں میں ثابت ہو چکا تھا بے شک وہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے تھے۔

انسان کا گمان (اللہ کے بارے):۔

آیت کے شان نزول کے بارے روایت ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے، کہ بیت اللہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قرشی اکٹھے ہوئے۔ یہ بہت موٹے اور جسیم تھے اور ان کے دلوں میں فقہ (سمجھ) بہت کم تھی۔ پس ان میں سے ایک نے کہا: کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ دوسرے نے کہا؛ اگر ہم زور سے باتیں کریں گے تو وہ سنے گا اور اگر آہستہ باتیں کریں گے تو وہ نہیں سنے گا۔ دوسرے نے کہا؛ اگر زور سے کی ہوئی باتیں سن سکتا ہے تو وہ ہماری آہستہ کی ہوئی باتیں بھی سن سکتا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی "اور تم اس وجہ سے گناہ نہیں چھپاتے تھے" (صحیح بخاری/ترمذی)۔

عموماً انسان دیکھنے والی چیز سے خوف کھاتا ہے یا چھپاتا ہے۔ اس لئے لوگ اندھیرے میں یا اس وقت چوری کرتے ہیں جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو، یا انسان کسی چیز کو دیکھ کر بھی خوف کھا جاتا ہے، مثلاً دیو ہیکل یا بڑی اشیاء، خوفناک منظر وغیرہ۔ یہی نفسیاتی کیفیت آیت نے بیان کی ہے، کہ مجرموں سے ان کے اعضاء یہی کہیں گے کہ تم جرم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو علم نہیں۔ کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت کے بارے تمہارا گمان غلط تھا اور آج تم اپنے برے اعمال کے بدلے سزا پا رہے ہو۔ لہٰذا جو آدمی بھی یہ خیال یا یقین رکھتا ہے کہ اللہ کو ہمارے کاموں کا علم نہیں، خواہ ظاہری ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، ان لوگوں میں سے ہو گا جو ہلاک اور نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں۔ اگر وہ خیر گمان کرے تو خیر ہے اور اگر وہ شر گمان کرے تو شر ہے۔ (انا عند الظن عبدی)۔ (مسند احمد)۔ حدیث مبارکہ انسانی ذہنی کیفیت اور اس کا نتیجہ بیان کرتی ہے، کہ انسان کے عمل، اس کے ارادے سے ہوتے ہیں اور اس کے ارادے اور عمل کے مطابق اللہ تعالیٰ اسے اسباب مہیا کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اچھے ارادوں پر اچھے اعمال اور برے ارادوں پر برے اعمال انجام پاتے ہیں۔

قیامت میں گنہگار اور مجرم لوگ آہ وزاری کریں یا خاموش رہیں،ان کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی اور عذاب میں کمی نہیں ہوگی۔ دنیا کی زندگی بہترین موقعہ ہے کہ اچھے اعمال کر کے انسان اپنی آخرت اچھی بنائے۔

عمل کے اسباب اور علاج:۔

آیت نمبر 25،انسان کے اعمال کے محرکات،اس کی نفسیاتی کیفیت کے بارے وضاحت کر رہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے دماغ و سمجھ عطا کر کے انسان کو امتیاز بخشا ہے۔اچھائی اور برائی کے پیمانے اور معلومات پہنچائی گئی ہیں۔اب انسان کی عقل و سمجھ اور اختیار کی وجہ سے ذمہ واری ہے کہ وہ بھلائی کے کام کرے۔

شیطان،انسان کا دشمن ہے کیونکہ انسان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے سزا ملی اور اس نے اس کا بدلہ لینے کا اعلان کیا۔اللہ تعالیٰ نے جنوں کو شیطان کے زیادہ تابع کر دیا اور اس طرح شیطان،جنّوں کو،انسان کو ورغلانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ جنّ بھی شیطان کی طرح آگ (انرجی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ان میں بھی سمجھ اور عقل ہے۔ان کے اندر قوت ہے،کہ انسان کے مرکز عقل و فہم (دماغ) میں جا کر نیورون میں حرکت پیدا کرتے ہیں اور خیالات پیدا کرتے ہیں۔ بار بار وہ خیال دہراتے ہیں، اس لئے قرآن مجید میں ان کے عمل کو وسواس الخناس، کہا گیا ہے۔اس طرح انسان کے اندر،ارادہ بنتا ہے اور پھر عمل ہوتا ہے۔(اسی شیطان کو قرناء (ہم زاد) کہا گیا ہے)۔ شیطان،انسان کو اس کے اعمال کی ایک دھوکہ والی صورت کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔ جس میں بظاہر معمولی فائدہ نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر بہت نقصان ہوتا ہے۔وہ بار بار معمولی فائدہ ظاہر کرتا ہے اور انسان کو تجزیہ یا غور و فکر یا اس کی رائے کو الہامی ہدایات (قرآن و حدیث) کے مطابق جانچنے کا موقع نہیں دیتا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے چوری کرنے والا یا رشوت لینے والا اپنی ضرورت کی بنا پر چوری کو صحیح جانے یا کوئی قاتل غصہ یا بدلہ کی وجہ سے یا اجرتی رقم لے کر قتل کر لے یا کوئی انسان اپنی آزادی کے بہانے جس طرح چاہے کام کرنے کا حق سمجھے اور دوسروں کے حقوق کا خیال نہ کرے۔اس طرح کے غلط اعمال، کو صحیح، بنا کر شیطان انسان سے جرم سرزد کرا دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے نظام میں،انسان جس طرح ارادہ یا کوشش کرتا ہے اس طرف اس کا راستہ کھلتا ہے۔ برے ارادے والوں کو برے اور اچھے ارادوں والوں کو اچھے اسباب اور دوست ملتے ہیں۔یہ بہت مشکل ہے کہ برے فرد کا دوست ہمیشہ اچھا انسان ہے یا اچھے انسان کا برا دوست ہمیشہ رہے۔

آیت مبارکہ ہمیں اس خطرناک مرحلے سے بچنے کے لئے وارننگ دے رہی ہے۔انسان کو صحیح سمجھنے کا موقع دینے کے لئے فرشتے بھی موجود ہیں،جو انسان کو، تجزیہ کے لئے رغبت یا خیال دلاتے ہیں۔ جسے اسلامی نفسیات میں نفس لوامہ کہا گیا ہے۔انبیاء اور الہامی کتب بھی موجود ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی کام کرنے سے پہلے اس پر پوری طرح غور و فکر کر کے فیصلہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کے غلبہ سے پناہ مانگے۔اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرے۔

اس موضوع پر چند احادیث درج ہیں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا جہاد افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ تم، اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے اور اس (نفس) کی خواہشات سے جہاد کرو۔ (یعنی بری خوہشات سے روکو)۔ (مسند امام ابو نعیم احمد اصفہانی)۔ حضرت خصالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے لئے یا اللہ کی اطاعت کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (سنن ترمذی/مسند احمد)۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا؛ جو شخص اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس پر غضب ناک ہوا اللہ اس کو اپنے غضب سے مامون (محفوظ) رکھے گا۔ (کنز العمال)۔

برے اعمال کا علاج یہی ہے، کہ نفس کی خواہشات پر عمل کرنے سے پہلے اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام (یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں) جانچا جائے اور پھر صحیح و غلط کا فیصلہ کیا جائے۔

اگلی آیات مبارکہ بڑی اہم ہیں جو انسان کے کردار اور ان کے نتیجہ کا ذکر کر رہی ہیں۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ الۡغَوۡا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴿۲۶﴾

اور کافروں نے (ایک دوسرے سے) کہا تم اس قرآن کو مت سنو اور (جب پڑھا جائے تو) شور و غل کرو تا کہ تم غالب آجاؤ۔

فَلَنُذِیۡقَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَذَابًا شَدِیۡدًا ۙ وَّ لَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾

بے شک ہم ان انکار کرنے والوں (کافروں) کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ان کو ہم ان کے بد ترین کاموں کی سزا ضرور دیں گے۔

ذٰلِکَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰہِ النَّارُ ۚ لَہُمۡ فِیۡہَا دَارُ الۡخُلۡدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۲۸﴾

یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا جو دوزخ کی آگ ہے۔ ان کے لئے اسی میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَیۡنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ نَجۡعَلۡہُمَا تَحۡتَ اَقۡدَامِنَا لِیَکُوۡنَا مِنَ الۡاَسۡفَلِیۡنَ ﴿۲۹﴾

اور جن لوگوں نے انکار (کفر) کیا وہ کہیں گے؛ اے ہمارے رب! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ، دکھا، جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا کہ ہم انہیں اپنے تلے روندیں، تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیں۔

کافروں کی چالوں کا ذکر ہے۔ قریش اللہ تعالیٰ کے کلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، لیکن ضد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ جب نبی ﷺ قرآن کی تلاوت کریں تو وہ شور مچایا کریں گے تا کہ لوگ نہ سن سکیں اور متاثر نہ ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان پڑھ رہا ہو تو بھی شور مچائیں گے۔ انسانی نفسیات کا تجزیہ ہے کہ آدمی ضد کی وجہ سے حقائق اور تمام اخلاقی حدود کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

اہل کفر، اپنے برے اعمال، کی وجہ سے جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلیں گے گویا ان کا دائمی گھر ہو گا۔ یہ سزا، ان کے اللہ کے احکام کو نہ سننے، انکار کرنے اور دوسروں کو منع کرنے کی وجہ سے ہے۔ قیامت کو جب ان کو سزا ملے گی، تو تمنا کریں گے کہ جنوں یا انسانوں میں سے جو گروہ بھی ان کو حق سے ورغلا کر گمراہی اور گناہ کے کاموں کی ترغیب دیتا تھا، آج اگر ان کے سامنے ہو، تو وہ اس کو پاؤں تلے روند ڈالیں، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ آگ کی سزا پا رہے ہیں۔ انہیں اپنے گناہوں کا احساس ہو گا۔ لیکن اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے اور سزا پائیں گے۔ بہترین راستہ اس زندگی میں اللہ کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ہم (فرشتے) دنیا کی زندگی اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے، جس کا تمہارا دل چاہے۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو۔

نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿۳۲﴾

یہ بہت بخشنے والے بے حد رحم کرنے والی کی طرف سے مہمان نوازی ہے۔

کفار (منکرین حق) کی حالت کے بعد مومنوں کی حالت اور کیفیت بیان کی ہے۔ مومن وہ ہیں، جنہوں نے اللہ کے احکام کو قبول کیا اور پھر اس کے احکام پر ساری زندگی بڑی تندہی سے عمل کرتے رہے۔ استقامت سے مراد صراط مستقیم پر مسلسل عمل ہے۔ صراط مستقیم وہ طریقہ ہے جو متوسط اور سیدھا ہے جس میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوتی۔

نبی ﷺ نے فرمایا؛ تم کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر مستقیم رہو، یعنی موت تک توحید پر قائم اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ اوامر (کرنے والے کام) کو مانو اور نہی (منع کئے گئے) کے کاموں سے بچو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا "خدا کی قسم! استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں، جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم ہو گئے۔ لومڑیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے نہ پھریں"۔ (ابن جریر)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اللہ کے عائد کردہ فرائض فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرتے رہو"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس آیت کا تقاضا ہے کہ تم فرائض کی ادائیگی میں مستقیم رہو"۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو پڑھتے، تو دعا کرتے؛ اے اللہ! تو ہمارا رب ہے۔ ہمیں استقامت عطا فرما۔ ایک قول ہے؛ جس طرح اقوال میں مستقیم ہو اسی طرح اپنے اعمال میں مستقیم رہو۔ ایک قول ہے؛ جس طرح تم جلوت میں (سامنے) مستقیم ہو اسی طرح خلوت (تنہائی) میں بھی مستقیم رہو۔

فضیل بن عیاض نے کہا: دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت کرو۔

استقامت پر رہنا مشکل ہے اور اس کے لئے اپنی نفس کی خواہشات کو ختم کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام پر مستقیم (ہمیشہ عمل کرنے) رہنے والوں پر فرشتہ دعا کے ساتھ تسلی دیتے ہیں یعنی وہ اعصابی پریشانی سے بچے رہتے ہیں۔ مطمئن رہتے ہیں۔ فرشتوں کی خوشخبری کے بارے قول ہے کہ وہ موت کے وقت پر، قبر میں (برزخ میں) اور حشر میں مومنین کی مدد کریں گے اور انہیں جنت کی بشارت دیں گے، جہاں ہر خواہش پوری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ہوں گے۔ کس قدر اہل حق کے لئے خوبصورت پیغام ہے، کہ دنیا اور آخرت میں فرشتوں کا ساتھ ہو گا۔ دنیا میں بھی مدد سے مراد اطمنان قلب ہے اور ذہنی پریشانیوں سے نجاعت ہے۔ دشمن سے مقابلہ میں کامیابی ہے، جس طرح مسلمانوں کی بدر و حنین و خندق میں کی گئی تھی۔ جدید طبّی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ جو لوگ کسی نظریہ، بلخصوص مذہب (اللہ تعالیٰ) پر یقین رکھتے ہیں وہ ذہنی طور پر زیادہ مطمئن اور پر سکون زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب خالق کائنات سے تعلق پیدا ہو جائے تو زندگی پر لطف ہو جاتی ہے اور موت بھی مشکل نہیں رہتی۔ مرنے کے بعد جنت کی بھی ضیافت مہمانی نصیب ہوتی ہے۔

زندگی میں حق و باطل، نیکی اور بدی کے معرکہ میں جو ہر فرد کو پیش آتا ہے، یہ تعلیمات اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے ہیں۔ اسلام مکارم اخلاق کا دین ہے، جو زندگی کے ہر مرحلہ پر انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے اور تمام احکام انسان کی دنیا کی اجتماعی، معاشرتی زندگی میں بھلائی و خیر کے لئے ہیں۔ سزا و جزا کا یہی مقصود ہے۔ شیطان دوسری طرف برائی اور فساد میں انسان کو ورغلا کر لے جاتا ہے۔ انسان پر ظلم، زیادتی، دھوکہ، خود غرضی، تکبر اور ذاتی پسند کو اپنا حق تصور کرتے ہوئے ہر طریقہ اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس کشمکش میں اہل حق اور انسانیت کی بھلائی کے لئے کھڑے ہونے والے افراد کو شدید مشکلات اور مصائب سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ فرشتے اور اللہ کی رحمت ان کے ساتھ اس دنیا کی زندگی میں بھی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ہو گی۔ مایوسی ناکامی یا ظلم سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ بہادری اور استقلال سے مقابلہ میں ہی بالآخر کامیابی ہے۔ اس جدوجہد میں نیکی اور عدل کے مقابل باطل اور ظلم طاقت کے باوجود ناکام ہوتا ہے۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۴﴾

اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے (لوگوں) اللہ کی طرف بلایا۔ نیک عمل کئے اور کہا بے شک میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ آپ (برائی) کو اچھے طریقے سے دور کریں۔ تو (آپ دیکھیں گے) کہ یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے (ایسا ہو جائے گا) جیسے گرم جوش جگری دوست ہو۔

یہ دوسری آیت بڑی اہم ہے، جب مدد کا یقین دلایا، اس کے ساتھ دعوت حق کی ذمہ داری اور اس کے ساتھ عمل سے ثابت کرنے کا بھی حکم دیا۔ اللہ کے راستہ جو بھلائی اور انسانیت کی فلاح کا راستہ ہے، اس کی طرف دعوت دینے سے بہتر کوئی عمل نہیں۔ یہ دعوت اپنی جگہ اچھی ہے لیکن عمل صالح اس کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اسلئے اس کو علیحدہ ذکر کیا کہ کہیں قول اور فعل میں فاصلہ نہ ہو جائے اور اختلاف نہ ہو۔ گفتار کا غازی بن جائے اور کردار میں کچھ نہ ہو۔ اس کے ساتھ وہ اعلان جاری رکھے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں، جو میرے ساتھ ہو گا۔ اسے فرمانبردار ہونا پڑے گا۔ علماء نے اس کی اعلیٰ مثال نبی ﷺ کی ذات دی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام ہیں، جنہوں نے اپنی

زندگیاں اس مقصد کے لئے خرچ کر دیں۔اس کے بعد فقہاء، علماء، صلحاء اور صوفیاء کرام ہیں جو بغیر کسی معاوضہ کے ،ہدایت وراہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔اذان میں حي علی الفلاح کی طرف بلانے والوں کو ابتدائی دور میں اس کا مصداق سمجھا گیا، کیونکہ نبی ﷺ کے صحابہ کرام سب کے سب گفتار و کردار میں اعلیٰ فرمانبرداری کا نمونہ تھے اور نماز کے لئے گویا نیکی اور بھلائی (حي علی الفلاح) کی طرف بلانے والے تھے۔ تعلیم وتدریس بھی نیکی کی طرف دعوت کی طرح ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا؛ صرف دو شخصوں پر رشک کرنا مستحسن ہے۔ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے مال کو حق کے راستے میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو اور ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) عطا کی ہو اور وہ اس حکمت سے لوگوں کے فیصلے کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔(بخاری/ مسلم)۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے بارے سوال کیا گیا اور اس نے علم کو چھپالیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دے گا۔(ابوداؤد/ترمذی)۔

بدی کا بدلہ: اسلامی اعمال کی طرف دعوت اور اصلاح معاشرہ کے لئے عمل کوئی آسان کام نہیں۔اس راہ میں باطل اور شیطان کے پیروکار ہر طرح کے روڑے اٹکاتے اور مخالفت کرتے ہیں۔اس کام کے لئے جہد مسلسل، صبر لازمی ہے۔بدی کرنے والوں کے ساتھ اسی طرح برائی، مزید برائی کو پھیلائے گی۔ برائی اور اچھائی، نیکی اور بدی برابر نہیں، نیکی کا مقام اور ہے۔اگر کوئی برا کر رہا ہے تو اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے برتاؤ، تناؤ اور مخالفت کو کم دیتا ہے، دعوت دینے والے کے لئے اچھا پیغام چھوڑ جاتا ہے۔اس سے بڑھ کر اگر برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں برا سے برا آدمی بھی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے برائی سے باز آجاتا ہے اور پھر نیکی کرنے والے کا ہمنوا بن جاتا ہے۔جب شیطان انسان کے دل (دماغ) میں یہ تصورات دیکھتا ہے، تو اسے سخت پریشانی ہوتی ہے۔ شیطان کا مقصد انسانوں کو دنیا میں فساد میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ سے دور کرنا اور دنیا و آخرت میں عذاب میں ڈالنا ہے۔وہ ہر طرح سے انسان کے خیالات و تصورات پر حملے کرتا ہے۔انسانی خواہشاتِ نفسانی کو ابھارتا ہے۔ منفی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے اور بظاہر معمولی فائدہ کو پر فریب انداز میں دکھا کر بالآخر برے عمل کروا کر انسان کو گمراہی میں پھینک دیتا ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ منظر بتایا گیا ہے، کہ قیامت کے دن ،فیصلہ کے بعد ،جنات، شیاطین اور فرشتوں کو، جب انسان دیکھ سکیں گے اور ایک دوسرے سے اپنے اعمال کے بارے مباحثہ کریں گے ،اس وقت انسان ،شیطان پر الزام لگائیں گے اور شیطان جواب میں کہے گا کہ میں نے تو تمہیں صرف رائے دی تھی۔ تم نے خود اپنی پسند پر فیصلہ کیا تھا۔ لہٰذا مجھے الزام نہ دو، اپنی اپنی سزا بھگتو۔ جس طرح میں بھگتوں گا۔ شیطان کی چالوں سے بچنے کے لئے جن

خصوصیات اور کردار کی ضرورت ہوتی اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝

اور یہ صفت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو بڑے نصیب والے ہوں۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور جب کبھی تمہارے دل میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک وہ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

نیکی اور بھلائی کی دعوت ایک بڑا کٹھن کام ہے۔ دعوت دینے والے کو مخاطب کی، پیچیدہ نفسیات، مزاج، اس کی جہالت یا علم، اس کے تکبر یا عزت نفس، مرتبہ و مقام، خواہشات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں اصلاح کا عمل بڑا مشکل ہوتا ہے۔ یہ کردار، کہ برائی کو نیکی سے دفع کرنا، غیض و غضب کے مقام پر رواداری اور برداشت دکھانا اور فیصلہ کر سکنا، کہ کہاں رواداری اور برداشت کرنا ہے یہ مرتبہ بڑا عظیم ہے اور ہر انسان کے بس میں نہیں کہ اپنے خیالات، ردعمل، غصہ کو کنٹرول کر سکے۔ اس مقام پر وہی شخص فائز ہو سکتا ہے، جسے صبر کی بڑی مقدار عطا کی گئی ہو۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اللہ کے خاص بندے اور صبر کرنے والے فائز ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ ذاتی معاملات میں کبھی غصے میں نہ آتے، ہاں اگر ریاست اور حقوق (جرم و سزا) کا معاملہ ہوتا تو انصاف کو صحیح طور پر نافذ کرتے اور کوئی نرمی نہ کرتے۔ اس لئے صبر اور رواداری کا مظاہرہ شخصی دست درازی کے موقع پر ہونا چاہیے اور اگر کوئی اسلام اور اللہ کے اصولوں پر دست درازی کرتا ہے تو اس کا مقابلہ ضروری ہے، جس میں تشدد کی کسی فرد کو اجازت نہیں وہ صرف ریاست کر سکتی ہی۔ شیطان، انسان کو اس اعلیٰ مقام سے ہر وقت نیچے گرانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے اس کا شخصی مقام، تکبر، دولت، قوت، ذاتی انا، وغیرہ کے ذریعہ غصہ دلا کر صبر سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی پناہ ضروری ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی اس کی قوت، علیم بہت جاننے والا، سمیع، خوب سننے والا، بصیر، خوب دیکھنے والے کا پورا پورا یقین ہو۔ اس کے احکام پر عمل کرنے کی عادت ہو۔ پھر شیطان کے حملوں سے اللہ کی ذات کی پناہ حاصل کی جائے۔ اور تعوذ پڑھا جائے اور پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کی قوت اور شیطان کے فساد کا خیال دماغ میں ہونا چاہیے پھر انسان محفوظ رہتا ہے۔

آیت کی تشریح کے لئے واقعہ تحریر ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے گالی دی اور نبی ﷺ دیکھ رہے تھے۔ پہلی دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا جب وہ بار بار برا بھلا کہنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ کو بھی جوش آ گیا

اور اسے جواب دیا(برا کہا) تو نبی ﷺ وہاں سے اُٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے گئے اور کہا: اس شخص نے مجھے گالی دی تھی پہلے تو میں نے اس کو معاف کر دیا تھا اور در گذر گیا اس وقت آپ بیٹھے رہے اور جب میں بدلہ لینے لگا تو آپ اُٹھ گئے یا نبی اللہ ﷺ۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کو جواب دے رہا تھا اور جب تم بدلہ لینے لگے تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا۔ اے ابو بکر! میں شیطان کے ہوتے ہوئے وہاں پر نہیں بیٹھ سکتا۔ (جامع البیان)۔

جلد غصہ آنا بہت بری مرض ہے۔ اس کا سبب انسان کے اندر تکبر ہے یا برداشت کی کمی ہے، جو خود بہت بری صفت ہیں۔ غصہ کا علاج نبی ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا؛ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پھر اگر اس کا غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ لیٹ جائے۔ (سنن ابی داؤد)۔ ایک اور حدیث کے مطابق وضو کرے اور پانی پیئے۔ ایک اور روایت کے مطابق اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔

غصہ کے روحانی اور جسمانی (طبّی) بہت نقصانات ہیں۔ غصہ کے صحیح مواقع بہت کم ہوتے ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾

پھر اگر یہ لوگ تکبر (غرور) کریں (تو پرواہ نہیں) جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی رات دن تسبیح کرتے ہیں اور وہ اکتاتے نہیں ہیں۔

شیطان سے پناہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا سہارا لینے کا حکم ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر خیال و کلام کو سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت و کمال کا اظہار ہے کہ رات دن کا پیدا ہونا، یہ سورج، چاند اور زمین کے مدار میں سفر سے ملا ہوا ہے۔ کبھی دن بڑے، کبھی رات بڑی، کبھی گرمی، سردی، خزاں، بہار ہے۔ نہ چاند اپنے مدار سے باہر جا کر زمین سے ٹکراتا ہے اور نہ زمین۔ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اپنے مدار میں چل رہی ہے۔ یہ سارا نظام انتہائی پیچیدہ، اعلیٰ اور منظم ہے جو اربوں سال سے چل رہا ہے، کوئی خلل نہیں، کیونکہ ایک ہی خالق کا پیدا کردہ اور کنٹرول ہے۔ انسان نے اپنی

کمزوری کے باعث سورج اور چاند کو معبود بنالیا۔اس سے منع کیا گیا ہے کہ یہ خود مخلوق ہیں اور اللہ کے آگے سرنگوں و سجدہ ریز ہیں۔لہٰذا ان کو سجدہ کرنے کے بجائے ان کے معبود خالق یعنی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا جائے۔

منکرین حق (کفار) مکہ نے نبی ﷺ اور قرآن مجید کی تعلیمات سے نہ صرف انکار کیا بلکہ مخالفت کی۔ان کی مخالفت پر مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر وہ اللہ کی عبادت سے انکار کرتے ہیں تو ان کی اپنی محرومی ہے۔اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات (مخلوق) اس کی عبادت اور اس کے آگے سرنگوں ہے۔اس سے مراد فرشتے ہیں جو کہ نور (لائیٹ) سے پیدا ہوئے ہیں۔وہ ہر وقت حمد و ثناء اور احکام کو بجالانے کے لئے مستعد ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو (اے انسان) زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی اور ابھرتی ہے۔بے شک جس نے، اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔کیا جو شخص دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمنان سے قیامت کے دن آئے گا۔تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

آیات میں اللہ کی تخلیق کی مثال دی ہے کہ زمین بنجر ہوتی ہے۔اس کے اندر مختلف اُگنے والے پولن سالوں سے پڑے ہوتے ہیں۔جو خشکی سے مردہ ہو جاتے ہیں لیکن نیم نباتاتی (حیاتیاتی) حالت میں رہتے ہیں۔جب بارش سے ان کو نمی اور نائٹریٹ ملتے ہیں تو دوبارہ زندہ ہو کر باہر نکل آتے ہیں۔یہ ایک عمومی مثال ہے۔اسی طرح انسانی جسم کے تحلیل شدہ ذرات، قیامت کے بعد، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اکٹھے ہو کر نکل آئیں گے (تفصیل کے لئے سورۃ فاطر)، کیونکہ وہ تمام اسباب اور ہر چیز پر قادر ہے۔جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں (نشانیوں) کو نہیں مانتے یا ان میں الحاد کرتے ہیں اور خالق حقیقی کے بجائے صرف موجودہ ظاہری اسباب کو ہی آخری حقیقت یا خالق سمجھتے ہیں، وہ گمراہی پر ہیں۔دنیا کی زندگی میں جو مرضی ہے کرتے رہیں، انہیں اختیار دیا ہے اور قیامت کے دن خالق حقیقی کو نہ ماننے کی وجہ سے آگ میں ڈالے جائیں گے۔اس طرح خالق حقیقی (اللہ) کو ماننے والے محفوظ ہوں گے۔اللہ تعالیٰ، انسانوں کے تمام اعمال کو جانتے ہیں اور ان

کے مطابق ان کو سزا ملے گی۔ خالق حقیقی کے احکامات پر عمل کرنے والے امن وسلامتی میں ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۚ وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ ﴿۴۱﴾

بے شک جو لوگوں نے ذکر (قرآن) کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا، (ان کو عذاب دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہے۔

لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ﴿۴۲﴾

اس (قرآن) میں باطل کہیں سے نہیں آسکتا، نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ کتاب بہت حکمت والے بہت تعریف کئے ہوئے کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدۡ قِیۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَۃٍ وَّ ذُوۡ عِقَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۴۳﴾

آپ کے خلاف وہی کہا جارہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کردینے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔

وَ لَوۡ جَعَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا لَّقَالُوۡا لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ ؕ ءَاَعۡجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ ؕ قُلۡ ہُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرٌ وَّ ہُوَ عَلَیۡہِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۴۴﴾

اور اگر اس قرآن کو ہم عجمی زبان میں کردیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل کے ساتھ کیوں بیان کی گئیں؟ کیا کتاب عجمی زبان میں ہو اور رسول عربی ہو؟ کہہ دیجئے وہ ان کے لئے جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ (ڈاٹ) ہے اور وہ ان کا اندھا پن ہے۔ یہ لوگ (جو حق کی بات نہیں سنتے گویا) دور دراز جگہ سے پکارے جا رہے ہوں۔

کفار (منکرین اسلام) کے کردار کا ذکر ہے۔ چونکہ اہل مکہ قرآن مجید کا بطور کلام الٰہی، انکار کرتے تھے، اس لئے ان کو عذاب جہنم سے ڈرایا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت بیان کی ہے کہ یہ کوئی شاعری یا شخصی کلام نہیں، بلکہ بہت معزز کتاب ہے جو حق پر مبنی ہے۔ کوئی باطل یا غلط کلام اس میں کبھی بھی شامل نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، جس کی تعریف ساری کائنات کرتی ہے۔ مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ تمام رسولوں کو، ان کے لوگوں نے برا بھلا کہا۔ جھٹلایا، ان کی مخالفت کی بالآخر مسلمان (مومن) کامیاب ہوئے اور انکار کرنے والے (کفار) ناکام

ہوئے۔اللہ تعالیٰ کی ذات بہت قوت والی ہے۔ مومنوں کے لئے انعام ہے، بخشش ہے اور انکار کرنے والوں کے لئے سخت عذاب ہے۔اس قرآن کے بارے، کفار کے اعتراض غلط ہیں کہ نبی کسی اور زبان میں احکام بتاتا۔اگر قرآن یااللہ کا کلام کسی دوسری زبان (عجمی) میں ہوتا، تولوگ اسے کیسے سمجھتے اور کہتے کہ نبی کی زبان تو عربی ہے۔لوگوں کی زبان بھی عربی ہے لیکن احکامات کی نازل شدہ کتاب غیر عربی یعنی عجمی زبان میں ہے۔اس سے کس طرح لوگوں کو پیغام یااحکام کا علم ہوگا۔قرآن مجید حق ہے اور اہل ایمان کے لئے اس میں ان کی زندگی کے مسائل کا حل (شفا) ہے۔لیکن جو عربی، اس کو عربی زبان میں ہونے کے باوجود نہیں مانتے، ان کے گویا کان بند ہیں یاان کو ویسے آواز سنائی نہیں دے رہی۔ جس طرح دور سے آنے والی صدا کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ان کے دل اس سے منکر ہیں اور وہ اس کی سزا پائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک معیاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا بے شک یہ لوگ اس قرآن کے متعلق سخت خلجان اور شک میں ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

جو کوئی نیک عمل کرتا ہے اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

نبی ﷺ اور مسلمانوں کو انبیاء کے واقعات سے دعوت اصلاح کے کام میں جو مشکلات آتی ہیں ان سے تسلی دی جارہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور اس پر بھی لوگوں نے اختلاف کیا اسی طرح منکرین (کفار) مکہ قرآن مجید کے بارے شک وشبہ میں گرفتار ہیں۔کچھ مان رہے ہیں اور اکثر مخالفت کر رہے ہیں۔ جہاں عذاب کے بارے ڈرایا جاتا ہے وہاں عذاب فوری نہیں آتا اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ کے ہاں ایک نظام ہے جس کے ماتحت ظالم افراد اور اقوام کو ان کے ظلم و گمراہی کے باوجود مہلت دی جاتی ہے اور مہلت کے ختم ہونے پر ان پر عذاب مسلط کیا جاتا ہے۔ پھر کوئی تاخیر نہیں ہوتی۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا؛ بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے پھر جب وہ اس کو اپنی گرفت میں لے گا، تو پھر اس کو نہیں چھوڑے گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی،

ترجمہ:اور اسی طرح آپ کے رب کی گرفت ہے۔جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہے۔(ھود:102)۔

اللہ تعالیٰ ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے؛اے میرے بندو!بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر لیا ہے اور تمہارے درمیان آپس میں ظلم کو حرام کر دیا ہے۔پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔(صحیح مسلم شریف)۔

انسانوں کے اعمال کے نتیجہ میں ان پر انعام و سزا ہو گی۔اپنے اعمال میں سارے انسان،بلا تفریق جنس،نسل، رنگ،زبان سب حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں اور بطور انسان برابر ہیں۔اگر کوئی نیکی کرے گا،تو اس کا فائدہ اس کو ہو گا اور اگر کوئی برائی کرے گا تو اس کا نقصان اس کو ہو گا۔البتہ نیکی اور برائی کی طرف دعوت دینے والوں کو بھی ان کے حصہ (راہنمائی) کے مطابق جزا و سزا ملے گی کیونکہ یہ بھی ان کا ایک اچھا یا برا عمل ہو گا۔ان اعمال کے نتیجہ میں،لوگوں کو اگر سزا ہو گی تو ان کے اپنے کاموں کا نتیجہ ہے اور انہوں نے برے اعمال کر کے اپنے پر خود ظلم کیا ہے۔

یہی آیت میں واضح کیا گیا ہے۔درحقیقت اس دنیا کی زندگی میں بھی یہ ظلم کی صورت انسانوں کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہے۔جہاں معاشرے خراب ہوتے ہیں۔

پچیسواں پارہ

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِىْ ؕ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ﴿۴۸﴾

قیامت کے آنے کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے (اللہ ہی جانتا ہے) اور جو بھی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے (سب کچھ) اللہ کے علم میں ہے اور جس دن وہ،انہیں پکارے گا میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے ہم آپ سے عرض کر چکے ہیں (کہ آج) ہم میں سے کوئی بھی (شرک کا) گواہ نہیں۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

اور جن کو وہ اس سے پہلے پکارتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لئے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔

قیامت کے مناظر اور اللہ تعالیٰ کی قوت کے بارے معلومات دی جارہی ہیں۔ یہ ہماری کائنات (نظام شمسی) ایک دن ختم ہو جائے گا۔ کب ہو گا اس کے بارے انسانوں کے اندازے ملین سالوں کے ہیں، جو علمی اندازے ہیں، لیکن صحیح دن اور وقت خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) کو معلوم ہے اور اسے تمام انسانوں سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام امور کی ابتداء سے انتہاء تک کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، جس کو سادہ مثالوں سے واضح کیا ہے۔ پودے اگتے ہیں۔ ان کے شگوفے نکلتے ہیں پھل اور پھول کھلتے ہیں اور ان سے بیج نکل کر ختم ہو جاتے ہیں ان تمام امور کا علم شروع سے لے کر انتہاء (آخر) تک اللہ تعالیٰ کو ہے۔

کوئی بھی مادہ حیوانات یا انسانوں سے ہو، کب حاملہ ہو گی، حمل مکمل ہو گا یا نہیں، کب اس سے بچہ جنے گا اور بچے کی زندگی مکمل ہو گی یا نامکمل، اس سب کا کلی علم (شروع سے لے کر آخر تک) اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ نظام کائنات کے اصول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام منظم کیا ہے اور جو دائمی ہیں ان میں تبدیلی صرف ذات باری تعالیٰ کر سکتی ہے اور کسی کی مجال نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علمی استعداد تمام مخلوق سے بڑھ کر دی ہے۔ اسی وجہ سے فرشتوں نے بھی اس کو سجدہ کیا۔ انسان اپنی اس استعداد سے قدرت کے اصولوں کو کچھ حد تک سمجھ لیتا ہے اور پھر ان سے استفادہ حاصل کرتا ہے۔ ان اصولوں کے علم، ان کے اطلاق سے بہت ساری معلومات حاصل کی جاتی ہیں اور چونکہ زمین پر امور قدرت (اللہ تعالیٰ) کے اصول کے مطابق یعنی اس کے نظام کے تحت چلتے ہیں۔ اس لئے یہ معلومات بھی کافی حد تک صحیح ہوتی ہیں۔ لیکن اس کی مکمل تصدیق صرف عمل کے اختتام پر ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو آنے والے حالات کا علم زیادہ کلی و مکمل ہے۔ مثلاً حمل ہو گا یا نہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حمل کے بارے انسان کو صرف اس وقت پتہ چلتا ہے جب اس کے آثار انسان کو بذریعہ آلات ملتے ہیں۔ یہی حال موسم اور دوسری معلومات کے بارے ہے۔ انسان کو معلومات اس عمل کے شروع ہونے کے بعد معلوم ہوتی ہیں **جب کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے وقوع سے پہلے علم ہے اور ان کو جب چاہتا ہے تو شروع کر دیتا ہے۔**

قیامت کے دن دنیا کے وہ لیڈر، جو اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کرتے تھے یا دوسروں کی عبادت کرتے تھے، وہ دیکھیں گے کہ سب خوف سے ہراساں ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ، وہ افراد یا تمہارے لیڈر کہاں ہیں، جن کی وجہ سے تم، اللہ تعالیٰ سے یا احکام سے منہ موڑتے تھے۔ خوف و دہشت کا یہ عالم ہو گا کہ سارے لیڈر دوسرے مجرموں کی طرح شدید پریشان ہوں گے اور گنہگاروں کے وہ لیڈر جن کی وہ دنیا میں اطاعت کرتے تھے، خود خوف سے ہراساں اور سہمے ہوئے ہوں گے اور ہر ایک کہہ رہا ہو گا، اے ذات باری تعالیٰ آپ کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن یہ اقرار ان کو کوئی

فائدہ نہیں دے گا اور انہیں یقین آجائے گا کہ آج ان کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ انتہائی مایوس، سخت ناامید ہو جاتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

اور جو تکلیف اسے پہنچی ہے اس کے بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ یقیناً کہتا ہے ، یہ تو میرے ہی لئے ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو بلاشبہ اس کے پاس میرے لئے بھلائی ہی ہو گی۔ چنانچہ ہم ان کافروں کو ضرور بتائیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے اور ہم انہیں سخت عذاب (کا مزہ) ضرور چکھائیں گے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔

آرام اور تکلیف میں انسانی نفسیات:۔

انسان کی زندگی میں کردار کا ذکر ہے، جس میں انسانی نفسیات کا تجزیہ بیان کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنے فائدہ، آرام، دولت، اولاد، اقتدار، صحت کے لئے ہر وقت کوشش میں لگا ہوا ہے اور اس کی تمنا لئے ہوئے ہے۔ ساری جدوجہد، اسی کام کے لئے کرتا ہے۔ یہ سارا (نوے فیصد) انسانوں کے کردار و عمل سے ظاہر ہے۔ اس کی سرشت اور وجود کو قائم رکھنے کا حصہ ہے۔ جب اس کو ان چیزوں (ضروریات اور زائد از ضرورت) کا حصہ مل جاتا ہے تو شکر ادا نہیں کرتا، لیکن جب اسے ان سے محروم ہونا شروع ہو جاتا ہے تو پھر پریشان ہو جاتا ہے۔ گڑگڑانا شروع کر دیتا ہے۔ ہر طرف مدد کے لئے پکارتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی یاد آجاتی ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے۔

حالات اس کے بعد پلٹ جاتے ہیں۔ تکلیف اور پریشانی ختم ہو جاتی ہے اور انسان کے مقاصد پورے ہو جاتے

ہیں، پھر اپنے خالق اور اس کی مہربانی کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی کوشش کا نتیجہ ہے۔اسے وہ پریشانی بھول جاتی ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ حالات ہمیشہ رہیں گے۔ قیامت اور حساب و کتاب سے انکار کرتا ہے اور اگر اس کا اقرار بھی کرے، تو اس کے وہم و خیال میں یہی ہوتا ہے کہ سہولتیں اور انعام مجھے اس (قیامت کے) وقت بھی ملیں گے۔ یہ اس کا اپنا خیال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت میں انسان کے سارے اعمال اس کو دکھائیں گے۔اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے اور حساب و کتاب پر یقین نہ کرنے والے اپنے برے اعمال کی سخت سزا پائیں گے۔

اس سے ایک نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ **عمل بڑا ضروری اور بغیر عمل کے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید ایک غلط فکر ہے**۔انسان کی اس فطرت جس میں وہ خود غرضی سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام پر اس کا شکر لازمی ہے اور اگر اس کی طرف سے کوئی کمی ہو تو اس پر بھی صبر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان اصولوں پر عمل کرتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔اکثریت کا عمل وہی ہے جو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

آپ کہہ دیجئے بھلا دیکھو تو! اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو (حق کی) مخالفت میں دور چلا جائے۔

انسانی نفسیات کا ذکر ہے کہ انسانی حدود بڑی مختلف ہیں۔جب اسے نعمتیں، آرام ملتے ہیں تو اکڑ جاتا ہے، اپنے منعم کا شکر ادا نہیں کرتا۔اپنے سے کمتر کو نہیں دیکھتا اور نہ احساس کرتا ہے۔ان اعمال میں شیطان اس کو ورغلاتا ہے اور وہ تمام سہولتوں اور انعامات کو اپنا حق سمجھ لیتا ہے۔ پھر جب دوسری حالت آتی ہے کہ ساری نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں، مصائب اور پریشانی گھیر لیتی ہے تو آہ و فغاں میں لگ جاتا ہے۔اسی طرح اس کی آہ و زاری بھی لمبی ہو جاتی ہے۔ یہ انسانی نفسیات کی وہ حقیقت ہے جو کلام الٰہی نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں بتادی تاکہ ہم ان انتہائی حدود سے بچ سکیں۔

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے کیونکہ اس میں حقائق کائنات اور انسانی کردار کے بارے بتایا گیا ہے اور جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، وہ حق کی مخالفت میں انتہاء کو چلے گئے ہیں اور اس کی سزا پائیں گے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

جلد ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق (کائنات) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے، حتّٰی کہ ان کے لئے واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ (قرآن) حق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ بے شک آپ کا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔

کائنات میں نشانیاں:۔

انسان کے عقل و فہم کا ذکر جاری ہے کہ وہ اپنے خالق کو بھولا ہوا ہے۔قرآن پاک میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ یعنی خالق کائنات کے وجود کے بارے علمی دلائل دیئے گئے ہیں جن کو عام فہم والا انسان بالکل واضح طور پر سمجھ سکتا ہے صرف اس کے لئے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

زمین کو دیکھا جائے، صرف زمین کے وجود اور خصوصیات کے بارے کتنے علوم انسان نے پیدا کئے۔زمین کی سطح کے لئے جغرافیہ ہے۔زمین کی اندرونی کیفیت کے لئے جیالوجی ہے اور اس کے معدنیات کے لئے جیوفزکس ہے۔ زمین کے اوپر زراعت کے لئے کئی اقسام کے علوم زراعت کے بارے پیدا ہوئے ہیں، جو کہ زمین یا مٹی کی زرخیزی، پودوں کی افزائش کے بارے معلومات دیتے ہیں۔زمین سے اوپر کے حالات کے بارے علم موسمیات ہے۔زمین سے مختلف فوائد حاصل کرنے کے لئے انجینئرنگ کے کئی علوم نکالے گئے ہیں۔درختوں کے لئے بوٹنی (Botnay) اور حیوانات کے زوالوجی (Zoology) کے علوم ہیں اور ہر حیوان پر علیحدہ علم ہے۔

ذرا آسمان پر چلیں تو سورج، چاند، ہمارا نظام شمسی اور اس سے آنے والی تابکاری، رات، دن، موسم، ستارے اور مختلف شہابیئے، غرض انسان خود حیران و پریشان ہے۔وہ سورج اور چاند جسے ہم ایک عجیب قوت سمجھتے تھے اور عظیم خیال کرتے تھے۔کائنات اور کہکشاؤں میں ایک معمولی ذرہ ہے۔جس کی کوئی حیثیت نہیں۔سمندروں کے بارے علوم بھی اسی طرح بہت وسیع ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں انسان کو دکھا رہا ہے۔یہ تمام معلومات انسان کو شروع سے لے کر آج تک مل رہی ہیں اور انسان اپنی تحقیق و کوشش سے اللہ تعالیٰ کے نظام کو بہتر طریقہ سے سمجھ رہا ہے جو اس کے خالق کی طرف اشارے کر رہا ہے۔بدقسمتی بہت سارے انسان خالق کے بجائے مخلوق کی پیچیدگی اور اس کے نظام میں ہی گم ہیں۔

؎ ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

انسانی جسم کے انکشافات (کا کمال):۔

کائنات کے بارے نشانیوں کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ انسان کے اندر اس کے اپنے وجود کے نظام کے بارے بھی اسے معلومات ملیں گی۔ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی جسم کے بارے کتنے علوم بن چکے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہر جسم کا

حصہ اپنی علیحدہ مخصوص علم رکھتا ہے۔ مثلاً دل، نظام تنفس (پھیپھڑے)، نظام ہضم (آنتیں، معدہ)، آنکھ، کان، کھال یا جلد، نظام دوران خون، اعضاء کی حرکت، ہڈیوں کا ڈھانچہ اور جوڑ، اعصابی نظام، دماغ، غرض ان کی کارکردگی، ڈیزائن کے بارے حیران کن انکشافات ہو رہے ہیں اور دن بدن ان کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ساری معلومات انسانی جسم کی پیچیدگی، صلاحیت کے بارے، اس کے خالق پر نشاندہی کر رہی ہیں۔ انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ اس پر غور کرے اور اس کے خالق کو پہچانے، اس کی اطاعت کرے۔ یہ اشارات قرآن کی عظمت اور کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

خبردار! بے شک وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں۔ خبردار! بے شک وہ (اللہ) ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

انسان کو اتنے دلائل واشارات جو کہ کائنات میں موجود ہیں اور انسان کے اپنی ذات کے اندر بھی ہیں، کے باوجود، اللہ تعالیٰ کی ذات پر شک کرنے اور اس پر پورا ایمان نہ رکھنے سے خبردار کیا جارہا ہے، کہ کتنی بدقسمتی ہے کہ انسان سمجھ نہیں رہا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی عظیم ہے، کہ اس نے کائنات کی ہر چیز کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے کنٹرول سے باہر نہیں لہٰذا انسان کو اپنے خالق کے آگے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ کامیاب ہو۔

الحمد للہ آج بروز بدھ مورخہ 24 جنوری 2023 عیسوی بمطابق 4 رجب المرجب 1444 ہجری کو سورۃ کی تفسیر مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق دے اور اسے قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

42- سورۃالشوریٰ

تعارف:۔

سورت کا نام الشوریٰ اس کی آیت نمبر 38 سے مأخوذ ہے ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ''۔ شوریٰ کے معنی مشورہ ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اہم امور باہم مشورہ سے طے کریں۔ جس کو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے اپنی زندگی میں ثابت کیا۔

سورت بالاتفاق مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق ایک آیت '' قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ''مدنی ہے۔ مقاتل کے مطابق سورت کا نزول بعثت نبوی ﷺ کے آٹھویں سال میں ہوا، جب اہل مکہ پر بارش روک لی گئی تھی اور نویں سال تک نزول جاری رہا۔ اس وقت نقباء (لیڈر) انصار، مدینہ سے مکہ حاضر ہو کر لیلۃالعقبہ کو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ترتیب مصحف سے اس کا نمبر بیالیس (42) ہے اور ترتیب نزول سے اس کا نمبر باسٹھ (62) ہے۔ قریش کے رویہ اور کردار کے بارے ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے، ان کے خیالات وعقائد اس قدر غلط ہیں کہ ان کی شدت سے آسمان پھٹ جائے، کیونکہ وہ خدا کے شریک اور اس کی اولاد بتاتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ وحی اس سے پہلے بھی انسانوں پر آتی رہی، اس لئے نبی ﷺ پر آنا کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اس منصب اور ذمہ داری کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے تاکہ لوگ (عرب) اس کو سمجھ سکیں، لیکن مشرکین دعوت اسلام کو قبول نہیں کر رہے۔ اس کے برعکس وہ اپنے آباؤ اجداد کے، خیالات پر ہی چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ زمین، انواع واقسام کے پھل، سمندروں میں پانی، ان کے ذریعہ کشتیوں کی تجارت وسفر، سب اس کی تخلیق ہے۔

مسلمانوں اور نبی ﷺ کو کفار کی مزاحمت پر تسلی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب لے گا اور مخالفت کی سزا پائیں گے۔ جو شخص آخرت پر یقین کرتا ہے، برے کاموں سے بچے گا، بدلہ لینے کی طاقت کے باوجود معاف کر دے گا، ظالموں اور سرکشوں کو سزا دے گا، رب کے احکام مانے گا، نماز قائم کرے گا۔ محتاجوں کی مدد کرے گا۔ بدلہ لیتے وقت عدل سے کام لے گا۔ ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پائیں گے۔ جو لوگ اللہ پر یقین نہیں رکھتے، اس کے احکام قبول نہیں کرتے وہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔ میم۔

عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ عین۔ سین۔ق۔

كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾

اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے۔ آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے اسی طرح وحی کرتا ہے۔

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿۴﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ بلند مرتبہ بڑی عظمت والا ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵﴾

قریب ہے کہ آسمان (اللہ کی ہیبت سے) اپنے اوپر سے پھٹ جائیں اور تمام فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے مغفرت مانگتے ہیں۔ سنو! بلاشبہ اللہ ہی بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے۔ حروف مقطعات کے بارے سورہ البقرۃ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ حروف ہیں، الفاظ ہیں اور ان کے اپنے معانی و اسرار ہیں۔ متاخرین و مفسرین نے مختلف تاویلات کی ہیں۔ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جن کا کلام ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ جن پر نازل ہوا۔ کفار مکہ کو تلقین کی گئی ہے کہ یہ کلام، ایک بڑی قوت اور غلبہ والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے، اسی طرح کا کلام، نبی ﷺ سے پہلے انبیاء پر بھی وحی کیا گیا اور اب نبی ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے۔

وحی:۔

وحی کے لغوی معنی ''خفیہ طریقہ سے خبر دینا ہے'' اشارہ کرنا، پیغام دینا اور پوشیدہ طریقہ سے کلام کرنا ہے۔ اصطلاح شریعت، میں اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے اپنے انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل فرمایا۔ رسول وہ نبی ہے جس پر صحیفہ یا کتاب نازل کی گئی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، یا

رسول اللہ ﷺ: آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ جب وہ وحی مجھ سے منقطع ہوتی تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا تھا اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا تھا۔ وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ سخت سردی کے دن بھی جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (بخاری/مسلم)۔

اللہ کی ذات کے بیان میں العلی العظیم، بہت بلند و عظیم ہے۔ تمام آسمانوں میں اور زمین کے اندر باہر جو کچھ بھی ہے، وہ اس کی ملکیت یا کنٹرول میں ہے۔ سب مخلوق کا خالق و مالک ہے۔ اس کی ذات و صفات میں اس کا کوئی مثل نہیں۔ مشرکین کے افکار، بت پرستی اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد ماننا، اس کی ذات و صفات کے سخت خلاف اور بہت بڑا جرم ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں۔ آسمان، چونکہ زمین کے اوپر دائری شکل میں ہیں اس لئے اوپر کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ دوسری طرف انسان اس قدر جاہل اور ظالم ہے، کہ اپنے خالق کے حق یا اس کے بارے وہ خیالات یا عقائد رکھتا ہے جو اس کی شان و عظمت کے سراسر خلاف ہیں۔

فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر وقت حمد و ثناء کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل زمین کے لئے مغفرت بھی طلب کرتے ہیں۔ یہ مغفرت اللہ کے احکام ماننے والوں کے لئے، ان کا اجر اور نہ ماننے والوں کے لئے ان کی ہدایت کے لئے ہوتی ہے۔ پھر اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بخشنے والی اور رحم کرنے والی ہے۔ ان انسانوں کو بھی رزق، زندگی کی آسائش دی جاتی ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ توبہ اور بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنالیا ہے، اللہ ان پر نگران ہے اور آپ ان کی ذمہ وار نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝٧

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف ایک عربی قرآن وحی کیا تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و پیش والوں کو ڈرائیں اور آپ جمع ہونے کے دن (قیامت) سے ڈرائیں جس (کے واقع ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا بھڑکتی آگ (جہنم) میں۔

ولی، سے مراد مددگار ہے یا جس سے مدد مانگی جائے۔ جو والی (ذمہ وار) ہو۔ کفار مکہ بتوں کو اللہ کا نمائندہ تصور

کر کے عبادت کرتے یا فرشتوں کو اولاد جان کر عبادت کرتے۔اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے کائنات میں ہر موجود کو پیدا کیا ہے،اس کو چھوڑ کر اس کی صفات و کمالات کے خلاف،اس کی مخلوق کو یا بے جان وجود کو،اپنا مالک مان لینا،کس قدر حماقت اور انسانی عقل کا ماتم ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے،ان سب پر کنٹرول ہے۔نبی ﷺ کی تسلی فرمائی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ہدایت دینا،آپ کے ذمہ نہیں،بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔آپ کا فریضہ تبلیغ کرنا ہے۔آپ پیغام ان کو پہنچائیں،اگر قبول کریں گے تو ان کا فائدہ ہے اور انکار کریں گے،سزا کو بھگتیں گے۔آپ کی طرف وحی کا مقصد یہ ہے،کہ آپ اہل مکہ اور اس کے اطراف (ممالک یا قبائل) کو راہ ہدایت دکھائیں۔اللہ کا پیغام پہنچائیں۔قیامت اور حساب و کتاب کا بتائیں اور سزا سے ڈرائیں تاکہ وہ مسلمان ہو کر نیک اعمال کریں۔قیامت کو جب حساب و کتاب ہو گا، تو نیک اعمال والے،اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے بدلے جنت الفردوس عطا فرمائے گا اور برے اعمال کرنے والوں کو ان کے اعمال کے بدلے جہنم کی بھڑکتی آگ میں سزا دے گا۔

اہل جنت واہل جہنم:۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اسے کئی صفات عطا کیں۔جن میں عقل وارادہ، جسم واعضاء، برائے عمل ہیں۔انسان کو اختیار دیا کہ جس طرح چاہے دنیا کی زندگی میں عمل اختیار کرے اور نبی ﷺ کو فرمایا کہ آپ کو حکم نہیں،کہ کسی کو زبردستی مسلمان کریں،بلکہ آپ کا فریضہ ان کو پیغام دینا ہے۔انسان کے اختیار کی قوت،کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسان برائی اور اچھائی دونوں کی طرف جائیں گے اور اس طرح کے اعمال کریں گے جس کے نتیجہ میں ایک گروہ جنت اور دوسرا گروہ جہنم میں جائے گا اور یہ تقدیر یا فیصلہ۔انسان کی تخلیق کے وقت کیا گیا تھا اور اس کی تنفیذ انسان کے زمین پر آنے کے بعد قیامت تک نافذ ہو رہی ہے۔نفس کی خواہشات اور شیطان کے فریب کے خلاف ،انسان،اسی وقت اللہ کے احکام پر عمل کرتا ہے،جب اس کو قیامت اور حساب و کتاب کا یقین ہو،ورنہ نہیں کرتا اور بھول جاتا ہے۔یہی نکتہ متعدد احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ایک دفعہ صحابہ کرام نے عرض کی تھی،کہ اگر فیصلہ ایک گروہ کا جنت اور ایک گروہ کا جہنم کا ہو گیا ہے،تو ہم اعمال کیوں کریں؟ جس کا جواب نبی ﷺ نے بہت خوبصورت دیا،کہ ہمیں نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے،لہذا حکم کی تابعداری ضروری ہے اور یہ اس وقت تک کریں،جب تک صحت ہے،کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ جنتی اعمال پر اور جہنمی کا خاتمہ جہنم کے اعمال پر ہو گا۔(حدیث بحوالہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ترمذی/مسند احمد)۔بڑا واضح فرمان ہے کہ نیک اعمال کا حکم ہے اور اس کو نیک عمل کر کے ثابت کرنا ہے،پھر جنت کے گروہ میں شمولیت ہو سکے گی۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ

الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸

اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن جسے وہ چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹

کیا انہوں نے اس (اللہ) کے سوا (دوسرے) مددگار بنا لئے ہیں؟ درحقیقت اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

انسانوں کے اختلاف کا ذکر ہے کہ سارے انسانوں کو ایک ہی مزاج و استعداد کا مالک نہیں بنایا۔ ان میں اختلاف و تنوع پیدا کیا اور اگر اللہ چاہتے تو سارے انسان ایک ہی مزاج پر پیدا ہوتے اور صرف ایک ہی گروہ ہوتا۔ لہٰذا یہ اختلاف مزاج و عمل اللہ کے نظام (مشیت) کا حصہ ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کریں گے وہ ظلم کرنے والے ہیں اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا دنیا کے مددگار اور طاقت یہیں ختم ہو جائے گی۔

انسانوں کی گمراہی کا ذکر ہے کہ اختیار ملنے کے بعد انہوں نے ظلم اور نافرمانی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کو بھول کر اپنی خواہشات کے بندے بن گئے۔ مخلوق اور ناپائیدار اشیاء پر بھروسہ کر لیا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا مددگار اور کارساز ہے۔ وہی قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گا اور حساب لے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کو مددگار اور کارساز بنانا ضروری ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۣ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۱۰

اور جس چیز میں تمہارا کچھ اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کرو، یہی میرا رب (اللہ) ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱

وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنا دیئے اور چوپاؤں کے بھی (ان کے جنس سے) جوڑے بنائے، وہ تمہیں اس (زمین) پر پھیلاتا ہے۔ اس کی مثل (جیسی) کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اسی کے پاس زمین وآسمان کی چابیاں (مالک ہے) ہیں، وہ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہر شئ کو خوب جاننے والا ہے۔

انسان کی نفسیات، کیفیات اور احوال کے بارے احکام ہیں۔ انسانوں کے مزاج و عمل کے اختلاف کی وجہ سے ان میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کے بارے حکم ہے کہ اس میں فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کو فرمائیں گے۔ یہ اختلاف مذہبی اور سماجی، نوعیت کے ہوتے ہیں۔ سماجی نوعیت کے اختلاف وہاں کے سماجی نظام کے مطابق حل ہوتے ہیں، لیکن مذہبی اختلاف کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات اور عقائد سے ہے۔ اس لئے ان اختلاف میں تشدد کو منع کیا گیا ہے اور اس کا فیصلہ، قیامت کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، مثلاً یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے اختلاف، اسی طرح کسی مذہب کے اندر فرقوں کے اختلاف، جو تشریحات و توضیحات کی وجہ سے ہوتے ہیں, ان کے بارے حتمی فیصلہ قیامت کو ہوگا، لہٰذا معاشرہ میں تبلیغ کرنی چاہیے، لیکن تشدد کو پھیلانے سے منع کیا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے تمام امور میں ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ اسلام (قرآن وحدیث) ہے۔ اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کے بارے بڑے علمی، واضح، سادہ دلائل دیئے ہیں۔ (۱): زمین و آسمانوں (کائنات) کو پیدا کرنے والا ہے۔ (۲): انسانوں، کے لئے ان کی نسل، ان جیسی شکل وہیت سے جوڑا بنایا، تاکہ ان کی تسکین اور افزائش نسل ہو۔ (۳): حیوانات (چوپائے) گائے، بیل، بکری، بھیڑ، گھوڑا، اونٹ، گدھا سب کے ان کی ہی نسل سے جوڑے بنائے، جن سے ان کی زمین پر افزائش ہوتی ہے اور انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (۴): تمام کائنات (زمین وآسمان) کا مکمل کنٹرول، اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس کی صفات، ذات میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ (انسان چونکہ اس کی خاص مخلوق ہے، اس لئے چند صفات کا پرتو یا جھلک انسان کے کردار میں ہے، لیکن اس کا اللہ تعالیٰ کی قوت سے کوئی نسبت نہیں)۔ اللہ کی ذات خوب جاننے والی سننے والی اور دیکھنے والی ہے۔ لہٰذا اس کی ہی عبادت وفرمانبرداری ضروری ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اس (اللہ) نے تمہارے لئے اسی دین کو مقرر کیا ہے، جس دین کو اس نے نوح کو وصیت کی تھی

اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا، جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں وہ ان (مشرکین) پر بہت شاق اور بھاری ہے۔ اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

اور وہ لوگ (علم والے) اپنے پاس علم آجانے کے بعد، صرف باہمی بغاوت و سرکشی کے باعث تفرقہ کا شکار ہوئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات (مہلت) مقررہ وقت تک پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی، تو ان (فرقہ بازوں) کے درمیان ضرور فیصلہ (عذاب کا) کر دیا جاتا اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بعد اس کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں۔

قریش مکہ، نبی ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے تھے۔ ادھر سب کو بتایا جا رہا ہے کہ اسلام ایک ہی دین ہے، جو تمام انبیاء کے ساتھ رہا ہے یہ کوئی نیا دین نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت (بعد از طوفانِ نوح)۔ توحید و رسالت، حساب و کتاب، جنت و دوزخ اور عمومی اخلاق پر مبنی تھی۔ پھر یہی شریعت (حلال و حرام، عبادت کا طریقہ) معمولی تبدیلی کے ساتھ جو حالات اور ضروریات کے مطابق تھی، حضرت ابراھیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ اس کے بعد نبی ﷺ کو دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء اور ان کے بعد علماء کو یہی حکم تھا، کہ وہ اللہ کے احکام کو مضبوطی سے پکڑیں اور آپس میں اختلاف سے بچیں۔ قریش مکہ، حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جانتے اور ان کے دین کے بارے علم رکھنے کے باوجود اسلام اور قرآن مجید سے انکار کر رہے تھے۔ یہ ان کی بدنصیبی تھی۔ چونکہ وہ حق کی رغبت اور رجوع نہیں کر رہے تھے اس لئے گمراہی ان کے نصیب ہو رہی تھی۔ اسی طرح جو شخص حق کی طرف رغبت نہیں کرے گا، حق سے دور ہو جائے گا۔

ایک حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: ہم انبیاء علاتی بھائی کی مثال ہیں، جن کی والدہ مختلف اور والد ایک ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی اس سے مراد، اللہ تعالیٰ کی توحید، اللہ تعالیٰ کے بارے اعتقادات، قیامت، حساب و کتاب، جنت و دوزخ سب ایک جیسے ہیں۔ اب اختلافی امور حالات کے مطابق لوگوں کے لئے طریقہ عبادت، معاشرتی قوانین یا سماجی معاملات ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر نبی کا طریقہ عبادت اور حقوق معاشرت کی شریعت (نظام) مختلف رہی اور آخری شریعت، دین اسلام ہے، جو نبی ﷺ کو قرآن اور آپ ﷺ کے اعمال و فرمودات کی صورت میں رہنمائی کے لئے محفوظ ہے۔

تفرقہ بازی یا تشدد کا سبب:۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفرقہ بازی سے بچنے کا حکم کے باوجود، اختلافات ہوئے۔ اختلاف دراصل اہل علم ہی، تشریحات و ترجیحات میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کا ذکر فرمایا، کہ اختلاف میں تشدد، صرف ذاتی انا اور تکبر کی بنا پر ہوتا ہے۔ جب افراد، اپنی برتری کے اظہار کے لئے، اپنی آراء کو بدلنے کے بجائے، اس پر اڑ جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے علم پر بھروسہ کرنے والے لوگ، ان کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔ اقتدار اور برتری کی ہوس میں، دوسروں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس موقع پر شیطان انسان کو ورغلاتا ہے اور اس کے دماغ میں اس کی رائے کی اصابت اور اسکے علم و شخصیت کی اہمیت بڑھا چڑھا کر اسے ضد پر لگا دیتا ہے۔ اس طرح گروہ پیدا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اس آیت کا مقصد لوگوں بالخصوص، اہل علم کو آگاہ کرنا ہے کہ علم کی وجہ سے ان میں نرمی، مفاہمت اور رواداری کے بجائے، ضد، تکبر اور انا پرستی، کتنی قابل افسوس ہے، جس کا نتیجہ فساد نکلتا ہے اور پھر اسی دین یا شریعت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور وہ علماء یا لیڈر، اس کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔

وایے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا۔۔۔۔ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔

سزا میں مہلت:۔

اللہ تعالیٰ، نے ان اعمال کے نتیجے میں، معاشروں کو جو مہلت دی ہے، اس کا ذکر فرمایا۔ نافرمانی کے اعمال، بالخصوص تشدد اور ضد کی بناء پر اختلاف کرنے والوں، کو فوری سزا نہیں ملتی اور وہ اپنے عمل پر اڑے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کائنات میں انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ عمل کرے، پھر اسے زندگی میں عمل کرنے کی مہلت دی ہے تاکہ آخرت میں اس کا حساب و کتاب ہو اور اس کے اعمال کی بناء پر اس کو جزا و سزا ملے۔ اس رخصت کی وجہ سے معاشروں کو مہلت ملتی ہے اور عذاب میں تاخیر نظر آتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ادیان میں

اختلاف رہے ہیں اور رہیں گے۔یہی اختلافات اسلام میں بھی پیدا ہو گئے اور لوگ ان میں الجھے ہوئے ہیں۔آیت مبارکہ ہر دور کے انسانوں کو رہنمائی دے رہی ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

لہٰذا آپ اسی دین کی طرف (سب کو) بلائیں اور ثابت قدم رہیں، جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور کہہ دیجئے: اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ (روز قیامت) ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝۱۶

اور جو لوگ اللہ کے بارے میں اس کو تسلیم (مان لینے) کے بعد جھگڑا کرتے ہیں، ان کی دلیل ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت سخت عذاب ہے۔

اختلاف کے اسباب اور ان کے علاج کے بعد، مزید ہدایات فرمائی ہیں۔خطاب نبی ﷺ کو ہے، لیکن مراد تمام اہل ایمان ہیں، کہ حق کے ساتھ (اسلام کے فرائض و واجبات) پر مضبوطی سے قائم رہیں اور لوگوں کو بھی حق کی طرف حکمت اور اچھے انداز میں دعوت دیتے رہیں اور اعلان کر دیں کہ قرآن مجید (کلام الٰہی) کے احکامات پر عمل ہو گا ۔اس آیت میں چند احکامات بڑے واضح ہیں اور آیت بہت اہم ہے۔

(۱) دعوت دین و بھلائی قرآن مجید و حدیث پر مبنی ہو یعنی فرائض اور واجبات پر ہو۔ ترجیحات اور اختلافات سے بچا جائے۔

(۲) دعوت دینے والے احکام الٰہی (قرآن و سنت) پر عملی نمونہ پیش کرنے والے ہوں۔

(۳) مخالف اور اختلاف والوں کی خواہشات یا الزامات کی پرواہ نہ کی جائے۔کچھ لو اور کچھ دو نہ ہو۔

(۴)مشترک امور کو اہمیت دی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب، خالق و مالک ہے اور وہی تمہارا بھی خالق، رب و مالک ہے جس کی مثال اہل کتاب کے عقائد ہیں۔

(۵)ہر طبقہ یا افراد، اپنے اپنے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ سے جزا پائیں گے لہٰذا الزامات و تشدد سے بچا جائے۔

(۶)عدل وانصاف کو زندگی کے تمام امور میں نافذ کیا جائے کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ فیصلہ کرنے میں رعایت اور فرق نہ کیا جائے۔

(۷)اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں، انبیاء، قیامت پر اگر اشتراک ہے تو اللہ تعالیٰ یوم قیامت فیصلہ کریں گے لہذا جھگڑا بڑھایا نہ جائے ختم کیا جائے۔

قیامت کو اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر کے فیصلہ کریں گے اور وہی حاکم ہوں گے۔ جس کی مثال اہل کتاب کے ساتھ معاملے ہیں یا ایک مذہب کے اندر اختلافات ہیں۔

آیات مبارکہ مکی ہے۔ اسلام امن کا دین ہے۔ اگلی آیات میں ہدایت کی گئی ہے کہ اگر وہ جھگڑا کریں تو ان کے دلائل غلط ہیں اور ان پر خدا کا غضب ہو گا۔ اللہ کا غضب جنگ اور دوسری آفات کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو دفاع کا حق ہے۔ جہاں اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو تو ہجرت کر جائیں، جس طرح نبی ﷺ نے مکہ سے کی اور اگر مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے تو دفاع کریں، جس طرح غزوات بدر، احد اور خندق میں آپ ﷺ نے کیا۔ غزوہ تبوک میں آپ ﷺ بچاؤ کے لئے حدود تک گئے، لیکن حملہ نہیں کیا، بلکہ قوت دفاع کا اظہار کر کے واپس آ گئے۔ اگر یہ اصول اپنائے جائیں تو دنیا میں جنگوں کے واقع ہونے میں نمایاں کمی آ جائے گی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ ؕ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾

اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کی اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾

جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لئے جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرنے والے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ آگاہ رہو! بلاشبہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ خوب طاقتور نہایت غالب ہے۔

اسلام اور قرآن مجید کے بارے ذکر ہے۔ یہ کلام (قرآن) اللہ کا ہے اور حق ہے، یعنی اس کے اندر سچے واقعات اور انسانیت کے لئے حق بیان کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ،عدل کا حکم ہے جو کہ میزان کے لفظ سے ظاہر فرمایا۔ میزان اس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اور وزن کا مقصد، برابری کرنا ہے۔ میزان، کے لفظ سے دنیا میں انصاف وعدل کا حکم ہے تاکہ معاشرہ میں ظلم ختم ہو۔ قیامت میں بھی میزان نصب کرکے، لوگوں کے اعمال کو ناپا تولا، جانچا جائے گا۔ جس میں مادی اور غیر مادی، اشیاء کے علاوہ، انسانی اعمال کا بھی محاسبہ ہوگا۔ قیامت کی تاکید میں فرمایا ،کہ قریب ہے، اس کی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ انسان کو، اعمال کی فرصت اس کی عملی زندگی تک ہے۔ بڑھاپا اور بچپن تو کمزوری کا حصہ ہے۔ ایک دفعہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے، قیامت کے آنے کے وقت کے بارے سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ جس پر وہ خاموش ہوگیا۔ اہم نکتہ، قیامت کے روز اپنے حساب وکتاب کا اہتمام کرنا ہے۔ انسانی کردار میں قیامت اور حساب وکتاب کا عقیدہ بڑا اہم ہے۔ اس لئے بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس پر یقین نہیں کرتے اور صرف دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، وہ اس کا انکار کرتے ہیں یا پھر جلدی آنے کا مطالبہ بطور مذاق کرتے ہیں، لیکن ایسے افراد بڑی سخت گمراہی میں ہیں، کیونکہ اس نظام شمسی نے ایک دن ختم ہو جانا ہے اور وہی دن اہل زمین کے لئے قیامت ہے۔ اگر انسان پیدا ہو سکتا ہے تو دوبارہ اس کے اجزاء مل کر وہ، زندہ بھی ہو سکتا ہے۔

جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ حساب وکتاب کے خوف کی وجہ سے اپنے اعمال درست رکھتے ہیں تاکہ ان کو اس دن پریشانی نہ ہو۔ ان دونوں کے کردار میں بڑا فرق ہوتا ہے جس کی بنیاد ان کا قیامت پر ایمان ہونا یا نہ ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ، اپنے بندوں پر بڑا لطیف ہے، مہربان ہے، نافرمانی کے باوجود رزق، زندگی اور دنیا میں رہنے کی سہولیات، سب کو عطا فرما رہا ہے۔ اس کی باریک بینی یہ ہے، کہ انسان کی حمل سے لے کر موت تک کی ساری ضروریات کو، اس کی طلب وضرورت کے مطابق مہیا کیا گیا ہے اور اکثر انسان کو علم بھی نہیں ہوتا لیکن اس کی ضرورت کا حل موجود ہوتا ہے۔ رزق کی مقدار میں کمی وزیادتی کا اختیار، اللہ کے پاس ہے۔ قوت اور غلبہ والا ہے، ساری کائنات اس کے تابع فرمان ہے۔ توبہ پر بخش دیتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ اس کا لطف وکرم دوسری مخلوقات سے زیادہ ہے۔ اس لئے **بعبادہٖ** فرمایا ہے۔ اس کی دلیل، انسان کو دوسری مخلوقات (حیوانات، نباتات وجمادات، جنات)، پر برتری حاصل ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے خالق سے محبت واطاعت کا اظہار کرے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

قیامت اور اللہ کے فضل، کے ذکر کے بعد انسان کے کردار کو بیان کیا گیا ہے، چونکہ انسان کو دنیا کی زندگی میں اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے اچھے اور برے اعمال کو اختیار کرے۔ حق یا باطل، عدل یا ظلم، جس کو چاہے اختیار کرے ۔زندگی میں اس کو اس کے اعمال کی آزادی ہے، اس لئے جو افراد، (۱): اپنے اعمال کو آخرت یعنی قیامت کے بعد دائمی زندگی کی کامیابی کے لئے کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال میں برکت ڈالتے ہیں۔ اضافہ کرتے ہیں، اس کے دو مطلب ہیں، ایک، دنیا کی زندگی میں بھی سکون نصیب ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی، دوسرا، اس کے علاوہ، عمومی اجر سے زیادہ عطا کیا جائے گا۔

(۲): جو افراد اس دنیا کی زندگی میں اعمال اپنی خواہشات کے مطابق کرتے ہیں، آخرت کی زندگی اور قیامت پر ایمان نہیں ہوتا، ان کو ان کی کوششوں کا صلہ اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے، جو کہ اللہ کے عدل و کرم کے مطابق ہے۔ لیکن آخرت کی دائمی زندگی میں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ اب انسان کو فیصلہ اس دنیا میں کرنا چاہیے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے اور اسی کے مطابق اس کو اجر ملے گا۔ ایک طرف مختصر زندگی ہے، جو چالیس پچاس سال بلوغت و صحت کے ساتھ ہیں، پھر بڑھاپا اور موت۔ اس کے مقابل ایک لاکھوں سال (ابدی) زندگی ہے جس میں گناہ پر عذاب ہو گا اور نیک اعمال پر آرام و عیش ہو گی۔ اہل عقل ہمیشہ دائمی زندگی، آرام و عیش کو ترجیح دیں گے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

کیا ان کے لئے (اللہ کے سوا) شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے اور اگر (وعدے کے دن) فیصلہ کی بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان یقیناً (فوراً ہی) فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ ظالم لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

آپ ظالموں کو دیکھیں گے، وہ ان (اعمال کی سزا) سے ڈر رہے ہوں گے جو انہوں نے کئے جب

کہ وہ (سزا) ان کو مل کر رہے گی اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، وہ جنت کے باغات میں ہوں گے۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ (سب کچھ) ہو گا جو وہ چاہیں گے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

دنیا کو پسند یا ترجیح دینے والوں کے کردار کا تجزیہ کیا گیا ہے، وہ مالک حقیقی کے بجائے دوسروں کو اپنا مالک یا معبود بنا لیتے ہیں۔ ان کی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ شیطان کے خیالات سے غلط طریقے اپناتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ دین مقرر کرنے کی وضاحت یا مثال گمراہ فرقے ہیں، جو مستحبات کو فرائض و واجبات اور مسموحات (اجازت شدہ) کو حرام تصور کرتے ہیں۔ ان کے، ان گناہوں اور ظلم کرنے کے باوجود چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام، میں تمام انسانوں کو، خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں، زندگی میں اپنی مرضی کے اعمال کرنے کی مہلت دی ہے۔ اس لئے ان پر فوری عذاب نہیں آتا۔ بلکہ قیامت کے دن حساب و کتاب اور دائمی عذاب و ثواب ہو گا۔ جس دن حساب و کتاب ہو گا، وہ ظالموں (گناہ کرنے والوں) کے لئے بڑا سخت ہو گا۔ چہرے خوف و پریشانی سے زرد اور سیاہ ہو جائیں گے۔ خوف و دہشت کا عالم ہو گا۔ ان کی خواہش ہو گی کہ سزا سے رعایت مل جائے، لیکن ملے گی نہیں کیونکہ عمل کرنے کا وقت دنیا کی زندگی تھی، جو ان سے ضائع ہو گئی۔

اس کے مقابل اہل ایمان کا ذکر ہے تاکہ دونوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ وہ جنت میں جائیں گے۔ جہاں عالیشان باغات اور ہر خواہش پوری ہو گی۔ یہ، اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام ہے، جو انہوں نے احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کی۔ دنیا میں بھی مطمئن اور آخرت میں کامیاب و کامران رہے!۔

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَ مَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

یہی (فضل) ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے خوشخبری دیتا ہے۔ آپ (اے نبی) کہہ دیجئے: میں تم سے اس (تبلیغ) پر کسی بدلہ (صلہ) کا سوال نہیں کرتا، مگر قرابت داری کی محبت (چاہتا ہوں) اور جو شخص نیکی کماتا ہے تو ہم اس کے لئے، اس میں بھلائی بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت قدر دان ہے۔

آیت مبارکہ میں نبی ﷺ کا دوسرے انبیاء کی طرح دعوت و تبلیغ سے کوئی مالی یا سماجی منافع حاصل نہ کرنے کا دعویٰ ہے۔ سارا عمل تبلیغ و ارشاد، انسانی بھلائی اور اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن قریش مکہ جن سے نبی ﷺ

کی ہر طرف سے رشتہ داری تھی، وہ سراسر مخالفت، دشمنی، حتیٰ کہ جان لینے پر تلے ہوئے تھے۔ان کو یہ بتانا مقصود ہے ،کہ سارا عمل انسانی فلاح، کے لیے ہے۔اوراس کے علاوہ جہاں وہ، دشمنی کررہے ہیں،ان سے تعلق اور رشتہ داری ہے ۔جس میں قبائلی رسوم ورواج کے مطابق مدد وتعاون واجب ہوتا ہے،جب کہ وہ نہیں کررہے۔مکہ شریف میں قریش کے لوگ ،کسی نہ کسی طرف سے نبی ﷺ سے رشتہ داری تھے، جس کا ذکر کیا گیا ہے۔اس تفسیر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ترجیح دی ہے۔

دوسری ایک اور ، تفسیر سے مراد، صرف نبی ﷺ کے رشتہ دار ہیں،یعنی اولاد اور آل عبد المطلب۔ایک اور تفسیر اس سے مراد صرف اہل بیت ہیں، جس کے لئے غدیر خم ،کی حدیث بیان کی جاتی ہے، جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت اور محبت کا ذکر ہے۔(سنن ابن ماجہ / کنزالعمال)۔اسی طرح نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے بھی ارشاد فرمایا ہے۔اہل بیت کے احترام و مقام کے بارے، جہاں مستند احادیث ہیں، وہاں موضوع احادیث بھی ہیں۔اہل بیت کی تعظیم و تکریم بہت ضروری ہے۔اسی طرح صحابہ کرام کی تکریم ضروری ہے۔قربیٰ کی ایک اور تفسیر جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے اللہ کی محبت مراد لی ہے۔روایت یوں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے جو تمہارے فایدے اور ہدایت کے لئے تبلیغ کی ہے، میں اس پر تم سے اس کے سوااور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم اللہ کی محبت رکھو،اس کی اطاعت کرو۔اس کا قرب حاصل کرو۔(مسند احمد /المستدرک)۔

انسانوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے کہ اگر کوئی بھلائی اور نیکی کے کام کرتا ہے، تو اس کے کاموں کو اللہ بڑھا دیتے ہیں۔اضافہ دو طرح کا ہے۔ایک طرف ،اس دنیا یا معاشرہ میں اس کی برکت پھیلتی ہے اور اعمال مزید بڑھتے ہیں اور دوسری طرف قیامت کو اس شخص کو مزید انعام ملے گا۔یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق (انسان) کے ساتھ کرم نوازی کا اظہار ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے۔پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگادے اور اللہ باطل کو مٹادیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے۔بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہی (اللہ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے۔

وَ يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لئے بہت سخت عذاب ہے۔

قریش، قرآن مجید کو، من گھڑت کلام کہتے تھے۔اس الزام کو رد کیا ہے، کہ انسان کا، اپنے کلام کو اللہ کا کلام کہنا، گویا اللہ پر بہتان ہے اور اس طرح کے عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور وہ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو ثابت و قائم رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر انسان کے دل کے حال (خیالات) کو خوب جانتا ہے، اس لئے یہ الزام سراپا غلط ہے۔اہل مکہ، قریش کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنی ضروری ہے اور جو لوگ توبہ نہیں کرتے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے۔دوسرے انسان جو اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول کرتا ہے، معاف کرتا ہے۔اہل ایمان کی دعاؤں کو قبول کرتا اور ان کے اعمال کے بدلہ یعنی جزا میں اپنے فضل و کرم سے اضافہ فرماتا ہے جس کا اثر وہ اس زندگی میں دیکھتے ہیں اور اُخروی زندگی میں (قیامت کے بعد) دیکھیں گے۔

وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

اور اگر اللہ اپنے (تمام) بندوں کے لئے رزق فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں ضرور سرکشی کرتے لیکن وہ اس اندازے سے (رزق) نازل کرتا ہے، جتنا چاہتا ہے۔بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے۔خوب دیکھنے والا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش نازل کرتا ہے اور وہ اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز تعریف کیا ہوا ہے۔

رزق کی تقسیم:۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر جس قدر جاندار پیدا فرمائے ہیں،ان کے رزق کا بندوبست کیا ہے۔ایک داخلی نظام ہضم وغذا ہے اور دوسرا خارجی، جہاں سے وہ رزق حاصل کرتے ہیں ،مثلاً بارش، زمین سے اگنے والے درخت، پھل پھر جاندار ایک دوسرے کا رزق ہیں، پرندے ، جنگلی جانور، مختلف جانداروں کا گوشت کھاتے ہیں۔انسان حیوانات کا گوشت کھاتا ہے۔انسانوں کے رزق کا بھی زمین پر بندوبست ہے۔ بارش، موسم، زرخیزی، مختلف نباتات، پھل اور پھر انسان اپنی عقل و فہم سے مختلف اجناس اگاتا ہے۔انسان کے ساتھ گھریلو جانور، بھیڑ، بکری، اونٹ، گدھا، مرغی، کتے بھی ہیں، جن سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔انسانی جسم مختلف کاموں کے لئے ہاتھ، پاؤں، حواس خمسہ، جوڑ، جسم کا ڈھانچہ اور اعضاء کی قوت،انتہائی مناسب اور موزوں ہے۔ مختلف افراد کی جسمانی اور ذہنی استعداد مختلف ہوتی ہے۔اس طرح ان کے اندر کام کی صلاحیت بھی مختلف ہوتی ہے۔انسان کی خواہشات وضروریات میں بھی اختلاف ہوتا ہے،اس اختلاف ضروریات واستعداد عمل کی وجہ سے لوگ مختلف کام بآسانی کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کے محتاج ہو جاتے ہیں۔اس طرح رابطہ و تعلق قائم رہتا ہے۔سماجی ومعاشی نظام قائم رہتا ہے۔

رزق موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے حصول کے نتائج مختلف ہوتے ہیں، کچھ لوگ زیادہ رزق رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کم رکھتے ہیں۔اس کا تعلق جسمانی مشقت سے سو فیصد جڑا ہوا نہیں ہوتا۔اس تقسیم کا، حقیقی کنٹرول،اللہ تعالیٰ کی ذات کرتے ہیں۔ موجود اسباب بہت اہم ہوتے ہیں اور ان کا رول بہت کلیدی (بنیادی) ہوتا ہے۔ان کے اثرات ونتائج ، بھی اللہ کے نظام کے تحت ہوتے ہیں، لیکن یہ سب اللہ کے متعین کردہ فیصلہ کے مطابق ہوتا ہے۔رزق کے حصول میں اللہ کی مدد شامل رہتی ہے،وہ ولی (مددگار) ہے۔اس اختلاف رزق کی مصلحت کو آیت بیان کر رہی ہے کہ بعض افراد ایسے مزاج رکھتے ہیں کہ اگر رزق زیادہ ہو، تو وہ گمراہ ظالم اور فساد کرنے والے بن جاتے ہیں۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ دولت والے زیادہ گناہ اور زیادہ تکبر کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا رزق کم ہو تو وہ فساد کرنے والے بن جاتے ہیں، جس طرح کہ بہت سارے جرائم کا سبب، غربت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے نظام کے مطابق ان کو رزق (کم یا زیادہ) عطا کرتا ہے،تاکہ انسانیت یا معاشرہ کو فساد سے بچایا جائے۔رزق کے لئے کوشش ضروری ہے، لیکن اس کی وجہ سے فساد نہیں کرنا چاہیے۔رزق کے اختلاف کی وجہ سے حسد، بغض، دشمنی یا دھوکہ بھی انتہائی برا عمل ہے۔رزق کی تقسیم کی مصلحت کے بعد، ذرائع رزق میں سب سے بڑے ذریعہ رزق، کا ذکر یعنی بارش ہے۔انسانیت کی ابتداء سے سب سے بڑا رزق کا ذریعہ بارش رہی ہے، جس کی وجہ سے زراعت نشوونما پاتی ہے۔ جس سے انسان غذا اور صنعتیں خام مال حاصل کرتی ہیں۔ بارش کے اسباب (ہوا، بادل، موسم، ٹمپریچر) پیدا کرنے والی قوت، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے،اس

لئے وہی تعریف کے لائق ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے ان دونوں (آسمان وزمین) میں پھیلا دیئے۔ وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

رزق کے اسباب، ان کو پیدا اور تقسیم کرنے کے امور کے بعد، اللہ تعالیٰ کی قوت کا اظہار ہے کہ اس کی طاقت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آسمانوں، ستاروں، سیاروں، شہاب ثاقب کو پیدا کرنے والا ہے۔ پھر زمین کو پیدا کیا اور زمین پر مختلف اقسام کے جاندار پیدا کئے۔ جن کے اجسام، طرز حیات، مدت حیات، ضروریات سب مختلف ہیں۔ زمین کی مخلوق کے علاوہ، آسمانوں یا فضاء کی بھی مخلوق ہے جس میں جنات، شیطان، فرشتے اور مختلف سیارے وستارے ہیں۔ ان کی تعداد وانواع کا ہمیں اندازہ نہیں۔ لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ وہ انہیں زندگی اور رزق دیتا ہے۔ زندگی ختم کرتا ہے اور پھر، یوم قیامت، ان کو اور زمین پر رہنے والی مخلوق (جانداروں) کو اکٹھا کرے گا۔ قیامت پر حساب وکتاب کا عقیدہ وایمان بہت اہم ہے۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾

اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوتوں (برے اعمال) کی وجہ سے (ملتی) ہے اور بہت سی باتوں سے تو وہ (اللہ) درگزر فرماتا ہے۔

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾

اور تم (اسے) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حامی ہے نہ کوئی مددگار۔

اللہ تعالیٰ کی قوت اور رزق کی نعمت کے بعد انسان کے اعمال کا ذکر ہے کہ انسان ناشکرا اور نافرمان ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے کئی دفعہ معاف کر دیتے ہیں، لیکن جب حد سے گذر جائے، تو انسان کو اس کے برے اعمال یعنی اللہ کے احکام کے خلاف عمل پر سزا ملتی ہے اور یہ سزا مختلف قسم کی مصیبتیں اور عذاب مثلاً قحط سالی، معاشی، تنگی (مہنگائی)، معاشرہ میں بدامنی، ظالم اور کرپٹ حکمران، سیلاب وزلزلے وغیرہ ہیں۔ لیکن انسان ان مسائل اور عذاب بھگتنے کے باوجود بھی نہیں سمجھتا، شاید یہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے گا، جب کہ اس کو دنیا اور قیامت میں کوئی بھی عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے خدا کو بھولا ہوا ہے۔ اجتماعی عذاب اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی ہیں۔ انفرادی تکالیف، معاشی و سماجی عذاب، امتحان کی صورت میں ہو سکتے ہیں، جس کا مومنین کے لئے ایک درجہ ہے اور غیر مومن کے لئے سزا ہے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بندے کے گناہ زیادہ ہوں اور اس کے ایسے اعمال نہ ہوں، جن سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے، تو اللہ تعالیٰ اس کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ غم اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ (مسند احمد / مسند البزار)۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے سمند میں چلنے والے پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں۔

اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں۔ بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لئے نشانیاں ہیں۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ یَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾

یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سے خطاؤں سے وہ درگذر فرمالیتا ہے۔

وَّ یَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لئے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور انسان کی بھلائی و سہولت کے مختلف سہولیات، جو زمین پر موجود ہیں ان کا ذکر ہے۔ ان میں سمندر ہے، جہاں پہاڑوں کی طرح بلند جہاز، پانی میں چل رہے ہوتے ہیں، تجارت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ پرانے زمانے میں بادبانوں کے ذریعے ہوا ان کو دھکیل کر چلاتی تھی۔ اب جس کو انجن لگا کر دھکیلا جاتا ہے، اگر پانی میں اچھال کی قوت نہ ہو، تو کشتیاں یا جہاز ڈوب جائیں۔ اس طرح ہوا کے ذریعے بادبانی کشتیاں بغیر کسی ایندھن یا انجن کے چلتی تھیں اور ہوا کا رخ، اب بھی جہازوں اور کشتیوں کے لئے مفید یا خطرناک ہوتا ہے۔ سمندر کا طوفان بھی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ پانی کی قوت اچھال، ہوا کا دباؤ اور رفتار، موسم کے حالات، یہ سارے امور جو سمندر میں چلنے والے جہازوں یا کشتیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اللہ کے نظام کائنات کا حصہ ہیں۔ جس کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اسے آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ جسے ہم آج کل تحقیق کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ انسان کے نیک اعمال اللہ تعالیٰ کے انسان پر انعام و اکرام اور زمین پر مہیا کی گئی سہولیات کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، بلکہ اکثریت کو دیکھا جائے تو ناشکرے

اور ناقدر دان ہیں۔اللہ پر ایمان اور قیامت کا یقین کمزور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال سے درگذر فرماتا ہے اور سزا دینے کے بجائے مہلت یا فرصت دیتا ہے۔ لیکن جو افراد ناشکرے، انکار کرنے والے ہیں، ان کو ان کے اعمال کی سزا ضرور ملے گی اور اس کا آخری مقام روز قیامت ہے۔ جہاں انسان حساب و کتاب سے نہیں بچ سکے گا۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

پس جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لئے زیادہ اچھا ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

احکام الٰہی کا انکار کرنے والوں کے برے انجام کے بعد، زندگی اور اس کی آسائشوں یا لذتوں کی حقیقت بتائی ، کہ بڑی محدود زندگی ہے اور اس کے بعد دوسری زندگی ہمیشہ کی ہے۔ اس لئے دوسری زندگی کا اہتمام کرنا ہی کامیابی ہے اور جو لوگ یہ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے کردار و اعمال کا ذکر آیات میں ہے۔

گناہِ کبائر:

(۱) گناہ کبیرہ سے بچتے ہیں۔ گناہ کبیرہ وہ برا فعل ہے جس سے شرعاً منع کیا گیا ہو اور اس کا کرنا بہت برا ہو اور اس پر وعید ہو مثلاً قتل، زنا، واجب کا ترک بھی کبیرہ گناہ ہے اور توبہ ضروری ہے۔ چند گناہ کبائر کا ذکر ہے (۱): شرک کرنا، (اللہ کا شریک بنانا)۔ (۲): اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ (۳): والدین کی نافرمانی۔ (۴): قتل ناحق۔ (۵): یتیم کا مال کھانا۔ (۶): پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔ (۷): میدان جہاد سے بھاگنا۔ (۸): سود کھانا۔ (۹): زنا کرنا۔ (۱۰): جادو کرنا۔ (۱۱): جھوٹی قسم کھانا۔ (۱۲): خیانت کرنا۔ (۱۳): گواہی کو چھپانا۔ (۱۴): زکوٰۃ نہ دینا۔ (۱۵): خمر، نشہ آور شراب

(انگور) کو پینا۔ (۱۶):فرض نماز جان بوجھ کر ترک کرنا۔ (۱۷):عہد شکنی کرنا(وعدہ توڑنا)۔
(۱۸):رحم(رشتہ کے تعلقات) کو ختم کرنا/توڑنا۔اس کے علاوہ بھی کافی ہیں۔

(۲) فواحش سے بچتے ہیں۔جو بات معیوب اور بری (قبیح) ہو اس کو فحش کہتے ہیں،ہر خصلت جو عیب دار اور قبیح ہو،اسے فحش کہتے ہیں۔فاحشہ،زنا کو بھی کہتے ہیں۔

غصہ میں معاف کرنا:

(۳) تیسری صفت حالت غصہ میں معاف کرنا ہے۔غصہ ایک انسانی فطری عمل ہے،لیکن غصہ پر کنٹرول بڑا مفید ہوتا ہے۔البتہ عدل یا حق کی حفاظت و تنفیذ کے لئے غصہ مفید ہے،لیکن ذاتی مفادات کے لئے معیوب و ممنوع ہے۔غصہ ٹھنڈے ہونے پر لوگ معاف کردیتے ہیں،جرأت اور ہمت کا کام یہ ہے کہ انسان عین حالت غصہ و غضب میں معاف کردے۔عمدہ و اعلیٰ اخلاق اور بلند ہمت والے افراد،اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر بھی نرمی کرتے ہیں اور جو شدت سے ان کے خلاف کارروائی کرے،اس سے درگذر (معاف) کرتے ہیں اور اپنے عمل کا ثواب،صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔یہ وصف بہت اہم ہے،اس لئے قرآن مجید میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔نبی ﷺ کا کردار اس کا عملی نمونہ تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا۔البتہ جب اللہ کی حرمتوں (حرام چیزوں) میں سے کسی حرمت کی ہتک کی جاتی تب آپ ﷺ سزا دیتے تھے (**ماانتقم رسول اللہ ﷺ لنفسہ فی شئي قط الا انتنھتک حرمۃ اللہ**۔بخاری و مسلم)۔

احکام کی پابندی:

(۴) ان کی ایک صفت اللہ کے احکام کی پابندی ہے۔اللہ کی پکار (احکام) کو سنتے ہیں۔آرام و تکلیف ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ذاتی خواہشات اور دوسرے افراد کے احکام کے مقابل اللہ اور اس کے رسول کے احکام (فرائض و واجبات اور حرام) پر عمل کرتے ہیں۔

عبادت:

(۵) اللہ کی عبادت نماز کی صورت میں کرتے ہیں،نماز کو قائم کرنے کا مقصد نہ صرف نماز کو اس کی بیان کردہ طریقہ پر ادا کرتے ہیں بلکہ اس کی ادائیگی کے لئے سہولیات بھی بہم پہنچاتے ہیں اور

مقاصد بندگی کو بھی سمجھتے ہیں۔

باہمی مشورہ:

(۶) ان کی ایک اہم صفت اجتماعی امور میں مشورہ کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا ہے، یعنی ان کے اجتماعی امور، مشورہ سے طے پاتے اور ان پر عمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں مشورہ کے بارے سخت تاکید کی گئی ہے۔ نبی ﷺ تمام امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے اور اکثریت کی رائے کو ترجیح دیتے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کے اصحاب (خلفائے راشدین) بھی باہم مشورہ سے امور طے کرتے۔ خلفاء کا تعین بھی مشورہ سے ہوا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا چناؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو قائل کیا اور پھر نامزد کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سب باہم مشورہ سے سربراہ مقرر ہوئے۔ مشاورت اسلامی طرز زندگی کا اہم ستون ہے۔ اجتماعی کاموں کو مشورہ کے بغیر چلانا، نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطہ کی خلاف ورزی ہے۔

مشاورت کیوں:۔

جب معاملہ دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان ہو، تو ایک آدمی کا اپنی ہی رائے سے فیصلہ کرنا اور دوسروں کو نظر انداز کرنا مشترکہ امور میں من مانی کرنا غلط ہے اور حق نہیں۔ انصاف یہ ہے کہ جتنے لوگوں کے مفاد کا تعلق ہے ان سب کی رائے لی جائے اور اگر تعداد افراد بہت زیادہ ہو تو وہ اپنے اعتماد و اعتبار والے لوگوں کو نمائندہ مقرر کریں اور ان نمائندوں کو شریک مشورہ کیا جائے۔

آدمی اپنی من مانی اس لئے کرتا ہے کہ وہ اپنی غرض کو مقدم کر کے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بلند اور برتر سمجھ کر اور دوسروں کو کم تر سمجھ کر اپنی بات منواتا ہے۔ یہ دونوں عمل، مومن یا مسلم کے لئے ممنوع ہیں، کیونکہ ایک مومن نہ متکبر اور نہ ہی خود غرض ہو کر، دوسرے کے حقوق غضب کرتا ہے۔ دوسروں کے معاملات اور مفاد کے لئے فیصلہ کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اسلام میں ایک مسلمان اور انسان کو نہ صرف اللہ کے سامنے بلکہ انسانوں کے سامنے بھی جواب دینا ہے۔ اسلئے وہ تنہا فیصلہ نہیں کرتا، کوشش کرتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو شریک مشورہ کرے تاکہ صحیح، بے لاگ اور عدل پر مبنی فیصلہ ہو۔ آخرت اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی، اپنی مرضی کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اٹھارویں صدی کے بعد مغربی دنیا کو یہ امور نظر آئے ہیں لیکن اسلام نے ان کو

آج سے چودہ سو سال پہلے ہی نافذ کر دیا تھا۔

اسلام میں مشورہ کا حکم ہر سطح پر ہے۔گھر کے معاملات ہوں، سارے بالغ افراد کو شامل کیا جائے۔ محلہ یا قبیلہ میں بھی مشورہ سے عمل کیا جائے۔اسی طرح قومی معاملات کے لئے قوم یا ملک کا سربراہ، لوگوں کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور معاملات کے انتظام کے لئے، صاحب اہلیت نمائندوں کو چنا جائے تاکہ وہ صحیح رائے دے کر معاملات خوش اسلوبی سے چلائیں۔ جب تک قوم یا اس کے نمائندے جو کہ کثیر تعداد میں ہوں، اپنے سربراہ کو سربراہی دیں۔ کوئی مومن (ایماندار) زبردستی، دھوکہ سے سربراہ نہیں بن سکتا ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں کو مشورہ کے لئے منتخب کرے، جو اس کے پسندیدہ ہوں۔ ایسی خواہش وہی آدمی کر سکتا ہے جو سمجھتا ہے کہ وہ خدا کو دھوکہ دے سکتا ہے اور اپنے نفس کا تابعدار ہے خدا کا نہیں۔ ساری مخلوق کو دھوکہ دینا بہت مشکل ہے اس لئے اسلام نے ایک طرف مشورہ (شوریٰ) کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف عملی نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کے تمام امور مشورہ کے نتیجہ کے مطابق نافذ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں عمل اس وقت صحیح طور پر ہوں گے جب (۱): اظہار رائے کی پوری آزادی ہو۔ (۲): ان کو معاملات کے بارے باخبر رکھا جائے تاکہ صحیح رائے دے سکیں۔ (۳): انہیں غلطی پر مطلع کرنے کا پورا حق حاصل ہو۔ (۴): غلطی کی صورت یا خلاف ورزی پر وہ سربراہ کو تبدیل کر سکیں اور سربراہ کو عوام کی مرضی سے مقرر کیا جائے۔ (۴): مشورہ دینے والے اہل اور لوگوں کے اعتماد پر پورے اترتے ہوں۔ (۵): مشورہ دینے والے سچے اپنے علم، تجربہ اور ضمیر کے مطابق مشورہ دیں۔ دباؤ یا خوف کے بغیر مشورہ دیں۔ (۶): اکثریت کے فیصلہ کو قبول کیا جائے۔ (۷): اور مشورہ کو عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ یہ بہت اہم ہے، ورنہ سارا عمل بے کار ثابت ہوگا۔ (۸): تمام امور کو اللہ اور اس کے رسول کے اساسی احکام فرائض، واجبات اور حرام امور کی روشنی میں طے کیا جائے۔ اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا لا تجمع امتی علی الضلالۃ۔ کہ میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ (مسند احمد)۔

یہ تمام اصول جدید دساتیر یا قوانین میں موجود ہیں اور یہی اسلام میں شورائیت اور علم سیاسیات میں جمہوریت کا نام ہے۔ اسلام انسانی اختیار کو فرائض (احکام) کے اندر محدود کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے حکمران کا لوگوں پر ذاتی ترجیحات کا دباؤ ختم اور شورائیت پر عمل لازم بن جاتا ہے۔ مومن (اسلامی کردار کا حامل) رئیس حکومت اپنے اعمال کا جواب دہ ہوتا ہے مختار کل نہیں ہوتا۔

خرچ کرنا:۔

(۹): جو ان کو ہم نے رزق دیا ہے یعنی اپنی آمدنی سے خرچ کرتے ہیں۔ رزق جو اللہ نے ان کو دیا ہے کا مقصد یہ ہے کہ (۱): رزق حاصل کرتے وقت اللہ کے احکام کے مطابق صحیح طریقہ سے رزق حاصل کرتے ہیں۔ ناجائز یعنی

غلط ذرائع سے رزق حاصل نہیں کرتے۔(۲): پھر اس رزق کو خرچ کرتے ہیں۔ کنجوسی نہیں کرتے۔(۳): اس خرچ کو وہ اپنی ذات واولاد کے علاوہ اللہ کی مخلوق پر بھی اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ یہ امور معاشی وسماجی ترقی کے لئے بہت اہم ہیں۔ خرچ کرنے سے معاشی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ دولت کی تقسیم ہوتی ہے اور طلب میں اضافہ ہوتا اور روزگار پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دوسروں (محتاج) لوگوں پر خرچ کرنے سے سماجی مساوات میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشرے میں امن وامان بہتر ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت میں خرچ کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ ترقیاتی کام ہوں۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں۔

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾

اور برائی کا بدلہ اسی کی طرح (مثل) برائی ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۱﴾

اور جس نے اپنے اوپر ظلم کئے جانے کا بدلہ لے لیا تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾

مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ عظیم کاموں میں ہے۔

اجتماعی اور انفرادی اخلاق کا ذکر ہے اور مومنین کے خواص بیان کئے گئے ہیں، جن کا عملی اظہار اسلامی معاشرہ میں نظر آتا ہے اور اگر کوئی معاشرہ اپنے آپ کو اسلامی معاشرہ کا دعویٰ کرتا ہے اور بیان کردہ اخلاق ان میں نظر نہیں آتے تو وہ معاشرہ اسلامی نہیں بلکہ غیر اسلامی ہے اور ان کا دعویٰ غلط ہے۔

آیت میں بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم ہوئے، تو ان کو ان پر ظلم کے بدلہ کی حد تک اجازت دی گئی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو، ان کے ظلم کے خلاف دفاع کرنا ہے تاکہ ان کو کمزور سمجھ کر ختم نہ کر دیا

جائے۔انفرادی معاملہ میں جو ہدایت کی گئی ہے کہ فرد ظلم کی حد تک بدلہ لینے کا حق رکھتا ہے، جس کی وجہ سے قصاص کے احکام ہیں۔انفرادی طور پر اسے بدلہ لینے کا حق ،ان امور میں حاصل نہیں، جن میں قصاص ہے ،وہ اسے حکومت (قاضی) کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے،البتہ دوسرے امور (قرض، تنخواہ وغیرہ) میں ہے۔لیکن ترجیح اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کرنے کو دی گئی ہے اور اس کا مرتبہ اس قدر بڑھادیا کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، جو اپنی شان کے مطابق دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتے اور بدلہ لینے میں ظلم بھی ہو سکتا ہے۔اس لئے بہتر ہے کہ معاف کر دیا جائے اور اس کا انعام اللہ تعالیٰ سے لیا جائے۔معاشرہ میں جس (زیادتی کرنے والے) کو معاف کر دیا، وہ نہ صرف شرمندہ ہو گا بلکہ تابعدار بھی بن جائے گا اور دوسرے افراد کے لئے اعلیٰ مثال بھی ہو گی۔

اجتماعی طور پر اگر کوئی گروپ بغاوت کرتا ہے، تو اکثریت جب ان پر غالب آجائے تو ان کو صرف وہی سزا دی جائے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے۔اس سے زیادہ ان کو ان کی کمزوری یا شکست کی وجہ سے سزا نہ دی جائے، کیونکہ وہ بھی اسی معاشرہ کے حصہ ہیں تاکہ دوبارہ انضمام اور میل جول میں نفرت نہ ہو، بلکہ عدل پر تعلقات کا انحصار ہو۔**علماء نے مثل کے لفظ سے، برابر کی تعداد یا کمیت یا کیفیت لی** ہے اور اس اجازت کو ان معاملات کے لئے جن میں انسان کو اس کا حق نہ ملتا ہو مثلاً ادائیگی قرض، تنخواہ، خرچ نفقہ، کسی کا مال چھینا ہوا ہو، خیانت یا چوری کی ہو، حق مہر نہ دیا ہو، تو متاثرہ شخص جس کی حق تلفی ہوئی ہے، کے لئے جائز ہے کہ وہ غاصب یا زیادتی کرنے والے یا حق نہ دینے والے کے مال سے اس کے علم کے بغیر بھی اتنی مقدار رکھ لے اور پھر تصفیہ پر بتادے۔اس کی تائید احادیث میں بھی آئی ہے جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ہند بن عتبہ کی جناب ابوسفیان کی بخیلی کی شکایت پر اس (ابوسفیان) کے مال سے لینے کی اجازت کے بارے میں ہے (بخاری / ابوداؤد / نسائی)۔تفصیل فقہ (قانون) کی کتب میں موجود ہے اور حکومتوں کو خدمات کے بدلے ٹیکس (علاوہ از زکوٰۃ) لگانے کا بھی حق ہے۔احادیث مبارکہ میں بدلہ لینے کی اجازت بھی دی گئی ہے اور معاف کرنے کی بھی، اس کا فیصلہ موقع و محل کے مطابق ہی بہتر ہوتا ہے۔عمومی طور پر انفرادی معاملات میں معاف کرنے کو ترجیح دی گئی ہے، لیکن قانون کے نفاذ میں نرمی کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے تاکہ معاشرہ پُر امن رہے۔اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انفرادی اور اجتماعی دونوں حالات میں ظلم کو ناپسند اور عدل کو پسند فرماتے ہیں۔جو افراد معاشرے میں ظلم روا رکھتے ہیں اور احکام الٰہی کی دیدہ دلیری سے نافرمانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے برائی پھیلتی ہے، ان کو سختی سے منع کرنے کا حکم ہے۔

وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾

اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے۔

وَ تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ کن آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک نقصان دہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا۔ آگاہ ہو جاؤ بے شک ظلم کرنے والے (نافرمانی کرنے والے) ہمیشہ عذاب میں ہوں گے۔

وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

اور اللہ کے سوا ان کا کوئی حمائتی نہیں جو ان کی مدد کر سکے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ (نجاعت) نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

تم اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے، جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن نہ تمہارے لئے کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تمہارے لئے انکار کی گنجائش ہو گی۔

اہل ایمان کے اخلاق و کردار کے بعد ان انسانوں کا ذکر ہے، جو اللہ کے احکام اور پسندیدہ اخلاق سے محروم ہوتے ہیں اور اپنی زندگی اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق گذارتے ہیں۔ ان کو ظالم کہا گیا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں پر زیادتی کر کے اپنی خواہشات پوری اور تسکین حاصل کر رہے ہیں لیکن دراصل وہ اپنے پر ہی ظلم کر رہے ہیں، کیونکہ جب قیامت ہو گی، ان کو ان کے اعمال کا حساب و کتاب ملے گا، تو وہ اپنا خسارہ (یعنی دوزخ/جہنم) دیکھیں گے۔ پھر ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی اور خواہش کریں گے کہ کسی طریقہ سے واپس دنیا کی زندگی میں جا کر، تمام گناہوں کا بدلہ اچھائیوں میں دیں اور احکام الٰہی کی پابندی کریں لیکن یہ نہیں ہو سکے گا کیونکہ قیامت کے بعد کی زندگی ابدی حیات ہے، اس میں

دوبارہ موت یا دنیا کی واپسی نہیں، وہاں تو صرف دنیا کے اعمال کا بدلہ ہے۔ نیک لوگ (جو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے)، ان کی یہ حالت زار دیکھ کر کہیں گے، کہ واقعی ان لوگوں نے دنیا میں برے اعمال کر کے لوگوں پر نہیں، بلکہ اپنے پر ظلم کیا، جس کی سزا دوزخ میں بھگتیں گے۔ اس عذاب سے اللہ کے سوا کوئی بچا نہیں سکتا۔ ان لوگوں (گنہگاروں) نے اللہ کے احکام اور انبیاء علیہم السلام کے کردار اور تعلیمات کے باوجود خلاف ورزی کی اور گمراہی کا انتخاب کیا، جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا اور وہ چلتے رہے، آج عذاب بھگت رہے ہیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ اس زندگی میں ہی صحیح راستہ، جو کہ الہامی کتب میں مذکور ہے اور انبیاء کرام نے عمل کر کے دکھایا ہے پھر جسے آخری نبی ﷺ نے بتایا ہے، اسی پر عمل میں کامیابی ہے، ورنہ انجام دردناک وخوفناک ہوگا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

پس اگر یہ (انکار کرنے والے) منہ موڑیں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار (نگران) بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام (احکام) کو پہنچانا ہے اور بے شک جب ہم انسان اپنے پاس سے رحمت دکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر اس کے اعمال (گناہوں) کی وجہ سے اس پر تکلیف آجائے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾

تمام آسمانوں اور زمین میں اللہ کی حکومت ہے اور وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہے وہ بیٹیاں دے اور جس کو چاہے وہ بیٹے عطا کرے۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اور جس کو چاہے بیٹے بیٹیاں عطا کرے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے۔

نبی ﷺ تبلیغ کی پوری جدوجہد کر رہے تھے۔ سورت مکی ہے۔ مکہ کے کفار (انکار کرنے والے) سخت مخالفت کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی مشکل تھی۔ نبی ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا، آپ کا کام لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچانا ہے اور ان کی بھلائی کے بارے اطلاع دینا ہے۔ اگر وہ مانیں تو ان کی بھلائی ہوگی، آپ ان کے ذمہ دار نہیں،

وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں،ان کے نہ ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے عمل میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔یہی اصول تمام مبلغین (نیکی کی دعوت دینے والوں) کے لئے ہے۔ محبت سے پیغام کو پہنچائیں اور بار بار خوبصورت انداز میں پہنچائیں اور عملی نمونہ بنیں۔اس کے بعد فیصلہ لوگوں کا اپنا ہوگا۔

تولید میں مذکر و مونث:۔

اللہ کی طاقت و قدرت کو بیان کیا گیا کہ جو کچھ کائنات میں ہے، وہ اللہ کے قبضہ میں ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔پیدائش و موت اس کے حکم سے ہے۔ جس کو چاہے مذکر (لڑکا) دے اور جس کو چاہے مونث (لڑکی) دے اور اگر چاہے تو کچھ بھی نہ دے اور اگر چاہے تو لڑکے اور لڑکیاں دونوں دے۔ یہ سارا اس کا فیصلہ اور نظام ہے۔یعنی کسی مرد یا عورت میں استعداد عمل تولید (مرد کی منی یا عورت کی رحم کی حالت) اللہ کے فیصلہ پر منحصر ہے، جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے۔ ہمارے انسانی ذرائع اس میں اضافہ یعنی مدد کر سکتے ہیں، لیکن عدم سے وجود میں نہیں لا سکتے۔ ہم زندگی میں دیکھ رہے ہیں کہ کسی کے ہاں اولاد بالکل نہیں، سارے اسباب استعمال کئے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ کسی کے ہاں صرف لڑکے ہیں، کسی کے ہاں صرف لڑکیاں ہیں اور کسی کے ہاں دونوں ہیں۔ یہی اصول اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے بندوں (انبیاء) پر بھی لاگو کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی صرف لڑکیاں اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کے صرف لڑکے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

تولید میں مذکر و مونث کیسے:۔

لڑکے اور لڑکی کا فیصلہ قدرت کس طرح کرتی ہے۔ جدید سائنس (جنیٹک انجینئرنگ یا بیالوجی) کی تحقیق کا سارا عمل اس حدیث مبارک کے دائرہ کے اندر ہے، جسے بڑے سادہ انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے بیان فرمادیا تھا۔(۱): حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مرد کا پانی (مادہ منی) سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں پانی جمع ہو جائیں، اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ پالے (زیادہ ہو) تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ پا لے، تو اللہ کے حکم سے مونث پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ یہودی آپ کی تصدیق کر کے چلا گیا۔(صحیح مسلم، کتاب الحیض/ السنن الکبریٰ للنسائی)۔(۲): حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، جب عورت کو احتلام ہو جائے اور وہ پانی کو دیکھ لے، تو کیا وہ بھی غسل کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عورت سے کہا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا؛ اس کو رہنے دو۔ بچہ جو کسی کے مشابہ ہوتا ہے تو اس وجہ سے ہوتا ہے، جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے ماموں (ننھیال/والدہ کی طرف) کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے چچاؤں (دادیال/والد کے طرف) کے مشابہ ہوتا ہے، (صحیح البخاری/ صحیح المسلم)۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مونث کو مقدم رکھا ہے (جس کو چاہیے بیٹیاں دے)، اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ عموماً انسان، مذکر کو اس کی جسمانی ساخت اور جسمانی کارکردگی کی بناء پر پسند کرتے تھے یا ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے مونث کے ذکر کو پہلے کر کے، اس خیال کو ایک طرح سے رد کیا ہے۔ (۲): مونث انسانی تولید اور پرورش میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حمل، رضاعت، تربیت یہ سب میں اس کا کلیدی رول ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا ذکر مقدم کیا گیا ہے۔ (۳): ماں کا حق بھی زیادہ ہے۔ انسان، مذکر ہو یا مونث، اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ اللہ کے ہاں دونوں مخلوق، برابر ہیں۔

اسباب راحت و مصیبت کیوں:۔

اور بے شک ہم انسان کو اپنے پاس سے رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر اس کے گناہوں کی وجہ سے اس پر مصیبت آجائے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے۔ (ترجمہ)۔

آیت مبارکہ مینجمنٹ اور نفسیات کے مطابق انسانی زندگی میں کامیابی کے راز کو واضح کر رہی ہے، جو قرآن مجید کے الہامی اور ہدایت کی کتاب ہونے کی دلیل ہے۔ کچھ نکات سمجھنے کے لئے بہت اہم ہیں۔ (۱): انسان کو اس کے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں، لہٰذا ہر عمل سے پہلے اس کو سوچنا ضروری ہے۔ (۲): اسباب کی دستیابی میں جہاں انسان کی کوششوں کا عمل دخل ہے، وہاں فیصلہ کن مرحلہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی یا ناراضگی بھی ہے۔ جس کی وجہ سے اسباب میں ناکامی ہوتی ہے۔ (۳): انسان چونکہ اپنی حفاظت اور فائدے کو اہمیت دیتا ہے، اسی لئے آسانی کے بارے ہر وقت سوچتا ہے اور اس کو قبول کرتا ہے، لیکن جب اس کو تکلیف ملتی ہے تو فوراً گھبرا جاتا ہے اور چھٹکارے کے لئے جائز و ناجائز ذریعہ استعمال کرتا ہے۔ یہ عمومی حقائق ہیں، جو انسانی اعمال کے تجزیہ کے بعد نکالے گئے ہیں۔ آیت مبارکہ نے ان حقائق میں ایک اضافہ، انسانی فلاح و بہبود کے لئے کیا ہے کہ انسان کو اپنی کوششوں پر بھروسہ کے باوجود ایک نکتہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی، اہم امور میں کامیابی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و فضل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام میں کوشش کا ہمیشہ نتیجہ دیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے عدل کی بنیاد پر ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ اصول لاگو نہیں ہوتا، اس لئے ہر کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی سمجھنا ضروری ہے۔ اچھائی اور برائی، اللہ کی پیدا کردہ ہیں اور دنیاوی نظام کا حصہ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اچھائی کو پسند کرتے اور اس کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو ناپسند اور نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

ایک اور نکتہ ہے، کہ انسان کو تکالیف، اس کے اپنے غلط اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ، کئی انسانی غلط اعمال کو معاف کر دیتے ہیں لیکن چونکہ غلط اعمال کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس لئے تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تکلیف ایک انسان کو آگاہ کرنے کا ذریعہ بھی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اور ان میں تبدیلی کر کے کامیابی سے ہمکنار ہو۔

ایک اہم نفسیاتی نکتہ یہ ہے کہ انسان کو جو سہولتیں قدرت نے بلا طلب یا کوشش کے بعد عطا کی ہیں، ان کا احساس کرنا چاہیے اور پھر شکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے جس سے طبّی اور نفسیاتی طور پر انسان کی زندگی پر سکون بنتی ہے۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اور کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوائے وحی کے یا پردے کی اوٹ میں یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے، جو اللہ چاہے وہ کرے، بے شک وہ بہت بلند، بے حد حکمت والا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾

اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔ اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا۔ جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اللہ کے راستے کی (ہدایت دیتے ہیں) جو آسمان اور زمین (زمینوں) ہر چیز کا مالک ہے۔ سنو! اللہ ہی کی طرف تمام امور (فیصلے کے لئے) لوٹتے ہیں۔

قریش مکہ کے عقائد بڑے مختلف تھے۔ ایک طرف وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے، دوسری طرف قرآن مجید کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے۔ ادھر یہود بھی مختلف اعتراض کرتے۔ آیت کا موقع نزول یہ ہے کہ ایک یہودی نے کہا کہ آپ نبی ہیں، تو اللہ آپ سے اس طرح کلام کیوں نہیں کرتا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا یا آپ اللہ کو نہیں دیکھتے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا۔ اس کے جواب میں آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ براہ راست

کسی انسان سے کلام نہیں کرتا۔ جو ذرائع کلام یا احکام بتائے گئے ہیں وہ صرف (۱): وحی یا الہام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے بندے کے دل میں ڈال (القاء) دیتا ہے۔ (۲): کسی پردے کی اوٹ میں کلام کرتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا اور آواز، ان کو چمکدار (روشن) درخت سے آرہی تھی۔ (۳): تیسری صورت فرشتے کے ذریعہ پیغام رسانی ہے، جو کہ انسان کی مثالی صورت میں آتا ہے، جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کئی دفعہ جبرائیل وحی لائے۔ دوسرے انبیاء پر الہام یا القاء اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ پیغام پہنچائے گئے۔

الہامی ہدایات کی ضرورت:۔

انسان، ایک سوشل مزاج (مل جل کر رہنا) رکھتا ہے۔ انسان کو اپنی زندگی گذارنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ رہائش و آرام کے لئے مکان و لباس اور اسی طرح افزائش نسل اور جنسی تسکین کے لئے ساتھ (مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد) کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان تمام امور کو بہترین طریقہ سے حاصل کرنے اور زندگی گزارنے کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ اگر نظام نہیں ہوگا، تو جنگل کا قانون ہوگا، جس میں کمزور ہمیشہ مظلوم و مجبور رہے گا۔ یہ انسان کا بنایا ہوا، قانون انسان کی خواہشات پر مشتمل ہوگا، جو ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہیں۔ اس لئے قانون، مافوق الانسان اور جانب داری سے خالی ہو اور پھر اس کی تنفیذ پر بھی کوئی قوت مؤاخذہ کر سکے تاکہ اس کا استعمال صحیح ہو۔ ان تمام امور کی حفاظت و ضمانت اس قانون میں ہو سکتی ہے جس کو انسان کے بنانے والے نے بنایا ہو۔ اللہ کے وجود کے بارے اگر انسان اپنا عقل و فہم استعمال کرے، تو اسے کسی ایسی قوت کا احساس ہو جاتا ہے جس کے سامنے انسان اپنی طاقت و سمجھ کے باوجود بے بس ہے۔ اس قانون یا نظام کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے وحی کی ضرورت ہے اور وحی کے لئے کسی انسان کو چننا، وحی بھیجنے والی قوت یا ذات پر منحصر ہے۔ اس فرد جس پر وحی نازل کی گئی ہے کی صداقت کے لئے معجزات دیئے جاتے ہیں تاکہ لوگ دیکھ کر یقین کر لیں اور اس شخص کا کردار بھی لوگوں کے سامنے ہوتا ہے۔

جس فرد کو اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے چنتے ہیں اسے ادراک و سمجھ کی وافر مقدار ملتی ہے جس سے وہ جنات، فرشتوں یعنی وحی اور غیر وحی پیغامات کو پہچان لیتا ہے اس کے علاوہ اعلیٰ کردار و صلاحیتوں کی وجہ سے لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا ہے جس کا مقصود قریش کو بتانا تھا کہ نبی کو نبوت کے بعد، اس کی ذمہ داری ملتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نبوت کے بعد معجزات عطا ہوئے۔ وحی کے ذریعے احکامات ملے اور قرآن مجید حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابت (تحریر کرنے) کا حکم دیا گیا کیونکہ اس کو کتاب کے نام کے ساتھ ذکر کیا گیا

ہے۔قرآن اور ایمان کے احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

قرآن مجید کو ہدایت کی وجہ سے نور کہا گیا ہے اور اس کے ذریعہ بندوں کو ہدایت ملتی ہے۔ہدایت حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے۔قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت اس کائنات میں سب سے زیادہ اور تمام کائنات کے فیصلہ اس کی ذات پر منحصر ہوتے ہیں۔اسی کی طاقت سب سے عظیم ہے لہٰذا اس کا راستہ سیدھا ہے اس کے احکام پر عمل ہی میں نجاعت وکامیابی ہے۔

سورت کی ابتداء بھی وحی کی عظمت اور اختتام بھی وحی اور اس کے احکام کی عظمت پر ہوا ہے۔

آج مورخہ 12 شعبان المعظم 1444 ہجری بمطابق 4 مارچ 2023 عیسوی بمقام مالدیپ (جزیرہ امیڈو) میں سورت شوریٰ مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قارئین کے لئے ہدایت اور میرے لئے نجاعت کا ذریعہ بنائے۔آمین یارب العالمین بجاہ نبی الکریم علیہ الوف التحیہ والتسلیم۔

43- سورۃالزخرف

تعارف:۔

سورت کا نام،الزخرف،اس لفظ، جو آیت نمبر 33اور 34 میں مذکور ہے کہ وجہ سے ہے۔ سورت کا نزول مکی دور میں ہوا۔ زخرف کے معنی کمال حسن، زمین پر رنگ برنگے پھول بھی حسین ہوتے ہیں اس لئے انہیں بھی زخرف کہاجاتاہے۔

سورت کا ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر تینتالیس(43)اور ترتیب نزول کے اعتبار سے تریسٹھ(63)ہے۔ اس میں آیات کی تعداد اناسی(79)اور رکوع کی تعداد سات(7)ہے۔

مضامین کے اعتبار سے مکی سورتوں کے انداز پر توحید الٰہی، بت پرستی کو روکنا، قیامت کا ذکر دہرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ایمان ویقین میں اضافہ ہو۔ سابقہ امتوں کی نافرمانی اور عذاب کا ذکر کر کے انکار کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں۔ انبیاء سابقہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ بارش کی برکات اور دوبارہ زندگی سے مطلع کیا ہے۔ جنت کے انعامات کا ذکر ہے اور قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ کیا گیا ہے تاکہ نیک اعمال کئے جائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔ میم۔

وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم۔

اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳﴾

بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنادیا تاکہ تم سمجھ سکو۔

وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۴﴾

بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ اور حکمت والی ہے۔

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾

تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض (منہ موڑنا) کریں کہ تم حد سے گذرنے والے ہو۔

وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶﴾

اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں۔

وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾

اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا وہ اس کا مذاق اُڑاتے۔

فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّ مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾

سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گذر چکی ہے۔

حا۔ میم۔ حروف مقطعات میں سے ہیں، جن کی وضاحت یا تعبیر متأخرین مفسرین نے کی ہے۔ ح سے حیات اور میم سے مجد اور بعض نے حا سے حنان اور میم منان مراد لی ہے، جن کو اسمائے باری تعالیٰ ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی قسم، کے ذریعہ قرآن مجید کی عظمت بیان کی گئی ہے کہ وضاحت کرنے والی کتاب ہے۔ انسانی زندگی کے امور کی راہنمائی کی گئی ہے۔ اس کو عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد اہل عرب کو، اس کو سمجھنے میں آسانی ہو، کیونکہ ان کی زبان ہے۔ پھر نبی ﷺ کی زبان بھی عربی تھی۔ انبیاؑ کی زبان میں پہلے بھی الہامی کتب ارسال ہوئیں، جس طرح تورات عبرانی اور انجیل سریانی میں ہوئی۔ کتاب کا مقصد اس کو سمجھنا ہے، جس کے لئے **تعقلون** کا لفظ استعمال ہوا کہ اس میں غور و فکر سے نور ہدایت ملے گا اور دوسری طرف مسلمانوں کو بھی ہدایت ہے کہ اس کو غور سے پڑھیں، بالخصوص اس زمانہ میں عرب اور غیر عرب کے لئے قرآن مجید کو سمجھنا ضروری ہے۔ اب جبکہ اس کے تراجم، تمام

زبانوں میں موجود ہیں، پڑھے لکھے لوگوں کا بغیر ترجمہ پڑھنا، احکام کو نظر انداز کرنا ہے۔ پرانے زمانے میں لوگ بھی ان پڑھ ہوتے تھے اور ترجمے بھی موجود نہیں تھے۔ طباعت نہیں تھی، اس لئے صرف زبانی یاد کرنے اور پڑھنے کی سہولت میسر تھی، لیکن اب اللہ کے فضل سے تعلیم میں ترقی اور تراجم کی وافر سہولت موجود ہے، اس لئے اس پر غور اس وقت ہو گا، جب آیت کا مفہوم سمجھ میں آئے گا۔ قرآن مجید کی مزید عظمت کا ذکر ہے کہ لوح محفوظ میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید، لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، اور آہستہ آہستہ نبی ﷺ پر وحی کی صورت میں پہنچایا گیا۔

قریش مکہ کی مخالفت شدید تھی۔ اس کے باوجود نبی ﷺ برابر تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کی ضد اور مخالفت کی وجہ سے تبلیغ میں کوئی کمی نہیں کی گئی اور قرآن مجید کا نزول بھی ہوتا رہا۔ ماضی کے واقعات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا، کہ پچھلی قوموں کا ایسا ہی رویہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے انبیاء کی مخالفت کرتے تھے اور جو لوگ مخالفت میں سخت رہے اور اپنے رویے نہیں بدلے، ان کو تباہ کر دیا گیا۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا، تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب، بے حد علم والا ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾

جس نے تمہارے لئے زمین کو آرام گاہ (گہوارہ) بنایا اور تمہارے لئے متعدد راستے بنا دیئے تاکہ تم صحیح راہ (ہدایت) پاسکو۔

وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا ،اسی طرح تم بھی نکالے (زندہ کئے) جاؤ گے۔

بارش سے دوبارہ نباتات کی پیدائش:۔

کفار یا مشرکین، وہ افراد، جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، ان کی ذہنی کیفیت بتائی ہے کہ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ یہ سارا نظام کائنات، یعنی زمین اور اس کے ارد گرد آسمان، جس میں سورج، چاند، ستارے، بادل کس نے پیدا کئے۔ تو انسان یا کوئی زمین پر رہنے والی مخلوق کے بس کی بات نہیں، تو وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے، سوائے اس ذات

کے اقرار کرنے کے جو بڑی طاقت اور علم والی ہے۔یہ سارا نظام منظم اور صحیح طریقہ سے لاکھوں سال سے چل رہا ہے۔ لیکن اس ذات کے احکام ماننے سے منکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کے دلائل دیئے جارہے ہیں، کہ آسمان سے بادلوں کے ذریعہ بارش نازل ہوتی ہے، جس سے زمین سیراب ہوتی ہے۔وادیوں میں پانی بہتا ہے اور تالاب بھر جاتے ہیں۔زمین سے پیداوار ہوتی ہے اور انسان غذا اور آرام و سکون حاصل کرتا ہے۔اسی زمین پر انسانوں کے لئے پہاڑوں کی رکاوٹ بنائی اور پھر ان میں راستے بنائے گئے ہیں، جو دروں کی صورت میں ہیں۔ان پہاڑوں سے برف کے ذریعہ پانی نکلتا (بہتا) ہے۔ستاروں سے راستے معلوم اور دریاؤں سے رابطے پیدا ہوتے ہیں۔بارش کی وجہ سے جس طرح خشک زمین، جسے ہم مردہ بھی کہہ سکتے ہیں، پھر اس کے اندر پوشیدہ اور مردہ حالت میں اجزاء دوبارہ زندہ ہو کر نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔اسی طرح قیامت کو بھی انسان دوبارہ زمین سے زندہ ہو کر نکلیں گے اس کی تفصیل احادیث کی روشنی میں سورۃ السجدہ اور دوسرے مقامات پر تحریر کی گئی ہے۔

وَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو۔پھر تم اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کرو، جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو: وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر (کنٹرول) کرنے والے نہیں تھے۔

وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں۔

کائنات میں جوڑے:۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کے علمی اور واضح سادہ دلائل بتائے جارہے ہیں۔اللہ نے انسانوں کے لئے ، مختلف جانور اور اشیاء پیدا کیں، جو کہ جوڑے کی صورت میں ہیں۔جس میں بظاہر تمام حیوانات ہیں، جن میں نر اور مادہ کی وجہ سے نسل بڑھتی ہے۔اس کے علاوہ بھی جوڑے مزید علم اور سائنسی تحقیق کے بعد پتہ چلا ہے، مثلاً بجلی میں مثبت

اور منفی چارج ہیں۔رات اور دن کا جوڑا ہے۔(روشنی اور اندھیرا)۔سردی اور گرمی، خزاں اور بہار، یہ ایک دوسرے مقابل جوڑے ہیں۔اسی طرح کچھ کیفیات وانجذاب کے جوڑے ہیں مثلاً مقناطیسیت میں بھی شمالی پول اور جنوبی پول ،زیادہ دباؤاور کم دباؤ کی حالت،انسانی کیفیات/احوال، نیکی اور بدی، خوشحالی اور تنگ دستی، صحت وبیماری کو بھی علماء نے لکھاہے۔اسی طرح درخت اور پھولوں میں بھی نر اور مادہ کے جوڑے ہیں۔

ابتدائی تاریخ میں بادبانی کشتیاں تھی اور یہ حیوانات ہی حمل و نقل کے لئے ذرائع تھے۔جن میں گھوڑے، گدھے، اونٹ سواری اور باربرداری (سامان) کے لئے موزوں تھے۔گائے، بکری، بھیڑ ،دودھ اور گوشت کے لئے تھے۔جانور فطرتاً،انسان کے ساتھ منسلک اور پالتو ہیں۔ان کا یہ مزاج یاعادت، قدرت (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ان کے مزاج میں موجود ہے جب کہ دوسرے حیوانات بھی یہی جسم رکھتے ہیں ،لیکن انسانی مانوسیت کا مزاج نہیں رکھتے۔ کشتیوں کی اعلیٰ صورت میں انجن والے جہاز اور حیوانات کی جگہ انجن والے ٹرک انسان نے بنائے ہیں۔یہ انسان کی ہمت بھی اس کے عقل و فہم کی بناء پر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔جب ان حیوانات یاان کے متبادل سواری کا استعمال کیاجائے،تواللہ تعالیٰ کاشکراداکرناضروری ہے۔جس طرح اس سواری پر ہمارا کنٹرول ہے اسی طرح قدرت کا بھی انسان پر کنٹرول ہے۔

سفر کی دعا:۔

نبی ﷺ سفر پر یہ دعا فرماتے تھے۔علی ازدی بیان کرتے ہیں، کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کہیں سفر پر جانے کے لئے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے اور پھر یہ دعا پڑھتے (ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔ہم اس کو مسخر کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان کاموں کا سوال کرتے ہیں جن سے تو راضی ہو۔اے اللہ! ہمارے لئے اس سفر کو آسان کر دے اور اس کی مسافت کو تہہ کر دے۔اے اللہ! اس سفر میں تو ہی ہمارا رفیق ہے اور ہمارے گھر میں نگہبان ہے۔اے اللہ! میں سفر کی تکلیفوں سے رنج و غم سے اور اپنے مال اور اہل کے برے انجام سے تیری پناہ میں آتا ہوں)۔اور آپ ﷺ جب سفر سے لوٹ کر آتے تب بھی یہ دعا پڑھتے اور ان میں کلمات کا اضافہ کرے: ہم واپس آنے والے ہیں۔اللہ سے توبہ کرنے والے ہیں،اس کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

عن علی ازدی ان ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ کان اذا استویٰ علیٰ بعیرہٖ ما رجاً الی سفر، کبر ثلاثاً ثم قال سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین و انا الیٰ ربنا لمنقلبون۔ اللھم

نسئلک فی سفرنا هذا البروالتقویٰ ومن العمل ما ترضیٰ، اللهم هون علینا سفرنا۔ هذا و اغفرلنا بعده، اللهم انت الصاحب فی السفرو الخلیفه فی اللاهل۔ اللهم انی اعوذوبک عن وعثاءالسفروکافته المنظر وسوءالمنقلب فی المال والاهل۔ واذا رجع ،قال هن وزاد فیهن: أئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔(صحیح المسلم/ترمذی/ابوداؤد)۔دعا کے ساتھ ذہنی اور نفسیاتی تسکین میسر اتی ہے جو سفر کو اسان بنادیتی ہے۔یہ تعلیمات وہدایات انسانی بہتری کے لیے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیت بھی بڑی مفید ہے۔ رب انزلنی منزلاً مبارکاًوّ انت خیر المنزلین ۔(المومنون:27)۔اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتارنا،تو بہترین اتارنے والا ہے۔

سفر پر واپسی کی دعا یہ ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کبھی سفر حج، یا مہم، عمرہ سے واپس آتے تو تکبیر یعنی اللہ اکبر تین دفعہ فرماتے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھتے: لا اله الا لله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شي قدیر۔ أئبون تائبون، عابدون ساجدون ربنا حامدون، صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده: ترجمہ: تین بار اللہ اکبر کے بعد کہتے اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں،اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے ستائش ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ہم لوٹ کر آنے والے ہیں۔توبہ کرنے والے ہیں۔عبادت کرنے والے ہیں۔سجدہ کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔(عمومی سفر میں لشکر اور شکست جملہ کا حصہ نہیں)۔

جانوروں کے حقوق:۔

سفر کے لئے حیوانات کا استعمال ہوتا تھا۔اسلام نے حیوانات کے حقوق کے بارے بڑی واضح تعلیمات آج سے چودہ سو سال پہلے دی ہیں۔یہ تعلیمات مختلف احادیث پر مبنی ہیں۔

(۱): جانوروں کو ان کی جسمانی ساخت کے مطابق استعمال کرنا چاہیے، مثلاً بکری یا گائے کو سامان اُٹھانے کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔گائے دودھ یا ہل چلانے کے لئے اور بکری گوشت اور دودھ کے لئے ہے۔گدھا، اونٹ اور گھوڑا سامان اور سواروں کے لئے ہیں۔

(۲) حیوانات کی غذا کا اہتمام کرنا چاہیے۔علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں، کہ امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ مسبب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شتر بان (اونٹ کے مالک)

کو مارا اور فرمایا اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا کرو۔ نبی ﷺ نے جانوروں سے نرمی سے پیش آنے اور ان کی غذا کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم فصلوں کے سرسبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو، تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو (اچھی غذا دو)۔ اور جب تم قحط کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصے میں ہو تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز (بچو) کرو، کیونکہ رات میں زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ (جو حیوانات کو نقصان دے سکتی ہے)۔ (صحیح المسلم)۔

ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ حسن سلوک میں یہ شامل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں۔ آج جدید قوانین انہی تعلیمات کے مطابق بنے ہوئے ہیں۔

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور انہوں (کفار) نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جزو (حصہ) قرار دے دیا۔ بے شک انسان بڑا کھلا ہوا، ناشکرا ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾

تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں بنائیں اور تمہارے لئے بیٹے خاص کر دیئے۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾

جب اس (لڑکی) کی خوشخبری دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمان (اللہ) کو متصف کیا تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے وہ غصہ پیتا رہتا ہے۔

اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ اللہ) اولاد ہو سکتی ہے۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے (مخلوق) ہیں، اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت گواہ تھے۔ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی۔ عنقریب اس کے متعلق بازپرس ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کے انسانوں پر انعامات کے ذکر کے بعد انسان کے کردار اور ناشکری کے بارے بتایا گیا ہے۔ انسانوں

نے،اللہ کے بندوں یعنی انسانوں کواللہ کا جزو بنالیا۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتے جوڑ دیئے،جب کہ وہ ذات واحد ویکتا ہے اور تمام رشتوں سے پاک ہے۔اہل کتاب میں یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنالیا۔اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر دی،کیونکہ دونوں شخصیات انسان ہیں۔قریش مکہ کے عقائد اگرچہ حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے نہ تھے لیکن وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

اولاد میں بیٹااور بیٹی:۔

اہل مکہ،فرشتوں کواللہ کی بیٹیاں تصور کرتے۔اپنے آباء کے عقائد کی بناء پر اس کا اقرار ویقین رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان سے دلیل کے بارے پوچھا،توانہوں نے کہا کہ وہ والدین/آباؤاجداد کے خیالات کو سچا جانتے ہیں۔آیت میں واضح کیا ہے،کہ اللہ پر اولاد کا یہ الزام،مذکر ہو یا مونث،ان کے پاس کوئی دلیل نہیں،کیونکہ ان کے پاس کوئی الہامی کتاب نہیں آئی،جس میں یہ ذکر کیا گیا ہو اور نہ وہ فرشتوں کے وجود میں آنے کے وقت موجود تھے،لہٰذا ان کی اس ہرزہ سرائی اور اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی پر پوچھ گوچھ ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کی گستاخی کے دو نکات بتائے گئے ہیں۔(۱): ایک اولاد جو کہ محال ہے۔وہ ذات واحد ویکتا ہے۔ (۲): انہوں نے اللہ کے لئے فرشتوں کو بیٹے کے بجائے بیٹیاں انتخاب کیا ہے،جب کہ ان کی ذاتی زندگی میں وہ بیٹوں کی خواہش کرتے ہیں اور جب ان کی بیٹی پیدا ہوتی ہے تو پریشانی سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔چونکہ بیٹی جسمانی طور پر،مادہ (تانیث)ہونے کی بناء پر لڑائیوں میں اس طرح شمولیت نہیں کر سکتی جس طرح مرد کرتے ہیں۔ایام ماہواری،ایام حمل، ایام ولادت ورضاعت کی وجہ سے انسانی وجود کی تربیت،زیادہ اہم ہوتی ہے۔عورت جنگ میں مرد کی طرح حصہ نہیں لے سکتی۔مشکل روزگار نہیں کر سکتی،اس وجہ سے وہ اسے کمزور سمجھتے تھے اور بیٹی کی پیدائش پر نہ صرف پریشان ہوتے ،بلکہ اس کو زندہ درگور کر دیتے۔ان کی ذاتی زندگی کا یہ رویہ تھا،لیکن اللہ کے لئے فرشتوں کو بیٹیاں تصور کیا جو عرب قبائل کے خیال میں لڑکوں سے کمتر جنس تھی۔یہ دوسری گستاخی تھی۔**اس گستاخی یا تفریق کو بیان کر کے،اللہ تعالیٰ نے انسانی فکر،جس میں مرد اور عورت کو بحیثیت انسانی تفریق کی گئی ہو،غلط قرار دیا ہے۔** عورت کے فرائض اور نسوانیت کے لحاظ سے یہ اعمال (حمل،پیدائش،رضاعت،پرورش) بہت ضروری ہیں ورنہ انسان ختم ہو جائیں گے،اس لئے بار بار قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے کہ ہر فرد،اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے خواہ مرد ہے یا عورت ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو ان کے مردوں پر،اثرورسوخ کی وجہ سے حبال الشیطان (شیطان کی رسی) کہا ہے۔یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ آدمی عورت کی خواہش کی وجہ سے اس سے متاثر ہو کر اس کے مطالبات مان لیتا ہے۔چونکہ عورتیں نسوانیت کی وجہ سے

زیور، خوبصورتی، آرائش کو پسند کرتی ہیں اور ترجیح دیتی ہیں۔اپنی اولاد سے زیادہ محبت رکھتی اور ترجیح دیتی ہیں۔ان کے افکار کی وجہ سے مرد بھی ان امور میں، ان کے پیچھے چل کر کبھی شریعت کے احکام کو نظرانداز کرتا ہے یا بھلادیتا ہے۔اس کے لئے عورت سبب تو ضرور ہے لیکن اصل عمل مرد کا ہے جو اپنی خطاء کی سزا پائے گا۔نبی ﷺ نے فرمایا: عورتیں (بیویاں) انکھ کی ٹھنڈک ہیں۔

عورت کو گھر کے معاملات میں، انتظامی طور پر، مرد کے ماتحت کردیا گیا ہے۔اس کے ساتھ، عورت کے نان نفقہ (اخراجات) کی ذمہ داری مرد پر ہے۔چونکہ عورت کا نان نفقہ (خوراک ورہائش) مرد کے ذمہ ہے، اس لئے وراثت میں مرد کے نصف کے برابر حصہ ہے۔اور اگر بھائی نہ ہوں تو اس کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔مالی امور میں گواہی دو عورتوں کی اس لئے ہے کہ اگر ایک عورت نسوانی مسائل کی وجہ سے نہ آسکے تو دوسری آجائے یا دونوں مل کر گواہی دے دیں۔جسمانی طور پر نر عموماً زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔اس لئے جسمانی مشقت کر سکتے ہیں لیکن بحیثیت انسان دونوں برابر مخلوق ہیں اور اپنے عمل کے جواب دہ ہیں۔

وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور انہوں (کفار) نے کہا، اگر رحمان چاہتا، تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، اس کا انہیں کچھ علم نہیں وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا اور ہم ان ہی کے قدم پر چل رہے ہیں۔

کفار مکہ کے بہانے کا ذکر ہے۔جب اللہ تعالیٰ کی طاقت کا ذکر ہوتا، تو وہ کہتے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہے۔اگر اللہ اسے روکنا چاہتا، تو روک دیتا، لہٰذا ہمیں آپ کی تبلیغ کی ضرورت نہیں۔ہمارے تمام آباؤاجداد یعنی سارے لوگ (امت) اسی طرح کرتے رہے ہیں، یہی صحیح ہے اور نبی ﷺ کی تعلیمات صحیح نہیں ہیں۔اس گفتگو میں جو اہم نکتہ وہ، جان بوجھ کر ذکر نہ کرتے، وہ اختیار انسانی کا ہے۔اللہ نے برائی، اچھائی، رات، دن، تمام اشیاء وامور کو پیدا کیا ہے لیکن عقل دے کر انسان کو اختیار دیا، پھر راہنمائی کے لئے انبیاء اور یاددہانی کے لئے الہامی کتابیں بھیجیں۔انسان اپنی مرضی کی خاطر ان سب ہدایات وسہولیات کو بھول جاتا ہے، اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی، بہانہ

قبول نہیں ہو گا۔ تقلید کا صحیح ہونے کا یہ دعویٰ غلط ہے، اس لئے علماء نے اصول نکالا ہے کہ امور عادیہ (فرعیہ) اور مسائل میں تقلید کی جاسکتی ہے، لیکن اصول دین وعقائد میں تقلید کرنے سے پہلے حدالمقدور تحقیق، غور وفکر ضروری ہے ورنہ اندھی اور غلط تقلید کی جواب دہی ہو گی۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس بستی میں کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین (طریقہ) پر پایا اور ہم انہی کی پیروی کرنے والے ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اس (نبی) نے کہا، خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، انہوں نے کہا جس دین کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار (کفر) کرنے والے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

پھر ہم ان سے انتقام لیا، سو دیکھیے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

تبدیلی اور انسانی نفسیات:۔

قریش مکہ، کی ذہنیت کو جو عمومی انسانی تاریخ کا حصہ ہے، ذکر کیا گیا۔ جب بھی انبیاء، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ،انسانی فلاح کے لئے آئے اور ان کے مسائل کا ذکر ہے۔ انسانی معاشروں میں جو لوگ زیادہ عقل وفہم کی وجہ سے گروہ پر کنٹرول کرتے ہیں یا زیادہ جسمانی طاقت کی بناء پر گروہ بنا لیتے ہیں، ان کا مقصد ان کے اور ان کے گروہ کے مفادات ہوتے ہیں۔ یہ افراد حالات سے فائدہ اُٹھا کر سہولیات حاصل کر لیتے ہیں مثلاً مال و دولت ،اچھے مکانات، اعلیٰ مقام اور دوسرے افراد پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ یہ نظام، ان کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ ان کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ ان افراد یا نظام کو کچھ مدت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ملتی ہے، تاکہ انسانی اختیار کے استعمال کا پورا موقع مل جائے اور جب یہ مہلت ختم ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ مظلوموں کی نجاعت کے لئے انبیاء کو متعین فرما کر اصلاح کی دعوت دی جاتی ہے، جو انسانی اخلاق اور عقائد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس تحریک کی مخالفت، صرف امراء اور حکمران طبقہ کرتا ہے۔ یہ حقائق تاریخ

سے ثابت ہیں اور اسی کا ذکر آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے۔ یہی کیفیت اس وقت مکہ میں تھی۔ مراعات یافتہ طبقہ، ہمیشہ تبدیلی کا خوف رکھتا اور مخالفت کرتا ہے۔ پرانے نظام کی حمایت اور تبدیلی کی مخالفت میں ڈٹ جاتا ہے۔ مختلف بہانے بناتا ہے، پھر جب نبی کی تعلیمات کو، تمام کوششوں کے باوجود کامیابی نہیں ملتی، تو اس قوم کو ظلم کی وجہ سے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کفر رہ سکتا ہے، (نظام الٰہی میں اس کی اجازت ہے) لیکن ظلم کے دوام کو اجازت نہیں، کیونکہ اللہ، اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ جھٹلانے والی، پرانی امتوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ مسلمانوں کو تاریخی واقعات کے ذریعہ حوصلہ دیا جارہا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور جب ابراھیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا؛ بے شک میں ان سے بے زار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾

سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے عنقریب ہدایت دے گا۔

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور انہوں نے اس کلمہ (عقیدہ توحید) کو اپنی آنے والی نسل میں باقی رکھا تاکہ ان کی اولاد اسی کی طرف رجوع کرے۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾

بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو فائدہ (دنیاوی) پہنچایا۔ حتیٰ کہ ان کے پاس حق اور صاف بیان کرنے والا رسول آگیا۔

عرب (اہل مکہ)، اپنے کو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد (حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے) اور دین ابراھیمی پر سمجھتے تھے۔ کیونکہ کعبہ شریف اور حج کا طریقہ انہوں نے شروع کیا تھا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بارے بتایا جارہا ہے کہ انہوں نے بت پرستی سے نفرت کی اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی درخواست کی۔ اپنے آباء کی تقلید کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے توحید کو اپنایا اور اپنی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی اسی طریقہ پر چلنے کی تاکید کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کی فراوانی فرمائی۔ مکہ تجارت کا مرکز تھا اور حج کی وجہ سے قبائل چکر لگاتے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر میں مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق کو بیان فرمایا اور سب تک پہنچایا۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا یہ جادو ہے۔اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور انہوں نے کہا یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

کیا یہ (کفار) آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے۔اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے کہ انجام کار، یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں۔

نبی ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا، تو اہل مکہ نے مخالفت کی، حالانکہ بنو ہاشم، حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ نبی ﷺ جو یتیم تھے، اللہ تعالیٰ کے نبی بن سکتے ہیں۔اہل مکہ کے خیال میں نبوت اس شخص کو ملنی چاہیے تھی جو ان دو شہروں (مکہ اور طائف) میں سردار ہو۔طاقت، اولاد، دولت اور نوکر رکھتا ہو۔بعض نے مکہ میں اس سے مراد، ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کہا ہے۔اسی طرح طائف میں حبیب بن عمر ثقفی اور عمیر بن عبد الیل ثقفی لیا ہے (ابن عباس/قتادہ)۔آیت مبارکہ میں کفار کے ان خیالات کی سختی سے رد کیا گیا کہ اللہ کی رحمت کو تقسیم کرنے کا، ان کفار کو کوئی اختیار نہیں۔دنیا میں افراد کے درمیان رزق کی تقسیم، اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے کسی کو تنگ رزق اور کسی کا فراخ یا زیادہ دیا ہے۔کوئی امیر ہے کوئی غریب، کوئی حاکم ہے تو کوئی محکوم۔لہٰذا ان کی سوچ غلط ہے۔اللہ جس کو چاہے، نبوت عطا کرے۔اہمیت، دولت، امارت، نوکروں کی نہیں، بلکہ کردار کی ہے، جو صداقت اور امانت کا علمبردار، انسانیت کا خیر خواہ ہو۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت کچھ نہیں۔مال و دولت، اولاد و طاقت میں کمی بیشی کی مدت، صرف دنیا کی زندگی میں ہے اور اس میں بھی کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔لیکن اللہ کی نعمتوں یعنی آخرت کی زندگی اور رضا سب سے بڑھ کر ہیں۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم رحمان (اللہ) کا کفر کرنے والوں

کے گھروں کی چھت چاندی کی بنادیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں بھی جن پر چڑھتے ہیں۔(چاندی کی بنادیتے)۔

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنادیتے۔

وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

(چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنادیتے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے ہاں (صرف) متقین کے لئے ہے۔

آسائش دنیاوآخرت:۔

آیت میں، دنیا کی زینت اور لوگوں کا اس کی طرف رغبت کے بارے اشارہ ہے۔ عموماً لوگ اس دنیا کی زینت و تفاخر، جس کو وہ دیکھتے ہیں محسوس کرتے ہیں، کی وجہ سے اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔اخلاق اور احکام کو بھول جاتے ہیں۔ دنیامیں یہ دولت وشوکت جس کا مل جانا، انسان اپنی معراج سمجھتا ہے، اللہ کے ہاں نہایت حقیر ہے۔لوگوں کی رغبت کی وجہ سے اگر کفر کی طرف جانے کا خطرہ نہ ہوتا، تو ہر کافر (انکار کرنے والے) کا گھر سونے چاندی کا بنادیا جاتا۔ یہ مال و دولت، عظمت کی دلیل نہیں، بلکہ مسائل، نفرتوں اور ظلم کا سبب ہے۔اصل میں طہارت نفس اور پاکیزگی بہت اہم ہے۔اگر وقعت ہے تواُخروی انعام واکرام کی ہے، جو ابدی اور دائمی ہوں گے اور پرہیزگاروں (متقین) کے لئے ہوں گے۔

آیت مبارکہ سے اہل ایمان کو ایک ہدایت اور اشارہ ہے کہ کردار اور نظریات (عقائد) کے مقابل دنیا کی عظمت اہم نہیں۔زندگی میں معاشرت اور معاش اہم ہے، جس میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔اس کی وجہ سے کردار اور ایمان کو ختم کرنا بہت بڑا خسارہ ہے۔ نبی ﷺ کی ذات ہمارے لئے رہنمائی ہے۔ آپ ﷺ رئیس مملکت تھے۔ آپ کی ضرورت کے لئے ایک حصہ معین تھا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اپنا حصہ غرباءوفقراء میں تقسیم کردیتے تھے۔زندگی میں فقر اور تنگ دستی (معمولی زندگی) کو پسند کیا۔جب امہات المومنین نے مطالبہ کیا کہ ان کے لئے بھی آرام وعیش کی زندگی ہو کیونکہ سارے مسلمانوں کے معاشی حالات بہتر ہو گئے تھے، تو آپ ﷺ نے انہیں اپنے ساتھ رہنے اور فقر (تنگ دستی) قبول کرنے یا مال لے کر علیحدہ ہونے کا اختیار دیا۔یعنی آپ ﷺ کی پسند فقر تھا۔ **مقصد تھا کہ سربراہ مملکت یاحاکم، اپنے آپ کو عوام الناس کے معیار زندگی سے اوپر نہ رکھے، دنیا کی مال ودولت نہ چاہے**

،تاکہ ان کے مسائل سے آگاہ رہے۔ معاشی و سماجی تفریق کم سے کم کی جائے۔ مخلوق خدا میں ممکنہ حد تک مساوات کو اپنایا جائے۔ رزق کا معاملہ میں باہمی فرق ہو گا، لیکن ریاست اسے زکوٰۃ، صدقات اور دوسرے ٹیکسوں کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کرے۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے اور اس میں فساد اور لالچ سب کے لئے نقصان دہ ہے۔

نبی ﷺ ایک دفعہ صحابہ کرام کے ساتھ گذر رہے تھے اور ایک بکری کا مردہ بچہ کسی شخص نے گھر سے باہر پھینک دیا۔ آپ ﷺ نے رک کر صحابہ سے پوچھا کہ یہ مردہ بچہ کیوں پڑا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ اس کی کسی کو ضرورت نہیں اور اس کی کوئی وقعت نہیں، جس کی وجہ سے یہ کوڑے کی طرح پڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ساری دنیا کی زندگی کی حیثیت، اللہ کے ہاں اس مردہ بکری کے بچہ سے بھی کم ہے جو کہ گھر سے باہر کوڑا سمجھ کر پھینک دیا گیا ہے۔ (متعدد کتب/ابن ماجہ/ابن داؤد)۔

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

جو شخص رحمان کے ذکر (یاد) سے غافل ہو جاتا ہے ہم اس کے لئے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں پس وہی اس کا ساتھی ہے۔

وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور بے شک وہ (شیطان) انہیں راہ حق (راست) پر آنے سے روکتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

حتیٰ کہ جب وہ (شخص) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (اپنے شیطان سے) کہے گا۔ اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو، تو بدترین ساتھی ہے۔

وَ لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جب تم ظلم کر چکے ہو تو آج یہ بات تمہیں ہر گز نفع نہ دے گی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو۔

برائی کی ابتداء کیسے ہوتی ہے:۔

انکار کرنے والوں کے ذکر اور ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و حیثیت کے ذکر کے بعد، ان اسباب و حالات کا ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے لوگ گمراہی میں دھنس جاتے ہیں اور نکل نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دے کر اختیار دیا ہے، کہ وہ صحیح اور غلط، حق اور باطل میں فرق جانے اور ان میں سے کسی ایک کا انتخاب یا پسند کرے۔ غلط اور

صحیح، حق اور باطل میں فرق واضح کرنے کے لئے انبیاء کا انتخاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایات کے لئے آسمانی کتب، انبیاء پر نازل کی گئیں۔ انبیاء کا کردار، گفتار، انداز زندگی، لوگوں کی رہنمائی، کا ذریعہ بھی تھا۔ ان تمام امور کے باوجود اگر کوئی انسان اپنی خواہشات کو ترجیح دے کر ظلم، باطل، غلط راستے کا انتخاب کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات یا زندگی میں اسے سہولت دی گئی ہے اور وہ اس طرف چل پڑے گا اور گمراہی میں گرتا جائے گا اور اسی کے اندر تباہ ہو جائے گا۔ **جب ایک خیال، انسان کی خواہش کی بناء پر پیدا ہوتا ہے، تو کائنات میں موجود شیطان اور اس کے پیروکار، جنات جن کو انسانی دماغ تک رسائی حاصل ہے وہ اس موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں اور انسان کے دماغ میں بار بار برائی کی ترغیب ڈالتے ہیں۔ برائی کے مقامات یا ماحول کی طرف رغبت دلاتے ہیں، ابھارتے ہیں اور پھر انسان کے دماغ، پر اس کے اثر کی وجہ سے خیال، ارادہ بن جاتا ہے اور عمل شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ شیطان انسان کو اس ماحول سے نکلنے نہیں دیتا۔ ایک کے بعد دوسری برائی کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ جس طرح اگر ایک جھوٹ بولا جائے تو اس کو چھپانے کے لئے دس اور بولنے پڑتے ہیں۔ یہ شیطان ساری زندگی اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔** اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی وجہ سے اس کے لئے گمراہی ثابت کر دیتے ہیں۔ اسی لئے برا خیال آتے ہی اللہ سے استغفار کرنا چاہیے۔ ادھر انسان کو برائی کی طرف شدید رغبت دینے کے لئے شیطان، انسان کے خیالات پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ ان غلط اعمال، عقائد کو صحیح تصور کرتا ہے اور ان پر بار بار عمل کرتا ہے۔ قیامت کے دن جب حساب و کتاب کے بعد اس کے برے اعمال ظاہر ہوں گے اور سزا ہو گی۔ انسان کے ساتھ جنوں / شیطان کو بھی سزا ہو گی اور اس وقت گنہگار انسان اپنے گناہ کی پاداش میں سزا بھگتے گا یا دوزخ میں جائے گا اور اس کے ساتھ وہ شیطان یا جن بھی جائے گا۔ اس وقت وہ مجرم انسان اس شیطان سے نفرت کرے گا کہ کاش میں اس کی بات نہ سنتا، جو ساری عمر اس کے ساتھ رہا اور اسے برائی میں دھکیلتا رہا۔ لیکن دونوں (انسان اور شیطان) اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ مَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۰﴾

کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اور اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان لوگوں کو، جو کھلی گمراہی میں ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

پس اگر ہم آپ کو (دنیا) سے لے جائیں، تو بے شک ہم پھر بھی انتقام لینے والے ہوں گے۔

اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھادیں گے جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ پس بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں۔

کفار،(انکار کرنے والوں) کے رویہ کا ذکر تھا کہ وہ شیطان کی راہ پر چل کر ساری عمر گنوادیتے ہیں اور آخر میں عذاب کا نشانہ بنتے ہیں۔ یہ لوگ، جو ہدایت کے ہوتے ہوئے جس میں کلام الٰہی اور نبی کا وجود شامل ہے۔اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، بلکہ گمراہی میں گم ہیں۔ ان کو سمجھانا،اس طرح ہے کہ جیسے کسی بہرے شخص کے سامنے بات چیت کرنا، جب کہ وہ سن نہیں سکتا یا کسی اندھے کو راستہ دکھانا، جب کہ وہ دیکھ نہیں سکتا۔ لہٰذا نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ تبلیغ کے نتائج پر آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں، نہ ماننے والے اس کی سزا پائیں گے اور اگر آپ اس دنیا سے چلے گئے (وفات پاگئے) تو بعد میں بھی ان کو سزا ملے گی، اگرچہ آپ موت کی وجہ سے دیکھ نہیں سکیں گے۔ان کا عذاب بھی ہم آپ کو دکھادیں گے اور یہ تمام انسان سارے کے سارے، ہمارے قابو میں ہیں کہیں بھاگ نہیں سکتے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

لہٰذا جس چیز(قرآن) کی آپ کی طرف وحی کی گئی اس کو آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیں بے شک آپ صراط مستقیم پر ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔـلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور یہ قرآن بے شک آپ اور آپ کی قوم کے لئے ایک نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔

وَسْـَٔـلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور آپ ان رسولوں سے پوچھیئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا۔ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے۔

کفار مکہ قرآن مجید کا انکار کرتے۔ نبی ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ قرآن مجید جو کہ کلام الٰہی ہے، کو قبول کریں اور اہمیت و شرف دیں، لیکن ان کا رویہ مخالف تھا۔ آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑیں، یعنی اس کے احکام پر عمل کریں۔ دوسروں تک پہنچائیں، یہ حق ہے اور صراط مستقیم کی طرف راہ دکھاتا ہے۔اس کا نزول مکہ میں ہوا،اس لئے اہل مکہ (قوم) کو ذکر کیا، جو سب سے پہلے اس کو سننے والے تھے، ورنہ یہ ہدایت تمام انسانیت کے لئے ہے۔ ذکر سے بعض نے شرف و قدر مراد لی ہے کہ عربی زبان کی وجہ سے عرب (اہل زبان) کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا ہے،اس لئے شکر گذار ہوں۔ جو قریش اس کا انکار کررہے ہیں،ان سے اس کے بارے پوچھا جائے گا کہ کیوں اس کو کلام

الٰہی نہیں مانتے تھے۔اس سے پہلے جو انبیاء آئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار موجود ہیں،اس کے بارے ان (اہل کتاب) سے پوچھیں،انہوں نے اللہ کی عبادت کی تعلیم دی،بتوں کی مخالفت کی۔یہ بتوں کی پوجا،اہل مکہ و عرب کی اپنی پیدا کردہ ہے۔اس کے لئے وہ بروز قیامت جواب دہ ہوں گے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی (قوم) کے سرداروں کی طرف بھیجا، چنانچہ موسیٰ نے کہا: بے شک میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آیا تو وہیں وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے۔

وَ مَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم انہیں جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ اس جیسی پہلی نشانی سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا، تاکہ وہ کفر سے باز آئیں۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! تیرے رب نے جو تجھ سے (دعا قبول کرنے کا) عہد کر رکھا ہے اس کے مطابق تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر، (اب) ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر جب ہم ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ، وہیں عہد (وعدہ) توڑ دیتے۔

نیت بد کے لئے کئی بہانے:۔

پچھلی آیت میں انبیاء کا ذکر تھا، کہ انہوں نے توحید کا پیغام دیا۔اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، جو کہ عرب میں معروف تھے۔کیونکہ یہودی بالخصوص مدینہ میں بہت زیادہ آباد تھے۔حضرت موسیٰ کو معجزات دیئے گئے، جب انہوں نے اپنی نبوت کے بارے فرعون کو بتایا، تو انہوں نے معجزات کو دیکھنے کے بعد قبول کرنے کے بجائے اس کا مذاق اُڑایا۔یہ انسان کا ایک رویہ ہے جہاں وہ دلائل نہیں دے سکتا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے ہنسی مذاق میں ٹال دیتا

ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس رویہ پر سزا دی اور انہیں بہت ساری مشکلات میں گرفتار کیا۔ جب کوئی آفت آتی مثلاً قحط، تو دعا کے لئے دوڑے آتے اور درخواست کرتے جب تک تکلیف رہتی وہ احترام کرتے اور وعدہ کرتے کہ اللہ کے حکم اور ان کی نبوت کو مانیں گے لیکن جب دعا کے بعد ان پر عذاب ختم ہو جاتا تو پھر اسی طرح اکڑ جاتے اور شیطان کے جال میں پھنسے رہتے۔ اس طرح ان پر کئی سالوں میں مختلف عذاب آئے۔ ہر عذاب مختلف تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی قوت اور معجزہ کے طور پر اس عذاب کو نازل کیا، پھر نبی کی تصدیق کے لئے، اس کی دعا سے اسے دور کیا، اس سارے عمل کا مقصد، ان کو اللہ کی قوت، اسکے نبی کی صداقت ثابت کرنی تھی۔ یہ عذاب مثلاً جوؤں کا پیدا ہونا، مینڈکوں کا باہر نکلنا، ٹڈی دل، پانی کا خون میں بدلنا تھے۔ وہ ان سے گھبرا کر نبوت پر یقین اور اللہ کی وحدانیت قبول کرنے کا وعدہ کرتے، لیکن جونہی عذاب ختم ہو جاتا، فوراً بدل جاتے۔ اس سے انسان کی نفسیات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ جب انسان ضد پر آتا ہے جو کہ شیطان کے ورغلانے سے دماغ میں پیدا ہوتی ہے، **تو وہ ہر صداقت کو صرف مصلحت کی خاطر قبول کرتا ہے، جونہی اس کی ضرورت پوری اور مشکل حل ہو جاتی ہے پھر اپنی ضد اور اکڑ پر قائم ہو جاتا ہے۔** یہ رویہ ہم روزمرہ کی زندگی میں بالخصوص، اہل قوت و دولت میں دیکھتے ہیں کیونکہ ان کو اپنی قوت اور دولت پر غیر ضروری بھروسہ اور گھمنڈ ہوتا ہے۔ چونکہ وہ عام اور غریب لوگوں کی طرح محتاج نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور کسی بھی اچھائی کی تبدیلی کے لئے وہ مخالفت کرتے ہیں اور صرف اس وقت قبول کرتے ہیں جب بے بس ہو جاتے ہیں۔

نبی ﷺ کو واقعات کے ذریعے قریش کے رویہ کے بارے آگاہی اور تسلی دی جارہی ہے کہ یہ مخالفت اور ضد ہوتی ہے۔ لیکن انجام حق کی فتح پر ہوتا ہے۔ جو بالا خر ہوا۔

وَ نَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان (منادی) کیا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! کیا میرے لئے مصر کی بادشاہی اور یہ نہریں جو میرے محلات کے نیچے بہتی ہیں؟ کیا تم پھر دیکھتے نہیں۔

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۬ۙ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾

بلکہ میں تو اس (موسیٰ) سے کہیں بہتر ہوں جو حقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔

فَلَوْ لَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے صفیں باندھے آتے؟

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾

تب اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنالیا(ہلکا اور کمزور سمجھا)، تو انہوں نے اس کی اطاعت کی بلاشبہ وہی لوگ فاسق تھے۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۶﴾

پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

یوں ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنادیا اور آنے والوں کے لئے عبرت کی مثال بنادیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ جاری ہے۔ جب فرعون نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حقائق پیش کر رہے ہیں، تو اسے خوف ہوا کہ عام لوگ ان کی پیروی شروع نہ کر دیں۔ اس طرح اس نے مختلف حیلے اپنائے، جن میں (۱) :اہم مخالف کی اہمیت اور اس کی قابلیت کو ختم کرنا اور (۲): اپنی افادیت اور اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ جس کے لئے فرعون نے اپنے محلات، نہریں، زراعت یعنی باغ، دولت اور امارت کا ذکر کیا کہ سب اس کی وجہ سے ہے۔(۳): رسم ورواج کا ذکر کیا۔(۴): دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ان کی ذات کے بارے ان امور کو اجاگر کیا جو کمزوری بنائے جاسکتے ہیں۔ (۱): ان کے پاس دولت نہیں۔ ان کے پاس سونے کے کنگن نہیں جو رواج تھا۔(۲): ان کے زبان میں فصاحت نہیں بلکہ لکنت ہے۔(۳): ان کے ساتھ کوئی طاقت نہیں یعنی اگر انسانوں کی فوج نہیں تو فرشتے بھی سامنے ساتھ نہیں۔ ان امور کی وجہ سے اس نے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل، اس کے دین اور اس کے ماتحت چلنے کی ترغیب دی۔

یہ وہ طریقے ہیں جو شیطان، انسان کے دماغ میں ڈال کر ایک منفی ضد اور فساد کی سوچ پیدا کرتا ہے۔ عامۃ الناس (عام لوگ) اپنی کمزوری کی وجہ سے اہل طاقت وثروت سے مرعوب ہوتے ہیں، اس لئے ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اسی طرح قوم فرعون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے فرعون کے ڈر کی وجہ سے مانتی رہی۔ جب ساری کوششیں ناکام ہوگئیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو تباہ کر کے، آنے والوں کے لئے ایک عبرت کا نشان بنادیا۔ واقعہ کا مقصد اہل مکہ کو ان کے رویہ کے انجام سے آگاہ کرنا تھا۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ کسی بھی دعوت یا پروپیگنڈہ کرنے والے کی معلومات پر یقین کرنے کے بجائے، ان کو پرکھنا اور غور کرنا ضروری ہے تاکہ صحیح فیصلہ کیا جاسکے۔ بالخصوص شیطان مختلف طریقوں سے حقیقت کو کم دکھاتا ہے اور تخیلات اور اندازوں کو زیادہ اجاگر کر کے غلط فیصلے کروادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شیطان سے پناہ مانگنی اور استغفار ضروری ہے۔

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ یَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾

اور جب ابن مریم (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم (اہل مکہ) اس (خوشی سے چلا اٹھی)۔

وَ قَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَیۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾

اور انہوں نے کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ)؟ انہوں نے آپ سے یہ مثال محض جھگڑے کے لئے بیان کی بلکہ یہ لوگ نرے جھگڑالو ہیں۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡهِ وَ جَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۵۹﴾

وہ (عیسیٰ) تو صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا۔

وَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾

اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو زمین میں (تمہارے) جانشین ہوتے (زمین پر رہتے)۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾

اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی ایک نشانی ہے۔ لہٰذا تم اس (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو اور تم میری پیروی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ عیسائیوں نے اپنے مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تصور کیا ہوا تھا۔ ادھر قریش مکہ اور عرب، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ بتوں اور کبھی فرشتوں کی عبادت کرتے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا اور عبادت کرنے والوں اور بتوں کو جہنم کا مستحق قرار دیا، تو کفار مکہ نے اعتراض کیا کہ پھر عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بناتے ہیں، تو ان کا کیا انجام ہو گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور قرآن مجید نے واضح کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور دوسرے راہبران یا انبیاء، جو ہمیشہ توحید اور عبادت خداوندی کی دعوت دیتے رہے اور عبادت کرتے رہے، وہ حق پر تھے۔ ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ جو افراد گناہ یا شرک کر رہے ہیں، وہ اپنے عمل کی سزا پائیں گے لیکن کفار مکہ محض بحث اور اعتراض برائے اعتراض کے لئے یہ موضوع اُٹھاتے رہتے۔ ان کے اعتراض کو رد کر دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت بیان کی گئی، کہ وہ اللہ کی قدرت کا نمونہ تھے۔ بغیر والد کے پیدا ہوئے۔ مردوں کو زندہ کرتے۔ بیماروں کو شفا دیتے۔ گھروں میں اشیاء

کے بارے معلومات دیتے۔ آپ علیہ السلام کا وجود نبوت اور اللہ کی قدرت کا اظہار تھا۔ وضاحت کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں (بیٹے نہیں)۔ ان پر اللہ کا فضل تھا، اس لئے پیغمبر بنے اور قیامت کی نشانیوں میں ہیں کہ قیامت کو دوبارہ احادیث کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کریں گے۔ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے متعین کئے گئے۔ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں، جو کائنات میں موجود ہیں۔ اگر اللہ چاہتا، تو زمین پر دوسری مخلوق یا انسانوں کی طرح، ان کو زمین پر آباد کر دیتا اور انسانوں کے بغیر بھی زمین پر آبادی رواں دواں رہتی اور زمین پر نظام چلتا رہتا جس طرح اب چل رہا ہے۔

وَ لَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾

اور (کہیں) شیطان تم کو (اس سے) روک نہ دے۔ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِیْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَیِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۶۳﴾

اور جب عیسیٰ واضح نشانیاں (معجزات) لے کر آئے (تو انہوں نے کہا): بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو واضح کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾

بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾

پھر انہی (بنی اسرائیل) میں سے جماعتوں نے باہم اختلاف کیا، پس جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے المناک دن کے عذاب سے ہلاکت ہے۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آپڑے جب کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے (خبر تک نہ ہو)۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾

اس دن متقین کے سوا، تمام گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کیا۔ معجزات دکھائے اور یہود کو بتایا کہ ان کے غلط عقائد اور اعمال کی تصحیح کے لئے انہیں نبی بنایا گیا ہے تاکہ وہ حق پر چلیں۔ یہود کو دعوت دی کہ حق کی راہ، وہ ہے جو وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بتارہے ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو، جو میرا، اور تمہارا بلکہ سب مخلوق کا، رب ہے۔ ساتھ تاکید کی کہ توحید کا راستہ ہی حق کا راستہ ہے۔ اس سے پہلے آیات میں اسی توحید کے راستہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بیان فرمایا، اور حضرت عیسیٰ بھی یہود کو اسی حق کے راستے کے بارے کہہ رہے ہیں۔ یہ اس بات کی دوبارہ تردید ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنانا، غلط عقیدہ ہے، جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے تین سو سال بعد میں اعلان کیا گیا تھا۔ اہل یہود میں اختلاف شدید تھے، جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور تبلیغ کی۔ یہود اپنے اختلاف میں گم رہے اور ان کی مخالفت کی، بلکہ ان کو ہلاک کرنے کی سازش کی۔ اس سے ایک نکتہ واضح ہوتا ہے، کہ امت میں شدید اختلافات انتہائی نقصان دہ ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر بھی شدید مذہبی اختلافات پیدا ہورہے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے احکام (تورات، انجیل اور اب قرآن کی تعلیمات) پر عمل نہیں کرتے، ان کا انجام قیامت کے دن عبرتناک ہوگا۔ قیامت اچانک آجائے گی، جس طرح ایک حدیث میں ہے کہ لوگ بازاروں میں خریداری کررہے اور کاشتکار اپنی گائے یا اونٹنی کا دودھ نکال رہے ہوں گے کہ آجائے گی اور انتہائی خوفناک منظر ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے۔ (صحیح مسلم/موطأ انس بن مالک رضی اللہ عنہ)۔

پھر حشر ونشر، پر جب لوگ زندہ ہوں گے اور ان کو اعمال نامے ملیں گے، تو دنیا میں گہرے دوست جو ایک دوسرے پر قربان ہوتے تھے، وہ ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں گے، بلکہ ایک دوسرے کے مخالف ہوجائیں گے۔ اس کا سبب اس دنیا میں ان کی دوستی کی وجہ سے ان برے اعمال کی قدرے مشترک ہوگی اور اپنے برے اعمال کا سبب اپنا جگری دوست بتائیں گے اور اب سزا کی وجہ سے اس دوست سے نفرت کریں گے۔

دوسری طرف اہل تقویٰ اپنی پرہیزگاری (نیک اعمال) کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ اس خوشخبری پر خوش ہوں گے اور ان کے دوست جو نیک اعمال کرتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ خوش ہوں گے۔ لہٰذا نیک اعمال ہی کامیابی اور نجاعت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا: جو مسلمان میری ذات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے۔ ان کی انبیاء وشہداء تحسین کریں گے۔ (ترمذی/مسند احمد)۔

اللہ کی خاطر محبت میں جو اخلاص اور برکت ہے، اس کے مقابل دنیا کے مفادات، ذاتی مقاصد وآرام، انتہائی

کمتر ہیں، اس لئے ان لوگوں کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس امارہ کو ختم کر دیتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کے لئے رحمت بن جاتے ہیں اور راہ حق پر گامزن رہتے ہیں۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾

(انہیں کہا جائے گا) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگیں ہو گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے اور وہ فرمانبردار تھے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

ان کے گرد سونے کی رکابیوں اور ساغروں کے دور چل رہے ہوں گے اور جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے، بنائے گئے ہو۔

لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اس (جنت) میں تمہارے لئے بہت سے پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے۔

متقین کا جنت میں رہنے سہنے کا ذکر ہے۔ پچھلی آیات میں منکرین حق کے عذاب کا ذکر تھا۔ اس کے ساتھ موازنہ کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ متقی جنت میں داخل ہوں گے۔ انہیں وہاں کی زندگی اور عیش عشرت پر رہنے کے لئے خوش آمدید کہا جائے، وہ اور ان کی ازواج (جو نیک تھیں) ان کے ساتھ بلا کسی خوف واندیشہ دائمی خوشی میں رہیں گی۔ دنیا کی حسرت جو محرومیوں کی وجہ سے تھی یا خود فقر اختیار کیا تھا، اس کا بدلہ یہ ملے گا کہ سونا جو اس دنیا میں تفاخر کی وجہ سے حرام ہے، قیامت کے بعد نیک لوگوں کو جنت میں اس کی اجازت ہو گی۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ سونا، ہمارے مردوں کے لئے اس دنیا میں حرام ہے لیکن آگے (جنت میں) اجازت ہو گی۔ کھانے کے برتن سونے کے ہوں گے۔ لباس پر سونے کی نقش و نگار ہوں گے۔ عرض انسان کی جو بھی خواہش دل میں آئے گی یا آنکھ اسے دیکھنے کی تمنا کرے گی، اس طرح کا منظر یا غذا، مشروب، پیش کر دیا جائے گا۔

آنکھوں کی لذت وحسرت،دل کی تمنائیں پوری ہوں گی۔ بری صفات،حسد،کینہ، جھوٹ،بغض، چغلی نہیں ہوں گی۔ لہٰذا سماجی اور معاشرتی مسائل نہیں ہوں گے۔ حدیث کے مطابق کھانا ہوگا، لیکن اس کھانے میں فضلہ پیدا نہیں ہوگا اور پسینہ کی صورت میں زائد مادے جسم سے نکل جائیں گے۔ سرور ولذت کی کیفیت ہوگی، لیکن ان کا انداز دنیا کے سرور اور لذت سے بہت مختلف ہوگا۔ کیونکہ جسم کے عوارض بدنی بالخصوص غذا کا نظام بالکل مختلف ہوگا۔ جنت کی کیفیات اور لذات کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔انسانی سہولت اور سمجھ کے لئے قرآن مجید نے امثال غذا پیش کی ہیں۔ جنت کا انعام گویا وراثت ہے ،یعنی اس کے مقابل اس وقت کوئی قیمت یا معاوضہ نہیں ہوگا۔ جس طرح خرید و فروخت کے وقت ہوتا ہے لیکن وراثت کے ذریعہ انسان کو بلا معاوضہ / قیمت حصہ مل جاتا ہے اور یہ ایک انعام ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ﴿۷۴﴾

بے شک مجرم لوگ عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ﴿۷۵﴾

ان سے وہ (عذاب) ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید پڑے رہیں گے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور وہ (جہنمی) داروغہ جہنم کو) پکاریں گے؛اے مالک! تمہارا رب ہمارا کام تمام کر دے۔ کہے گا بے شک تم تو ہمیشہ (اسی عذاب میں) رہو گے۔

احکام نہ ماننے والے گنہگاروں، کے انجام کا ذکر بیان کیا ہے کہ وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب ان کے اعمال کی بناء پر آیا ہے اور اس میں ان کی خواہش کے باوجود کمی نہیں ہوگی۔ وہ ،دوزخ کے فرشتوں (گارڈز) سے گذارش، بلکہ منت وسماجت کریں گے کہ ان کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے تاکہ وہ عذاب سے بچ جائیں، لیکن ان کی بات رد کر دی جائے گی، کیونکہ انہوں نے اللہ کے احکام کو رد کیا تھا۔ان کو بتایا جائے گا، کہ یہ سزا ان کے اعمال کی وجہ سے ہے،ان کو حق اور باطل کا راستہ دیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو نہ پہچانا اور احکام کی خلاف ورزی کی۔ لہٰذا اس کی سزا بھگتیں۔ان کے پاس انبیاء کرام اور الہامی کتب آئی تھیں، یاددہانی کرائی گئی تھی، لیکن انہوں نے انکار کیا تھا۔ یہ ان کا اپنے آپ پر ظلم تھا، جس کا نتیجہ وہ دیکھ رہے ہیں۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

ہم تمہارے پاس حق لے کر پہنچے لیکن تم میں سے اکثر حق سے ناخوش ہوتے رہے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا انہوں (مشرکین مکہ) نے (کسی اقدام کا) پختہ فیصلہ کر لیا ہے؟ تو ہم بھی قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے۔ بے شک کیوں نہیں (سنتے)؟ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس ہی لکھتے رہتے ہیں۔

موقع نزول یہ ہے کہ جب قریش مکہ نے ابو جہل کی قیادت میں، دار لندوۃ، میں یہ طے کیا کہ نبی ﷺ کو شہید کر دیا جائے، جس میں ہر قبیلہ کے لوگ شامل ہوں تاکہ خوب بہا، کا مطالبہ نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی موت کا فیصلہ فرما دیا تھا اور یہ منصوبہ کرنے والے سارے افراد غزوۃ بدر میں قتل ہو گئے تھے۔ انسانی مکر کے مقابل اللہ کا فیصلہ کامیاب ہوا۔ دوسری آیت کا شان نزول یہ ہے، کہ کعبہ شریف میں تین قریشی یا ثقفی طواف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سنتا ہے یا نہیں کسی نے کہا کہ اگر دل میں ہو تو نہیں سنتا اور اگر اونچی آواز میں ہو تو سنتا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ اونچی آواز میں سنتا ہے تو خفیہ بھی وہ سنتا ہے۔ کفار قریش کو بتایا کہ، اللہ کی ذات ان کے دلوں کے خیالات کو بھی جانتی ہے، وہ کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام معلومات اور ریکارڈ کے بارے بتایا، کہ اللہ کے بھیجے ہوئے متعین فرشتے، ہر وقت انسان کے تمام اعمال کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ معلومات کس طرح اکٹھی کی جاتی ہیں اور کس طرح بھیجی جاتی ہیں۔ وقت اور فاصلے ختم ہو گئے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

(اے نبی) آپ کہہ دیجئے؛ اگر رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اسی کی عبادت کرنے والا ہوتا۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

آسمانوں اور زمین کا رب ہی عرش کا رب ہے۔ وہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

آپ انہیں چھوڑ دیجئے۔ وہ (اپنے خیالات میں) الجھے رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا فرزند کہتے اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ اس کی سختی سے تردید کر دی گئی، کہ یہ سب اللہ کے نبی ہیں اور بندے ہیں۔ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ کی ذات واحد ولاشریک ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ اگر کوئی اولاد ہوتی تو میں اس کی سب سے پہلے عبادت کرتا۔ یہ انسانوں کی بنائی ہوئی نسبت بالکل غلط ہے اور ظلم ہے۔ اللہ کی ذات، اولاد، بہن، بھائی کے عوارض (تعلق) سے پاک ہے۔ وہ تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے اور ان تمام تعریفوں اور توصیفوں سے بلند ہے، جن کو ہم انسان جانتے ہیں یا کرتے ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اگر قریش مکہ یا عیسائی اور یہودی، اپنے غلط عقائد اور اعمال سے باز نہیں آتے تو ان کو اس کا عذاب قیامت کو ملے گا۔ جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت اپنی سزا پائیں کیونکہ دنیا کہ مہلت موت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔

وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾

اور وہی اللہ آسمان میں بھی معبود (الٰہ) ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ اور وہ بہت حکمت والا، خوب جاننے والا ہے۔

وَ تَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور وہ بہت بابرکت ذات ہے، جس کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس (سب) کی بادشاہی ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کا اظہار ہے کہ وہ زمین پر اور آسمان پر تمام مخلوق اور موجودات کا معبود ہے۔ اس کی بڑی حکمت ہے، جو سارے نظام کو چلا رہی ہے اور علم ہے جو ساری کائنات کو محیط ہے اور کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ تمام کائنات میں اسی کی بادشاہی اور قوت ہے۔ اس کی ذات بڑی برکت اور قوت والی ہے۔ قیامت کب ہو گی؟ اس کا علم اس کے پاس ہے اور اس کے حکم سے ہو گی اور تمام انسان مرنے کے بعد اس کے سامنے حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے لہٰذا اس کے احکام ماننے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

وَ لَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہیں وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے۔ سوائے ان کے جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ علم (یقین) بھی رکھتے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور اگر ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے؛ اللہ نے، پھر وہ کہاں بہکائے جاتے ہیں۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس (رسول) کے اس قول کی قسم کہ اے میرے رب! بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

لہٰذا (اے نبی) ان سے عفو و درگذر کیجئے اور کہہ دیجئے، سلام ہے، پھر عنقریب وہ جان لیں گے۔

قریش کے عقائد کے بارے وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام یا کوئی اور نبی یا ولی، سب مخلوق ہیں اور اللہ کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی سے بچا نہیں سکتا اور نہ سفارش کر سکتا ہے۔ جن افراد، نے اللہ پر ایمان بالیقین کیا اور اس کے احکام کی تابعداری کی، وہ افراد، اللہ کے ہاں مقبول ہوں گے۔ ان میں، انبیاء، اولیاء اللہ اور مقبول فرشتے ہیں، لیکن سب اللہ کے محتاج ہیں اور اس کی کوئی اولاد نہیں۔ اللہ پر اگر کوئی ایمان رکھے یا نہ رکھے، ہر فرد کی پیدائش اس کی مرضی یا اس کے اختیار سے نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کے پیدا کردہ اسباب کے تحت اس کے حکم سے ہوتی ہے۔ اسباب بھی سب کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن انسان اس پر غور نہیں کرتا، کہ نہ تو اس کی آمد (پیدائش) اس کے بس میں ہے اور نہ واپسی (وفات) اور اللہ کے وجود کو نہیں مانتا۔

کفار مکہ (منکرین)، کی اسلام دشمنی اور ہٹ دھرمی کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے، کہ اپنی ضد کی وجہ سے یہ ایمان نہیں لائیں گے اور محروم رہیں گے، لہٰذا ان سے درگذر کریں اور سلام کہہ دیں۔ جب موت کا وقت ہو گا، تو یہ خود جان جائیں گے یا جب اللہ اسلام کو کامیابی عطا فرمائے گا تو ان کو پتہ چل جائے گا۔ کفار سے درگذر کرنے اور سلام (سلامتی) کے اظہار کے لئے کہا گیا ہے۔ یہ احکام مکہ شریف کے لئے تھے اور ان کا اثر باقی رہا ہے۔ مدینہ شریف میں مسلمانوں کو دفاع کا حق دیا گیا۔ کفار کی چڑھائی کی صورت میں ان کو ختم کرنے اور کمزور کرنے کی بھی اجازت دی گئی، تاکہ اسلام کے وجود کو خطرہ نہ ہو، لیکن تمام حالات میں اخلاق عالیہ کا اسلام علمبردار ہے اور تاکید کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اسی آیت کی بناء پر ذمیوں سے سلام اور اچھے اخلاق کی تاکید کی ہے کہ ان کے سلام کا جواب اسی انداز میں دیا جائے اور یہی طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ (روح المعانی)۔ درگذر سے مراد اس طرح کی دشمنی نہ

کریں جس طرح کفار کر رہے ہیں یاان کے برے رویوں پر دل برداشتہ اوراس کا ردعمل نہ کریں۔جب مسلمان مدینہ گئے اور ایک اسلامی مملکت وجود میں آگئی تو مسلمانوں کو دفاع کی اجازت ملی تاکہ اسلام کی برکات کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکے اور کفر کے ساتھ لڑائیاں دفاع کے لئے ہوئیں۔رسول کا قول نبی ﷺ اور پرانے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

الحمدللہ سورۃالزخرف آج مورخہ 25 شعبان المعظم کو مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرماکر قارئین اور مصنف کے لئے باعث نجاعت بنائے۔آمین۔

44- سورۃالدخان

تعارف:۔

سورت الدخان، مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ مضامین کے لحاظ سے مکہ کا متوسط اور سورۃ الزخرف کے قریب کا دور ہے۔ سورت کا نام، الدخان کے آیت نمبر 10، میں ذکر کی وجہ سے ہے۔ سورت کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر چونسٹھ (64) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر چوالیس (44) ہے۔ اس کی انسٹھ (59) آیات ہیں اور تین (3) رکوع ہیں۔

سورہ الدخان کی فضیلت میں احادیث مبارکہ ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اُٹھ کر، حٰم الدخان، کی تلاوت کی اس کے لئے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی شب حٰم الدخان کی تلاوت کی اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (الترمذی/مسند ابو یعلی)۔

اس کی ابتداء میں سورۃ الزخرف کی طرح قرآن مجید کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید، لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا، کیونکہ لوگ (اہل عرب) ، اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے اور لہو و لعب میں مشغول تھے۔ اگر غفلت سے نہ نکلے، تو روز حساب کو سزا کی تیاری کر لیں۔ خوف والا ، ایمان قبول نہیں۔ ایمان وہ مقبول ہے جس کو اختیار کے ساتھ، بلا خوف اور غائب پر یقین کیا جائے۔ اس لئے بوقت عذاب، ایمان قبول نہیں ہوگا۔

فرعون کے واقعہ سے اہل مکہ کو عبرت پکڑنے کا حکم ہے، کہ ظالم بادشاہ کو اگر سزا ملی، تو قریش ایک عام قوم ہے، اسی طرح قوم تبع کے واقعات سے بھی نصیحت کی گئی ہے۔

زمین و آسمان کے وجود سے اللہ کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ کفار اور متقین کے انجام (بعد از موت) کا موازنہ کیا ہے تاکہ زندگی میں ایمان اور اعمال صالحہ کئے جائیں اور عذاب سے انسان بچ جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔میم

وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ اس واضح کتاب کی قسم۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾

بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا، بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ﴿۴﴾

اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ﴿۵﴾

ہمارے پاس سے ایک حکم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے) بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجنے والے ہیں۔

رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶﴾

آپ رب کی رحمت سے۔ بے شک وہی بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے۔

حا، میم۔ حروف مقطعات ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ جس میں انسان سے متعلق تمام امور کو ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ قریش اس کو کلام الٰہی نہیں مانتے تھے، اس لئے قسم کے ساتھ، تاکید کی گئی ہے۔ اس کتاب کو برکت والی رات کو نازل کیا گیا اور اس کا مقصد انسان کی بھلائی ہے۔ انسان کو عذاب الٰہی سے بچانا ہے۔ جس کے لئے سزا اور انعامات کا ذکر ہے۔ رات سے مراد لیلۃ القدر کی رات ہے جو کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے، کیونکہ لیلۃ القدر کے بارے، ایک سورت (قدر) بھی موجود ہے۔ جس میں نزول قرآن مجید کے بارے واضح کیا گیا ہے۔ اس سے مراد قرآن مجید کا نزول، ملاء اعلیٰ پر ہے۔ جہاں سے تھوڑا تھوڑا نبی ﷺ پر تیس سال میں نازل ہوتا رہا۔

شب نصف شعبان:۔

جس رات میں فیصلے ہوتے ہیں، اس رات کے بارے احادیث کی روشنی میں نصف شعبان مراد لی گئی ہے۔ جس میں عبادت کرنے کے بڑے درجات ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو گم پایا، میں باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ ﷺ بقیع قبرستان میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو یہ خطرہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ: میں نے یہ گمان

کیا تھا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل، نصف شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ، لوگوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (ترمذی/مسند احمد/ابن ماجہ)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک جب بندہ گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے تو پھر توبہ کرتا ہے، اللہ سبحانہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ (بخاری/مسلم)۔ جو افراد (مسلمان) گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، شب برأت کی برکت کے باوجود ان کی دعا قبولیت سے محروم رہتی ہے۔ ان (گناہوں) کا ذکر مختلف احادیث و اثار، میں کیا گیا ہے۔ چند درج ذیل ہیں۔ (۱): شرک۔ (۲): قتل۔ (۳): زنا۔ (۴): کینہ۔ (۵): بغض۔ (۶): والدین کی نافرمانی۔ (۷): قطع صلہ رحمی۔ (۸): عادی شرابی۔ (۹): چغلی کھانے والا۔ (۱۰): تصویریں (انسانی افراد کے مجسمے یا جاندار پینٹنگ) بنانے والا۔

شب برأت کو نوافل پڑھنا، عبادت، استغفار و توبہ کرنا، قبولیت کے لئے زیادہ موزوں وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے جو سراپا حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، کئے جاتے ہیں اور فرشتوں کے ذریعہ نافذ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنے پیغمبروں/رسولوں کو چنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوق پر رحمت اور فضل ہے، تاکہ گمراہی اور عذاب سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی جاننے والے اور سننے والے ہیں۔ اس کے سارے فیصلے حکمت سے بھرے اور نہ بدلنے والے ہیں۔ رسولوں اور کتابوں کا بھیجنا، اللہ کی رحمت کا حصہ ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝۷

جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں، کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۸

اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ وہی تمہارا اور تمہارے آباؤاجداد (باپ دادا) کا رب ہے۔

بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ۝۹

بلکہ وہ (کفار) شک وشبہ میں پڑے کھیل رہے ہیں (ان کو یقین نہیں)۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے کہ وہ تمام آسمانوں، زمین اور زمین پر، فضاء میں جو کچھ موجود ہے، سب کا خالق و مالک اور پالنے والا ہے۔ اپنی قوت و عظمت کی وجہ سے وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جن بھی افراد یا اشیاء کو انسان اپنا معبود بناتا یا سمجھتا ہے وہ غلط ہیں۔ اللہ تعالیٰ موجود انسانوں اور اس سے

پہلے گذرے ہوئے آباؤاجداد کو پالنے والا تھااور ہے، لیکن کفار مکہ (گمراہ انسان) اس حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں، اپنے خیالات میں گم ہیں اور بے پرواہ ہیں۔ گویا کھیل میں گم ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾

تو آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان صاف دھواں لائے گا۔

يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا (کہا جائے گا) یہ ہے دردناک عذاب۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

(کافر کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب ہٹادے بلاشبہ ہم ایمان لانے والے ہیں۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾

اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے؟ جب کہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والا رسول آچکا تھا۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾

پھر وہ اس سے پھر گئے اور (بعض نے) کہا: یہ (نبی) تو سکھایا پڑھایا ہے (اور بعض نے کہا) یہ دیوانہ (جنّ زدہ) ہے۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾

بے شک ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

جس دن ہم سخت پکڑ سے پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔

آسمان/فضاء میں دھواں:۔

کفار کے رویہ اور ان کے اعمال کی وجہ سے جو ان کو پیش آئے گا اس کا ذکر ہے۔ اللہ کی قدرت بالخصوص قیامت، حساب و کتاب سے وہ انکاری تھے۔ قرآن مجید کا کلام الٰہی اور نبی ﷺ کی نبوت سے انکار اور مذاق اڑاتے۔ قیامت کے آثار کے بارے فرمایا، وہ وقت آئے گا، جب عذاب بالکل سامنے آجائے گا۔ اس کی ایک صورت بیان کی گئی

ہے کہ آسمان یعنی فضاء(زمین وآسمان کے درمیان)دھویں سے بھر جائے گی۔اس کی حدیث مبارکہ میں وضاحت کی گئی ہے۔ حضرت خذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے۔ ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم کس چیز میں بحث کر رہے ہو؟ صحابہ نے کہا: قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی، جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چیزوں کا ذکر کیا: (۱): دھواں۔(۲): دجال۔(۳): دابۃالارض۔(۴): سورج کا مغرب سے نکلنا۔ (۵): حضرت عیسیٰ کا نزول۔(۶): یاجوج ماجوج۔(۷): تین بار زمین کا دھنسنا، (مشرق میں)۔(۸): مغرب میں۔ (۹): جزیرۃ العرب میں۔ (۱۰): آگ کا نکلنا، جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔(المسلم)۔ اسی طرح ایک روایت بھی دھویں کے بارے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ قرب قیامت میں چالیس روز تک ظاہر ہو گا اور زمین وآسمان کی فضاء کو بھرے گا۔ مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہو گا اور کافر وفاجر کی ناکوں میں داخل ہو کر کانوں کے سوراخ سے نکلے گا اور ان کا دم گھٹنے لگے گا، یہ دھواں جہنم کے آثار سے ہے۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم)۔

سائنسی/علمی نقطہ نظر سے قرب قیامت کے آثار میں سے ہو گا۔انسانی ماحولیات کی آلودگی، صنعتی آلودگی کی وجہ سے، فضاء کی کیفیت وحالت بدل جائے گی اور زمین کی قدرتی حفاظتی شیلڈ (چھتری) ختم یا پھٹ کر حرارت کا سبب بن جائے گی، جس سے آسمان دھوئیں سے بھرا ہوا لگے گا۔ دھوئیں کے بخارات سخت ہوتے ہیں اور اگر فضاء دھوئیں سے بھر جائے، تو آسمان کا رنگ سرخ نظر آتا ہے جو خوفناک لگتا ہے۔ جب آتش فشاں پھٹتا ہے تو یہ منظر نظر آتا ہے۔

عذاب کو دیکھ کر انکار کرنے والے (کافر) توبہ کریں گے اور قبول حق کا وعدہ کریں گے اور جب عذاب دیکھ کر توبہ کی جاتی ہے تو اس کی قبولیت نہیں کیونکہ یہ اجباری اور خوف کی وجہ سے ہے۔ توبہ وہی ہے جو اختیار سے کی جائے۔

کفار مکہ اور پرانے کفار، کا یہ رویہ رہا ہے کہ جب بھی ان پر عذاب آیا، تو وہ نبی وقت کے پاس دوڑے آتے اور دعا کی درخواست اور دعوت نبی کی سچائی اور اس کو قبول کرنے کا وعدہ کرتے، لیکن جونہی عذاب ٹل جاتا پھر اسی ضد اور مخالفت پر اتر آتے۔ اسی طرح کا واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ کفار مکہ کی شدید مخالفت اور مسلمانوں پر ظلم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قحط یوسف علیہ السلام کی دعا کی۔ بارش بند ہو گئی۔ کئی سال گذر گئے۔ پرانے چمڑے اور مردہ جانور کھانے پر قریش مجبور ہو گئے۔ ابوسفیان حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ دعا کریں کہ 'آل مضر' اس عذاب سے نکلیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی، تو بارش ہو گئی۔ قحط ختم ہو گیا اور قریش نے پھر وہی مخالفت شروع کر دی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس آیت کی تفسیر کے بارے یہی خیال ہے کہ لوگ بھوک کی وجہ سے جب آسمان کی طرف دیکھتے تو ان کو

دھواں نظر آتااور یہی عذاب تھا، جس کا آیات میں ذکر ہے۔ آیت، انسانی خود غرضی کو ظاہر کر رہی ہے کہ اپنے مفاد کی خاطر غلط بیانی کرتا، وعدے کرتا ہے پھر مکر جاتا ہے۔

نبی ﷺ کو کفار، کبھی شاعر اور معلم یعنی سمجھدار شخص، جیسے جادو گر اور کبھی مجنون کہتے۔ بعض مفسرین نے پکڑ سے مراد، کفار مکہ کی غزوہ بدر میں شکست اور ستر افراد جو بڑے جری تھے کی موت لی ہے۔ بعض مفسرین نے اس پکڑ سے مراد قیامت کے وقت یا آثار قیامت کی پکڑ لی ہے جس سے سارے انسان خوف زدہ ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کی یہ فصاحت ہے کہ سارے امور کو حاوی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾

اور البتہ ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس ایک معزز رسول آیا تھا۔

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾

(اس رسول نے کہا) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو، بے شک میں تمہارے لئے کریم (معزز) رسول ہوں۔

وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾

اور یہ کہ اللہ کے مقابلے میں تم شرکشی نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں۔

وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾

اور بلاشبہ میں نے، اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لی ہے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾

اگر تم میری بات پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

قریش مکہ، کی نصیحت کے لئے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ قوم فرعون، نے انسانیت پر ظلم کیا ہوا تھا۔ انسانوں (بنی اسرائیل) کو غلام بنایا ہوا تھا۔ معاشرہ میں طبقانیت تھی، ایک مراعات یافتہ اور دوسرا محکوم طبقہ۔ فرعون غرور اور طاقت کے گھمنڈ پر اپنے کو خدا، کا نائب بلکہ خدا سمجھتا تھا۔ اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم اور مکرم (صاحب کردار و علم) رسول بن کر آئے اور اسے، بنی اسرائیل کو اس کی غلامی سے آزاد کر کے مصر چھوڑنے اور اپنے ساتھ لے جانے کا کہا۔ فرعون نے تکبر کا اظہار کیا اور انکار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مختلف معجزے دکھائے، (ہاتھ کا چمکنا اور لاٹھی کا اژدھا بننا)، لیکن وہ اکڑا رہا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی

دھمکی دی۔آپ علیہ السلام نے،اس کی دھمکی کا جواب یہ دیا کہ میں اپنے رب اور تمہارے رب (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب ساری کائنات کا رب ہے) سے تمہارے قتل (سنگسار) کرنے سے پناہ لیتا ہوں۔اور اگر تم میری بات نہیں مانتے، تو مجھے قتل نہ کرو۔(جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی پناہ لے لی تو ان کو یقین تھا کہ فرعون انہیں قتل نہیں کر سکے گا۔) یہ جملہ صرف اس کو روکنے کے لئے کہا تھا۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھر اس نے اپنے رب سے دعا کی (پکارا) بے شک یہ لوگ (قوم فرعون) مجرم ہیں۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

(حکم ہوا) اب میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات لے چل یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور تو سمندر کو ساکن چھوڑ جا، بلاشبہ یہ لوگ (قوم فرعون) غرق شدہ لشکر ہیں۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔

وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾

اور کھیتیاں اور عمدہ مقام۔

وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور سامان عیش جن میں وہ مزے کر رہے تھے۔

كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا۔

فرعون کا تکبر اور مخالفت جب ختم نہ ہوئی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نجاعت کی دعا کی اور آپ علیہ السلام کی دعا کے بدلے حکم ہوا، کہ بنی اسرائیل کو لے کر رات کو آپ علیہ السلام شہر سے نکل جائیں اور فرعون کا لشکر تمہارا پیچھا کرے گا۔دریا راستے میں تھا۔حکم ہوا کہ دریا/سمندر ساکن ہو گا اور ساکن چھوڑ کر نکل چلیں،(دریا یا سمندر اپنی حالت تقسیم میں ہے)۔حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم اسرائیل کو لے کر دریا کے درمیان سے نکل کر پار ہو جائیں اور ان کا پیچھا کرنے والے (فرعون کا لشکر) غرق ہو کر ختم ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ظالموں کا یہی انجام ہوتا ہے۔فرعون اور

اس کے امراء جن کے بڑے محلات اور باغ اور عیش و عشرت کی زندگی گذار رہے تھے وہ سب ختم ہو گئے اور ان کی جگہ دوسری قوم نے سنبھال لی۔ وہ عبرت کا نشان بن گئے۔ ان کی شان و شوکت کے باوجود ان کو کسی نے یاد تک نہیں کیا کیونکہ وہ ظالم تھے اور نہ ان کے ختم ہونے پر زمین پر شدید افسوس و غم کا اظہار کیا گیا۔ حدیث کے مطابق مومن (نیک انسان) کے مرنے پر زمین و آسمان افسوس کرتے ہیں، کیونکہ مخلوق اس کی نیکی سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیارے، ستارے، (آسمان و زمین) بھی کچھ حد تک عقل رکھتے ہیں اور نظام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ جدید سائنس نے بھی اب اسے دریافت کر لیا ہے۔ ظلم کرنے والوں کے برے انجام سے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور پھر ان پر آسمان و زمین نہ روئے اور نہ انہیں مہلت دی گئی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾

اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجاعت دی۔

مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

یعنی فرعون سے، بلاشبہ وہ بڑا ہی سرکش اور حد سے گذرنے والوں میں سے تھا۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور بے شک ہم نے (بنی اسرائیل کو) جانتے بوجھتے ہوئے جہانوں پر ترجیح دی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے انہیں نشانیاں دی تھیں جن میں کھلی آزمائش تھی۔

انعام اور امتحان:

بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کا قصہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی کی زندگی، جبری مشقت، عورتوں سے خدمت، بچوں کے قتل کے عذابوں سے نجاعت دلائی۔ فرعون، جو اللہ کی توحید سے منکر تھا، انسانیت پر ظلم کر رہا تھا، طبقاتیت پیدا کر دی تھی۔ اسے بڑی بے دردی سے ،اس کے سارے لشکر کے ساتھ غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کی بغیر کسی لڑائی کے فتح مند ہوئے۔ فرعون سے سب عوام کی جان چھوٹ گئی۔ بنی اسرائیل، کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان پر ظلم اور ان کے صبر کی وجہ سے چنا، اور ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے ذریعہ انعام کیا۔ بغیر جنگ کے ان کو فرعون سے بچایا۔ من و سلویٰ کے کھانے بہم

پہنچائے اور صحراء میں بادل کا سایہ مہیا کیا۔ یہ سارے امور، جہاں انعام تھے وہاں ان کو آزمائش بھی دی گئی کہ وہ فلسطین پر اللہ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قائم کریں۔

ایک نکتہ بڑا واضح فرمایا، جہاں اللہ تعالیٰ انعام عطا کرتے ہیں، وہاں امتحان بھی دیتے ہیں۔ دوسرا نکتہ، جب کسی معاشرہ میں مخلوق خدا (مظلوم) پس جاتی ہے، تو اس کو بچانے کے لئے دوسری قوت سامنے آجاتی ہے وہ انبیاء ہوں یا کوئی اور حکمران۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ بے شک یہ لوگ (کفار)، (عزم سے) کہتے ہیں۔

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾

ہمیں مرنا تو پہلی بار ہے اور ہمیں تو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾

پھر اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

کیا یہ لوگ (کفار) بہتر ہیں یا قوم تبع، اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے؟ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بلاشبہ وہ مجرم تھے۔

کفار (انکار کرنے والوں)، کے رویہ کا ذکر ہے۔ قریش مکہ، اسلام کی مخالفت میں ضد پر تھے۔ قیامت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر تعجب کرتے اور انکار کرتے تھے۔ وہ صرف ایک بار مرنے پر یقین رکھتے تھے اور مطالبہ کرتے کہ اگر آدمی دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے تو ان کے آباؤاجداد کو زندہ کر کے ثبوت دیا جائے۔ لیکن نظام الٰہی، صور اسرافیل پر تمام انسان زندہ ہوں گے۔ حیات بعد از موت، کا عقیدہ، ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ پھر عقل و سمجھ سے بھی اس پر یقین آتا ہے، کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا، دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔

قوم تبع:۔

قریش کو کہا جا رہا ہے کہ وہ قوم تبع کی تاریخ پر غور کریں، جو انتہائی طاقتور قوم تھی۔ عرب کے قریب، سباء (یمن) کے علاقہ میں کئی صدیوں تک حکمرانی کی، لیکن انبیاء کی مخالفت میں (اللہ کی نافرمانی پر) وہ تباہ ہو گئے۔

سباء میں حمیر قبیلہ تھا۔ یہ اپنے بادشاہ کو تبع کے لقب سے پکارتے تھے، جس طرح روم کے بادشاہ قیصر، ایران

کے بادشاہ، کسریٰ، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور مصر کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے۔تاریخ تبابعہ (قوم تبع)، میں بعض بادشاہوں (تبع) کو بڑا عروج رہا۔انہوں نے کئی علاقے فتح کئے۔ایک روایت کے مطابق وہ سنٹرل ایشا (سمرقند) تک گئے تھے۔(تاریخ دمشق)۔ بالخصوص ایک تبع بادشاہ، بہت عادل اور نیک حکمران تھا، جس نے دین اسلام (اس وقت کے نبی پر کے مذہب) کو قبول کیا تھا۔اس کا حدیث میں بھی ذکر ہے (روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قال رسول اللہ ﷺ: لا تسبو تبعاً فانه قد اسلم۔ (طبرانی)۔

تبع بادشاہ، کا پورا نام، تبع بن حسان بن کلمی کرب بن تبع بن القران، مذکور ہے۔(تاریخ دمشق)۔ پھر یہ قوم نافرمانی اور ظلم کی وجہ سے تباہ کر دی گئی۔اسی طرح دوسری امتیں، عاد اور ثمود بھی تباہ کر دی گئیں۔قریش مکہ کو ان کی مخالفت پر وارننگ دی جارہی ہے۔ان کی حیثیت فراعنہ (فرعون) اور تبع بادشاہوں کے مقابل کچھ بھی نہیں۔لہذا اسلام اور نبی ﷺ کو قبول کریں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔اسے کھیل تماشہ کے طور پر پیدا نہیں کیا۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہم نے ان دونوں (زمین اور کائنات) کو حق (مربوط نظام) کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نظام کائنات:۔

آیات مبارکہ، ہر پڑھنے اور سمجھنے والے کو کائنات پر غور و فکر کرنے اور اس کے نظام کو سمجھنے، اس کے اعلیٰ سسٹم، ربط، اسباب، نتائج اور اثرات، پر غور کرنے اور پھر مخلوق سے، اس کے خالق کو سمجھنے کی ہدایت کی ہے۔ غور کیجئے۔زمین کی قوت، طاقت، حالت اس کے اندر نباتات کی قوت، اس پر پہاڑ، ان کے اندر معدنیات، دریا، چشمے، جنگلات، حیوانات، ان سب کے وجود کے لئے بادل اور بارشوں کا نظام، چاند اور اس کی گردش، اس کی کشش، زمین کی کشش ثقل، زمین کے اندر مقناطیسیت اور اس کے پول (مثبت و منفی مرکز)، سورج کے ساتھ اس خاص زاویہ، اس کا اپنے ایکسز (کنارے) پر گھومنا اور رات اور دن کا آنا، سورج کی روشنی کا فوراً پھیل جانا، چاند کا زاویہ، گھٹنا اور بڑھنا، چاند کی روشنی کا تین دن تک پوری زمین پر پھیلنا، سورج کے محور پر زمین کا چکر، پھر اس کا زاویہ، پھر اس کا فاصلہ، جس کے ایک نصف حصہ زمین (شمالی) اور دوسرے نصف حصے (جنوبی) کے موسموں میں بالکل برعکس حالت کا ہونا، کہیں گرمی (شمال میں) خزاں، سردی اور بہار اور اسی وقت یا ایام میں جنوبی حصہ پر سردی، بہار، گرمی اور خزاں ہوتی ہے۔ بادلوں اور ہوا کا دباؤ، پانی کی اچھال، زمین کی معدنیات اور

پروٹین، جن سے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ عرض انسان، ہزاروں سال سے جستجو کر رہا ہے لیکن منزل نظر نہیں آرہی۔ اس کے آگے کائنات، سورج، ستارے، فضائیں، کہکشائیں، اور نیو بلا، ہیں۔ یہ سب محض کھیل نہیں، بلکہ ایک منظم، نظام کا حصہ ہیں۔ جو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، لیکن جس طرح آیت میں ہے ''اکثرھم لا یعلمون'' کہ اکثر لوگ، اس پر غور نہیں کرتے اور نہیں جانتے۔ اپنے خالق کو بھولے رہتے ہیں۔ آیت مبارکہ، مسلمان کو دعوت دے رہی ہے، کہ علوم سائنس سیکھ کر غور کریں اور انسانیت کی راہنمائی کریں۔

اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِیۡقَاتُہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۙ﴿۴۰﴾

بلاشبہ فیصلے کا دن (حساب و کتاب) ان سب کے لئے طے شدہ ہے۔

یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡئًا وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ۙ﴿۴۱﴾

اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۲﴾

سوائے اس کے جس پر اللہ نے رحم کیا ہو۔ بلاشبہ وہ نہایت غالب، خوب رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کی عظمت، کے بعد کفار (منکرین اسلام) کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ کائنات کے مالک و خالق نے ایک دن (وقت) حساب و کتاب کا معین کر رکھا ہے۔ اس کے مطابق قیامت واقع اور حساب و کتاب ہوگا۔ وہ دن بڑا سخت ہوگا۔ برا آدمی پریشان اور اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا پائے گا۔ کوئی شخص، کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ دنیا میں بھروسہ یا تسلی دینے والے افراد اس دن بھی بے بس ہوں گے۔ لہٰذا کسی کا بھی دعویٰ، کہ وہ بچائے گا غلط ہے۔ اللہ کے وہ بندے جو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ، ان سے راضی ہیں، ان کو اس دن پریشانی نہیں ہوگی۔ اللہ کی ذات بڑی قدرت، غلبہ والی اور مہربان ہے، اس لئے ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾ بے شک تھور کا درخت

طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ۖ﴿۴۴﴾ گنہگار کا کھانا ہے۔

کَالۡمُہۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ۙ﴿۴۵﴾ پگھلے تانبے کی طرح وہ پیٹوں میں کھولے (جوش مارے) گا۔

کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾ تیز گرم پانی کے کھولنے (جوش مارنے) کی طرح۔

خُذُوۡہُ فَاعۡتِلُوۡہُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ۖ﴿۴۷﴾ (حکم ہوگا) اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے درمیان لے جاؤ۔

ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِہٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۸﴾ پھر اس کے سر پر تیز گرم پانی کا عذاب انڈیلو۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ چکھو(مزہ) بے شک، تو بڑا عزت والا اور مکرم بنتا تھا۔

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کرتے تھے۔

قیامت کو مجرم لوگوں، کی منظر کشی کی گئی ہے۔ تھور کا درخت، جس پر کانٹے اور کڑوا ہوتا ہے، وہ ان کا کھانا ہو گا۔ اس سے ان کی بھوک نہیں مٹے گی اور اس کی ان کو خواہش ہو گی، پھر جب ان کے معدے اور پیٹ میں جائے گا، تو کھولنا شروع ہو گا اور مزید پیٹ کے اندر تکلیف و درد پیدا ہو گا۔ جہنم کے فرشتے جو کام کرنے پر مأمور ہوں گے، گرم پانی، جسموں اور چہروں پر سزا کے طور پر انڈیلیں گے۔ یہ حالت تمام مجرموں کی ہو گی۔ دنیا میں جو جرم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ترغیت دیتے اور کراتے ہیں، جن کو لوگ بڑا معزز یا اہم شخص جانتے ہیں، ان کو ان کے پیروکاروں کے سامنے سزا دی جائے گی۔ کہا جائے گا، کہاں ہے، تمہاری دنیا کی عظمت و شوکت، جس پر تم اتراتے تھے اور اس سزا و جزا کے حکم کو نہیں مانتے تھے۔ آج یہ عملی طور پر نافذ ہو رہا ہے۔ آیات کا مقصد قاری (انسان) کو آگاہ کرنا ہے تاکہ عذاب سے بچ سکے۔

قرآن مجید ہمیشہ پڑھنے والوں کو تصویر کے دو رخ دکھاتا ہے تاکہ وہ صحیح فیصلہ کر سکیں اب مجرموں کے بعد نیکوکاروں کی حالت کے بارے منظر کشی کی گئی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ بے شک نیکوکار (متقین) مقام سکون اور آرام میں ہوں گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ جہاں باغات اور چشمے ہوں (رہائش گاہ میں)۔

يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ وہ باریک اور موٹے ریشم (کے لباس) پہنیں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

كَذٰلِكَ ۗ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اسی طرح ہو گا اور بڑی آنکھ والی (غزالی چشم) حوروں کو ان کی بیویاں بنا دیں گے۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وہاں اطمنان اور سکون سے ہر قسم کا پھل طلب کریں گے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

وہ جنت میں دنیا کی پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے۔

جنت میں مومنوں (نیک اعمال والوں) کی زندگی کی منظر کشی کی گئی ہے کہ ان کو آگ کے بجائے، بہت عالی

شان محلات ملیں گے۔ جن میں باغات ہوں گے۔ چشمے بہہ رہے ہوں گے۔وہ آرام و سکون کے ساتھ ان میں رہیں گے۔ان کے لباس (آگ کے بجائے جس طرح مجرموں کے ہوں گے)،اعلیٰ ریشم کے ہوں گے۔جو ریشم نرم، پتلا اور موٹا بھی ہو گا،تاکہ اپنی خوشی و طبیعت کے مطابق لباس پہنیں۔ان کو خدمت کے لئے خوبصورت حوریں ملیں گی۔یہ حوریں ان کی اپنی عورتوں سے حسن و جمال میں کمتر ہوں گی۔مومن عورتیں،اپنی عبادات کی وجہ سے افضل ہوں گی۔ حوریں،خدمت کے لئے اضافی ملیں گی تاکہ ان کی ازواج،آرام و سکون سے رہ سکیں اور وہ بھی ان سے خدمت لیں گی۔ جس طرح کا پھل ان کی خواہش ہو گی،اس طرح کا پھل،ان کو مہیا کیا جائے گا۔ان کو جو (دنیا میں) موت آئی تھی،وہی موت ہو گی۔اس کے بعد ان کی ساری زندگی،بغیر موت کے جنت میں گذرے گی۔اللہ نے اپنے رحم و فضل سے ان کے اعمال کو قبول فرمایا اور ان کو بڑھ کر انعام و اکرام سے نوازا۔یہی ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔اس کامیابی کے حصول کے لئے،ہر انسان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔اللہ اور اس کے رسول کے سارے احکام انسانیت کی بھلائی کے لئے ہیں۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

بس ہم نے اس قرآن کو آپ (اے نبی) کی زبان میں آسان کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ پس آپ (اے نبی) انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

سورت کی ابتداء بھی قرآن مجید کی صداقت اور عظمت سے تھی اور اختتام بھی اسی پر ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں اتارا،تاکہ اہل عرب اپنی زبان ہونے کی وجہ سے فوراً سمجھ لیں۔غور کریں،عمل کر کے نجاعت حاصل کریں۔ لیکن وہ اس سے اگر انکاری ہیں تو پھر وہ عذاب کا انتظار کریں اور آپ ﷺ بھی انتظار کریں،جب حکم الٰہی ہو گا تو ان کو سزا ملے گی۔ایک اور تفسیر یہ ہے کہ آپ اپنی کوششوں کی کامیابی کا انتظار کریں اور کفار اپنی ناکامیوں کو دیکھنے کا انتظار کریں،جس طرح تاریخ میں دو سال کے اندر اہل مکہ،ناکام ہوئے اور مسلمان کامیاب ہوئے۔

الحمد للہ آج بروز بدھ سورۃ الدخان کی تفسیر بتاریخ 22 مارچ 2023 عیسوی بمطابق 29 شعبان المعظم 1444 ہجری کو اختتام کو پہنچی۔اللہ تعالیٰ سارے قرآن مجید کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مصنف و قارئین کے لئے ذریعہ نجاعت بنائے۔آمین بارب العالمین بجاہ نبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

45- سورۃالجاثیہ

تعارف:۔

سورت کا نام،الجاثیہ کے لفظ جو کہ آیت نمبر 28 میں آیا ہے کی وجہ سے ہے۔اس کا معنی دوزانو ہو کر یا گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی، جس سے قیامت کے روز مختلف امم خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل بیٹھی،اپنے فیصلہ کے لئے منتظر ہوں گی۔

سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا زمانہ وسطی دور ہے۔یہ سورت الدخان کے بعد اور الاحقاف سے پہلے نازل ہوئی۔اس کا ترتیب نزول سے نمبر پینسٹھ (65) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے پینتالیس (45) ہے۔ سورت کی ابتداء قرآن مجید کے تعارف اور اہمیت سے ہے۔سورت میں سینتیس (37) آیات اور چار (4) رکوع ہیں۔

مضامین کے لحاظ مکی سورتوں کے مضامین، عقائد سے متعلق ہیں۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، تخلیق کائنات، نبی ﷺ کی رسالت اور قیامت کے بارے تفصیلی ذکر ہے۔قیامت کا منظر اور تمام امتوں کی حالت زار اور پریشانی کا نقشہ بیان کیا گیا ہے۔انسان کے اعمال صالحہ سے پھسلنے کا انداز بتایا گیا ہے۔اللہ کی قوت وطاقت دوبارہ تخلیق پر دلائل ہیں اور اللہ کی عظمت وقوت پر سورت کا اختتام ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔ میم۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾

اس کتاب کا نزول اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مومنوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾

اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین پر پھیلایا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تخلیق آسمان، زمین وحیوانات:۔

سورت کی ابتداء حا۔ میم حروف مقطعات سے ہے، جو کلام کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مفسرین نے مختلف تعبیرات کی ہیں۔ قرآن مجید کی عظمت کا ذکر ہے، کہ اس کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بہت غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ قاری کو، اس کلام کو پڑھتے ہوئے اس بات کا علم ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غلبہ اور حکمت کی تفصیل اگلی آیات میں ہے کہ زمین اور آسمان پر اگر غور کریں، تو ایمان لانے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور جو ایمان نہیں لاتے ،ان کے لئے صرف معلومات اور تحقیق کی منازل ہیں۔ مخلوق اپنے خالق کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ آسمانوں کی وسعت، آسمان میں سورج اور دوسرے سیارے، چاند، ستارے، پھر سورج اور زمین میں گردش کے ذریعہ دن اور رات، رات کو چاند کی روشنی، ان کے اثرات، جن کی معلومات دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ کسی خالق کی دلیل ہیں جس کا نظام انتہائی منظم ہے۔ ذرا فاصلہ کم ہو یا رفتار کم ہو جائے، سارا نظام ختم ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ زمین، پر جو حیوانات ہیں، ان کی تخلیق، دودھ دینے والے جانور، رینگنے والے جانور، دوٹانگوں اور چار ٹانگوں والے جانور، اڑنے والے پرندے، مختلف حشرات، غرض اس قدر واضح اور کثیر حقائق ہیں، جو کہ کسی خالق کے وجود، اس کی قوت غلبہ وطاقت، اس کی اعلیٰ حکمت پر واضح دلیل ہیں۔ انسان کا اپنا وجود ایک انتہائی بڑا شاہکار ہے۔ اعضاء، ساخت، نظام حیات، نمو اور پھر موت بڑی سبق آموز ہے۔

وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ

مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

رات اور دن کی تبدیلی اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے، پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا (اس میں) اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں اہل عقل (فہم وفراست) کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝

یہ اللہ کی آیتیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔ سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے۔

بارش اور نباتات:۔

اللہ تعالیٰ اپنے وجود اور قوت وحکمت کا اظہار ان آیات میں کر رہا ہے۔ رات دن کا نظام، زمین کے اپنے محور (Axis) پر گھومنا، ایک حصہ سورج کی طرف تو دن ہے اور دوسرا حصہ سورج سے دور ہے تو رات، لیکن ساتھ اللہ تعالیٰ نے چاند کی گردش ایسی کر دی، کہ وہ سورج کی روشنی کو منعکس کر کے رات کو منور کر دیتا ہے اور مائیں بچوں کو چاند کی لوری سناتی ہیں۔ اب اگر زمین کے ساتھ سورج کا فاصلہ، ذرا کم ہو تو سردی سے مخلوق جم جائے اور اگر ذرا زیادہ ہو تو مخلوق گرمی سے پگھل جائے۔ پھر اس کے جھکاؤ کا زاویہ اور سورج کے گرد گردش کا فاصلہ گرمیوں اور سردیوں میں بدلتا ہے، جس کی وجہ سے موسم بدلتے ہیں۔ خط استواؑ کا موسم اور دن متناسب ہیں اور قطبین میں مختلف ہیں۔ اسی طرح نظام شمسی کے اور بھی سیارے ہیں، جن کی اپنی کیفیت ہے۔

آسمان پر بادل ہوتے ہیں۔ ان بادلوں میں خلاء سے آنے والی گیسز کے ذرات اور تابکاری، بادلوں میں نمی سے بارش ہوتی ہے۔ بارش سے زمین سیراب ہوتی ہے۔ دریاؤں، جھیلوں اور پھر سمندر میں پانی جاتا ہے۔ زیرِ زمین، پانی کا ذخیرہ رہتا ہے۔ زمین میں جب پانی جاتا ہے تو نائٹریٹ کی وجہ سے زمین (مٹی) میں زندگی پیدا ہوتی ہے اور مختلف نباتات (چھوٹے پودے) ہوتے ہیں، جو نکل آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے درخت اور پھل پیدا کئے ہیں، جن کو انسان، حیوان، حشرات، پرندے کھاتے اور زندہ رہتے ہیں۔ ہواؤں کا رخ سے بادل اکٹھے ہوتے ہیں۔ بارش ہوتی ہے۔ سمندروں میں کرنٹ (لہریں) پیدا ہوتی ہیں، موسم بدلتے ہیں۔

علم وعقل:

یہ سارے واقعات قابل غور ہیں۔ اہل علم، نے ان پر کئی علوم پیدا کئے ہیں اور بہت ساری چیزیں ایجاد کی ہیں۔ اس لئے آیت میں ہے کہ اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔ بد قسمتی سے مسلمانوں، میں سائنسدانوں کی کمی کی وجہ

سے ،اکثر لوگ ،اللہ تعالیٰ کے بجائے فطرت کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ خالق کے بغیر مخلوق ممکن نہیں۔ نبی ﷺ نے اس لئے ہدایت فرمائی کہ مخلوق پر غور کرو، جو خالق پر راہنمائی کرتی ہے۔ لیکن خالق کے بارے (کیسے/کیوں) میں نہ الجھو اور نہ بحث کرو کیونکہ یہ موضوع،انسانی فہم و علم کی استعداد سے بلند ہے۔اسمائ ربانی، کا علم اور یقین،اس کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

علم اور عقل بہت ضروری ہے۔ عقل، علم کے بغیر اتنا فائدہ نہیں دیتا، جتنا علم کے ساتھ نفع دیتا ہے۔اس لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدی،جو غیر مسلم تھے،ان سے مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی تاکید کی تھی اور ہر قیدی کو دس افراد کو علم سکھانے کے بدلے ،اس کا تاوان معاف کر دیا گیا تھا۔ یہ علم قران، یا عربی زبان کا علم نہیں تھا، بلکہ لکھنا،پڑھنا، حساب اور دوسرے مروجہ علم تھے۔اس سے عوام کو تعلیم دلانا، اسلامی ریاست کی ذمہ واری ثابت ہوتی ہے۔

عقل،انسانی دماغ کی علم حاصل کرنے،اس کو محفوظ رکھنے اور تجزیہ کرنے کی قوت ہے، جو اللہ کا انسان پر بڑا انعام ہے۔انسان میں اس کی استعداد، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ رکھی ہے۔اس لئے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور مسجود ملائک کا اعزاز بخشا۔

ان دلائل کے باوجود بھی اگر کفار، اللہ کی طاقت کو جانتے ہوئے قیامت، حشر ونشر (دوبارہ زندگی) سے انکار کرتے ہیں تو ان کی کم علمی ہے۔اللہ کی طرف سے ہدایت کی کتاب موجود ہے،اگر اس کو نہ پڑھتے اور نہ غور کرتے ہیں، تو گمراہی کی سزا پائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷

ہر سخت جھوٹے اور گنہگار کے لئے ہلاکت ہے۔

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸

جو اللہ کی ان آیات کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے انکار پر) ڈٹا رہتا ہے۔ جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں۔(اے نبی) آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹

اور جب اس نے ہماری کچھ آیات جان لیں (سن لیں)، تو انہیں مذاق بنالیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن

کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰

ان کے پیچھے دوزخ ہے اور جو کچھ انہوں نے کمایا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ (کام آئیں گے) جنہیں انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنالیا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱

یہ (قرآن) تو ہدایت ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا۔ ان کے لئے سخت دردناک عذاب ہے۔

کفار کے رویہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سنتے۔ اگر سنتے ہیں تو اکڑ اور ضد کرتے ہیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ غور کرنے کے بجائے اپنے غلط عقیدہ پر قائم رہتے ہیں۔ بعض اوقات آیات کے مفہوم کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں مذکور صداقت پر غور نہیں کرتے۔ ان کو اس رویہ اور انکار کا بدلہ ملے گا۔ ان کے اعمال دنیا میں رہ جائیں گے۔ جن وسائل یا افراد پر بھروسہ کرتے ہیں، وہ سارے کے سارے دھرے رہ جائیں گے اور انکار کرنے والے عذاب جہنم میں سزا بھگتتے رہیں گے۔ ان کے حساب و کتاب کا نتیجہ دوزخ ہوگی، لہٰذا کہیں نہیں جاسکیں گے۔ قرآن مجید موجود ہے اس کا انکار اور ہدایت نہ لینے کی یہ سزا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں معاشروں میں متکبر افراد کا رویہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھمنڈ میں اچھائی کو بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲

اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۳

اور اس نے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے تابع کر دیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور فکر کرتے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(اے نبی!) آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کریں، جو اللہ کے ایام (گرفت کے دن/قیامت) کی امید نہیں رکھتے، تاکہ اللہ کچھ لوگوں کو ان اعمال کی سزا دے جو وہ کماتے رہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جس نے نیک عمل کیا تو اس کے اپنے فائدے کے لئے کیا اور جس نے برا کیا اس کا وبال اسی پر ہے۔ تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

سمندر و زمین:۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے کہ اس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا یعنی سمندر میں کشتیاں چلانے کا ذریعہ بنایا اور انسان کو سکھایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو جہاز بنایا تھا، جس میں انسان اور حیوان سب سوار تھے۔ پھر سمندر سے انسان مچھلیاں پکڑتا ہے۔ جو انسانی خوراک کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی طرح موتی اور آج کل تو معدنی پیٹرول و گیس بھی نکالا جاتا ہے۔ سمندر میں پانی کی اچھال کی خاصیت سے کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ سمندر پر ہوا کے رخ سے موسم پر اثر پڑتا ہے اور ساحلی علاقوں کا موسم بہتر رہتا ہے۔ گرم کرنٹ (پانی پر سے گرم ہوا)، سرد علاقوں میں موسم بہتر کر دیتا ہے۔

زمین بھی مسخر ہے۔ معدنیات پھل پودے، سارے اس کے ذرائع انسان کے لئے وقف ہیں، جن کا علم ہمیں اب نویں صدی ہجری کے بعد میں ہوا۔ اسی طرح انسان کے لئے خلاء (فضاء) کو بھی مسخر کر دیا۔ آج انسان، آسمان پر ستاروں کی معلومات لے رہا ہے۔ اگر خلاء میں کوئی شدید دباؤ یا مزاحمت ہوتی تو انسان اس طرح سفر نہ کر سکتا۔ سامنے آنے والے حقائق کا قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے ان کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور آج ہم ان کی حقیقت دیکھ رہے ہیں۔ یہ سارے امور، معلومات اہل علم و عقل کے لئے ہیں۔ عقل، علم اور غور و فکر کی دعوت، ہر دفعہ کائنات، تخلیق، زمین، آسمان، بارش، سمندر، حیوانات کے ذکر کے ساتھ دی گئی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے ان علوم اور ان تخلیقات پر غور چھوڑ دیا، دنیا کی امامت کرنے سے نکل کر غلامی کے طوق پہن لیے ہیں۔

جزا و سزا کا پیمانہ:۔

انسان، کو بڑا واضح حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب، اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کا پیغام موجود ہے۔ اسباب و حقائق

سامنے ہیں۔انسان کو عقل عطا کیا گیا ہے۔اسے علم حاصل کرنا چاہیے تاکہ عمل کے انتخاب میں بروقت اور صحیح فیصلہ کر سکے۔دنیا میں اعمال کی جزا سزا اس فرد کو دی جائے گی جو کرے گا۔جو اچھے یا نیک عمل کرے گا (جس سے معاشرہ میں بھلائی، جس طرح اسلام کے سارے فرائض واجبات، حرام و ممنوع، سارے انسانی فلاح کے لیے ہیں)،اس کو ان کے مطابق اچھی جزا و انعام ملے گا۔اعمال میں عقائد کے علاوہ، اچھے اخلاق اور حقوق العباد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اسی طرح اگر برے اعمال کئے تو اس کی سزا، اسی کرنے والے فرد کو ملے گی۔کسی اور پر ظلم نہیں ہوگا۔قیامت کو حقیقی انصاف و عدل ہوگا۔

مسلمانوں کو عمومی انداز میں کہا گیا ہے کہ اعلیٰ اخلاق کو اپنائیں اور انکار کرنے والے یا ایمان سے محروم افراد کا رویہ مختلف (مخالف) ہوگا۔ان سے درگذر کریں۔اسلام اخلاق عالیہ سے پھیلا ہے۔جب اسلامی ریاست قائم ہوگئی، تو ریاست کی حفاظت، مسلمانوں کے دفاع کے لئے لڑائی اور جہاد کا حکم ہوا تاکہ انسانیت کو اسلام کے فوائد سے آگاہ کیا جائے اور کفر کے ظلم سے مسلمانوں کے معاشرہ کو محفوظ رکھا جائے، لیکن یہ صرف دفاع یا اس حد تک کہ دشمن کو آگے بڑھ کر حملہ کے جرأت نہ ہو۔کسی کو زبردستی سے مذہب تبدیل کرانے کی اجازت نہیں۔توبہ اور ایمان کا اختیار فرد (انسان) کو دیا گیا ہے۔انفرادی حقوق میں انسانی حقوق کی حفاظت کا بندوبست ہے جس کے لئے سزاؤں کا نظام ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۱۶﴾

اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے انہیں جہانوں پر (زمانے میں) فضیلت دی۔

وَ اٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۬ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے انہیں دین کے بارے واضح نشانیاں دیں پھر انہوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی محض آپس میں عداوت (حسد و بغض) کی وجہ سے اختلاف کیا۔بے شک آپ کا رب روز قیامت ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

اختلاف اور تشدد کیوں؟

اہل کتاب، میں یہود کے بارے واقعات ہیں۔فرعون سے نجاعت کے بعد انہیں آزمائش دی گئی۔اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے فضیلت دی۔انہیں نبوت دی گئی۔زندگی گذارنے کے لئے ہدایت

نامہ، تورات اور زبور کی صورت ملا۔ بہت سارے انبیاء ہدایت کے لئے آئے۔ حکومت ملی، حضرت داؤدعلیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے حکمران گذرے۔ ان پر پاکیزہ انعامات ہوئے، دوران سفر من وسلویٰ اور بادل کا سایہ تھا، اس لحاظ سے وہ قوموں میں آگے نکل گئے۔ ان کا یہ مقام بڑی دیر تک اقوام میں رہا لیکن پھر وہ ،روساء وعلماء کی غلطیوں کی وجہ سے گر گئے۔ علماء کو جب علم مل گیا تو انہوں نے محض ترجیحات اور توضیحات میں اختلاف شروع کر دیا۔ اس اختلاف کی، اصولوں میں کوئی جگہ نہیں تھی، مگر علم کی وجہ سے تشریح وتوضیح اور ترجیح میں آپس میں ضد اور حسد کی وجہ سے اختلاف بڑھایا گیا۔ جس کا نتیجہ تشدد اور بے اتفاقی، داخلی جنگ وفساد کی صورت میں نکلا۔ اس میں کون غلط ہے اور کون صحیح، اس کا فیصلہ اللہ پر قیامت کے دن چھوڑ دینا چاہیے۔ اور تشدد و لڑائی سے بچنا چاہیے۔ جس طرح آیت کا حکم ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی فضائل میں تکبر، حسد و بغض کا مادہ ہے۔ دوسری طرف، عاجزی اور انکساری، محبت و ایثار بھی ہے۔ شیطان انسانوں بالخصوص، امراء اور علماء کو برے خصائل کے استعمال کی طرف اکساتا ہے اور جھوٹا اور پر فریب منظر دکھاتا ہے مثلاً تمہاری محبت اور تمہارا اخلاص، بہت بلند ہے، لہٰذا تم اپنی شدت و نظریہ پر ڈٹ جاؤ اور دوسروں کی شدید مخالفت کرو۔

انسان کو عزت و وقار کے جال میں پھنسا کر، مختلف اپنی پسند و مرضی کی توضیح یا تشریح کرواتا ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لئے ہر قسم کے دلائل نکلواتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مختلف فرقے اور اعتقادات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر محبت و اخلاص کے نام پر تشدد اور دشمنی پیدا کی جاتی ہے، جو کہ مذہب وانسانیت کے روح کے بالکل خلاف ہے۔ اگر نرم رویہ رکھا جائے اور محبت واخلاص کی ملمع سازی سے نکل کر ہر ایک کو اس کی رائے کا حق اور اس پر عمل کا حق دیا جائے اور اس کے اعمال (عقائد وعبادات) کا فیصلہ آیت مبارکہ کے مطابق اللہ پر چھوڑا جائے، تو مذہبی منافرت اور مذہبی فسادات میں بہت کمی آسکتی ہے۔ بدقسمتی سے جس طرح یہود و نصاریٰ میں فرقے بنے اور مذہبی تشدد ہوا، اسی طرح اسلام میں بھی فرقے بن گئے ہیں اور مذہبی تشدد پیدا ہو گیا ہے۔ مسجدیں مخصوص فرقوں کے لئے بن گئی ہیں، جہاں دوسرے آراء کے افراد کو قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ اعمال آیات کے احکام کے خلاف ہیں کیونکہ انسانوں نے فیصلہ اللہ پر چھوڑنے کے بجائے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، جس کی وجہ سے نفرت و تشدد بڑھا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے احکام پر صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر ہم نے (اے نبی) آپ کو دین کے (واضح) راستے پر لگا دیا۔ لہٰذا آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

بلاشبہ وہ اللہ (کے عذاب) سے آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقین کا دوست ہے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

یہ (قرآن) لوگوں کے لئے بصیرت افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند کر دیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ ان کا جینا اور مرنا برابر ہے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

مسلمانوں اور تمام انسانوں کے لئے راہنمائی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے واضح احکامات دیئے ہیں۔ جو عام اور آسان ہیں۔ لہٰذا ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ انسانی خواہشات، اکثر اوقات احکام الٰہی (معاملات اور انسانی حقوق) کے نفاذ میں، متصادم (مخالف) ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا ضروری ہے۔ ذاتی خواہشات یا دوسرے انسانوں کی خواہشات، کی کوئی اہمیت نہیں۔ قیامت کے دن جس طرح پہلے کئی دفعہ حکم آچکا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاو سزا ملے گی۔ اس لئے یہ خواہشات کی ترغیب دینے والے یا اپنی آراء ٹھونسنے والے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا ان کو رد کرنا ہی فائدہ مند ہے۔

دنیا اور آخرت میں برائی اور اچھائی:۔

عموماً انسان اپنی پسند اور مزاج کے مطابق دوستی کرتے ہیں۔ اس لئے اس دنیا کی زندگی میں مفاد پرست لوگ سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان، اخلاص اور اس کے احکام پر عمل کرنے والے، نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔ ناکامی دوران عمل ہو سکتی ہے، لیکن انجام کار وہی لوگ (متقی) کامیاب ہوں گے، جن کے ساتھ اللہ کی مدد شامل ہو گی۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کی صورت میں احکام بڑی وضاحت اور دلائل کے ساتھ موجود ہیں اور یہ احکام انسانیت کی بھلائی اور فائدہ کے لئے ہیں۔

دنیا کی زندگی میں بعض اوقات، ظالم یا وہ افراد جو اللہ کے احکام کے انکاری ہوتے ہیں۔اپنی دنیا کی کامیابی کو یہ نہ سمجھیں کہ وہ آخرت میں بھی اسی طرح فائدہ اُٹھائیں گے۔یہ ان کا اندازہ غلط ہے اور اللہ کے انصاف کے خلاف ہے۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے والوں کو دنیا ہی میں کامیابی مل جاتی ہے اور اگر آزمائش کے دور طویل ہونے کی وجہ سے کامیابی نہ مل سکے تو آخرت میں ان کو کامیابی ملے گی اور انکار کرنے والے انتہائی خسارہ میں رہیں گے۔دونوں اپنے اعمال کے مطابق انعام اور سزا پائیں گے۔اگر اس اصول پر یقین ہو تو انسان دنیا میں مشکلات اور ناکامی سے نہیں گھبراتا کیونکہ اس کا اپنے خالق ومالک کے اعلان پر پورا یقین ہوتا ہے۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝۲۲

اور اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حق (مربوط نظام) کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہر شخص اس کے بدلے میں جو اس نے کمایا ہے ٹھیک ٹھیک جزا دی جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے۔

زمین وآسمان اور انسان کا عمل:۔

ہم دیکھتے ہیں اور یہ ہزاروں سال (جب سے تاریخ موجود ہے) کہ نظام زمین وآسمان اس خوبصورت طریقے و تدبر سے چل رہا ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات اور انتہائی علم وعقل کی استعداد ہونے کے باوجود کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ ہر روز نیا، معلومات کا دروازہ کھل رہا ہے اور حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔اس نظام کا سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا جاندار، انسان ہے۔جو اس سے فائدہ اُٹھا رہا ہے، عقل اور قوت جسم میں موجود ہے اور اعمال کرتا ہے، تو اس کو اس کے اعمال کے بدلے سزا و جزا ملنی چاہیے اور یہی کائنات کا مقصد ہے۔اگر انسان اچھے عمل کرتا ہے، تو اس کو اس کی دنیاوی زندگی اچھی ہوگی اور برے عمل کرے گا، تو دنیا کی زندگی بری ہوگی اور اگر کسی وجہ سے اس کو اس زندگی میں جزا و سزا نہ مل سکی (کیونکہ انفرادی سزا دینے والا انسان ہی ہوتا ہے)، تو خالق کائنات نے فیصلہ کیا ہے کہ حقیقی عدل کے لئے وہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرکے، حقیقی عدل کے ساتھ جزا و سزا دے گا اور کسی پر کچھ بھی ذرہ برابر زیادتی یا ظلم نہیں ہوگا۔ اچھے اعمال میں انسانوں کے ساتھ معاملات اہم ہیں، لیکن جس نے پیدا کیا ہے اس کے حقوق پورا کرنا بھی ضروری ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝۲۳ات

کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الٰہ (معبود) بنالیا اور اللہ نے اسے گمراہ کردیا۔جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون

ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے (غور کرتے)۔

وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور انہوں نے کہا: بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ تو بس گمان کرتے ہیں۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب ان پر ہماری آیات جو واضح ہوتی ہیں تلاوت (پڑھی) کی جاتی ہیں۔ تو ان کی دلیل بس یہی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لاؤ (دوبارہ زندہ کرو)۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

(اے نبی) آپ کہہ دیجئے اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی مارتا ہے، پھر وہی تمہیں روز قیامت اکٹھا (جمع) کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔

خواہشات نفس کا فساد:

حق سے انکار کرنے والوں کے رویہ کا ذکر اور انسانی نفسیات کے بارے نشاندہی ہے۔ انسان اپنی خواہشات کی تکمیل میں وہی کرتا ہے جو اس کی خواہش پوری کرے اور عموماً خواہشات، اجتماعی مفادات اور انفرادی حقوق کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً دولت کی لالچ، اقتدار کی حرص، تکبر، ذات اور اولاد کے مفادات، اس کے لئے انسان جرائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام، تمام انسانوں کی مصلحت کے لئے ہیں۔ قیامت میں حساب و کتاب کا مقصد، بھی انصاف و عدل کو قائم کرنا ہے تاکہ جو اس دنیا میں سزا سے بچ گیا ہے، اس کا معاملہ قیامت میں مکمل ہو۔ انسان اپنی خواہش کی تکمیل میں اخلاقی حدود، اللہ کے قوانین کو نظر انداز کر دیتا ہے، اگر اسے فوری سزا کا خوف نہ ہو تو کھلم کھلا خلاف ورزی کرتا ہے۔ شیطان اسے بہکاتا اور اس پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس عمل کی وجہ سے وہ اللہ کے احکام کو جانتے ہوئے بھی ان سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے عمل کے مطابق گمراہی کے اسباب کھول دیتے ہیں۔ گویا وہ حق سے بہرہ اور اندھا ہو جاتا ہے اور پھر اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور گمراہی میں ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات میں خواہشات کی پیروی سے بچنے کا حکم آیا ہے۔ نبی ﷺ نے خواہشات نفس (مذموم) کی پیروی کو گمراہی کی بڑی وجہ قرار دیا ہے۔ علماء وصوفیاء نے 'ذم الھوی' (خواہشات کی مذمت) پر کئی ابواب وکتابیں تحریر کیں ہیں۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری، کا قول ہے: تیرا نفس تیری بیماری ہے، اگر اس کی مخالفت کی وہ اس کا علاج ہے (قرطبیؒ)۔

منکرین حق، کا دوسرا رویہ ہے کہ وہ اس زندگی کو ہی صرف زندگی سمجھتے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ جس طرح آج کل اکثر لوگ، بالخصوص مذہب پر یقین نہ کرنے والے کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں صرف یہی زمانہ ہے، جو انہیں پیدا کرتا ہے اور ہلاک یعنی موت دے دیتا ہے۔ اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ اسی زمانہ کو وہ ساری کائنات کا نظام سمجھتے ہیں۔ حدیث کے مطابق یہ سارا نظام، چونکہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ اور اسی کے حکم اور نظام کے تحت چلتا ہے، تو زمانہ سے گلہ و شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ لایقولن احدکم: یا خیبة الدھر، فان اللہ ھو الدھر (مؤطاامام مالک)۔

موت کے بعد زندگی پر ابوجہل نے نبی ﷺ سے ایک دفعہ مطالبہ کیا، کہ اگر موت کے بعد پھر زندہ ہونا ہے، تو قصیٰ بن کلاب کو زندہ کر کے دکھائیں تاکہ وہ تصدیق کریں۔ قریش مکہ ان تمام دلائل کائنات پر غور و فکر نہیں کرتے تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اپنی ضد پر اڑے رہتے تھے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ انسان کی پہلی زندگی پیدائش ہے اور دوسری زندگی موت کے بعد روز قیامت ہوگی۔ لیکن لوگ اسی دنیا میں غافل ہیں اور یقین نہیں کرتے، اپنی خواہشات پر عمل کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور اللہ کے لئے ہی زمین وآسمان کی بادشاہی ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن باطل پرست خسارے میں رہیں گے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ؕ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور آپ ہر امت کو گھٹنوں کے بل گری دیکھیں گے۔ ہر امت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

(کہا جائے گا) یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے۔ تم جو بھی کرتے تھے ہم

(اس کو) لکھتے رہتے تھے۔

اللہ کے احکام سے انکار کرنے والوں کا ذکر جاری ہے۔ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کے مظاہر کائنات میں موجود ہیں۔ (۱): آسمان ،یعنی کائناتی خلأ کے طبقات ۔ (۲): زمین۔ (۳): فضاء اور بادل۔ (۴): بارش اور برفباری۔ (۵): سورج۔ (۶): چاند۔ (۷): ستاروں کی کائنات اور سیارے۔ (۸): شہاب ثاقب اور شہابیئے۔ (۹): حیوانات وجنگلات کی زندگی۔ ان سب ، کے باوجود بھی اگر کوئی قیامت یادوبارہ زندگی کو نہیں مانتے، توان کی غلطی ہے۔ جدید کاسمالوجی/فزکس بھی مانتی ہے کہ ہمارا، نظام شمسی، پانچ ملین سال (کم وبیش) کے بعد، سورج کے اندھے (یعنی تابکاری ختم) ہونے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ جائے گااور سارے نظام میں تباہی پھیل جائے گی۔ قیامت کے منظر میں بتایا گیا کہ تمام انسان (ساری امتیں) زندہ ہوں گی۔ قیامت کے دن حساب وکتاب کا ہولناک منظر ہوگااور ساری امتیں بشمول مسلمان، سارے گھٹنوں کے بل بیٹھے، خوفزدہ ہوکر منتظر ہوں گے، پھر ہر امت بلکہ ہر فرد کو اس کا نامہ اعمال کے بارے اطلاع دی جائے گی اور نامہ اعمال، انسان کی ساری زندگی کے شواہد پر مبنی دستاویز ہوگی۔ جس کا انکار کرنا ممکن نہ ہوگا۔ ان اعمال کی بناء پر، عدل کے مطابق ہر انسان کو سزاو جزا ملے گی۔ سارا اعمال نامہ، حقائق پر مبنی ہو گا۔ اب ہم جدید ریکارڈ، جو کہ مصنوعی عقل کے ذریعہ اکٹھا کیا جاتا ہے، جس میں صوتی اور تصویری (آڈیو/ویڈیو) شواہد ہوتے ہیں کے ذریعہ جان سکتے ہیں کہ اللہ کا نظام بہت ہی اعلیٰ ہے اور ہر فرد کے ساتھ متعین فرشتے ہر عمل، ریکارڈ کر رہے ہیں، جو لوح محفوظ میں محفوظ ہو کر قیامت کو دکھایا جائے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرما، لے گا، یہی بڑی واضح کامیابی ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱

اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں۔ پس تم نے تکبر کیااور تم مجرم لوگ تھے۔

وَ اِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲

اور جب تم سے کہا جاتا ہے کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے، تو تم کہتے ہو ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ ہم محض گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے۔

وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور ان کے تمام کاموں کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ انہیں گھیرے گا۔

وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور (انہیں) کہا جائے گا آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات (حساب وکتاب) کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ (سزا) اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان سے اللہ کو راضی کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

عمل کی اہمیت:۔

قیامت کا منظر جاری ہے۔ ہر آدمی اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا پائے گا۔ جو لوگ ایمان اور اس کے ساتھ انہوں نے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ رحمت ان کا جنت میں داخلہ ہے۔ جس کے لئے ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی بھی شرط لگائی ہے۔ اس سے اسلام میں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل کی وجہ سے اعمال کی اہمیت بہت زیادہ واضح کی گئی ہے، لہٰذا جو لوگ صرف زبان و کلام تک محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ عمل کے ساتھ جنت میں داخلہ ہوگا اور اللہ کی رحمت کا بھی ساتھ رہے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہوگی۔

دوسری جانب، جنہوں نے اللہ کے احکام کو بھلا دیا، خواہشات پر عمل کیا، تکبر کیا اور ضد کی، انبیاء کی ہدایات اور کتاب الٰہی کو نظر انداز کیا، ان کو ان کے سابقہ اعمال کے بارے یاد دہانی کرائی جائے گی کہ جس طرح انہوں نے دنیا کی زندگی میں انکار کیا۔ قیامت پر یقین نہیں تھا، جزا و سزا بالخصوص برے اعمال کی سزا پر انکار کرتے تھے، آج وہی وہ دیکھ اور

اس سے گذر رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں بھلا دیا گیا ہے اور جس عذاب کا مذاق اڑاتے تھے وہی عذاب ان کے گلے کا طوق ہے۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور وہ اپنے برے اعمال و نافرمانی کی سزا بھگتیں گے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

پس اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور جہانوں کا رب ہے۔

وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے وہی نہایت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

قیامت کے وقوع، مجرموں کو سزا اور اہل اطاعت کو انعام کے بعد، اللہ کی طاقت کا اظہار ہے کہ وہ تمام جہانوں، زمین پر مخلوقات و موجودات، آسمانوں میں مخلوقات و موجودات کا رب و مالک ہے۔ اسی کے لئے ہی تمام زمین و آسمانوں یعنی کائنات میں بزرگی ہے اور وہ بڑی طاقت غلبہ اور حکمت والا ہے۔ اس کے احکام کی پابندی اور اطاعت میں ہی کامیابی ہے۔

الحمدللہ سورت الجاثیہ 3۔ رمضان المبارک 1444 ہجری بمطابق 24 مارچ 2023 عیسوی کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سارے قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر مصنف اور قارئین کے لئے باعث نجاعت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔ (مانچسٹر۔ یوکے)